شاعر الإسلام

ومفكر الشرق

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

شاہراہ عمل

297.64
ب 57 ش
141005

خاکسار اعظم علامہ عنایت اللہ خاں المشرقیؒ کی تصانیف
تذکرہ، حدیث القرآن، تکملہ جلد اول اور اشارات سے ماخوذ

تالیف و تدوین
بشیر احمد قریشی

ناشر : بشیر احمد قریشی
ناظم : باب الاشاعت خاکسار تحریک پاکستان
۱۸- بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور-۸
فون : ۳۵۵۰۵۲
رہائش : ۱۳۴- گلشن بلاک
علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
فون : ۴۳۰۷۱۱
قیمت : ۱۰۰ روپے

اشاعت جنوری ۱۹۹۲ء

Marfat.com

انتساب

قوم کے ان جوانوں کے نام جو مذہب کے حوالہ سے

- ○ ہر بات اندھی عقیدت کی بنا پر تسلیم کرنے کی بجائے اپنے ہر دعوے کو علم اور دلیل و برہان
- ○ اور خدا اور انسان کے درمیان پرائیویٹ تعلق رکھنے کی بجائے اجتماعی نظام حیات اور خارجی حقیقت سے عبارت' دین اسلام کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں' اس دعا کے ساتھ کہ

اے رب العالمین! اپنے نور کی روشنی میں انہیں سیدھے راستے پر گامزن کر دے۔ آمین یا رب العالمین

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

خدا تعالیٰ نے انسان کی تخلیق سے پہلے لاکھوں کروڑوں برس کے تدریجی عمل سے گزار کر ایک بے مثل "شے" کائنات بنائی۔ منصوبہ یہ تھا کہ ایک ایسی سمیع و بصیر ہستی کو وجود میں لایا جائے جسے وہ زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کرے۔ اسے کائنات کا علم عطا کر کے ملائکہ سمیت تمام مخلوق سے اعلیٰ و برتر مقام پر فائز کیا جائے اور وہ اپنے علم کی بنا پر کائنات کے ہر فائدہ سے مستفید ہو سکے۔ اس کا ہر اخلاقی عمل تعمیر انسانیت اور اس کا ہر طبعی عمل اللہ کی زمین کو مزین کرنے کا سبب بنے۔ وہ دوسری مخلوق کی طرح مجبور محض نہ ہو بلکہ ارادہ و اختیار میں بالکل آزاد ہو بلکہ اس میں اپنی روح کا ایک شمہ بھی پھونک دیا جائے تاکہ وہ مقصد تخلیق کی تکمیل اور مطلوبہ مقام تک پہنچنے کے قابل ہو سکے۔ مزید برآں اسے "ہدایت" بھی فراہم کی جائے تاکہ وہ نور و ظلمت اور خیر و شر میں تمیز کر سکے اور یہ ثابت کر دے کہ آزاد و مختار حیثیت کا حامل ہوتے ہوئے بھی وہ خدائی حدود کا پابند رہ سکتا ہے۔ اور بالآخر وہ اصلاح و تزکیہ نفس اور علم کی تمام منزلیں طے کرتے کرتے اپنے خالق سے خوش بخوش ملاقات کرنے کا اہل ہو جائے۔

چنانچہ خالق اعظم تعالیٰ نے حضرت آدم کو مختلف تخلیقی مراحل سے گزار کر نہایت احسن شکل میں پیدا کیا۔ اسے کائنات کے علم سے بہرہ ور کیا جس سے ملائکہ سمیت دوسری مخلوق بے بہرہ تھی۔ اس علم کی بنا پر ہی انسان مسجود ملائکہ ٹھہرا۔ گویا "علم" ہی وہ شے قرار پائی جو انسان کو باقی ہر مخلوق سے متمیز اور برتر ٹھہراتی تھی۔ چونکہ ملائکہ کے مرتبے پر فائز عزازیل نے حضرت انسان کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا لہٰذا وہ شیطان ملعون ٹھہرا۔ اسطرح انسانی نسل کے مقابلہ میں ایک قوت اس کی دشمن کی حیثیت سے اسے ہر لحہ "ہدایت" کی حدود پھلانگنے پر آمادہ کرنے اور کائنات کے فوائد سے غافل کرنے پر مامور ہو گئی۔ اس طاغوتی طاقت کا منشا یہ تھا کہ انسان اپنے خالق کی طرف سے مقرر کردہ دائرۂ کار میں پابند نہ رہے بلکہ اسے ہر وقت توڑتا رہے اور کسی صورت اس قدر مادی اور روحانی ارتقاء حاصل نہ کر سکے کہ وہ خالق کائنات خداوند تعالیٰ کے منشا کے مطابق اس سے ملاقات کرنے کا اہل ہو جائے بلکہ اس کے برعکس وہ اسی (شیطان) کا پیروکار رہے۔

Marfat.com

الغرض "ہدایت" بذریعہ انبیاء علیہم السلام و کتب سماوی اور آخری ہدایت یعنی قرآن حکیم بوساطت ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد انسانی نسل کو ایک طرف تو یہ سبق دینا تھا کہ اس پر عمل کرنے سے تمام جماعت میں ایمان' اتحاد' نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ کا قیام' اخلاق و کردار کی بلندی' محبت اور رواداری' اخوت و مساوات' امن اور عدل' رحمت اور راحت' پاکیزگی اور صداقت' نظم و ضبط' اعتماد اور سکون' مجاہدانہ طاقتیں اور شکست دینے والی قوتیں پیدا ہوں اور اس طرح ساری نسل انسانی قرآنی راہ عمل (دین اسلام) کی راہی بن کر امت واحدہ بن جائے تو دوسری طرف مطلوب یہ تھا کہ وہ صحیفہ فطرت کو کامل طور پر مسخر کر کے خدائی اوصاف کو حاصل کرے اور نفخت فیہ من روحی کی مصداق بنے اور بالآخر لقائے رب کی مستحق ٹھہرے۔

جب تک مذکورہ اخلاق و عمل کا بیشتر اور غالب حصہ زمین پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنے والی امت کو میسر نہ ہو' تمام روئے زمین کی قوموں کو ایک لڑی میں منسلک کر دینا محال ہے۔ نہ کوئی قوم ان شرائط کے بغیر کسی دوسری قوم میں جو اس اخلاق کی حامل نہ ہو جذب ہونا قبول کرے گی۔ مسلمانوں نے چودہ سو برس میں ان اخلاقی فضیلتوں کو صرف انفرادی اعمال سمجھا اور ان کو قومی اور عالمی کردار بنانے کی سعی کافی حد تک نہ کی۔ اس لئے وہ عالمی غلبہ تو درکنار' اقوام عالم میں کوئی قابل قدر مقام بھی حاصل نہ کر سکے۔

اسی طرح کائناتی حقائق جو قرآن عظیم نے خصوصاً مکی وحی میں مسلمانوں کو کائنات پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے دیئے تھے' وہ ان کو زیادہ سے زیادہ "بلاغت اور فصاحت بے مثل" قرار دے کر ان سے زیادہ تر غافل رہے بلکہ تفسیر و تدریس کے طومار میں ان حقائق کو چھپا کر یکتمون ایت اللہ کے مجرم بنے۔ حالانکہ اگر وہ ان حقیقتوں کا روئے زمین کے ہر حصے میں اعلان کر کے بنی نوع انسان کو ان کی دریافت کی طرف عزم و عمل کے ساتھ بلاتے تو کچھ عجب نہ تھا کہ روئے زمین کی اکثر قومیں دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتیں۔

اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ مسلمان وہ ایمان پھر پیدا کر لے جو قرن اول کے تئیس برس (۱۳ برس مکی + ۱۰ برس مدنی) کے مسلمانوں میں تھا۔ اس تئیس برس میں جس قسم کا اسلام پیش ہوا تھا اس پر "خدائی منصوبہ" کے مطابق انسانی نوع کے ایک فرد افضل و اکمل بشر اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اکملت لکم دینکم کی آخری وحی پیش کر کے اپنی مہر لگا دی گئی۔ وہی سچا ایمان اور صحیح اسلام ہے۔

Marfat.com

(۲)

○ ہر چند کہ مغربی حکما اور سائنس دانوں نے مادی اشیا اور حیوانی امتوں کی اجتماعی فنا و بقا کا راز "بقائے اصلح" (SURVIVAL OF THE FITTEST) میں پا لیا مگر جب اس مسئلے کا اطلاق انسانی امتوں پر کیا گیا تو صلاح کی تعریف میں بے حد واماندگیاں اور بے اندازہ مشکلات پیش آئیں۔ وہی تعریف "صلاح" جو حیوانی امتوں کے بارے میں بادی الرائے میں فیصلہ کن معلوم ہوتی تھی، انسانی اقوام کے رو سے از بس نامکمل، بے حد ناقص بلکہ اکثر اوقات غلط نظر آئی۔ انسانی فطرت کا ہمہ تن ادنیٰ حیوانی جبلت پر مجبول ہونا بھی بجائے خود ایک مشکوک مسئلہ تھا جس کی پیروی میں مغرب نے بے حد غلو کیا۔ اس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب کی تمام تہذیب میں بہیمیت، درندہ پن اور نوعی انحطاط کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ بایں ہمہ مغرب نے آج تک کلام وحی کی طرف رجوع نہیں کیا۔ انہوں نے افعال خدا کے مطالعے کو چھوڑ کر الفاظ خدا کے مطالعے کی طرف توجہ نہیں کی۔ ان کا ذہن اس طرف منتقل ہی نہیں ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی بلند اجماعی نظر سے وہ بات حتماً" پا لی تھی جس تک ان کی دوربینیں قطعاً" نہیں پہنچ سکتیں۔ ان کا علم ان کو نقد و نظر کے اس افق اعلیٰ تک لے گیا تھا جہاں آج بھی کسی بڑے سے بڑے وسیع النظر طبعی کا پہنچنا محال ہے۔ وہ آئے تھے اور اپنے ساتھ زور عمل لائے تھے۔ آسماں شگاف علم لائے تھے۔ زمین ان کے علم و عزم کے آگے پانی کی طرح بہ جاتی تھی۔ بر و بحر ان کے حوصلوں اور یقین کو دیکھ کر سپر ڈال دیتے تھے۔ جب تک انسانی افراد میں اس قدسی علم، اس الٰہی ایمان اور یقین، اس روحانیت، اس لازوال عزم کا جزو قلیل موجود نہ رہے، امتیں کیونکر اس دنیا میں دوام حاصل کر سکتی ہیں، صالحیت یہی ہے کہ انسانی چلن انسانی فطرت پر قائم رہے۔ سفلی تغیر قبول نہ کر سکے۔ بہتر اور قائم تر فطرت کی طرف رجوع کرے۔ ادنیٰ جبلت کی طرف راغب نہ ہو، امت فی الجملہ امن میں ہو۔ اس کے ہر عضو میں بیداری اور تڑپ برقرار ہو، سب اعضاء متناسب ہوں۔ بڑھے گھٹے نہ ہوں، اس کے کسی شعبے میں نقص پیدا نہ ہو، اگر کوئی قوم کسی ایک حصہ عمل میں بے اندازہ طور پر بڑھ گئی ہے درانحالیکہ باقی حصے بے نشو و نما پڑے ہیں تو وہ درحقیقت "صالح" نہیں، وہ ایک بیڈول پیدائش ہے، عجوبہ خلقت ہے! ایسی بدشکل امت کا اس متناسب اور خوبصورت دنیا میں کسی مدت تک رہنا محال ہے۔ درحقیقت وہی امت "صالح" ہے جو **علما ادم الاسماء** کی عملی تفسیر میں تسخیر اشیائے فطرت اور وراثت زمین کے حصول کے لئے مصروف عمل ہے اور اس طرح مادی و روحانی ارتقاء کی منزلیں طے کر رہی ہے۔

Marfat.com

(۴)

○ نظام اسلام، نظام مصطفیٰ یا مصطفوی انقلاب لانے کا دعویٰ کرنے والی تنظیمیں، جماعتیں اور تحریکیں متحد کیوں نہیں ہو جاتیں؟ اس کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ ہے اصلاح نفس کی کسر۔ کارکن ہوں یا رہنما، کسر ان میں اصلاح نفس کی ہی پائی جائے گی۔ انکے نفس نے ان کو "بڑا پن" کے زعم میں پھنسا رکھا ہے۔ قسط و اعتدال اور رواداری کا انہیں کچھ پاس نہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ وہ اپنے دلوں کے اندر خدا کو کوتوال بنا کر بٹھا لیں، اس مالک زمین و آسماں کا وہ ڈر پیدا کریں کہ سرکش گردنیں نیچی ہو جائیں۔ نظروں کو عین سامنے کر کے حوصلے سے دل نرم کریں۔ دل نرم کر کے بے دھڑک سر جوڑ دیں اور آنسوؤں کی ارغوانی قطار سینے سے آنکھ کے پردے تک باندھ کر اس شیطانی گندگی کو دھو ڈالیں جو دلوں سے چڑھ چڑھ کر نگاہوں کو میلا کر چکی ہے۔ اس سے دلوں پر برسوں سے جمی ہوئی میل ڈھل جائے گی۔ دلوں کی زمین کو آنسوؤں سے نرم کرنا طبیعت میں وہ نکھار اور بدن میں وہ تیاری اور بھڑک پیدا کر دیتا ہے کہ سات سمندروں کے پانی اور سات اقلیم کے دریا نہیں کر سکتے۔

خدا کہتا ہے کہ میں حلیم، رحیم اور رحمٰن ہوں۔ تم سے بھی مسامحت اور رواداری کا متمنی ہوں۔ **کل یوم هو فی شان** (۲۹/۵۵) (وہ ہر روز کام میں مصروف رہتا ہے) کا مصداق ہوں۔ تم سے بھی انتہائی سعی و عمل چاہتا ہوں۔ خلاق عظیم ہوں، تم سے بھی بڑی بڑی ایجادات اور اختراعات کا متوقع ہوں۔ پس اس خلافت خدا کے اہل بن کر دکھاؤ۔ لا شریک اور قوی بن کر دکھاؤ۔ عالم اور عامل بن کر دکھاؤ۔

قرآن خدائی الہام کا ترمیم شدہ، مکمل اور آخری ایڈیشن ہے۔ جوں جوں علم اسماء اور علم حقائق الاشیاء کے نتائج سامنے آتے جائیں گے، قرآن کے نئے مفہوم اور معرفت خدا کے نئے نئے گوشے ابھرتے آئیں گے اور غلبہ اسلام کی منزل تک رسائی آسان ہوتی چلی جائے گی۔ قرآن کے طالب علموں، دانشوروں اور علمائے دین سے استدعا ہے کہ دلوں کو نرم اور صاف کر کے اور کسی تعصب اور ذہنی تحفظات کے بغیر قرآن کا پھر مطالعہ کریں۔ اگر انہوں نے مل جل کر کلام خدا کو ازسرنو انسان کا مشترک صراط مستقیم، اس کا واحد دستور العمل، رب العالمین کا واحد اور اٹل پیغام، اس کا واحد اور ناقابل بدل قانون ثابت کر دیا اور سب فروعات اور ظواہر کو بالائے طاق رکھ کر خدائے عظیم کے نفس الامر کی طرف توجہ کی اور اصل قانون کو اپنا شیوۂ عمل بنا لیا تو جنہم کے سب دروازے بند ہو جائیں گے۔

اغلب ہے کہ انہیں اس کتاب میں نئے اور اضافی مفہوم کی جھلک جا بجا نظر آئے جو حضرت علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی کا پیش کردہ ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر اور صحیح تر مفہوم کوئی پیش نہیں کر سکا۔ قدرے تفصیل "تعارف" میں ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

فہرست مضامین

تعارف ix

باب اول : مسلمانوں کی موجودہ حالت۔ ایک تجزیہ ۱ تا ۳۳
(۱) مسلمانوں کا اخلاقی اقدار اور حقائق فطرت سے گریز
(۲) وحی اور صحیفہ فطرت میں حقیقی تعلق سے لاعلمی اور اس کے نتائج
(۳) عمل صالح کا غلط مفہوم
(۴) صحیفہ فطرت سے غفلت برتنے اور عمل صالح کے غلط مفہوم کا تاریخی پس منظر
(۵) دین میں تفرقہ
(۶) ساری انسانیت کو امت واحدہ تصور کرنا ہو گا
(۷) عدل اور معاشی انصاف کا فقدان (اور اس کا حل)
(۸) دین اور سیاست میں الم انگیز تفریق (اور اس کا حل)
(۹) مسلمان قوم دین فطرت کی حامل ہونے کی بنا پر پھر زندہ ہو گی

باب دوئم : مقام فطرت قرآن کی نگاہ میں ۳۴ تا ۵۷

باب سوئم : قرآن کے حوالے سے چند علمی حقائق جو مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہیں ۵۸ تا ۸۸
(۱) انسان کی پیدائش کی آخری غرض ملاقات خدا ہے۔ سورہ جاثیہ کا مربوط ترجمہ
(۲) سورہ ھود کے عظیم الشان اور عالم آرا حقائق
(۳) سورہ ھود۔ مسئلہ ارتقائے انواع اور علم طبقات الارض کی طرف اشارے
(۴) سورہ ھود کی آیت "نفس واحدہ" کو سمجھنے کے لئے سورہ انعام کی طرف رجوع
(۵) آیہ وما من دابۃ کے حیرت انگیز طور پر دقیق اور قابل غور معانی
(۶) آیہ وما من دابۃ کے صحیح معانی کی مزید تائید
(۷) سورہ نجم میں نبیؐ کے بلند ترین علمی مقام کا جائزہ اور کائناتی انکشافات
(۸) "سورہ الطارق" میں پہلی ہیجان انگیز کائناتی حقیقت کا اعلان
(۹) سورہ نوح میں اعلان کہ خدا کے قانون پر ملازموں والا عمل اور اطاعت امیر بادشاہت زمین دیتا ہے
(۱۰) سورہ الدھر میں حیات افروز اعلان کہ انسان خدا کی طرح "سمیع" اور "بصیر" ہو سکتا ہے
(۱۱) سورہ الدخان میں پہلی بار اعلان کہ صحیفہ فطرت واحد حقیقت ہے
(۱۲) سورہ الرعد میں انسان کی پروردگار عالمین سے برابر کی ملاقات کا ہیجان انگیز اعلان
(۱۳) سورہ فاطر میں ملایکہ کی حقیقت کا اعلان اور دیگر علمی حقائق کا اعادہ

Marfat.com

(۱۴) سورہ کہف میں زمین کو آراستہ کرنے کے عمل کو حسن عمل قرار دینے کا اعلان
(۱۵) سورہ الفاتحہ کے الفاظ کا صحیح ترجمہ
(۱٦) رسول عربی صلعم کی طرف سے پہلا اعلان کہ میں تمام بنی نوع انسان کی طرف بھیجا گیا ہوں

باب چہارم : ایمان اور عمل صالح کی تشریح ۸۹ تا ۱۱۹

باب پنجم چند اہم قرآنی اصطلاحات اور ان کا اصلی مفہوم ۱۲۰ تا ۱٦۵

(۱) عبادت
(۲) توحید
(۳) شرک
(۴) ایمان
(۵) اتقا
(٦) اتقا، المعروف، المنکر
(۷) اطیعواللہ واطیعو الرسول
(۸) السیئہ / الحسنہ
(۹) امتہ واحدۃ
(۱۰) جنہ / الجنتہ
(۱۱) استغفار
(۱۲) ظلم / فسق
(۱۳) شکر
(۱۴) انا للہ وانا الیہ راجعون
(۱۵) صلوٰت
(۱٦) الخیرات
(۱۷) الکتاب المبین / ام الکتاب

باب ششم : خلاصہ کلام (بلکہ قرآن حکیم کی تعلیم کا خلاصہ) ۱٦٦ تا ۱۹۸

(۱) دین الحق
(۲) ھدیٰ کا داخلی لائحہ عمل
(۳) ھدیٰ کا عالمی لائحہ عمل
(۴) عالمی اخوت (نسلی تفریق کا حل)
(۵) (الف) مالی تفریق کا حل (زکوٰۃ کا عمل)
(ب) مالی تفریق کا حل (فردی مساوات کے لئے الصلوۃ کا عمل)

(۶) عقائدی تفریق کا حل
(۷) عالمی مرکز کا قیام
(۸) موجودہ عالمی مشکلات کا حل (علم کا حکم)
(۹) علم کے ذریعے مسئلہ وحدت مذہب کا حل
(۱۰) علم کا میدان عمل تمام کائنات ہے
(۱۱) علم کے ذریعے سے انسانی نجات
(۱۲) اقوام کی نبوت (باخبری) اور صحیفہ فطرت کے ذریعے سے خدا کی تلاش
(۱۳) علم کی حکومت سے اقوام عالم میں نبوت (باخبری) کا ہیجان
(۱۴) علم کی حکومت سے انسانی ارتقا
(۱۵) طریق پیدائش انسان میں انقلاب و ارتقا
(۱۶) انسان کے اعضائی ارتقا کے متعلق تین واقعات قرآنی
(۱۷) طریق پیدائش انسان میں اعضائی انقلاب کا قرآنی واقعہ
(۱۸) مسئلہ ملاقات رب اور انجام کائنات
(۱۹) انجام کائنات کی طرف اقدام اور انسان کا آئندہ عمل

باب ہفتم : مسلمانوں کو ایک طاقتور قوم پھر بنا دینے کے امکانات کا جائزہ اور لائحہ عمل ۱۹۹ تا ۲۳۰
(۱) مسلمانوں میں سچائی قبول کرنے کی صلاحیت ہے
(۲) مسلمان مردہ قوم نہیں
(۳) رہنما پیدا کرنے کی ذمہ داری قوم پر ہے
(۴) صحیح رہنما پیدا کرنے کا واحد طریقہ اصلاح نفس ہے
(۵) مسلمانوں میں زوال کا عام احساس اور اصلاح کی عام تڑپ موجود ہے
(۶) موجودہ رہنما اور ان کو کیا کرنا چاہئے
(۷) دردمند مسلمانوں میں اصلاح نفس کیونکر شروع ہو
(۸) مسلمانوں کو اصلاح نفس کی طرف کس طرح راغب کیا جائے
(۹) اصل اسلام کیا ہے اور مسلمانوں کو کس تعلیم سے زوال ہوا
(۱۰) قوت کا راز توحید کو صحیح سمجھنا ہے اور مسلمان کیونکر پھر قوی ہو سکتے ہیں۔
(۱۱) خاکساروں کی تحریک اصلاح نفس کا دستور العمل اور بیلچہ
(۱۲) بیلچہ اصلاح نفس کی تحریک کا نہایت ضروری جز اور مسلمانوں کا مذہبی نشان ہے
(۱۳) خاکساروں اور سالاروں کے معمول کا طریق کار

باب ہشتم : علامہ مشرقیؒ کا دنیا کے سائنس دانوں کے نام خط ۲۳۱ تا ۲۴۰

تعارف

مسلمانان عالم کی موجودہ حالت اور مغربی ممالک میں تیزی سے آنے والی سیاسی تبدیلیوں اور ان مفادات کے تقاضوں کے پیش نظر جو صاف ظاہر ہیں' بے حد ضروری ہو گیا ہے کہ مسلمان سر جوڑ کر بیٹھیں اور دیانت داری کے ساتھ غور و فکر کریں کہ امت مسلمہ زوال کے گرداب میں کیوں پھنسی ہوئی ہے اور اسے اس سے نکال کر پھر دینی و دنیاوی ترقی کی راہ پر کیسے گامزن کیا جا سکتا ہے۔

علم فطرت اور سائنس کی اس بے پناہ ترقی کے زمانے میں کہ مسلمان یورپ اور امریکہ کی زندہ اقوام سے ہزاروں بلکہ لاکھوں میل پیچھے رہ گیا ہے اور علم کے زور سے اس کے ترقی کے امکان باقی نہیں رہے' عالمی غلبے کا نصب العین موثر طور پر اس کی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ مسلمان پھر خدا' رسول اور قرآن پر مکمل یقین و ایمان پیدا ہو جائے اور ایک ایک مسلمان پھر ایک بار ہزاروں منکرین خدا پر اسی طرح بھاری ہو جائے جیسا کہ قرون اولیٰ یا قرن اول میں تھا۔ اس مقام کو حاصل کئے بغیر عالمی غلبہ جیسا کہ خدا چاہتا ہے کہ مسلمان حاصل کرے' محال ہے۔ اس تصنیف کا مقصد قرآن کی روشنی میں اسی یقین کو پھر پیدا کرنا ہے۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ مسلمان جب تک دین خالص پر چلتے رہے وہ متحد اور طاقتور رہے۔ ان کے قدم غلبہ دین کی منزل پا لینے کے لئے مسلسل بڑھتے رہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں مقبوضہ علاقوں کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل تھا۔ ہجرت کے ایک سو سال کے اندر اندر مسلمان پرانی دنیا کے تین براعظموں میں پھیل گئے۔ ایک طرف ایشیا میں ان کی حدود دریائے اٹک تک تھیں اور دوسری طرف جنوب مغربی یورپ ان کے تسلط میں آ چکا تھا۔ افریقہ کا تمام شمالی علاقہ بھی ان کے دست قدرت میں تھا۔ گویا ماسوائے رومتہ الکبریٰ کے جو اٹلی میں تھا مسلمانوں کا تسلط قریب قریب سب مہذب دنیا پر ایک صدی کے اندر اندر ہو گیا۔ دین میں تفرقہ اور نظام حکومت میں تبدیلیاں آ جانے کے باوجود تقریباً نو سو برس مسلمان دنیا میں ایک خاص وجاہت اور سطوت و قوت کے مالک رہے اور پھر ان کا زوال شروع ہو گیا۔ زوال کے اصلی اسباب ایمان و عمل صالح کا انحطاط اور علم فطرت سے لاتعلق ہو جانا تھے۔

پانچ نبوی کے وسط تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور مکی سورتوں کی تعلیم نے ان کے ساتھیوں میں کردار و اخلاق' خدا کے حکموں کی پے در پے تعمیل اور جہاد و قتال کا جذبہ پیدا کیا اور اطاعت امیر اور بادشاہت زمین کا تخیل دینے کے علاوہ یہ تخیل بھی دیا کہ فطرت واحد حقیقت ہے۔ انہیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ صحیفہ فطرت کو بار بار حق کہنے سے مراد یہی ہے کہ صحیفہ فطرت اس دنیا میں واحد حقیقت ہے کیونکہ قرآن حکیم میں "حق" کا لفظ ماسوائے خدا' قرآن اور موت کے اور کسی شے کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ اس تخیل کو اس امر سے بھی تقویت ملتی ہے کہ سب سے پہلی پانچ آیتوں پر مشتمل وحی (۹۶/۱-۵) میں انسان کی تخلیق اور اس کے لئے علم و تحقیق کا درس دیا گیا تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ اگلی پہلی وحی کے بعد تین سال کی مکمل خاموشی کا عرصہ غالباً غور و فکر کے لئے ہی مختص تھا۔

اسی وجہ سے انہوں نے کائنات میں غور و فکر کر کے خدا کی معرفت کو حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ عیسائی پادریوں اور یورپی ریاستوں کی فطرت کے راز افشا کرنے کی کوششوں کا موازنہ اگر پہلے وقتوں کے مسلم فرمانرواؤں اور علما سے کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے تحقیقات کی بڑی حوصلہ افزائی کی۔ ان کے طویل عہد حکومت میں کسی سائنس دان کو ایذا پہنچانے یا سائنسی روح کا گلا گھونٹنے کی مثال

Marfat.com

نہیں ملتی۔ جیسا کہ یورپ میں گیلیلیو اور دوسرے سائنس دانوں کے ساتھ پادریوں اور حکومت کے امراء نے کیا۔ سب سے پہلی بین الاقوامی سائنس کانفرنس عباسی خلیفہ المنصور کی ہدایت پر ۷۶۷ عیسوی میں بغداد میں منعقد ہوئی جس میں ایک بین الاقوامی سائنس تحقیقاتی اکیڈمی قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور اسے بیت الحکمت کا نام دیا گیا۔ اس طرح سے مسلمانوں نے سائنسی علوم کے ارتقاء کے لئے ہر اول دستے کا کام کیا اور حقیقت میں مسلمان ہی موجودہ سائنسی علوم کی بنیاد رکھنے والے تھے۔ مغرب کے سائنس دان اور مورخوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ "ہماری سائنس عربوں کی مرہون منت ہے جو حیران کن انکشافات یا انقلابی نظریات کی بدولت نہیں بلکہ عرب تہذیب و تمدن کی وجہ سے وجود میں آئی۔۔۔"

مسلمانوں کے ہر خطے اور قوم نے تحقیق اور درست حسابی اندازوں کی ذمہ داری لے رکھی تھی۔ جب مسلمان جرنیل دوسرے ملکوں میں جاتے تو مسلمان سائنس دان اور عالم ان کے ہمراہ جاتے اور اپنی علمی ذمہ داریوں کو آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ اس کی ایک مثال نامور حساب دان البیرونی کی ہے جو محمود غزنوی کے ساتھ جنوبی ایشیا آیا۔ جب عظیم جرنیل سلطان ایک مہم میں اپنی جنگی قابلیت کا اظہار کر رہا تھا تو البیرونی ایک قریبی ٹیلے پر جس کا نام ٹیلہ بالاناتھ ہے اور جو ضلع جہلم، نندناپور کے قریب واقع ہے، زمین کے گھیرے کی پیمائش میں مصروف تھا جو اس کے حساب سے ۲۴۸۵۶ میل تھی اور جو کئی صدیوں بعد اور بڑے حساس آلوں کے ذریعے ہونے والی پیمائش سے صرف ۷۸ میل کم تھی۔ ڈاکٹر اقبال" مسلمانوں کی سائنسی ارتقا کے سلسلے میں خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "دھوری (Dhurie) ہمیں بتاتا ہے کہ راجرز بیکن کے سائنسی نظریات اس کے ایک ہم نام سائنس دان فرانسس بیکن کی نسبت زیادہ صحیح اور حقیقت پر مبنی ہیں اور راجرز بیکن نے سائنسی علوم کی تعلیم و تربیت سپین کی مسلم یونیورسٹیوں میں حاصل کی۔ اس کی ایک اہم تصنیف کا پانچواں باب جو اشیا کی ظاہری نسبت کے بارے میں ہے ابن الہیثم کے علم بصریہ مضمون کی ہو بہو نقل ہے۔

مسلمانوں کی آنے والی نسلیں اللہ کے پیغام کو بھول گئیں اور علوم کا راستہ یورپ کے حوالے کر دیا جو بڑی قوت کے ساتھ اس پر گامزن ہو گیا۔ اس طرح سے عمل کا راستہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ عیسائی یورپ نے خود کو قانون قدرت کے مطابق ڈھال لیا اور مسلمان اس راستے کے بالکل الٹ راستے پر ہو لئے جو ان کے آباؤ اجداد نے اختیار کیا تھا اور اپنے ایمان کو مذہبی رسومات اور توہمات میں گڈمڈ کر دیا اور یہی چیز تھی جسے اسلام نے جب اس کا ظہور ہوا تھا ختم کر دیا تھا۔

یورپ میں سائنسی علوم کو دو بیکنوں یعنی راجر بیکن اور فرانسس بیکن نے ترقی دی تھی۔ انہوں نے سائنسی طریقہ ہر شعبہ میں اپنایا۔ یورپ نے صنعت و حرفت اور بنیادی سائنسی علوم کو اپنی دسترس میں کر لیا۔ خاص طور پر زندگی کے ارتقا کے نظریہ کو جس پر ڈارون کا نظریہ ارتقا مبنی ہے۔ یہ نظریہ ایک بڑا حیران کن اعلان ہے جس نے فطرت کے کاموں میں جھانکنے کی اندرونی بصارت بخشی اور زندگی کی بے پناہ قوتوں اور وسعتوں پر روشنی ڈالی۔ ہکسلے نے ڈارون کے نظریے کی تشریح چند جملوں میں اس طرح کی ہے۔

"مشاہدہ سے تمام چیزوں میں فطرت کی تین قسم کی قوتوں کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) وراثت (HEREDITY)

(۲) تنوع یعنی مختلف اقسام کا ہونا (VARIETY)

(۳) کثرت (MULTIPLICATION)

نسل یا اولاد اپنے والدین کے ساتھ مشابہت کا میلان رکھتی ہے۔ تاہم ان کے اعضاء اور ان کی کارکردگی دونوں ان کے آباؤ اجداد

Marfat.com

کی خصوصیتوں کے اثرات کو قبول کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کی تعداد اپنے والدین سے زیادہ ہوتی ہے۔ زندہ رہنے کے ذرائع میں سخت مقابلہ یا جدوجہد ان کی غیر محدود کثرت کی وجہ سے ہے۔ اس مقابلے میں کسی نوع کا باقی رہنا اور کسی کا مٹ جانا ان کی استعداد اور قوت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ باقی رہنے والی نوع اپنی مقابل نوع سے بلحاظ خارجی و مقامی حال و احوال زیادہ صلاحیتوں کی مالک ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں جو نوع زندہ رہتی ہے وہ اپنی صلاحیتوں کی بدولت زندہ رہتی ہے اور زندہ رہنے کے ضروری اوصاف اختیار کرلیتی ہے۔"

ڈارون نے ۱۸۲۷ء سے ۱۸۳۱ء تک کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اسی کالج میں ۱۹۰۷ء میں ہندوستان کے ایک دلیر طالب علم عنایت اللہ خاں نے داخلہ لیا جو بعد میں علامہ مشرقی کے نام سے مشہور ہوا اور جس نے یونیورسٹی کی تاریخ میں نئے ریکارڈ قائم کئے۔

علامہ عنایت اللہ خاں المشرقیؒ ہندوستان کے ضلع امرتسر میں ۲۵ اگست ۱۸۸۸ء کو ایک معزز اور علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عطا محمد خاں کے سرسید احمد خاں کے علاوہ اپنے وقت کے دوسرے مسلمان رہنماؤں سے خاصے تعلقات تھے۔ جن میں پان اسلامک تحریک کے رہنما سید جمال الدین افغانی، عبداللہ العمادی، مولانا شبلی نعمانی اور ابوالکلام آزاد شامل ہیں۔

عنایت اللہ خاں تعلیم کے آغاز سے ہی نمایاں حیثیت کے حامل رہے۔ اول پوزیشن اور وظائف حاصل کرتے رہے۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے ریاضی صرف ۱۸ سال کی عمر میں اول پوزیشن لے کر حاصل کیا اور سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ اگلے سال کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج میں داخلہ لیا جہاں انہوں نے حیران کن تعلیمی کارکردگی دکھائی۔ اپنے پانچ سالہ قیام میں انہوں نے چار ٹرائی پوزز سب فرسٹ کلاس میں کئے اور نئے ریکارڈ قائم کئے۔ ان کے بڑے مضامین ریاضی، فزکس، کیمیکل انجینئرنگ، عربی اور فارسی تھے۔ کیمبرج میں انہیں رینگلر کا خطاب دیا گیا اور بیچلر سکالر اور فاؤنڈیشن سکالر کے اعزازات دیئے گئے۔ برطانیہ کے اخباروں نے دل کھول کر تعریف کی اور ان کے بارے میں لکھا۔ "دنیا کا پہلا طالب علم جس نے علم کے چار مختلف شعبوں میں بلند ترین مقام حاصل کیا۔"

اس میں شبہ نہیں کہ علامہ عنایت اللہ خاں اپنے والد صاحب اور خاص طور سے سید جمال الدین افغانی سے بہت متاثر تھے لیکن انسان کی نوعی حیثیت اور اس کی پیدائش کے مقصد کے بارے میں ان کا نقطہ نظر کیمبرج کے دوران بہت زیادہ وسیع ہوا جہاں انہوں نے ڈارون کے نظریے کو گہرائی سے جانچا اور اس کے علاوہ گزشتہ صدیوں میں مغربی دنیا کے دانشوروں کے کاموں کا مطالعہ کیا۔ ان کے خیال کے مطابق فرانسس بیکن کی کتاب نووم آرگینزم مغربی دنیا کے اندر فطرت کی قوتوں کے انکشاف کے بارے میں ان کی روش میں انقلاب لائی جس کے نتیجے میں سائنس کے علوم میں ان کو برتری حاصل ہوئی اور ساتھ ہی صنعتی اور سیاسی قوت میں انہیں اجارہ داری ملی۔

انہوں نے مغرب کے طریقہ کار سے متاثر ہونے کے ساتھ جس نے ان کو مادی دنیا کے حقائق اور قوتوں سے روشناس کیا اس بات کو پالیا کہ نئی سائنس کی قوت کسی حد تک پریشان کن بھی ہے کیونکہ اس نے زندگی کے اخلاقی پہلو کو پیچھے دھکیل دیا ہے۔ حیوانی قوتوں اور حواس خمسہ کی لذتوں کو زندگی کا مقصد بنا لیا گیا ہے۔ لہٰذا علامہؒ نے مذہب کی حقیقت کا بھی بڑا دقیق مطالعہ کیا۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ مذہب کے فطرت کے ساتھ ظاہری اختلاف کی وجوہات سائنس معلوم نہیں کر سکی اور یہ کہ مختلف مذاہب، اسلام، عیسائیت

Marfat.com

صیہونیت باہمی لڑائیوں میں مصروف ہیں۔ اتنی کم عمر میں ان کی کوشش یہ دریافت کرنا تھا کہ آیا مختلف الہامی مذاہب میں کوئی مشترکہ بات تھی اور یہ کہ الہامی مذاہب اور قدرت کے مظاہر کے درمیان کوئی نزاع تھا اور ان دونوں کے درمیان انسان ایک یکتا نوع کے طور پر کھڑا تھا۔ انہوں نے نہ صرف قرآن حکیم بلکہ انجیل مقدس اور دوسری الہامی کتابوں کا بھی اپنے سائنسی علم کی روشنی میں بغور مطالعہ کیا جو ان کو مل سکیں۔ جب دس برس بعد ان کی مایہ ناز اور یادگار تصنیف ''تذکرہ'' شائع ہوئی تو وہ جدید دنیا میں الہامی پیغام کے سچے معنی دریافت کرنے والے پہلے آدمی تھے۔ جس میں یہ بتایا گیا کہ قوموں کی اور انسانوں کی بطور ایک نوع کیا منزل مقصود ہونی چاہئے۔ انہوں نے فطرت کی قوتوں کے مطالعہ پر زور دیا تاکہ وہ زیادہ محفوظ اور باخبر ہو جائیں۔ کائنات کا تصور' زندگی گزارنے کے طریقے' زندگی کا مقصد اور اس بارے میں انسان کا کردار' انہوں نے یہ سب باتیں قرآن میں انتہائی غور و فکر کے بعد اخذ کیں' بطور ملا کے نہیں بلکہ ایک سائنس دان اور فطرت کے عالم کی حیثیت سے۔ تذکرہ کی اشاعت کے چار سال بعد انہوں نے اس کوشش کو علم حساب کی بدولت قرار دیا جس میں انہوں نے کیمبرج میں امتیاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی تھی۔ انہوں نے اسلامیہ کالج پشاور کی میتھمیٹکل سوسائٹی میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہا۔ ''اگر میں نے تذکرہ کی یکتا تصنیف دنیا کو دی ہے تو یہ علم حساب کی بدولت ہے۔ اگر میں دیگر اعلیٰ چیزوں کی طرف توجہ دیتا تو یہ علم حساب کے ذریعے ہوتا۔ اگر میں نے علم حساب کا مطالعہ چھوڑ دیا ہے اور قرآن میں ایک بہت بڑی سچائی دیکھی ہے تو یہ علم حساب کی مدد سے دیکھی ہے۔ درحقیقت قرآن کی پہلی سچائی کا انکشاف مجھ پر اس وقت ہوا جب میں کیمبرج میں حساب کے ٹرائی پوز کے امتحان کی تیاری میں دن رات مصروف تھا۔''

دور جدید کے وہ فی الواقعہ پہلے شخص تھے جنہوں نے فطرت اور وحی کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ان کے باہمی تعلق کو اجاگر کیا۔ فی الواقعہ وہ پہلے سائنس دان تھے جنہوں نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ وحی کا علمی انداز میں مطالعہ کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ خدا کا کام (کائنات) اس کے کلام (وحی) کے ایک بڑے حصے کی علمی وضاحت (ڈیمونسٹریشن) ہی ہے۔ اس صورت کے پیش نظر انہیں سخت حیرت تھی کہ ایک سائنس دان اور مذہبی رہنما کی سوچ اور ان کے میدان عمل میں اتنا بعد بلکہ تضاد کیوں ہے۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ اس تضاد کی وجہ بے علمی اور صدیوں سے بگڑا ہوا دینی ماحول ہے جسے سنوارنے کی اب مذہبی رہنماؤں میں سکت نہیں رہی۔

علامہ مشرقیؒ نے ۱۹۱۳ء میں وطن واپس آنے پر چند سال محکمہ تعلیم میں بطور وائس پرنسپل اور پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور' انڈر سیکرٹری حکومت ہند' ڈائریکٹر تعلیمات' پرنسپل ٹریننگ کالج' ملازمت کی۔ انہیں ۱۹۱۹ء میں انڈین ایجوکیشنل سروس تو دے دی گئی مگر بوجوہ کم درجہ کی پوسٹ یعنی ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول پشاور پر متعین کر دیا گیا۔ اس طرح انہیں پشاور میں ہم مزاج انسانوں کی زرخیز زمین اور اپنی معرکتہ الارا کتاب ''تذکرہ'' کی تصنیف کے لئے وقت' دونوں میسر آ گئے۔ اس وقت تک علامہ مشرقیؒ قرآنی پیغام کے طریقہ کار اور پروگرام کے بارے میں قطعی نتیجہ تک پہنچ چکے تھے جو نوع انسان کی ہدایت و اصلاح کے لئے مختلف وقتوں میں کئی پیغمبروں کے ذریعے آیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی تاریخ کا بھی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا کہ وہ کیسے چند دہائیوں میں ایک فعال' تخلیقی صلاحیتوں کی حامل اور علم والی قوم بن گئے اور اس وقت کی مظلوم دنیا پر چھا گئے۔ لیکن بیسوی صدی میں اس پیغام سے کافروں کی مانند قرآن کی دانش و حکمت سے یکسر غافل ہو گئے۔ مسلمانوں کے حالات و کوائف سے ان کی گہرائی کے ساتھ آگہی' ان کی جہالت کے بارے میں اذیت ناک حد تک احساسات' ان کی صراط مستقیم سے دوری اور نااہلی' پہلی الہامی کتابوں میں لفظی اور قرآن میں معنوی تحریف' یہ سب عوامل انہیں بے چین کئے رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنا فرض خیال کیا تھا کہ وہ قرآن کی سچائیوں کا انکشاف کریں۔ ان کی مستور حقیقتوں کو سامنے لائیں اور

Marfat.com

اپنے پورے وسائل سے انہیں عام کریں۔

جب علامہ مشرقیؒ نے ۱۹۲۴ء میں "تذکرہ" کی صورت میں قوموں کے عروج و زوال کے بارے میں فطرت کا قانون اللہ کے الفاظ اور کاموں کی روشنی میں نوع انسان کے ارتقا کا لائحہ عمل خصوصی طور پر قرآن حکیم اور ڈارون کے نظریہ ارتقا کو مدنظر رکھ کر دنیا کے سامنے پیش کیا تو یہ کام آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا تھا۔ یہ بلند تخیل اور الفاظ کی ایک تند و تیز لہر تھی جس سے وہ مسلمانوں کو گہری نیند کی بے ہوشی سے بیدار کرنا چاہتے تھے اور ساتھ ہی مغرب کے دانشوروں کو پورے طور سے آگاہ کیا کہ انہوں نے یکطرفہ راستہ اختیار کر کے مذہب اور اس کے ذریعے ہونے والے انسانی شعور میں ترقی اور بلند مدارج کے حصول کو بالکل نظرانداز کر رکھا ہے۔ انہیں اپنی معلوم کردہ ان سچائیوں کے بارے میں اتنا زیادہ یقین تھا کہ تذکرہ کو اللہ تعالیٰ کی نذر کیا اور لکھا۔

"اے اللہ تعالیٰ! میں آپ کے سامنے ایک ایسی حیرت انگیز چیز لایا ہوں جو تو نے ہی مجھے عطا کی ہے--- اے سب کے نگہبان خدا! میری طرف سے اس ناچیز پیشکش کو قبول فرما--- میری قوت خیال اور عقل کو مزید ترقی عطا فرما--- اے رب العالمین! مسلمانوں کے معاملات کو سنوار دے اور اپنے نور کی روشنی میں انہیں سیدھے راستے پر گامزن کر دے جیسا کہ تو نے ماضی میں انہیں عملی طور پر صحیح رخ پر چلایا--- اے خدا! وہ ایسی قوم ہیں جو علم نہیں رکھتے۔"

پیشکش بحضور داور عز و جل

(تذکرہ حصہ اول)

علامہ صاحب نے تذکرہ کے اولین حصہ میں تمام مذاہب کے پیروکاروں کے سامنے یہ سوال رکھا ہے کہ :۔

- ان کے پاس صرف اپنے مذاہب کو سچا اور دوسرے مذہبوں کو جھوٹا سمجھنے کا کیا معیار ہے۔
- اس بارے میں کوئی فیصلہ ممکن ہے یا نہیں اور ایسا کیوں ہے۔
- کیا تمام مذہبوں کی سچائیاں ایک علمی سطح پر لائی جا سکتی ہیں تاکہ ان میں صلح اور موافقت ہو جس طرح کہ سائنس دانوں نے طبعی حقائق کا انکشاف کیا ہے۔
- یہ مذہبی آویزش کیوں چلی آ رہی ہے اور سچائی میں آویزش کیا معنی رکھتی ہے۔

علامہ صاحب نے اس تمام صورت حال کو گمراہ کن قرار دیا اور اس بات پر زور دیا ہے کہ ان اختلافات کا نوع انسان کی بقا کے لئے سائنسی طریقوں سے جائزہ لے کر ان کا حل نکالا جائے کیونکہ دنیا بھر میں زیادہ تر خونریزیاں، خوفناک جنگیں، ہولناک تصادم اور قتل عام اس وجہ سے ہوئے کہ ایک قوم کا مذہب دوسری قوم کے مذہب اور ایمان سے جدا تھا۔ ان کا دیوتا، پیغمبر اور رہنما کوئی اور تھا۔ علامہ صاحب نے کہا ہے کہ "یہ سب کچھ اصلی پیغام کے بارے میں سراسر غلط تخیل، بگاڑ اور پیروکاروں کی ضد اور گمراہ کن خیال آرائی کی وجہ سے ہوا۔"

تذکرہ ایک نئی آواز تھی اور اولین کوشش تھی کہ مذہب کا مطالعہ اور تحقیق کرنے کے بعد اسے سائنس یعنی علم قرار دیا جائے۔ تذکرہ کی پرشکوہ روانی اور الفاظ کی قوت اس طاقتور ذہن کی ترجمانی کرتے ہیں جنہیں اس نے ترتیب دی۔ بہت سے عالمی شہرت کے عالموں نے اس تصنیف کو نہایت ہی کامیاب اور قومی تعمیر کا بین الاقوامی قانون قرار دیا۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے علامہ مشرقیؒ کا نام رسمی طور پر لٹریچر کے نوبل پرائز کے لئے پیش کیا مگر متعلقہ حلقوں نے تذکرہ کو انگلش یا یورپ کی کسی زبان میں پیش کرنے کی

شرط لگا دی جو علامہ صاحب کو منظور نہ تھی۔

علامہ مشرقیؒ عجلت میں تھے۔ وہ ایک طرف دنیا بھر کے مسلمانوں کو قرآن کے سچے پروگرام اور تعلیمات کے مطابق تحریک چلا کر مسلمانوں کو بیدار کرنا چاہتے تھے اور دوسری طرف مغرب کے سائنس دانوں پر زور دے رہے تھے کہ وہ قرآن حکیم کا سائنسی نقطہ نظر سے مطالعہ کریں جس کے الہامی الفاظ اپنی اصلی حالت میں محفوظ تھے۔ اور اس طرح نوع انسانی کی بقا کے لئے ایک نیا اور محفوظ و مامون راستہ نکالا جا سکے۔ ان کا ان دونوں باتوں پر زور دینا ان کے اسی نصب العین کو عیاں کرتا ہے کہ روئے زمین پر سب انسان ایک امت بن جائیں اور فطرت کی قوتوں کو کام میں لا کر اور ایک خدا کے اطاعت گزار بن کر ترقی کے انتہائی بلند مدارج پر پہنچ جائیں۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان قرآن کی روشنی میں عملی زندگی اختیار کریں کیونکہ ان کے پاس خدا تعالیٰ کے آخری پیغام کا متن موجود ہے جو انسان کے نام ہے اور دوسرے یہ کہ سائنس دان اپنی تحقیقات کا دائرہ بڑھا کر خدا تعالیٰ کے پیغام میں کہے ہوئے الفاظ پر غور و فکر کریں کیونکہ وہ خدا کے کاموں پر پہلے ہی سے تحقیق کے عملی میدان میں کام لے رہے ہیں۔ اس کام میں ان کی بے چینی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مذکورہ نظریات پر مبنی غازی مصطفیٰ کمال پاشا اور تھامس لینڈ آف رائل سوسائٹی آف آرٹس کو خطوط لکھے۔ اپنے نظریات اور تجاویز میں خاص طور پر اس بات کا واضح طور پر ذکر کیا کہ "میں نے قرآن کو (جو اسلامی کتاب ہے) اپنی تحقیقات کے لئے بنیاد بنایا کیونکہ دوسری الہامی کتابوں کی نسبت اس کے الفاظ بالکل محفوظ شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔" جیسا کہ سر ولیم مور نے اور دوسرے عالموں نے اس بات کی صاف طور سے تصدیق کی ہے اس کے الفاظ لازمی اور عملی طور پر وہی ہیں جو اسلام کے پیغمبر نے دیئے تھے۔ لہٰذا قرآن پر سائنسی طور پر غور کرنے کی کافی سے زیادہ اساس موجود ہے۔

انہوں نے اپنی تحقیق کی بنا پر لکھا "میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دنیا کے سب پیغمبر ایک ہی دائمی سچائی اپنے ساتھ لائے جو قوموں کے عروج و زوال پر مبنی ہے اور تمام الہامی احکامات اس ایک قانون کا جزو اور تشریح ہیں جن پر لگاتار عمل سے قومیں روئے زمین پر زندہ جاوید بن جاتی ہیں اور دوام حاصل کر لیتی ہیں۔ مذہب جیسا کہ انسانیت نے سمجھ رکھا ہے اس کی تعلیمات کی بالکل ہی بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ صورت ہے جو اکڑپن اور نفرت کی لائی ہوئی ہے۔ ان سب مذاہب کا پیغام ایک تھا اور اس مقصد کے لئے تھا کہ تمام نسل انسانی ایک بن کر رہے نہ کہ فرقوں میں بٹ جائے۔ میں نے اس قانون کو اس کی صاف صاف اور آشکارہ حالت میں موجودہ کتاب میں بیان کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں میں نے ہی اولین مرتبہ ڈارون کے اصول اصلح کی مکمل توضیح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنی تحقیق کی بنا پر میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تمام سائنسی دنیا کے لئے الہامی پیغام پر غور و فکر کرنا بڑا ہی لازمی ہے۔ میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ میں نے دنیا کے لئے نہ صرف ایک بڑی سچائی کو دریافت کر لیا ہے اور قوموں کی موت کے مسئلے کو حل کر دیا ہے بلکہ میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے نوع انسان کے ایک امت بن کر رہنے کے سربستہ راز کو پا لیا ہے تاکہ وہ ہمیشہ کے لئے اخوت یعنی بھائی چارے کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ ایک ابدی سچائی پر اتفاق کر لیں اور ایک ابدی نصب العین کے لئے کام کرتے رہیں اور ایک عقلی، فطری اور دائمی دین کے راستے پر گامزن رہیں جو کہ امن، ترقی اور ارتقا کا اور پھر آخرکار خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کا مذہب ہے۔ جب مذہب کو ایک مرتبہ سائنسی سچائی اور ایک مستقل اصول کے طور پر ثابت کر دیا جائے گا جو اندھے یقین اور وہم پر مبنی ایمان سے مبرا ہو تو الگ تھلگ رہنے اور تفریق پیدا کرنے والی قوت ازخود ختم ہو جائے گی اور نوع انسان ایک واحد امت بن جائے گی جس طرح حساب کا کلیہ یا طبعی عمل اپنا اثر دکھاتا ہے۔"

Marfat.com

چند ماہ بعد علامہ مشرقیؒ قاہرہ میں ہونے والی موتمر خلافت میں شریک ہوئے جو ۱۳ مئی ۱۹۲۶ء سے ۲۲ مئی ۱۹۲۶ء تک منعقد ہوئی۔ وہ اپنے ملک کے وفد کے چیف تھے۔ جامعہ الازہر کے شیخ الاسلام اور مصر کے چوٹی کے انسان جو علامہ مشرقیؒ کو تذکرہ کی کتاب کے واسطے سے جانتے تھے' ان سے تبادلہ خیال کا موقع ملا۔ علامہ صاحب ۳ مئی کو وہاں پہنچے اور بہت جلد انہیں محسوس ہوا کہ مسلمانوں کے انحطاط کی قسم اور وسعت سب علاقوں میں ایک ہی طرح کی ہے۔ تاہم انہوں نے موتمر کے سامنے وہی تجویزیں پیش کیں جو وہ گزشتہ برس مصطفیٰ کمال کو بھیج چکے تھے۔ وہ متفقہ طور پر منظور کر لی گئیں۔ لیکن کوئی واضح اور ٹھوس عملی شکل نہ اختیار کر سکیں۔ مصطفیٰ کمال نے بھی خاص دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ یورپ کی طرف سفر کے دوران عراق کے شاہ فیصل سے پھر شاہ مراکش اور امیر طرابلس سے ملاقات کے وقت جذباتی طور پر دلچسپی کا اظہار ہوا لیکن عملی طور پر بعد میں کچھ نہ ہوا۔ اس دوران سعودی عرب کے شاہ ابن سعود سے خط و کتابت ہوئی لیکن مسلمان گہری نیند سوئے ہوئے پائے گئے۔

علامہ یورپ میں قیام کے دوران آئن سٹائن سمیت چوٹی کے سائنس دانوں سے ملے اور ان سے اس بات پر تبادلہ خیال کیا کہ سائنس دان بے جان مادے کی تحقیق کے ساتھ "زندگی" کا مطالعہ کریں اور انسانیت کو ایک نئے راستے پر ڈالیں۔

علامہ مشرقیؒ نے چند برس مسلم دنیا میں رونما ہونے والے واقعات پر گہری نگاہ رکھنے اور قاہرہ اور مکہ میں منعقد ہونے والی موتمروں کے نتائج دیکھنے کے بعد اپنے آپ کو مجبور پا کر نیز اس بات کا یقین ہو جانے کے بعد کہ انگریز کی حکومت بیس پچیس سال بعد ختم ہو جائے گی' انہوں نے ۱۹۳۱ء میں مسلمانوں کو منظم کرنے کا فیصلہ کیا اور اس سال کے وسط میں اپنے تصور کے مطابق قرآن کے پروگرام کو عملی شکل دینے کا کام شروع کر دیا۔ انہوں نے تذکرہ کی باقی جلدوں کی اشاعت روک دی اور ایک چھوٹی کتاب "اشارات" کے عنوان سے لکھی جو جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی کے پروگرام پر مشتمل تھی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے خاکسار تحریک شروع کی جو روزانہ دو گھنٹوں کی حرکت پر مبنی تھی۔ اس میں پندرہ منٹ شام کی نماز' نصف گھنٹہ عسکری پریڈ اور سوا گھنٹہ خدمت خلق کے لئے مقرر تھا۔ اس خدمت کے لئے کسی ذات پات' رنگ اور مذہب کی تفریق نہ تھی اور یہ تربیت اجتماعی طور پر ایک رہنما کی کمان میں ہوتی تھی جو سالار کہلاتا تھا۔ اخوت کا بیج ان کا امتیازی نشان اور بیلچہ ان کا ہتھیار تھا جو حلیمی اور فروتنی کو ظاہر کرتا تھا' خدمت خلق اور محنت مزدوری کے لئے تھا۔ جنوبی ایشیا میں ان دنوں کی سیاسی ہلچل میں نماز کا تصور اور ساتھ ہی خدمت خلق' ایک عجیب چیز دکھائی دیتی تھی جو سیاسی سوجھ بوجھ سے بالاتر تھی۔ تحریک کے پہلے نو برس بڑے حیران کن تھے اور تحریک سارے برصغیر میں پھیل گئی۔ اس نے جنوبی ایشیا کے سامنے بڑا دلاویز منظر پیش کیا۔ انگریز اور ہندو کو یہ تحریک ایک آنکھ نہ بھائی اور بالآخر ۱۹۴۰ء میں برطانوی پولیس کے ساتھ خونی تصادم کے بعد یہ تحریک پس منظر میں چلی گئی۔ یہ بات بڑی اہم ہے کہ علامہ مشرقی ایک لحہ کے لئے بھی تحریک شروع کرنے کے بنیادی مقصد سے غافل نہ ہوئے۔ انہوں نے اللہ کے قانون کے نفاذ کے بلند نصب العین کے لئے جدوجہد جاری رکھی جس کو انہوں نے تذکرہ میں بیان کیا تھا۔ ۱۹۳۷ء میں تحریک کے چودہ نکاتی پروگرام میں اولین نکتہ یہ تھا۔ "ہم خاکسار مصمم ارادہ کر چکے ہیں کہ فرقہ بندی اور مذہبی تعصب بالکل ختم ہو جائے (لیکن خالص مذہب قائم رہے)' مساوات' انصاف اور سب انسانوں کی پرورش اور دیکھ بھال کرنے والا نظام وجود میں لایا جائے جو تمام قوموں کے لئے ان کے حقوق اور ان کی ترقی کو یقینی بنائے اور اس کی بنیاد نیکی' جدوجہد' عمل اور بہترین انصاف پر ہو۔" اگلے برس اندور میں تمام مذاہب کی کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے علامہ مشرقی نے مغرب کی مذہب کو بالکل چھوڑ دینے کی روش کی مذمت کی۔ اسے نہایت خطرناک اور غیر فطری قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ مذہب کو دیس بدر کر دینے سے یا دوسرے

Marfat.com

لفظوں میں ایمان کو ذہن سے خارج کر دینے کے بعد دوسرے لوگوں کے ساتھ امن و امان سے رہنے کا خواب پورا نہیں ہوگا۔ مذہب کو انسانی نسلوں کے لئے اور زیادہ نفع بخش مان لینے کے بعد جدوجہد کی جائے کہ ساری انسانیت کو ایک ایمان پر جمع کیا جائے۔ انہوں نے کہا۔ "مجھے شک ہے کہ گوشت اور خون کی اس دنیا میں ایمان سے نصف کے برابر کوئی دوسری متبادل شے ہو سکتی ہے۔"

خاکسار تحریک کا مقصد ایسے انسانوں کی جماعت پیدا کرنا بھی تھا جو مسلم ہونے کی حیثیت سے اللہ کے پیغام کی روشنی میں انسانیت کو ایک "امت واحدہ" بنا دے تاکہ وہ اپنے پروردگار کی طرف سے پیش کردہ حقیقی نصب العین یعنی تسخیر کائنات پر لگ جائے۔ مقصد اتنا بلند اور منزل کی رسائی تک کا راستہ کٹھن تھا لیکن ان کے تصور کو اب بھی بہت زیادہ بلند، دلکش اور روح پرور خیال کیا جاتا ہے جو قرآن کے پیغام کی تشریح اور فطرت کی قوتوں کی تسخیر کے بارے میں ہے۔

انہیں اپنی اس جدوجہد میں جیل جانا پڑا۔ پہلی مرتبہ یوپی (اترپردیش) کی کانگرس حکومت نے گرفتار کر کے جیل بھیجا جب وہ مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں سنی اور شیعہ کے تنازعہ کو حل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کے بعد انہیں ایک زیادہ بڑے مخالف یعنی برطانوی حکومت کا سامنا کرنا پڑا جب لاہور میں ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو خاکساروں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا۔ علامہؒ کو اس وقت دہلی میں وائسرائے نے مذاکرات کے لئے بلایا ہوا تھا۔ وہیں سے انہیں گرفتار کر کے جنوبی ہند میں دو برس سے زیادہ عرصہ کے لئے نظربند رکھا۔ پاکستان بن جانے کے بعد ۱۹۵۰ء-۱۹۵۱ء میں لیاقت علی خاں کی حکومت ختم کرنے کے الزام میں، ۱۹۵۷ء-۱۹۵۸ء میں ڈاکٹر خاں صاحب کو جو مغربی پاکستان کے پہلے چیف منسٹر اور سکندر مرزا صدر پاکستان کے قریبی دوست تھے قتل کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ لیکن یہ گرفتاریاں بے بنیاد ثابت ہوئیں اور عدالت نے علامہؒ کو دونوں دفعہ باعزت بری کر دیا۔ ۱۹۶۲ء میں صدر محمد ایوب خاں کی حکومت کے خلاف سازش کے الزام میں انہیں پھر نظربند رکھا گیا۔

دوران قید علامہؒ نے اپنی بہترین کتابیں لکھیں۔ ایک خط بعنوان "انسانی مسئلہ" (دی ہیومن پرابلم) دنیا بھر کے بین الاقوامی شہرت کے سائنس دانوں کے نام لکھا۔ یورپی ممالک کے سائنس دانوں نے ایک بین الاقوامی سائنس کانفرنس منعقد کرنے کا اہتمام بھی کیا جس میں علامہؒ کو ڈارون کے نظریہ ارتقا کے مقابلہ میں اپنے مسئلہ "زندگی" کے ارتقا کی وضاحت کے لئے مدعو کیا گیا کیونکہ بظاہر وہ اسی سے متاثر نظر آتے تھے لیکن حکومت پاکستان نے انہیں یورپی ممالک کے سفر کے لئے ویزا دینے سے انکار کر دیا۔ علامہ صاحب حدیث القرآن میں ایک جگہ ضمناً ذکر کرتے ہیں کہ "کوئی تعجب نہیں کہ امریکہ نے بہت حد تک میری اس خط کی بنیاد پر ہی اپنے خلائی پروگرام کی تشکیل کی ہو۔" (باب ۸ ملاحظہ ہو)

ایک کتاب "حدیث القرآن" اور ایک کتاب پیغمبر اسلامؐ پر "تکملہ" دو حصوں میں تحریر کی۔ ان کتابوں میں انہوں نے اپنے نظریہ کو جو انسان کے ایک امت بننے اور زندگی کے اعلیٰ ترین درجوں میں ترقی کے بارے میں ہے دہراتے ہوئے آسان اور مزید تشریح کے ساتھ رقم کیا۔ اسی دوران انہوں نے مسلمانوں کی "شعرزدہ" قوم کے لئے اپنے نظریے کو "دہ الباب"، "ارمغان حکیم" اور "حریم غیب" تین شعری کتابوں کی صورت میں بھی پیش کیا۔

حدیث القرآن کے مختصر دیباچے میں علامہ مشرقیؒ نے کہا۔ "یہ میرے حسابی اندازے ہیں جو کائنات کے بارے میں ہیں جن پر میں قرآن حکیم کے عمیق مطالعے اور فطرت کا کلی طور پر احاطہ کرنے کے بعد پہنچا ہوں کہ انہیں پر بنی نوع انسان کی ترقی کا دارومدار ہے۔ انسانی ترقی اور نشو و نما کے اعلیٰ ترین مدارج پر ان نتائج کی منطق قبول کئے بغیر نہیں پہنچا جا سکتا اور اس پر لازم ہے کہ اپنے اندر اپنے

Marfat.com

خالق کے روبرو جا کر ملاقات کرنے کی شدید خواہش پیدا کرے اور قرآن کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرے اور اب بھی وقت ہے کہ وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ کائنات کی تسخیر کے بارے میں اسے کیا کردار ادا کرنا ہے۔"

علامہؒ کی غالباً اسی تصنیف کے بطور مطالعہ کے بعد کلکتہ' آکسفورڈ اور لندن یونیورسٹیوں کے سکالر ڈاکٹر محمود حسن نے ۱۹۵۵ء میں انہیں لکھا۔

"مجھے جب کہ نہ صرف پاکستان بلکہ شرق اوسط کے ممالک جن کے متعلق مجھے ذاتی طور پر بہت علم اور تجربہ ہے اور ان ممالک میں مغرب زدہ سکالرز سے بھی ملا ہوں' نیز یورپین اور عیسائی مستشرقین مثلاً ویئر' مارگولیوتھ' گب' گیلوے' ٹرائٹون' کیئون' ہٹی' کوسٹی اور ژرویک وغیرہ کے ساتھ انسانی مسئلوں پر گفتگو کر چکا ہوں اور اس سلسلہ میں علامہ اقبالؒ سے بھی رہنمائی حاصل کرتا رہا ہوں' بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہمیں آج ایک نہایت تند و تیز جھٹکے کی ضرورت ہے جو آپ اور صرف آپ لگا سکتے ہیں کیونکہ آپ ہی ہیں جو انتہائی انتظامی صلاحیتوں کے حامل ہونے کے علاوہ اسلام کے حقیقی اور بنیادی تقاضوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔"

علم و عمل کے میدان کے سرخیل ہونے کے باوجود پاکستان میں علامہ مشرقیؒ کی قدر و منزلت وہ کیوں نہ کی گئی جس کے فی الواقعہ وہ مستحق تھے۔ اس سوال کا جواب اکثر یہ دیا جاتا ہے کہ انہوں نے پاکستان کے حصول کے لئے نہ صرف کوئی کوشش نہیں کی بلکہ وہ پاکستان کی داعی سیاسی جماعت مسلم لیگ کے سخت مخالف رہے تھے۔ اس طرح کا کورا اور حقیقت سے بعید جواب نہ صرف بے خبری پر مبنی ہے بلکہ ایک صریح بددیانتی بھی ہے۔ اصل صورت کو اختصار کے ساتھ کچھ یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

علامہ مشرقیؒ کی شخصیت قرآن اور فطرت کے علوم و رموز سے آشنا ہونے کی بنیاد پر اٹھی تھی۔ ان کی کوشش تھی کہ مسلمان قوم کو اس درجے تک منظم اور قانون خدا کا پابند بنا دیا جائے جس طرح کائنات نظم و ضبط کی پابند اور حکم خدا کی پابند ہے۔ وہ ایسے افراد پر مشتمل ہو جو رشتہ اخوت اور عسکری بنیادوں پر قائم اور مضبوط ہو کر ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے تاکہ اللہ کی زمین کے بڑے سے بڑے حصے پر غالب آ سکے۔ علامہ کی سیاست خالصتاً قرآنی سیاست تھی جس کے تحت خدا کے دین کو خدا کی زمین پر غالب کرنے کی غرض سے طارقؒ کا کشتیوں کو جلا دینے کا عمل بھی جائز اور درست عمل تھا۔ جس کے تحت سیاست کی آخری منزل "ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست" ہے تاکہ ساری نسل انسانی جنگ کی بجائے آپس میں امن قائم رکھے اور آئین خدا کے تابع رہ کر ترقی کے آسمانوں کو چھو سکے۔ بظاہر یہ کسی سحرزدہ شخص کی پرواز خیال معلوم ہوتی ہے لیکن دنیا کے چوٹی کے عالم اور بے پناہ صلاحیتوں کے حامل شخص ہونے کی حیثیت سے ان کی یہ ذاتی آرزو بعید از قیاس بھی نہیں سمجھی جا سکتی۔

تاہم علامہؒ کی سب سے پہلی کوشش یہ تھی کہ تمام بنی نوع انسان چونکہ ایک ہی "نوع" ہیں اور اس "نوع" کا خالق ایک ہے' اس "نوع" کو ہدایت بھی اس کے خالق کی طرف سے ہی آتی رہی ہے' اس لئے اس ساری "نوع" کا باہم متحد ہو کر ایک راہ عمل کو اختیار کرنا فطری تقاضا ہے۔ اسی لئے انہوں نے تقسیم ہند کے وقت تک مختلف قوموں میں اتحاد و یگانگت قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اہل ہند کو متحد ہو کر ہی انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن جب انہیں یہ یقین ہو گیا کہ ہندو لیڈروں کے عزائم بد ہیں اور انگریز اور ہندو مسلمانوں کے خلاف سازش میں شریک ہیں تو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو خاکساروں کے بھرپور تعاون کی بارہا پیشکش کی لیکن بوجوہ اس پر توجہ نہ دی گئی۔ انگریز' ہندو اور مسلمانوں میں گھسے ہوئے فرعون و ہامان خاکسار تحریک کی مخالفت میں پیش

Marfat.com

پیش تھے۔ پراپیگنڈہ مشینری اپنا جادو چلا رہی تھی۔ ایمان اور بلند کردار کے حامل ہونے کے باوجود قائداعظم اپنی مخصوص تعلیم و تربیت کے زیراثر سیاسی فیصلے اس وقت کے مروجہ قانون اور جمہوری سسٹم کے مطابق کرنا ناگزیر سمجھتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں قائداعظم اور مسلم لیگ کی سیاست وقت کے تقاضوں کی سیاست تھی اور وہ ایک آزاد خطہ زمین بنام پاکستان' جیسا تیسا بھی ممکن ہو' قبول کرنے پر رضامند تھے۔

علامہ" پنجاب و بنگال کی تقسیم کے حق میں تو ہرگز نہ تھے۔ وہ اپنے حسابی اندازوں سے تقسیم کی تجویز غلط ثابت کر چکے تھے لیکن قائداعظم اور مسلم لیگ موجودہ کٹا پھٹا پاکستان قبول کرنے پر مجبور تھے تاہم بددیانتی کسی کی نیت میں نہ تھی البتہ سیاسی انداز مختلف تھے اور کچھ کر گزرنے کی حدود میں بڑا فرق تھا۔

پاکستان تو بہرحال بن گیا لیکن خاکساروں کی طرف سے ہر قسم کے تعاون کی پیش کش کو ٹھکرانے کا نتیجہ بری طرح بھگتنا پڑا۔ لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں۔ ستر ہزار خواتین کی عصمتیں لٹیں۔ بے شمار بچے یتیم ہو گئے اور ہزاروں کے سہاگ لٹے۔ املاک کا بے بہا نقصان ہوا۔ بلاشبہ علامہ مشرقیؒ کی فوجی طرز پر منظم خاکسار فورس صورت حال کو یکسر الٹ دینے کی اہلیت رکھتی تھی لیکن اسے بری طرح ٹھکرا دیا گیا۔ اگر علامہ" اور ان کی عسکری قوت کو اعتماد میں لیا جاتا تو بہت ممکن تھا کہ اس قدر جانی' مالی اور عزت و وقار کے نقصان کے مقابلہ میں بہت کم نقصان پر انگریز کو اس قدر ظالمانہ تقسیم سے روکا جا سکتا تھا جس کی بنا پر جموں و کشمیر کی مسلم اکثریتی ریاست سے پاکستان کو ہاتھ دھونا پڑا۔

علامہ" بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ اس کیفیت کو اشعار کی شکل میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

یہ بعد از وقت پچھتاوے' فراست کی ہے معدومی
کہ قومیں بھانپ لیتی ہیں جو پہلے سے مقرر ہے
یہ مرزائی' یہ کیمونسٹ اور کشمیر کی غفلت
غلط تقسیم اور مسلم کا انجام' اب تو ظاہر ہے
اسی ناگہی میں دھر لئے جاؤ گے تم یک دم
نہ ہو جب قوم میں وجداں تو بربادی مقدر ہے

Marfat.com

باب اول

مسلمانوں کی موجودہ حالت ـــ ایک تجزیہ

Marfat.com

(ا) مسلمانوں کا اخلاقی اقدار اور حقائقِ فطرت سے گریز

مسلمانانِ عالم گزشتہ تقریباً تین سو سال سے مسلسل زوال کے گرداب میں مبتلا ہیں۔ اس زوال کی تیز رفتاری جس قدر خوفناک ہے۔ اسی قدر عام جمود اور احساس کا فقدان درد انگیز ہے جو مسلمانوں کو ہلاکت اور یقینی موت کی طرف لے جا رہا ہے۔ وہ فولادی جذبات جن کی ضرب سے قوموں کی بنیادیں ہل جاتی ہیں نرم پڑ چکے ہیں۔ قوم کا ایک ایک فرد انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے بیکار ہو چکا ہے۔ حیاتِ دینی کا اہم اور مفید تر حصہ زائل اور دنیاوی علوم خاص کر سائنس اور ٹیکنولوجی کی تحصیل میں مسلمانوں کی حالت ضرب المثل بن چکی ہے۔ قوتِ ارادی اور قوتِ عمل، تنظیم جماعت اور تقسیم کار، قوتوں کا اتحاد اور مرکزیت، استقلال اور باہمی ربط و معاونت کا دستور العمل، مضبوط اور مخلص قیادت جن کے التزام کے بغیر اقوام کیا افراد بھی چھوٹے سے چھوٹے کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا سکتے، محض چند مہمل کلمات رہ گئے ہیں جو حقیقت سے بے بہرہ اور معانی سے نا آشنا ہیں۔ مسلمانوں کے سیاسی نامۂ اعمال کی روح فرسا سرگذشت نے ثابت کر دیا ہے کہ امتِ حاضرہ اب اخلاقی گراوٹ کے ان انتہائی مدارج تک پہنچ چکی ہے جہاں ان کا کوئی فعل، کوئی طریق عمل، روئے زمین کے کسی حصے پر صلاحیت سے تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ اگر نظامِ عمل کے عام فقدان کے باوجود بالفرض کسی فرد یا جماعت کو ایک طریق کار کی طرف جانے کی توفیق عطا ہوتی ہے تو پیشتر اس کے کہ کوئی مفید نتیجہ نکلے، مخالف اثرات اور تفرقہ کے ہلاکت آفرین جراثیم اس جماعت کی انتظامی صلاحیت کو اندر ہی اندر سے سلب کر دیتے ہیں۔ مسلم ممالک میں جتنی بھی تحریکیں اٹھی ہیں اگر ان کی ناکامی کے اصلی اسباب کی چھان بین کی جائے تو ہر نامرادی اور فساد کی تہہ میں عدم نظامِ عمل، وسائل کی یاس انگیز کمی، صبر و استقلال اور رواداری کا فقدان، ذہنی طوائف الملوکی، جدوجہد میں ہولناک تفرقہ، قوتوں کا افسوسناک انتشار، اپنوں میں سے ہی کا منافقانہ رویہ اور ذاتی ہوسِ اقتدار، ایک ہلاکت آفرین معجون کی صورت میں نظر آئے گا۔

عرب ممالک کی بے بسی، ماضی قریب میں ایران عراق کی آٹھ سالہ بے مقصد جنگ اور حال ہی میں عراق کا کویت پر قبضہ کے نتیجہ میں دونوں ممالک کی تباہی، سعودی عرب کا اپنی نااہلی اور بے بضاعتی کی بنا پر اپنی حفاظت کے لئے امریکہ کے سامنے ہاتھ پھیلانا، دیگر ممالک میں مسلمانوں کی زبوں حالی اور ان پر جور و ستم، کشمیر پر ہندوستان کا غاصبانہ قبضہ اور وہاں آزادی کی تحریک کو دبانے کی غرض سے طرح طرح کے مظالم اور مسلم عورتوں کی بے حرمتی اور یہ سب کچھ ہوتے ہوئے عالم اسلام کی انتہائی بے حسی و بے بسی، مسلم ممالک کی ایٹمی میدان میں کوششوں کو ختم کرنے کے لئے امریکہ اور اس کی حلیف طاقتوں کا دباؤ، یہ سب ایسے عوامل ہیں جن کی روشنی میں مسلمانوں کے عام انحطاط اور زوال کو ثابت کرنے کے لئے کوئی دلیل دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ امریکہ اور یورپی اقوام کے مقابلے میں مسلمانوں کی اصل حالت کا مشاہدہ دنیا نے اس صورت میں کیا کہ حالیہ خلیجی جنگ میں ایک وقت میں اول الذکر طاقتیں سائنسی ترقی کی بنا پر آسمان و زمین پر مکمل کنٹرول رکھتی ہیں تو دوسری طرف عراقی عوام آنکھیں اوپر اٹھائے اور ہاتھ پھیلائے روٹی کے ٹکڑوں کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر پل پل پڑتے ہیں۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار!**

غیر سیاسی معاملات کے بارے میں مسلمانوں کی دینی حیات کی کیفیت ذرا زیادہ ہی گھمبیر ہے۔ مثلاً قرآن حکیم میں کہا گیا تھا کہ۔

○ قوموں کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لئے تیرے پروردگار نے فیصلہ کر دیا ہے کہ سوائے خدا کے کسی

Marfat.com

دوسری ہستی کے محکوم نہ ہو' صرف اسی کے عبد (غلام۔ نوکر) بن کر رہو اور اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ (۱۷:۲۳)

○ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو' نیز مسکین اور مسافر کا' اور فضول خرچی نہ کرو۔ (۱۷:۲۶)

○ دوسرے رشتے داروں' مسکینوں اور مسافروں سے عمدہ سلوک کرنے کے بارے میں بخل نہ کرو اور نہ انتہائی کشادگی اختیار کرو کہ لوگ بعد میں ملامت کریں اور محتاج ہو جاؤ۔ (۱۷:۲۶)

○ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو' ہم تمہیں اور ان کو رزق دیتے ہیں۔ بے شک ان کو قتل کرنا بڑا جرم ہے۔ (۱۷:۳۱)

○ یتیم کے مال کے قریب بھی مت پھٹکو۔ الا یہ کہ تمہارا اس سے سلوک احسن طریقہ سے ہو۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور اپنے عہد و اقرار کو بہر صورت پورا کرو کیونکہ عہد ایک ایسی چیز ہے جس کی بازپرس ہو گی۔ (۱۷:۳۴)

○ زنا کے نزدیک بھی نہ پھٹکو کیونکہ بلاشبہ یہ ایک بے حیائی اور برا رستہ ہے۔ (۱۷:۳۲)

○ (انسان آزاد ہے) کسی کی جان کو قتل کرنا جس کو اللہ نے حرام کر دیا الا یہ کہ وہ قتل ازروئے حق ہو' منع ہے اور جو شخص ظلم کے طور پر قتل کر دیا گیا تو ہم نے اس کے وارث کو اس کا بدلہ لینے کا اختیار دے دیا ہے۔ پس کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ قتل انسان میں زیادتی کرے اور بے شک اس کو قانون حکومت کی طرف سے مدد ملنی چاہیئے۔ (۱۷:۳۳)

○ اپنے تولوں کو پورا کیا کرو' جب تولو سیدھی ڈنڈی سے وزن کرو' یہی شے تمہاری قومی مضبوطی کے لئے بہترین اور ازروئے انجام اچھی ہے۔ (۱۷:۳۵)

○ اس بات کے پیچھے نہ پڑو جس کا تجھے علم نہیں (کیونکہ علم وہ شے ہے جو یقینی ہے) اور کان' آنکھ اور ذہن سب کے سب اس شے کے متعلق پوچھے جائیں گے کہ آیا تم نے اس شے کو سنا تھا' دیکھا اور سمجھا بھی تھا اور اگر تم نے کسی شے کو سننے' دیکھنے اور سمجھنے کے بغیر علم یقین کر لیا تو تم سے اس کے متعلق گرفت ہو گی۔ (۱۷:۳۶)

○ زمین پر اکڑ کر مت چلو کیونکہ تو اپنے اکڑ کر چلنے سے زمین کو پھاڑ تو نہیں دے گا اور نہ ایڑیاں اونچی کر کے تو پہاڑوں جتنا لمبائی میں ہو جائے گا۔ (۱۷:۳۷)

ان احکام پر مسلمانوں کا جس قدر عمل ہے اس سے ہر فرد آگاہ ہے۔

آج دنیا کے مسلم ترین ذہن اس امر کا کھلے دل سے اقرار کریں گے کہ قرآن نے قومی ترقی اور زندگی کا جو معیار اوپر کے لفظوں میں کیا ہے وہ اس قدر بلند' اس قدر مکمل اور اس قدر حیات انگیز ہے کہ اس سے بہتر لائحہ عمل کسی بڑی سے بڑی متنور اور متقدم قوم کے لئے وضع نہیں ہو سکتا۔ پھر خدائے رحمٰن و رحیم کا کس قدر احسان ہے کہ اس نے انسان کو صحیح راہ عمل اختیار کرنے کا اہل بننے کے لئے چند ایک مناسک کی شکل میں ایسے ذرائع اختیار کرنا فرض ٹھہرا دیئے جو ایمان لانے والوں کے لئے انتہائی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً

○ نماز قائم کرو تاکہ وہ ایک آقا کی غلامی' ایک صف کی مساوات' اخوت اور اطاعت امیر کے پابند ہو کر معاشرہ سے بدی اور ظلم و استحصال کو ختم کرنے کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار جتنی مضبوط جماعت بن جائیں اور بارگاہ

Marfat.com

الٰہی میں ایک بار نہیں دن میں پانچ بار اس مقصد کو پا لینے کی استدعا اور اعانت کی درخواست کرتے رہیں تاکہ طبیعتوں میں نیا جوش اور روحوں کو تازگی میسر ہوتی رہے اور جماعت بے راہ روی اور فسق سے ہٹ کر اخلاق و کردار کی بلندیوں پر فائز ہو جائے اور بالآخر وارث زمین بننے کی اہلیت پیدا کرے۔

- زکوٰۃ ادا کرو تاکہ دل باہمی نفرتوں سے پاک اور قوم اجتماعی بدحالی سے محفوظ ہو جائے۔
- روزہ رکھو تاکہ اس سے خدا کی خدائی کا احساس زندہ رہے اور بے راہ روی سے ہٹ کر جماعت قانون کی بے حد پابند اور اتقا کی بلندیوں پر فائز ہو اور جہاد و قتال کے دوران بھوک اور پیاس پاؤں کی بیڑی نہ بن پائیں۔
- حج کرو تاکہ روحانی اور انسانی ارتقا کی منزلیں اجتماعی طور پر طے ہوں اور مرکزی قوت کی اہمیت اور انسانی حفظ و امن کی ذمہ داری کا احساس زندہ رہے اور سال بہ سال غلبہ دین خدا کے لئے جوش و ولولہ مستحکم تر ہوتا جائے۔

کس قدر بدقسمتی کی بات ہے کہ مسلمانوں نے ان اقدار و احکام سے منہ موڑ لیا ہوا ہے یا بظاہر جنہوں نے ادھر رخ کیا ہوا بھی ہے انہوں نے ان مناسک کو ہی مقصود بالذات ٹھہرا رکھا ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ ان کے اصل مقاصد غائب اور روح بالکل مسخ ہوئی ہوئی ہے۔ قرآن حکیم کے اندر وہ اپنی مادی دنیا کو سدھارنے کی بات کو اپنے عقیدے کو متزلزل کرنے والی بات تصور کرتے ہیں گویا مسلمانوں نے خدا کی اس عظیم کتاب کو محض مقدس لیکن عملاً بیکار کتاب سمجھ رکھا ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ مسلمان آج اپنی ناکارہ اور بے عمل مجلسوں میں بیٹھ کر افسوس ضرور کرتا ہے کہ ہم نبویؐ تعلیم بھول گئے' ہم سے اسلام نکل گیا۔ ہم کو اسلام کی تعلیم دینے والا کوئی وسیلہ باقی نہیں رہا' وہ بڑے بڑے مولویوں اور واعظوں کو بلاتا ہے کہ وہ اس مردہ امت کو زندہ کرنے کا کوئی سبق دیں۔ واعظ' لکچرار اور مقرر اپنے زعم میں "عالم" بن بن کر وعظ کرتے ہیں کہ اے لوگو! تم پانچ وقت نماز نہیں پڑھتے' کلمہ تک صحیح نہیں پڑھتے' تم ٹخنوں سے اوپر کے پاجامے نہیں پہنتے' تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح داڑھی نہیں رکھتے' تم ان کے "اسوۂ حسنہ" کے مطابق مسواک نہیں کرتے' صحیح طریقہ سے وضو نہیں کرتے' تم اپنی راتیں عبادت میں نہیں گزارتے وغیرہ وغیرہ۔ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے' لباس' بالوں اور دانتوں کی طرف دیکھتے ہیں' یا عبادت کے طریقوں پر بات کرتے ہیں' کوئی ایک نہیں کہتا کہ وہ دن بھر کس کام میں لگے رہتے تھے' مٹھی بھر مسلمانوں کے ہوتے ہوئے وہ کس ولولے اور یقین کے ساتھ لاکھوں کفار عرب اور کروڑوں کفار عجم سے قتال کی تیاریاں کرتے تھے' امت کو بلند اور فتح مند کرنے کی کیا سوچیں ان کے ذہن میں تھیں' وہ اپنے چند مسلمانوں کو کس کردار اور کس اخلاق کے مالک بنا کر ان کو ناقابل شکست کیونکر بنا رہے تھے' وہ کیا زمین شکن جگر اور فلک شگاف دل پیدا کر رہے تھے اور کن اعمال پر زور دے کر پیدا کئے تھے کہ جس مہم پر گئے فتح و ظفر ان کے قدموں کو چومتی تھی اور کافروں کے حوصلے پست ہو ہو کر رہ جاتے تھے۔ وہ بے مثال اتحاد اور اخوت مکہ اور مدینہ کے چند نفروں میں کیونکر اور قرآن کے کن حکموں پر عمل کرنے سے پیدا ہو گئی تھی کہ بالآخر قیصر و کسریٰ لرز اٹھے۔ کوئی نہیں بتلاتا کہ ان طاقت اور زور کے چند انگلیوں پر گنے ہوئے مجسموں نے کس منطق سے یتیموں اور مسکینوں اور قیدیوں پر رحم کرنے کو طاقت اور زور کی کنجی سمجھا' کمزور اور محکوم ہونے کو قوم کا جہنم سمجھ کر اپنے چھوٹے سے جسم میں ہی قتل کرنے کا زور پیدا کیا' کیونکر صحیفہ فطرت کو برحق سمجھ کر اس کے قانون پر عمل کرنے ہی کو طاقت حاصل کرنے کی کلید یقین کیا' کیونکر کم تولنے اور ناقص مال دینے کو ہی قوم کی کمزوری کا اصلی باعث قرار دیا' اپنی نفسانی خواہشوں کو فنا کر کے مال کی قربانی کو ملت کی تقویت کا ضروری باعث یقین کیا' اپنے امیر کے زبانی حکموں کی اطاعت کو ہی اس جماعت کی قطعی فتح کا راز یقین کیا' وہ کیا دین اسلام تھا کہ کل پچاس' ساٹھ یا چند صد نفر ہزاروں کفار مکہ اور لاکھوں کفار عرب کے بالمقابل ایسے ڈٹے کہ مکہ میں دردناک اذیتوں کے باوجود تیرہ برس اور مدینے میں دردناک واماندگیوں اور بے سرو سامانیوں کے باوجود دس برس ایسے مستقل مزاج رہے کہ بالآخر نہ صرف پورے عرب بلکہ

Marfat.com

عجم کو پچھاڑ کر چھوڑا۔ وہ دلوں کو گداز کر کے دلوں میں خدا بسانے کی کیا کیفیت تھی کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اندھے شخص کو دیکھ کر اپنے منہ پھیر لینے کے واقعہ کو وحی کے ذریعہ نشر کر کے خدا کی طرف سے اپنی ملامت کروائی تاکہ جماعت کے دلوں کی زمینیں رحمت خدا کے ترشح سے نرم ہو جائیں اور ان میں خدائی تعلیم کو قبول کرنے کی اہلیت پیدا ہو۔ **ثم قست قلوبکم فھی کاالحجارۃ او اشد قسوۃ** میں بھی یہی راز تھا۔

ہاں ہاں! وہ کیا دین اسلام تھا اور کس بلند نصب العین کے درپے تھا کہ سب سے پہلی وحی میں **الذی علم بالقلم** کے الفاظ کہہ کر ان پڑھ اور بدو عرب میں جہاں معمولی علمی بات بھی صدا بصحرا بن کر بے اثر ہو سکتی تھی' دنیا میں پہلی دفعہ قلم کا ڈنکا بجایا! وہ کیا حیرت انگیز اور عظیم الشان "مذہب" تھا جس نے انسان کو مٹھی بھر بے کس اور بے بس مسلمانوں کے ذریعے سے پہلی دفعہ یہ سبق دیا کہ دنیا میں صرف ایک سچائی ہے جو صحیفہ فطرت ہے۔ باقی سب وہم اور گمان ہیں' جس نے تمام دنیا میں انسانی ذہن کی بیابانی اور گھٹا ٹوپ اندھیرے اور **ظلوما جھولا** کے ظلمت انگیز عالم میں عرب کے چند اجڈ اور بے تمیز بدوؤں کی وساطت سے وہ اعلان کرایا جو یورپ' امریکہ اور روس کے بڑے بڑے سائنس دان آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی کرنے سے جھجکتے ہیں کہ زمین اور آسمان میں جو شے پیدا کی گئی ہے اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ انسان کو اس کی اس جدوجہد کے بدلے میں جو وہ تسخیر کائنات کے بارے میں ہزاروں برس بعد کرے گا بطور انعام دے دی جائے!! (القرآن ۳۱:۵۳)۔ وہ کیا دین اسلام تھا کہ اس نے ظلمت فہم اور ذہنی افلاس کے اس زمانے میں دنیا کے تاریک ترین ملک کی امی اور ان پڑھ امت کے ایک نامعلوم اور غیر مشہور فرد کی وساطت سے آنے والی انتہائی متنور اور متقدم امت کو بہ صد اصرار و یقین یہ پیغام دیا کہ اے انسان! تیری ملاقات اس کائنات کے مالک اور خالق سے ایک نہ ایک دن ضرور ہونے والی ہے اور ہو کر رہے گی۔ (القرآن ۲:۱۳)' اے انسان! تو ضرور پیدائش کے ایک طبقے سے بلند تر طبقے کی طرف چڑھتا جائے گا۔ (القرآن ۱۹:۸۴)' اے انسان! تو فطرت کی طرف غور سے دیکھ اور سمجھ کہ اس فطرت میں ہر جگہ ایک عدل اور توازن ہے' ہر شے اپنے مقرر قاعدہ پر جو اس کے لئے بتا دیا گیا چل رہی ہے اور یہ عدل اور توازن اس لئے قائم کیا گیا کہ تیرے جیسا آنکھوں اور کانوں والا احسن الخلق بشر اس میزان سے عبرت پکڑے اور **اقیمو الوزن بالقسط ولا تخسرو المیزان** کا مصداق بن کر میانہ روی اور قسط پر قائم رہے۔ وہ کیا دین اسلام تھا جس نے الصراط المستقیم یعنی دنیا میں سیدھے راستے کی تعریف **انعمت علیھم** کے الفاظ میں کی جس سے مقصد یہ تھا کہ صحیفہ کائنات میں سیدھا راستہ وہی ہے جس پر چل کر بادشاہت اور وراثت زمین کا انعام و اکرام ہے' **المغضوب علیھم** امتوں کے **ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباء بغضب من اللہ** کا قہر نہیں۔

ہاں ہاں! یہ وہ دین اسلام تھا جس میں قرآن کے فقروں کو آیات کہنے کے علاوہ مظاہر فطرت کو بھی آیات بلکہ آیات اللہ کہا گیا ہے اور بڑے ولولے سے "ایمان والی"' "فہم والی"' "یقین والی"' "عقل والی"' "غور و فکر کرنے والی"' "عبرت پکڑنے والی"' "سننے والی"' "علم والی" قوموں کو کہا ہے کہ وہ ان مظاہر سے آیات خدا کی تلاش شدومد سے کریں۔ چنانچہ سورہ سجدہ میں ایک دفعہ سورہ حم سجدہ میں دو بلکہ تین دفعہ' سورہ الجاثیہ میں پانچ دفعہ' سورہ النحل میں نو دفعہ' سورہ الروم میں چھ دفعہ ان قوموں کی طرف خطاب ہے اور ساتھ ہی ملاقات رب اور یوم فتح کا ذکر ہے جس مرحلے تک پہنچنے کا ذریعہ آیات خدا کی تلاش اور جدوجہد کی فراوانی قرار دیا ہے۔ ایک ایسی کتاب کے لئے جس کی تمام بنیاد حقیقت اور علم پر ہو بنی نوع انسان کو ایسا سبق دینا لازمی تھا اور ایسے سبق کو جو کروڑوں انسانوں کی صدیوں تک جدوجہد کرنے کے بعد بھی ختم نہ ہو سکتا تھا' انسان کا دائمی دستور العمل بنا دینا بلکہ اس کو دین و ایمان' علم و یقین اور غور و فکر کی بنیاد قرار دینا ہی اسلام کے عالم آرا اور دنیا گیر مذہب ہو جانے کا بین ثبوت ہے۔ انہی معنوں میں قرآن عظیم کے متعلق تبیانا لکل شئی (۸۹:۱۶) (قرآن ہر شے کی تفصیل ہے) ہونے کا دعویٰ متحقق ہے اور اسی بنا پر وہ ذکر للعالمین (۸۷:۳۸) اور تمام دنیا کے لئے (باعث)

Marfat.com

عبرت و نصیحت ہے۔ ہر قوم جو آیات خدا کی تلاش میں لگی ہے وہ اس انداز سے دائرہ اسلام میں داخل ہے۔ جہاں جہاں انسان کو فطرت کے مطالعے سے کوئی راحت بخش ایجاد ملتی ہے وہ قرۃ اعین یعنی "آنکھوں کی ٹھنڈک" میں شامل ہے۔ جوں جوں علم کے زور سے فطرت کا راز اور اس کے ممکنات عیاں ہوتے جا رہے ہیں علمی ایجادیں **سنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق** (۵۳:۴۱) (ہم عنقریب ان کو اپنی آیتیں دکھلا دیں گے جو صحیفہ فطرت کے گوشے گوشے (آفاق) میں ہیں) کے وعدے کی تکمیل کے طور پر ہیں۔ آج انہی "آنکھوں کی ٹھنڈکوں" اور جدوجہد کے نتیجوں کو پا کر انسان آسمانوں میں اڑ رہا ہے' موسموں کی شدت کے اثرات پر کنٹرول اور بر و بحر پر اس کی حکومت مکمل ہو رہی ہے۔ چاند پر وہ پہنچ چکا ہے۔ مریخ پر پہنچنے کے مختلف مرحلے طے کئے جا رہے ہیں۔

(۲) وحی اور صحیفۂ فطرت میں حقیقی تعلق سے لاعلمی اور اس کے نتائج

سورہ العصر اگرچہ نہایت چھوٹی لیکن نہایت جامع سورہ ہے۔ اس میں **ایمان' عمل صالح' تواصو بالحق** اور **تواصوا بالصبر** کے چار عناصر کا ذکر ہے جن کے ذریعے انسان خسران (گھاٹے) سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اکثر مبلغین دین اس سورہ مبارکہ کو تبلیغ دین کے سلسلہ میں اپنی تقریر و تحریر کا موضوع بناتے ہیں مگر حیرت کا مقام ہے کہ وحی یعنی قرآنی آیات کو **تواصوا بالحق** کے زمرہ میں تو تصور کیا جاتا ہے یعنی یہ تو کہا جاتا ہے کہ قرآن کا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا باعث ثواب و برکت ہے مگر صحیفہ کائنات کو "الحق" بتا کر اور اس کی حقیقتوں کا علم حاصل کر کے ان سے مستفید ہوتے رہنے کا ذکر تک نہیں کیا جاتا حالانکہ قرآن حکیم میں (خدا اور قرآن کو چھوڑ کر) صرف ایک شے ہے جس کو بار بار اور نہایت تاکید کے ساتھ "حق" یعنی سچائی کہا گیا ہے اور وہ صرف خدا کی بنائی ہوئی فطرت ہے۔ (حق کے لفظ کا استعمال خدا کے لئے دو جگہ پر' قرآن حکیم کے لئے دس جگہ' انبیاء کے لئے ایک جگہ' قیامت کے لئے ایک جگہ' موت کے لئے ایک جگہ اور فطرت یعنی کائنات کے لئے چودہ مقامات پر ہوا ہے) لہٰذا **تواصوا بالحق** کا محاکمہ وحی اور فطرت دونوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ انسانی زندگی کے دونوں پہلو یعنی کہ انسانی (اخلاقی و روحانی) اور طبعی دونوں ہدایت طلب تھے اور اس خالق اعظم تعالیٰ سے جائز طور پر متوقع تھا کہ انسان کو دونوں قسم کی ہدایات دیتا۔ انسان کی روحانی و اخلاقی نشو و نما اور ارتقا کے لئے وحی کے ذریعے تمام اصول مہیا کر دیئے اور ان کے عملی اطلاق کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے حوالے سے قابل عمل اور موجب فوز و فلاح ثابت کر دیا اور دوسری طرف انسان کی طبعی زندگی کے قوانین کی وضاحت صحیفہ فطرت سے اخذ کرنے کی ہدایت فرما دی۔ جس طرح اخلاقی و روحانی زندگی کے اصول اور قوانین میں سو فیصد صداقت ہے اسی طرح فطرت کے قوانین سو فیصد سچے اور اٹل ہیں۔ جن کی کارفرمائی انسان ہر لحہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے۔ لہٰذا انسان کی خسران (گھاٹے) سے مکمل حفاظت ان دونوں طرح کے قوانین کے مکمل اتباع سے ہی ممکن ہے۔ ایسے ہی اتباع سے **فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ** کی دعا ثمر آور ہوتی ہے۔

فطرت کی دریافتوں کو آیات خدا کہنا یا صحیفہ فطرت کو واحد حقیقت قرار دینا خدا کا حق ہے کیونکہ فطرت کا خالق' باعث اول اور آمر وہی ہے! انسان خدا پر ایمان ہرگز نہیں رکھ سکتا جب تک کہ سب سے پہلے اس کی بنائی ہوئی فطرت کے برحق اور مصدر حقیقت ہونے پر مکمل ایمان نہ رکھے۔ یورپ اور امریکہ کی زندہ قومیں آج یہی کر رہی ہیں اور اس لئے ان کا خدا پر اس پہلو سے ایمان' قولی ایمان والی قوموں سے بدرجہا افضل' بدرجہا اولیٰ و مکمل اور منطقی طور پر سب سے زیادہ نفع مند' نتیجہ خیز اور لائق تبریک و تہنیت ہے۔ اسی لئے ان کو فطرت کے خزانہ عامرہ سے بے انداز انعام مل رہے ہیں اور مسلمانوں کو خدائے عادل کئی صدیوں سے پوچھتا تک نہیں۔ عوام المسلمین اور ان کے بڑے بڑے مذہبی رہنما یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دے لیتے ہیں کہ دنیا میں ترقی یافتہ اقوام کو بس دنیا میں ہی خوشحالی میسر ہے اور آخرت میں تو وہ یقیناً جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ لومڑی انگوروں کے گچھوں تک نہ پہنچ پانے پر یہی اعلان کرتی ہے کہ انگور

Marfat.com

کھٹے ہیں۔ انہیں ہرگز احساس نہیں کہ قرآن نے کائناتی علمی حقائق کا ایک بیکراں دفتر انسان کی سوچ بچار کے لئے بتدریج پیش کیا ہے اور ہر عظیم الشان حقیقت کو دہرا کر بار بار اس پر غور کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ حقیقت آنے والے انسان کے ورک و دریافت کا ایک مستقل دستور العمل بنتا جائے اور انسان ان حقیقتوں تک پہنچنے کے لئے قرنوں اور صدیوں تک مصروف کار رہے' ان کے ماحصل سے مستفید ہوتا رہے اور عملی طور پر یہ ثابت کر دے کہ قرآن فی الحقیقت ذکر للعالمین (۸۷:۳۸) یعنی تمام جہانوں کے لئے ایک مستقل درس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی قوم خدا سے ملاقی ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہے جو فطرت کے چپے چپے کی چھان بین کر کے خدا کی فی الحقیقت معرفت حاصل کر رہی ہے۔ گوشوں میں آنکھیں بند کر کے اونگھ اونگھ کر یا اللہ اللہ جپ کر خدا کو ڈھونڈنا دانشمند قوموں کا شیوہ نہیں' باؤلوں اور بے شعوروں کا فعل ہے۔ اسی بنا پر علامہ مشرقیؒ نے اپنی آخری قید کے دوران کہا تھا۔

کہاں نصیب یہ رتبہ مری تمنا کو
جھپٹ کے قبضے میں لے لوں تن دل آرا کو
چھپا رکھا ہے کہاں پردۂ باعثِ عالم
ٹٹولو غصے میں ارض و سما کے پہنا کو
وہ آدم الاسماء کلھا کو دو تنبیہہ
کہ گم نہ کر دے خلافت کے نصب اعلیٰ کو
کہاں ہے وہ ھو الاول کہ جس نے بالآخر
بشر پہ ختم کیا جگ کے اس تماشا کو
مری نگہ میں نہ زیبا ہے مردِ آدم کو
کہ ہو ہوا کے رکھے بند چشم بینا کو
مچا رکھا ہے اک ہنگامہ چار سو جگ میں
کوئی بجھا دے اس آرائے حشر برپا کو
وہ ناخلف بشر اس علم پر بھی ہے عاجز
کہ جس نے ڈھانپ رکھا علم کے اسماء کو
ملک تو سجدہ و تقدیس سے ہی جا پہنچے
سنا دو طعنۂ بشر مدعیٔ اللہ کو
نہ کر دے گم کہیں غفلت میں رہبریٔ جہاں
خبر کرو مرے سمع و بصر کے دارا کو
ہوا ہے رام کہیں منتوں سے بھی معشوق
اٹھاؤ راہ سے اس مسجد و مصلا کو
ملاقی رب اکبر سے وہ علیم بشر
جو جانتا ہے عیاں حسن کے تقاضا کو

تمہارے کام کا قرآں رہا نہیں، دے دو
غرض سے نفع کی، مغرب کے مرد دنیا کو
خدائے عالمیاں کی تلاش ہر سو ہے
فلک پہ چڑھ کے، یہ کہہ دو امام و ملا کو
ہے عشق جہد مسلسل، تب و تواں، تگ و دو
کہاں ہے جگہ یہاں لطف کو مدارا کو
جو وصل کی ہے تمنا حریف اس کے بنو
عمل میں لاؤ اس ادراک بے تحاشا کو
منائے ہوں گے بہت دیں پہ مشرق کے سوا
کہاں منا لو گے اس مرد بے محابا کو

"الحق" یعنی سچائی کی ماہیت اور تحقیقات میں دنیا پچھلے ہزارہا سالوں سے لگی ہے۔ ان کو سمجھنے والے آج بالخصوص اس امر کا کھلا اعتراف کریں گے کہ قرآن عظیم نے حکمتوں کی مذکورہ بالا فہرست میں علم کی جو تعریف کی ہے وہ اس قدر جامع و مانع ہے کہ یورپ صدہا سال تک وہم و گمان کے چکر میں دردناک طور پر مبتلا رہا اور جب تک انگلستان کے ایک فلسفی بیکن نے ساڑھے تین سو سال ہوئے غالباً قرآن میں سے اشارہ حاصل کر کے "نووم آرگینزم" میں علم کی بعینہ وہی تعریف نہ کی جو قرآن نے کی یعنی یہ کہ علم وہ ہے جس کی تصدیق کان، آنکھ اور ذہن تسلیم کریں، یورپ اس چکر سے نہ نکل سکا۔ اس تعریف سے واضح ہے کہ انسانی کان، آنکھ اور ذہن جو کچھ سنتے، دیکھتے اور سمجھتے ہیں وہ صرف صحیفہ فطرت کی اشیا سے دریافت کرتے ہیں کیونکہ ان کے سامنے کوئی اور شے سوائے صحیفہ فطرت کے نہیں۔ اس لئے علم صرف وہ ہے جو صحیفہ فطرت سے اخذ ہوتا ہے۔ جو شے سننے، دیکھنے اور سمجھنے کے بغیر حاصل ہو وہ وہم اور گمان ہے، علم اور حقیقت ہرگز نہیں۔ سننے اور دیکھنے کے علاوہ ذہن کی تصدیق بھی اس لئے لازمی ہے کہ بعض دفعہ سننے اور دیکھنے کے بعد بھی دھوکہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً ریل گاڑی میں درخت پیچھے کی طرف دوڑتے دکھائی دیتے ہیں لیکن ذہن اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ الغرض علم کی یہ قرآنی تعریف دنیا کی سب سے بڑی حکمت ہے جس کی قدر و قیمت آج انسان کی علم میں حیرت انگیز ترقی اور علم کے ذریعے سے حصول طاقت کے بعد واضح ہے اور صرف یہی ایک آیت (۳۶:۱۷) قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی مسکت دلیل اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سمیع و بصیر ہونے کی قطعی شہادت ہے۔

آج دنیا کے نئے اور پرانے سب مذہب حیطہ دلیل سے اصلاً خارج ہو چکے ہیں۔ لوگوں نے ان کے بارے میں استدلال کرنا، ان کی حکمت پر غور کرنا، ان سے نتائج اخذ کرنا، الہامی کتابوں کا بغور مطالعہ کر کے الہٰی دلیل کی تہہ تک پہنچنا اکثر گناہ سمجھ لیا ہے۔ ساکنان زمین کو یقین ہو چکا ہے کہ مالک زمین و آسمان کے احکام آنکھیں میچ کر ماننے کے ہیں۔ ان کا کچھ دنیاوی پہلو نہیں۔ کچھ فوری غرض و مطلب نہیں۔ اسی بنا پر قرآن بھی مذہب کے متعلق کسی فیصلہ کن علمی تحقیقات کی اساس نہ بن سکا۔ علمائے مغرب نے بھی جن کے علم کی بنیاد بیکن کے مشہور عالم مسئلہ استقراء کے بعد سے یکسر مشاہدے اور تجربے پر ہو رہی ہے اور جو سمع و بصر اور قلب سلیم کی شہادت کے بغیر کسی شے کو علم کا بلند مرتبہ نہیں دیتے، یہی سمجھ لیا کہ مذہب **مابعد الطبیعی** ہے، فہم سے بالاتر ہے، کسی تخیل زدہ لوگوں کی عالم خیال کے جوش میں بنائی ہوئی شے ہے، اس لئے اس کو کسی صورت سے چھیڑ کر جہلا میں ایک ہنگامہ برپا کر دینا روا نہیں۔ جوں جوں علم کا اثر دنیا کے اکناف و اطراف میں وسیع ہوتا جائے گا لوگ خود بخود اس کی بے حقیقت باتوں سے متنفر ہو کر اس کو چھوڑتے جائیں گے اور اس

حقیقت کشا اور پردہ در علم کی طرف خود بخود راغب ہوں گے جو اس کارگاہ فطرت کے مطالعے سے اخذ ہوتا ہے جو صحیح معنوں میں واقع الامر ہے۔ مذاہب جاریہ کی اعتقادی اور بے نتیجہ صورت نے ان کو اس حقیقت تک ہرگز نہ پہنچنے دیا کہ مذہب فی الحقیقت اس دنیا میں خوش اسلوبی سے رہنے کا طریق عمل تھا جس کو آج زمانے کی دستبرد نے اعتقادی رنگ دے کر مسخ کر دیا۔ وہ نہ سمجھے کہ کلام وحی کو فنا و بقائے اقوام اور موت و حیاتِ امم کے سوال سے ایک گہرا' طبعی اور ناقابل حک لگاؤ ہے اور انبیائے جہان بھی محض اسی غرض کے لئے مبعوث ہوئے تھے کہ کم بیں' ناشناس اور کوتاہ نظرانسان کو قانون الٰہی سے صحیح طور پر واقف کر کے ان کو بقا کے صراط مستقیم کی طرف لے جائیں۔ وہ اس راز کو حتماً" نہیں سمجھے کہ بلا استثنا سب انبیاءؑ اپنی اپنی جماعت کو اپنی زندگی میں قوت اور امن کی راہ پر لگا گئے' ان کو گوشہ نشینی اور جمود سے نکال کر ترقی و امن پر بلاواسطہ مشرف کر گئے۔ یہی ان کے آنے کی واحد غرض تھی اور اسی مطلب کے حاصل کرنے کے لئے ان کا بے مثال سعی و عمل تھا۔ نشاۃ الثانیہ کے اوائل میں طبیعتوں کا سارا زور اسی میں صرف ہوا کہ مسئلہ استقراء کو بنیاد قرار دے کر حقائق الاشیاء کی طرف متوجہ ہوں اور ان سے صحیح نتائج اخذ کر کے فطرت کے خزانہ عامرہ کو اپنے استعمال میں لائیں لیکن جب اشیاء کے مطالعے سے تاریکیاں چھٹنے لگیں تو ان کو سقف آسمان کے نیچے اپنی ہستی کا اضافی احساس ہوا' وہ آسمان کی ہولناک دوریوں کو سمجھا' اس ذرہ مقدار زمین کا اندازہ لگایا' جب اس نے زمین کی پیداواروں کی تدوین کی' اجناس حیوانات کی تقسیم کی' ماضی کی اقوام کے بقیہ آثار کو دیکھا' بے شمار محو شدہ حیوانی اقسام کا ملاحظہ حیران ہو ہو کر کیا' اپنی کمال بے بسی اور صانع فطرت کی کمال قدرت کا اندازہ کیا اور اس کارگاہ زمین و آسمان کے بارے میں وہ سب دقیانوسی خیالات حرف غلط ثابت ہوئے' تو پہلا سوال طبعاً" یہی پیدا ہوا کہ اس صحنک زمین پر اجتماعی بقا و فنا کا راز کیا ہے' وہ کیا قانون ہے جس پر چل کر قوت اور امن ہے' راحت اور سکون ہے' خلد و دوام ہے' بقا و ارتقا ہے؟ ایک امت کیوں اس روئے زمین سے مٹ جاتی ہے؟ دوسری اس کی جگہ کیوں اور کس استعداد پر لے لیتی ہے؟ یہ کیا رسم مداولت ہے! کیا رعشہ برانگیز قانون ہے جو اس قوت اور زور کے ساتھ اس دنیا میں نافذ ہے۔ اس کا تھل بیڑا کہاں ہے' اس کا سربمہر راز کیا ہے؟ معرفت نفس کی یہ وہ پہلی منزل تھی جو مغرب کو فطرت کے پیہم مشاہدے کے بعد ملی اور اس کے بارے میں آج تک وہ شبانہ روز سعی و تلاش کے باوجود کمال حیرت میں ہیں۔ انگلستان کے مشہور طبعی ڈارون نے اور حکماء کی معیت میں مدۃ العمر سعی و جدل کے بعد اس سوال کے جواب میں بقائے اصلح کے عالم انگیز مسئلے کو پیش کیا۔ انہوں نے حیوانی امتوں کے مدوجزر کے بارے میں بہت کچھ چھان بین کی' اصلحیت کے چند موٹے موٹے اصول بیان کئے' قانون موت و حیات کی ایک لگتی ہوئی تعریف وضع کی' مگر جب اس کا اطلاق انسانی امتوں پر کیا گیا' تو صلاح کی تعریف میں بے حد واماندگیاں' بے اندازہ مشکلات' بے شمار رکاوٹیں پیش آئیں۔ وہی تعریف' صلاح' جو حیوانی امتوں کے بارے میں بادی الرائے میں فیصلہ کن معلوم دیتی تھی' انسانی اقوام کی رو سے ازبس ناکمل' بے حد ناقص بلکہ اکثر اوقات غلط نظر آئی۔ انسانی فطرت کا ہمہ تن ادنیٰ حیوانی جبلت پر مجبول ہونا بھی بجائے خود ایک مشکوک مسئلہ تھا جس کی پیروی میں مغرب نے ناروا غلو کیا۔ اس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب کی تمام تہذیب میں بہیمیت' وحشیت' درندہ پن اور نوعی انحطاط کے آثار نمایاں ہونے لگے' بااین ہمہ مغرب نے آج تک کلام وحی کی طرف رجوع نہیں کیا۔ انہوں نے اعمال خدا کے مطالعے کو چھوڑ کر الفاظ خدا کے مطالعے کی طرف توجہ نہیں کی' ان کا ذہن اس طرف منتقل ہی نہیں ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی بلند اجمائی نظر سے وہ بات حتماً" پا لی تھی جس تک ان کی دوربینیں قطعاً نہیں پہنچ سکتیں۔ ان کا علم ان کو نقد و نظر کے اس افق اعلیٰ تک لے گیا تھا جہاں آج بھی کسی بڑے سے بڑے وسیع النظر طبعی کا پہنچنا محال ہے! وہ آئے تھے اور اپنے ساتھ زور عمل لائے تھے! آسمان شگاف

علم لائے تھے! امتوں کو آسمان تک اٹھا دینے کے بیرم لائے تھے! زمین کو تہ و بالا کر دینے کے کدال لائے تھے! ان کی دقت نظر میں آسمان ان کی پشت پناہ تھا! خلاق ارض و سما ان کی تائید میں تھا! زمین ان کے علم و عزم کے آگے پانی کی طرح بہ جاتی تھی! بر و بحران کے حوصلوں اور یقین کو دیکھ کر سپر ڈال دیتے تھے! جب تک انسانی افراد میں اس طاقتِ عمل' اس قدوسی علم' اس الٰہی ایمان اور یقین' اس روحانیت' اس لازوال عزم کا جزو قلیل موجود نہ رہے امتیں کیونکر اس دنیا میں دوام حاصل کر سکتی ہیں۔ صلاحیت یہی ہے کہ انسانی چلن انسانی فطرت پر قائم رہے۔ سفلی تغیر قبول نہ کر سکے۔ بہتر اور قائم تر فطرت کی طرف رجوع کرے' ادنیٰ جبلت کی طرف راغب نہ ہو' امت فی الجملہ امن میں ہو' اس کے ہر عضو میں بیداری اور تڑپ برقرار ہو' سب اعضا متناسب ہوں' بڑھے گھٹے نہ ہوں' اس کے کسی شعبے میں نقص پیدا نہ ہو' اگر کوئی قوم کسی ایک حصۂ عمل میں بے اندازہ طور پر بڑھ گئی ہے' درانحالیکہ باقی حصے بے نشو و نما پڑے ہیں تو وہ درحقیقت "صالح" نہیں' وہ ایک بے ڈول پیدائش ہے' اعجوبہ خلقت ہے' ایسی بدشکل امت کا اس متناسب اور خوبصورت دنیا میں کسی مدید مدت تک رہنا محال ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حکمائے مغرب نے "صلاح" کی صحیح تعریف وضع کرنے میں بے اندازہ درماندگیاں بلکہ فاش غلطیاں کی ہیں۔ انہوں نے احوال تاریخ کو یا اپنے سے ادنیٰ مخلوق کے فطری تقاضوں کو ہی علم الدین کا صحیح ماخذ قرار دے کر انسانی اخلاق کی تعمیر ان احوال پر کی اور محکمہ قضا و قدر کے فیصلہ جات سمجھنے میں ایک صاحبِ ارادہ خدا کی مشیت اور صاحبِ ارادہ انسان کے اہم ترین عناصر کو بے دخل کر دیا' وہ اس ناروا تخیل میں لگے رہے کہ مدوجزرِ اقوام کے قانون کی تدوین بھی لامحالہ اسی انداز پر ہے جس پر جرِ ثقیل یا علمِ حساب کے قواعد مرتب کر دیئے جاتے ہیں اور جس طرح پر خواص الاشیاء کے معلوم کر لینے سے مرکبات کے خواص کی طرف رہنمائی ہوتی ہے اسی طرح افراد کے مطالعے سے اقوام اور عام حیوانی مخلوق کے مطالعے سے خاص انسانی مخلوق کی طبیعت اور فطری میلان کا کامل پتہ لگ سکتا ہے۔ یہ طرز خیال بجائے خود آج اس قدر کم نفع مند ثابت ہوا ہے کہ جہاں صلاحیت کا صحیح تخیل مغرب کو مادی ترقی کے مدارج اعلیٰ پر چڑھ جانے میں بیش ازبیش کامیاب ہوا ہے' وہاں اس کا غلط مفہوم اس کو اخلاقی انحطاط کے درکِ اسفل کی طرف نہایت تیزی سے گھسیٹ رہا ہے۔ وہ آج سب کے سب اپنی مادیت پر خوش ہونے کی بجائے اپنے فقدانِ روحانیت کا ماتم کر رہے ہیں۔ سیاست کا صحیح علم اگر کہیں ان کو ایک گز ابھار رہا ہے تو روحانیت سے کم علمی دوسری جگہ ان کو دو گز دبا دیتی ہے۔ وہی تمدن جو اپنی حیرت انگیز نفع پرور قوت کے باعث دنیا کے ہر گوشے کو آباد اور پررونق کر رہا ہے۔ ان کے اپنے گھروں کو دردناک طور پر اجاڑ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشیائے فطرت کے بے مثال سائنسی علوم کی حامل ہونے کے باوجود مغرب کا روئے زمین پر دوام ازبس مشتبہ امر ہے۔ وہ علم الدین سے کماحقہ بہت کم واقف ہیں۔ ان کو اس دنیا کے اندر صراط مستقیم کے ایک اہم حصے کی کچھ خبر نہیں رہی۔ سیاست اور مادیت کے ناروا غلو نے نامعلوم طور پر یہ بات ان کی گھٹی میں ڈال دی ہے کہ اس دنیا کے اندر "اصلیت" محض جسمانی زور اور مادی طاقت ہی ہے' یہی کمتر مخلوق کے اخلاق کا جزو اعظم ہے' اسی کے اندر بقائے انواع کا راز ہے۔ وہ اس مادی زور کو بدرجہ اتم حاصل کرنے کے لئے سب ممکنہ اشیائے فطرت کو کرایہ پر لے رہے ہیں اور ان کی وساطت سے زور آور بنتے ہیں۔ لیکن افراد کی روحانی صلاحیت اور تہذیب نفس کے آسمان شکن زور کی ان کو کچھ خبر نہیں' وہ اپنی باطنی ملکوتی طاقتوں کو مادیت کی بے جان قربان گاہ پر چڑھا رہے ہیں اور بے رحم زمانے کے ہاتھوں جلد مٹ رہے ہیں۔

مغربی اقوام کے بالمقابل مشرقی اقوام میں صلاحیت کا مادی اور روحانی تخیل دونوں اصلاً مفقود ہو چکے ہیں۔ ان کے نزدیک فطرت کا یہ

Marfat.com

کارگاہِ اعظم اصلاً بے کار اور باطل ہے۔ اس میں کچھ شے لائقِ تفتیش نہیں، کچھ سعی و عمل کی اہل نہیں۔ دنیا کو غائر نظر سے دیکھنا ان کی نظروں میں عبث ہے۔ اس جہان میں خوش اسلوبی اور زور سے رہنا ان کی نگاہوں میں نقش بر آب پیدا کرنے کی سعی کرنا ہے۔ وہ خدا کی اس عظیم الشان صنعت پر لات مارنا خوشنودیِ خدا سمجھتے ہیں اور آخرت کی ابدی زندگی کے دل خوش کن تصور میں غرق ہیں۔ صلاحیت کا وہ مصلح جماعت اور انقلاب انگیز تخیل جو انبیائے کرام نے کسی زمانے میں رواں کیا تھا آج مشرق میں حرفِ غلط کی طرح مٹ چکا ہے اور اس کائناتِ شرط و جزا اور کارخانۂ سعی و عمل میں بیکار بن بن کر دکھ پانا ان کا شیوہ اعتقاد ہو گیا ہے۔ مذہب اور سیاست ان کے ہاں ایک دوسرے سے الگ ہو چکے ہیں۔ وہ سیاست جو روحانیت کے زورِ اثر پر اقوامِ عالم کو انبیاء کی وساطت سے ملی تھی اقلیم آخرت کے لئے وقف ہو گئی ہے۔ مسلم اور غیر مسلم سب اس سعی نامشکور میں مصروف ہیں کہ دنیا کے نقد کو غیر کے ہاتھ میں دے کر آخرت خرید لیں اور کم از کم اس دنیا کے لئے مذہب کا ہونا بیکار ثابت کر دیں۔ الغرض جہاں نقد پسند مغرب صلاحیت کو جسمانی قوت کی پیدا کی ہوئی سیاست کے ماسوا کچھ اور سمجھنا گناہ سمجھتا ہے اور مذہب کے اجنبی اور ناخوش آئند مہمان کو اس کے اصلی وطن (ایشیا) میں دھکیل کر زور کی اکڑ پر اس دنیا میں دوام کی لاطائل سعی کر رہا ہے وہاں مشرق کا باسی روحانیت کے اصلی مفہوم کو خیرباد کہہ کر کمزوری اور جمود کی پاکبازی سے ہی اپنے آپ کو "صالح" سمجھتا ہے اور اپنے ہاتھوں آپ مٹ رہنے میں بقا کا راز عبث ٹٹول رہا ہے۔

تگ و دو اور جمود کے یہ دونوں مناظر افراط و تفریط کے مناظر ہیں۔ فنا اور ہلاکت کے مناظر ہیں، حفظ و امن کے مناظر نہیں۔ اس دنیا کی چاردیواری میں رہ کر کسی قوم کا سچا مذہب اس کے دوام و بقا کا مذہب ہی ہے اور یہی سچی سیاست اور سچی صلاحیت ہے۔ دوام کے لئے جہاں اشد شدید زور کی قطعی ضرورت ہے وہاں اس زور کو برقرار رکھنے کے لئے انتہائی تزکیۂ نفس واحد اور آخری وسیلہ ہے۔ اقوام کے اس دنیا میں بقا کے لئے ضروری ہے کہ اس کے افراد کا تخلق حتی الوسع صانعِ فطرت کے اخلاق سے مماثل ہو، اشرف الخلق انسان سے کسی برتر مخلوق بننے کا تہیہ ہو، نہ یہ کہ سفلی پیدائش سے ارتقا کیا ہوا انسان پھر اسی درکِ اسفل کی طرف لوٹ آئے۔ ایسی تہذیب اپنے پاؤں پر آپ تبر مار رہی ہے گو کہ اپنے زور کے نشے میں وہ فی الحال اس قدر مست ہو کہ اس خودکشی کا کچھ اندازہ نہ کر سکے۔

یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ مغرب کو ایک نہ ایک دن اعمالِ خدا (کائنات) کے مشاہدے کو کچھ مدت کے لئے ملتوی کر کے الفاظ خدا (وحی) کے مطالعے کی طرف آنا پڑے گا۔ اس دن ان کی سب حیرت اور تذبذب حالت تیقن میں بدل جائے گی۔ "صلاح" کا اکثر غلط تخیل درست ہو کر مکمل ہو جائے گا۔ ان کے عمل فطرت سے مستنبط کئے ہوئے اکثر معاشرتی اور تہذیبی اصول کی تائید ہزاروں برس پیشتر کے کہے ہوئے الفاظ سے حیرت انگیز طور پر ہو گی۔ ان کو انبیاءؑ کے اس دنیا میں علمی مقام کا صحیح اندازہ ہو جائے گا، اپنی غلط روی کے متعلق صحیح اور نتیجہ خیز معلومات ملیں گی، صحیح روی کی الٰہی اور سرکاری سند مل جائے گی، پھر ان کا فاطر زمین و آسمان سے تجاہل عارفانہ بھی نہ رہ سکے گا۔ "منکر مے" بن کر ہم رنگ مستاں زیستن کے مصداق نہ رہ سکیں گے۔ اس عزیز و حکیم خدا کی حکمت پر کھلا اور بے حجابانہ یقین، اس کے اعمال پر محققانہ نظر، اسی کے الفاظ کی خادمانہ قدر، اس کی رحمت کی بے محابا تمنائیں اور تقدم کے بڑھتے ہوئے حوصلے اس کشتِ زارِ عمل کو ہری بھری کر دیں گے۔ پھر انسان بھی ایک دوسرے سے الفت سے رہے گا۔ اگر مغرب اور مشرق نے فی الحقیقت مذہب کو علم کی نظر سے دیکھا اور علم نے بھی اس کو اپنی آغوشِ لطف و مروت میں لے کر کلامِ خدا کو ازسرنو انسان کا مشترک صراطِ مستقیم، اس کا واحد دستور العمل، رب العالمین کا ایک اور اٹل پیغام، اس کا ایک اور ناقابل بدل قانون ثابت کر دیا اور اگر ساکنانِ زمین نے بھی دانشمندی اور تدبر سے کام لے کر پیغمبرانِ جہاں کی ذاتیات پر بحث کرنے کی بجائے خدائے عظیم کے نفس الامر کی

Marfat.com

طرف توجہ کی، سب فروعات اور ظواہر کو بالائے طاق رکھ کر اصل قانون کو اپنا شیوۂ عمل بنا لیا تو جہنم کے سب دروازے بند ہو جائیں گے۔

پس اگر مسلمان زندہ اقوام کی صف میں پھر شامل ہونا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ ایمان کے جملہ تقاضوں کو جن کا شروع میں ذکر ہوا پورا کرتے ہوئے علم فطرت یعنی سائنس اور ٹیکنولوجی کے حصول کی فوری اور بھرپور کوششوں کا آغاز کر دیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے ایمان و عمل کو اس قدر سیدھا اور درست کریں کہ ان کی زندگی میں "صلحیت" کی جملہ خصوصیات بھرپور انداز میں نمودار ہوں اور وہ ایک صالح قوم کے طور پر پھر ابھر آئیں۔

(۳) اعمال صالحہ کا غلط مفہوم

قرآن حکیم کے صحیح مفہوم کے سلسلہ میں ایک ضروری تصریح **امنوا وعملوا الصلحت** کی قرآنی اصطلاح ہے جس کے متعلق مسلمانوں میں بہت سی خوش فہمیاں موجود ہیں اور چونکہ اس اصطلاح کی قرآنی اور یقینی تشریح ذہنوں میں موجود نہیں رہی مسلمان کے سامنے ایمان اور عمل صالح کے متعلق ایک علی الحساب سا ملائی تخیل موجود ہے جس کی افادیت ملت کے حق میں باقی نہیں رہی۔ چونکہ سورہ والعصر کے حوالہ سے **تواصوا بالحق** کے الفاظ میں "الحق" کی وضاحت گزر چکی ہے اور اسی سورہ مبارکہ میں ان الفاظ سے پہلے **امنوا وعملوالصلحت** کے الفاظ ہیں لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "الحق" یعنی صحیفہ فطرت اور "عمل صالح" کا آپس میں جو تعلق قرآن سے ثابت ہے اس کی بھی وضاحت ہو جائے۔

سورہ ص میں بعض انبیاء کے علمی اور عملی کارناموں کا ذکر شدومد سے کیا گیا ہے اور ان کے اعمال کو سراہا ہے۔ حضرت داوٗدؑ کو ذوالاید (یعنی ہاتھوں والا) کا خطاب دے کر کہا ہے کہ وہ انتہائی طور پر خدا کی طرف رجوع کرنے والا تھا (یعنی بار بار جو کرتا تھا خدا کے بنائے ہوئے قانون فطرت سے ہی اپنے آئندہ لائحہ عمل کا سبق لیتا تھا)۔ اس نبی نے پہاڑوں کو اپنے تابع کر لیا تھا، کئی قسم کے پرندوں کو مسخر کیا تھا، اس کی سلطنت ان علمی ترقیوں سے انتہائی طور پر مضبوط ہو گئی تھی اور اس کی سلطنت کی بنا علم فطرت پر ہونے کی وجہ سے وہ اس قدر طاقتور ہو گیا تھا کہ خدا نے اس کو "ہاتھوں والا" یعنی اپنے سعی و عمل کے زور سے سلطنت کو مضبوط کرنے والے کا خطاب دیا اور (اس کے علاوہ اس کو اسی علم کے باعث اس دنیا میں ترقی کرنے کی) حکمت عطا کی اور اپنی رعیت کو معلومات کے متعلق فیصلہ کن اطلاعات بذریعہ خطاب دینے کی اہلیت بھی دی۔ **وشددنا ملکہ و اتینہ الحکمۃ و فصل الخطاب (۳۸:۲۰)** اس کے بعد پھر حضرت داوٗدؑ کو خطاب ان عظیم الشان الفاظ میں ہے جن میں سلطنت کو مضبوط کرنے کے گر لازوال لفظوں میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ انتہائی قابل غور بات یہ ہے کہ سب آیتیں مسلسل ہیں۔

یا داؤد انا جعلنک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ ط ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب○ وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا ط ذلک ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار○ ام نجعل الذین امنوا و عملوالصلحت کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار○ کتاب انزلنہ الیک مبارک لیدبروا ایتہ ولیتذکر اولوالالباب (۳۸:۲۶-۲۹)

ترجمہ : اے داوٗدؑ! درحقیقت ہم نے تم کو زمین پر بادشاہ مقرر کر کے اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے تو تم (پر لازم ہے

Marfat.com

کہ) لوگوں پر حکومت (صحیفہ فطرت کی) حقیقت کی بنیاد پر (قائم) کرو اور (حکومت کو آسان بنانے اور عیش و عشرت کا ذریعہ کرنے کی خاطر) خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرنا تاکہ یہ پیروی تم کو اللہ کی راہ سے نہ بھٹکا دے۔ تو ایسے لوگوں کو اس لئے کہ وہ روز حساب کو بھول گئے سخت ترین عذاب ہو گا۔ (اور اے داؤد! یہ جو ہم نے حکم دیا ہے کہ اپنی سلطنت کی بنیاد صحیفہ فطرت کے علم کی بنیاد پر رکھ کیونکہ صحیفہ فطرت ہی اس دنیا میں واحد حقیقت ہے تو سمجھ لے کہ) ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے باطل اور جھوٹ پیدا نہیں کیا (بلکہ برحق پیدا کیا ہے اور اسی لئے جو علم صحیفہ فطرت سے اخذ ہو گا وہ صحیح اور برحق ہو گا)۔ یہ (فطرت کو باطل سمجھنا) ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں تو ہلاکت ہے کافروں کی جہنم کی وجہ سے۔ (لوگو! بتلاؤ کہ) کیا ہم ایمان لانے والی اور صالح اعمال کرنے والی قوم کو اس قوم کے برابر کر دیں جو زمین پر فساد پھیلاتے رہتے ہیں اور کیا ہم خدا کے قانون سے ڈرنے والی جماعت کو فاجروں اور ظلم کاروں کے برابر کر دیں؟ (اے لوگو! ان عظیم الشان اصولوں کے بعد جو ہمنے ان آیات میں بیان کئے ہیں کیا ہم تم کو یہ نہ کہیں کہ) یہ قرآن ایک (بے مثال طور پر) برکت دینے والی کتاب ہے جو (اے محمدؐ!) ہم نے تم پر اس لئے اتاری ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر انتہائی غور و فکر کریں تاکہ دانا اور عقل و فہم والے اصحاب اس سے عبرت پکڑ کر (دنیا میں) کامیاب اور فائز المرام ہوں۔

کیا ان آیتوں کے پاس پاس ہونے اور پہلی آیت کے بالحق کے مقابلے میں دوسری آیت میں "باطلا" کے لفظ سے یہ لازمی نتیجہ نہیں نکلتا کہ پہلی آیت کے **فاحکم بین الناس بالحق** سے یقینی مراد یہ ہے کہ حکومت کی بنیاد حقیقت اور صحیفہ فطرت کے علم پر رکھو گے تو وہ سلطنت مضبوط ہو گی؟ چنانچہ حضرت داؤدؑ نے بھی پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر کے جو طاقت ان سے حاصل ہو سکتی تھی اس سے اپنی سلطنت کو اس قدر مضبوط کیا کہ خدا نے اس کو ذوالاید کا خطاب دیا۔ اگلی آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ "الحق" یعنی صحیفہ فطرت کے علم کی بنا پر کام کرنے والی قوم ایماندار اور عمل صالح کرنے والی قوم ہے اور فطرت کو باطل سمجھتے ہوئے اس سے غافل رہنے والی فاسد و فاجر قوم ہے۔ فتدبر!

یہی وجہ تھی کہ خدا نے قرآن کو برکت دینے والی کتاب کہا، اس کی آیتوں میں کمال غور و فکر اور تدبر کرنے کی تاکید کی اور صاف کہا کہ صرف فہم و فراست والے لوگ اس سے مفید سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

ان تصریحات کے سلسلے میں حضرت داؤد کے بعد حضرت سلیمان کا ذکر **نعم العبد و انہ اواب** (۳۰:۳۸) کے الفاظ میں ادا کیا یعنی یہ کہ وہ نہایت ہی عمدہ خدا کا نوکر تھا اور بار بار (خدا کے قانون کی طرف) رجوع کرنے والا تھا۔ پھر کہا کہ سلیمان کو ہم نے اس کی سلطنت پر ایک بے جان جسم ڈال کر (یعنی لاینحل مشکل میں ڈال کر) آزمایا۔ اس نے اس آزمائش میں فتح حاصل کی اور دعا کی کہ اے پروردگار! میری کوتاہیوں پر پردہ پوشی کر اور مجھے ایسی عظیم الشان سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی کے شان شایان نہ ہو کیونکہ بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے۔ **ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسدا ثم اناب○قال رب اغفرلی فھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب** (۳۸:۳۴-۳۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے نبیوں کی بھی یہی خواہش ہوا کرتی تھی کہ ان کو بڑی بڑی سلطنتیں ملیں تاکہ وہ انسانوں کو حکمت کے علاوہ حکومت اور ڈنڈے کے زور سے راہ راست پر لائیں۔

اسی سورت میں پھر حضرت ایوب، ابراہیم، اسحٰق، یعقوب علیہم السلام کے کارناموں پر تحسین و آفرین کی ہے اور ان کو **اولو لایدی**

Marfat.com

والابصار' انا اخلصهم بخالصته ذکری الدار اور لمن المصطفین الاخیار کے عظیم الشان خطابات دیئے تھے یعنی وہ ہاتھوں اور آنکھوں والے نہایت ممتاز حاکم تھے' انکو ہم نے اس دنیا سے عبرت پکڑنے کے لئے مخصوص کر دیا تھا' وہ ہمارے چنے ہوئے اول درجے کے نیک عمل کرنے والے بندوں میں سے تھے۔

ان سب تصریحات سے جن کی کوئی دوسری تشریح یا تاویل ممکن نہیں ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا کے چنے ہوئے یہ بندے جن کو خدا کی طرف سے قوم کی امامت سپرد ہوئی تھی وہ بڑے جلیل القدر' صاحب جدوجہد' اور باعمل لوگ تھے جو اپنی اپنی قوموں کو فلک الافلاک تک پہنچا گئے' جنہوں نے صحیفہ فطرت کا علم حاصل کرنے میں (اس وقت کے معیار کے مطابق) انتہائی کوشش کی' جنہوں نے حکومت اور سلطنت کی بنیاد حق پر رکھی' کسی ظن و گمان کو انہوں نے اپنے ذہنوں میں داخل نہ ہونے دیا' صحیفہ فطرت کو کسی عنوان سے باطل نہ سمجھا' وہ آج کل کے مذہبی پیشواؤں کے قول کے مطابق دن رات گوشوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ پکارتے نہ تھے' بلکہ خدا کی بنائی ہوئی فطرت کی ہر شے کی تسخیر کے درپے تھے اور یہی فطرت کو مسخر کرنا ان کا حسن عمل اور عملوالصلحت تھا۔ وہ صحیح معنوں میں ہاتھوں والے اور آنکھوں والے انسان تھے جو قوموں کو نجات کی راہ دکھلا گئے' گوشوں میں تسبیح پھیرنے والے اور نرے اللہ کرنے والے یا ہاتھ پر ہاتھ دھر کر اور آنکھیں میچ کر کمبل میں لپٹے ہوئے اونگھنے والے بیکار شخص نہ تھے جن کے غول کے غول آج مسلمانوں کی خانقاہوں' مسجدوں' گوشوں اور جنگلوں میں بیٹھے ہوئے خلقِ خدا کو اپنے قرب خدا کا دھوکہ کئی صدیوں سے دے رہے ہیں اور قوم کی کشتی کو ہلاکت کے منجدھار میں غرق کر کے خدا کے غیض و غضب کی دعوت دے رہے ہیں۔

دیکھنا یہ ہے کہ سن ۵ نبوی کے وسط میں اس سورت کے نزول سے مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مٹھی بھر ساتھیوں کو پہلی سورتوں کے کردار و اخلاق کا بلند تخیل' کفار سے بالآخر قتال و جہاد کرنے کا تخیل' خدا کے حکموں کی پے در پے تعمیل کا تخیل' خدا کا دل میں مسلسل کھٹکا رکھنے کا تخیل' اپنے لئے بادشاہتِ زمین کا تخیل' اطاعتِ امیر کا تخیل' کافروں کے برے انجام کا تخیل' خوبصورت عورتوں کے ملنے کا ذہن انگیز تخیل' خدا کے حضور میں صبح و شام پچھلے پہر رات کو کھڑے ہو کر عاجزی محسوس کرنے کا تخیل' وغیرہ وغیرہ دے کر اب یہ تخیل بھی دینا تھا کہ فطرت واحد حقیقت ہے' فطرت کے بڑے کارندے یہ انبیاء تھے جو اپنی قوم کو طاقتور بنا کر امن اور سلامتی دینے آئے تھے' وہ ہاتھوں اور آنکھوں والے ہوشمند بندے تھے۔ اسی لئے خدا نے انہیں چن لیا تھا' چادروں میں اپنے آپ کو لپیٹ کر لمبے لمبے سانس خدا کے سامنے عاجزی دکھلانے کے لئے بھرنا اسلام نہیں ہے۔ خدا کے حضور میں کھڑے ہونا صرف دلوں کو عمل کے لئے نرم کرنے کے لئے ہے۔ اس لئے ان سب تخیلات میں جو تم کو بذریعہ وحی دیئے جا رہے ہیں قسط و اعتدال سے رہو' کسی بات میں غلو نہ کرو' قل امر ربی بالقسط کے آنے والے حکم کے مطابق ہر تخیل کو پورے طور پر نباہنا ہی اسلام ہے' قرآن کے ایک حکم سے غافل رہ کر دوسری طرف زیادہ جھک جانا بھی شیطانی وسوسہ ہے۔ اس لئے ان لغزشوں سے بچتے رہو۔

حصول علم فطرت اور فطرت پر عمل کا "عمل صالح" کرنے والے شخص کا صالحین کی جماعت میں شامل ہونا سورہ نمل کے تاریخی واقعہ سے ذرا زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ شاید خدا یہ چاہتا تھا کہ مکہ کے اس وقت جب اس سورت کا نزول ہوا' ساٹھ ستر مسلمانوں کو ابھی سے معلوم ہو جائے کہ جب ان کو آگے چل کر زمین کی بادشاہت مل جائے تو ان کا لائحہ عمل کس انداز کا ہونا چاہیے۔

ولقد اتینا داؤد وسلیمان علما وقالا الحمد لله الذی فضلنا علی کثیر من عباده المومنین○ وورث سلیمان داؤد وقال یایها الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیءان هذا لهو الفضل المبین○ و حشر لسلیمن جنوده من

Marfat.com

الجن والانس والطير فهم يوزعون○ حتی اذا اتوا علی واد نمل قالت نملۃ یا ایھا النمل ادخلوا مسکنکم لا یحطمنکم سلیمن و جنودہ وھم لا یشعرون○ فتبسم ضاحکا من قولھا و قال رب اوزعنی ان اشکر بنعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضہ و ادخلنی برحمتک فی عبادک الصلحین○ (۲۷:۱۵-۱۹)

ترجمہ : اور باتحقیق ہم نے داؤد اور سلیمن کو (اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے) علم (صحیفہ فطرت) عطا کیا تھا۔ پھر (جب ان کو اس علم میں مہارت ہو گئی اور وہ اپنی سلطنت کو شان و شوکت کے کمال تک لے گئے تو) انہوں نے کہا کہ سزاوارِ حمد وہ خدا ہے جس نے ہم کو اپنے ایماندار بندوں میں سے بھی اکثر پر فضیلت دے دی (اور اب ہم روئے زمین پر سب سے زیادہ طاقتور ہیں) اور داؤد کا وارث سلیمان ہوا تو اس نے کہا اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سکھلا دی گئی ہے (یعنی علم فطرت کے زور سے ہمارے سائنس دانوں نے پرندوں کی زبان سمجھ لی ہے اور اب ہم جس طرح چاہیں پرندوں کو حکم دے کر اپنے مطلب کے لے استعمال کر سکتے ہیں) اور ہم کو تمام دنیا کی نعمتیں عطا کر دی گئی ہیں اور فی الحقیقت یہ ایک کھلے طور پر خدا کا فضل ہے اور جن و انس اور پرندوں کے لشکر (ٹھٹھ کے ٹھٹھ) سلیمان کے لئے جمع کئے گئے تاکہ وہ ملکہ سبا کے ملک پر حملہ کریں اور وہ ٹولیوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ پھر جب وہ لشکر وادی نمل (یعنی چیونٹیوں کے میدان) میں پہنچے (جہاں کہ ملکہ سبا نے دشمن کے حملہ کو روکنے کے لئے زہریلی چیونٹیوں کے لشکر پہلے ہی اس لئے تیار کر رکھے تھے کہ جونہی غنیم ملک پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے وہ چیونٹیاں ان کو ڈنک مار مار کر ہلاک کر دیں) تو (سلیمان کے لشکروں کو جو پہلے ہی ایسے خطرناک آلات سے مسلح تھے کہ چیونٹیوں کو تباہ کر کے آگے بڑھیں)' دیکھ کر ایک چیونٹی نے (جو غالباً" چیونٹیوں کے لشکر کی سردار تھی) کہا کہ اے چیونٹیو! سلیمان کا لشکر بڑے زبردست آلات سے مسلح ہے تاکہ تم سب کو ہلاک کر دے اس لئے اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ تم سب کو کچل ڈالے اور تم کو خبر تک نہ ہو۔ پھر (سلیمان کا لشکر غالب ہو گیا اور چیونٹیاں یا اپنے بلوں میں گھس گئیں یا اس کے لشکر نے سب کو ہلاک کر دیا تو) سلیمان کی باچھیں (چیونٹی کے اس قول پر کہ بلا مقابلہ سپراندازی ہوئی) کھل گئیں اور وہ (بزبان حال) پکار اٹھا کہ اے میرے پروردگار مجھے اس بات کی توفیق دے کہ میں (صحیح معنوں میں) اس نعمت کی قدر کروں جو تو نے مجھے (اس قابلیت کی بنا پر) عطا کی کہ میں ایسا جرار لشکر تیار کر سکوں جس کے مقابلے کی کوئی دوسرا لشکر تاب نہ لا سکے (بلکہ میرے والد کو بھی عطا کی کیونکہ میرے والد کے انتہائی سعی و عمل کی وجہ سے ہی میں قوت اور شوکت کے اس درجہ پر پہنچا ہوں) تو مجھے توفیق دے کہ میں (مزید قوت اور شوکت حاصل کرنے کے یہی صالح اعمال کرتا جاؤں اور تو مجھ کو اپنی رحمت اور مہربانی سے جو تو نے مجھے قانونِ خدا کو صحیح طور پر سمجھا کر کی ہے) اپنے صالح العمل بندوں کی فہرست میں داخل کر دے (تاکہ منشائے پیدائش کائنات جو اس دنیا میں مادی قوت حاصل کر کے صحیفہ فطرت کی ماہیت کو پا لینا ہے' حاصل ہو جائے)۔

وادی نمل کا یہ حیرت انگیز قصہ پھر آج کل کے علماء کی "عمل صالح" کے متعلق اس تعلیم کے بالمقابل کہ "اللہ کا فضل" چاہتے ہو تو تسبیحیں پھیرتے جاؤ اور خدا کا نام روزانہ کئی ہزار بار لو پھر حضرت سلیمان کے عمل صالح کی تعلیم کہ اگر دشمن نے چیونٹیوں کا لشکر

Marfat.com

تمہاری فوج کو ہلاک کرنے کے لئے تیار کیا ہے تو تم بھی ایسے خطرناک آلات تیار کرو کہ چیونٹیوں کے لشکر اپنے بلوں میں گھس جائیں اور میدان صاف ہو جائے' پھر "ان الارض عبادی الصلحون" کے بارے میں آج کے مسلمانوں کا یہ خانہ بر انداز تخیل کہ زمین کے وارث وہ نیک بندے ہوا کرتے ہیں جو تمام دن رات سجدے ہی کرتے رہتے ہیں اور اس کے مقابلے میں حضرت سلیمان کا "فی عبادک الصالحین" کے متعلق یہ تخیل کہ "ضرور گرانڈیل جنوں اور انسانوں بلکہ پرندوں کے لشکر تیار کرکے دوسرے ملکوں پر حملہ کرو تاکہ زمین پر تمہاری سلطنت وسیع تر ہو اور تم دنیا کی تمام ایماندار قوموں میں سے بھی جو اس وقت وارث زمین ہوں' زیادہ فضیلت والی قوم بن جاؤ۔" (گویا انبیاء کا عملِ صالح صحیفہ فطرت کی صحیح قدردانی' اس کی تسخیر اور اشیائے فطرت سے طلب عمل ہے)' ان سب متضاد تخیلات کا موازنہ کرکے ہر سلیم الذہن شخص ایک ہی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ قرآن کی تعلیم آج کے زمانے میں قطعی طور پر بگڑ چکی ہے اور قرن اول کی تعلیم اور آج کل کی تعلیم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

صحیفہ فطرت کی حقیقت اور اہمیت پر چند الفاظ جو اس سلسلے میں ہر شخص کی معمولی سوچ کے لئے پیش کئے جاتے ہیں' حسب ذیل ہیں۔ ان پر انتہائی غور و فکر کے بغیر قرآن کا ایمان اور عمل صالح پورے طور پر سمجھ نہیں آ سکتے۔

(۱) زمین و آسمان کی کائنات کا سلسلہ ایک حیرت انگیز اور نتیجہ خیز سلسلہ صرف انسان کے لئے اس وجہ سے ہے کہ انسان کے پاس آنکھ' کان اور ذہن ہیں اور وہ ان کی وجہ سے ہی اس کائنات کو حیرت کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے یا اگر اور گہرا چلا جائے تو کسی نتیجے تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ حیوانات یا دوسری ادنیٰ مخلوق کو پتہ بھی نہیں کہ کائنات کیا ہے اس لئے ان کے سامنے "حیرت" وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کو صرف "عقل حیوانی" یا "میکانکی عمل کی ہدایت" دے دی گئی ہے جس کے ذریعے وہ **یفعلون ما یومرون** (۱۶:۵۰) کے مصداق ہیں یعنی "جو کچھ ان کو حکم دیا گیا ہے کرتے ہیں" اور بس۔ (۲) انسان کے سامنے کائنات موجود ہے لیکن اس کا بنانے والا نظر نہیں آتا جو دوسری حیرت انگیز بات ہے۔ (۳) ادنیٰ مخلوق کو پوری راہ بتلا دی گئی ہے لیکن انسان ماں کے پیٹ سے نکلنے کے بعد **لا تعلمون شیئا** (۱۶:۷۸) کی حالت سے دوچار ہے یعنی "اس کو کسی شے کا علم نہیں۔" (۴) انسان کے سامنے سوائے صحیفہ فطرت کے کوئی دوسری شے موجود نہیں جس سے وہ اپنے آنکھ' کان' ذہن کے ذریعے سے (یا کسی اور ذریعے سے اگر ممکن ہو) کوئی علم حاصل کر سکے یا اپنے لئے کوئی راہ دریافت کر سکے۔

ان چار امور کو ذہن نشین کر لینے کے بعد فطرتاً جو شے انسان کے سامنے آنی چاہئے یہ ہے کہ اس کائنات کو بنانے والے کو (۱) سمجھنے کے لئے کہ وہ کیا ہے' (۲) یہ سمجھنے کے لئے کہ وہ انسان سے کیا چاہتا ہے' (۳) یہ سمجھنے کے لئے کہ انسان کی راہ اس دنیا میں کیا ہے' یا (۴) یہ سمجھنے کے لئے کہ انسانی قومیں کیا عمل کرکے دوسری قوموں پر برتری حاصل کر لیتی ہیں اور ایک قوم شکست کھا جاتی ہے اور دوسری اس کی جگہ لے لیتی ہے' اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس صحیفہ فطرت کو ہی دیکھا جائے کیونکہ اور کوئی شے اس کے سوا انسان کے سامنے نہیں اور صحیفہ فطرت کا بنانے والا خود ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ الغرض انسان کی ہر مشکل کا حل صحیفہ فطرت میں ہے۔ دوسرا کوئی ذریعہ اس کے پاس موجود نہیں جس سے وہ ہدایت یا علم حاصل کر سکے۔ قرآن کریم میں اکثر مقامات پر فطرت کی چیزوں کی طرف توجہ دلاتے وقت "الم تر" (کیا تو نے نہیں دیکھا---) کے الفاظ آئے ہیں۔ پس جب انسان کے سامنے صحیفہ فطرت کے سوا دوسری شے نظر نہیں آتی تو انسان کے واسطے چارہ ہی نہیں رہا کہ وہ اس سے پورا لگاؤ "اٹھتے' بیٹھتے' لیٹتے" پیدا کرکے معرفت خدا حاصل کرے یا ہدایت حاصل کرے یا جو کچھ بھی مل سکتا ہے اسی سے حاصل کرے۔

Marfat.com

یہ دلائل ہیں جن کی وجہ سے قرآن کا ایمان انسان کے صحیفہ فطرت کو بھی برحق سمجھنے کا ایمان ہے اور قرآن کا عمل صالح وہ عمل ہے جو صحیفہ فطرت کی اشیاء کے صحیح استعمال اور اس کی صحیح تلاش میں یا انسان کی ہیئت اجتماعی کی باہمی بہبود میں صرف ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے صحیفہ فطرت کو برحق کہا۔ اس کو باطل سمجھنے والوں کو کافر' فاجر اور مفسد فی الارض کہا۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ والی قوموں کو اس دنیا کی بادشاہت' دوسری قوموں پر فضیلت' مادی ارتقا اور جنات زمین کی تمام نعمتوں کا وعدہ دیا اور یہی وہ حقیقت ہے جو ہر شخص کو ان آنکھوں کے سامنے نظر آ رہی ہے۔ خواہ وہ قوم کسی "آسمانی" کتاب کو "مانتی" ہو یا نہ "مانتی" ہو۔

ان وجوہ کی بنا پر ہی قرآن حکیم میں آیات کا لفظ قرآن میں لکھی ہوئی آیات اور صحیفہ فطرت سے اخذ کی ہوئی آیات دونوں پر یکساں استعمال ہوا ہے۔ دونوں پر ایمان رکھنا انسان کا فرض ہے کیونکہ قرآن کی آیت خدا کا کلام ہے اور فطرت کی آیت خدا کا کام۔ خدا کے کام سے نکلی ہوئی آیت پر انسان کا ایمان لانا خدا کے نزدیک اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ قرآن یا کسی اور صحیفہ آسمانی پر لکھی ہوئی آیت پر۔

قرآن کی یہ تعلیم ہے اور آج کل کے علما امت کو یہ کہتے رہتے ہیں کہ یہ دنیا مردار ہے۔ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو' تسبیحیں پھیرتے جاؤ اور گوشوں میں بیٹھے رہو۔ سب کچھ جو ملنا ہے آخرت میں ملے گا' یہاں جس نے نقد لے لیا اس کو آگے چل کر جہنم ہے۔ مسلمان اس عقیدہ سے ایک انچ ادھر نہیں ہٹتے حالانکہ ہر روز اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ امریکہ اور یورپی اقوام جو فطرت کی تلاش میں ہمہ تن مصروف ہیں' اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں۔ ورلڈ آرڈر ان کا چل رہا ہے اور ادھر مسلمان ضعیفی و کسمپرسی کی حالت میں اور غم و اندوہ میں ڈوبے قرآن کے اس دعوے **"ولا تهنوا ولا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنين"** (اپنے آپ کو ذلیل و بے بس مت سمجھو اور مت غم کرو کیونکہ اگر تم ایماندار ثابت ہوئے تو تمہیں اعلیٰ مقام پر فائز ہو گے) کی انتہائی بے دردی سے نفی کر رہے ہیں۔

(۴) صحیفہ فطرت سے غفلت برتنے کا تاریخی پس منظر اور عمل صالح کا غلط مفہوم۔

علمائے دین کا مذکورہ بالا نظریات کے حامل ہونے کا بھی ایک تاریخی پس منظر ہے۔

دوسری صدی ہجری کے آخر تک مسلمان کم و بیش فاتح رہے۔ دوسری صدی کے وسط میں قرآن پر بحثیں اور مناظرے شروع ہو گئے تھے' اسلام میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز ۱۴۳ ہجری ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ اگرچہ ابھی رفتار بہت دھیمی تھی لیکن چونکہ فتح کی رفتار بھی دھیمی ہو رہی تھی دوسری صدی کے آخر تک اگر زیادہ نہیں تو سینکڑوں مجتہد' فقیہ' فلاسفر' مورخ بلکہ ادیب اور شاعر بھی پیدا ہوتے گئے اور اسی وقت سے دین اسلام کی عملی روح کو ختم کرنے کی کوشش کا آغاز ہو گیا۔ اس کے باوجود چوتھی صدی ہجری کے آخر تک بھی اسلام کی وسیع سلطنت میں کسی کالج یا سکول کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ نظامیہ یونیورسٹی کی تعمیر نظام الملک طوسی وزیر الپ ارسلان خاندان سلجوق نے ۴۵۷ھ میں ڈالی۔ امام غزالیؒ اسی یونیورسٹی کے نائب پروفیسر اور شیخ سعدیؒ اس کے درس یافتہ تھے۔ نظام الملک اسی علمی بدامنی کے باعث ۴۸۵ھ میں رعیت کے ایک فرد کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ماورالنہر کے علما نے اس یونیورسٹی کے قیام پر ماتم کیا کہ "اب علم قرآن علم نہیں رہا" مگر کیا ہو سکتا تھا۔ دین اسلام کی روح اور قرآن کے معانی بگڑ چکے تھے اور نظامیہ کے قیام کے بعد ہزارہا مدرسے تمام عالم اسلام میں پھیل گئے۔

Marfat.com

حضرت امام رازیؒ جنہوں نے تفسیر کبیر لکھی ۵۴۴ھ میں پیدا ہوئے اور انہوں نے ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے تفسیر کبیر کے علاوہ علم کلام پر قریباً ایک درجن کتابیں، اصول فقہ پر ایک کتاب، حکمت پر تین کتابیں، طلسمات پر دو کتابیں، نحو میں شرح مفصل ایک نہایت ضخیم کتاب، فقہ پر ایک بڑی شرح اور طب بوعلی سینا کی کتاب قانون کی ضخیم شرح باسٹھ برس کی مختصر عمر میں لکھیں۔ اتنا بڑا قلم کا طومار اور ہزارہا صفحوں میں قرآن حکیم کی تفسیریں جو رومی اور رازی نے پیدا کیں وہ مسلمانوں کے زوال کا رخ نہ موڑ سکیں اور ان کا کچھ نتیجہ پیدا نہ ہوا۔ اصل اسلام اور دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس کا ذکر امنو و عملو الصّٰلحت کے ضمن میں ہو رہا ہے وہ دینِ عمرؓ تھا جس نے صرف بارہ برس کی مدت میں (یعنی فاروق اعظم کی خلافت کے اختتام ۲۳ ھ یا ۶۴۴ء تک) انہی ایمان اور عمل صالح والے مسلمانوں کے ذریعے سے چھتیس ہزار شہر اور قلعے اپنے قبضے میں کر لئے تھے۔ صرف حضرت عمرؓ کے عہد کے مقبوضہ ممالک کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل تھا، ہجرت کے ایک سو برس بعد تک مسلمان پرانی دنیا کے تین براعظموں تک پھیل گئے۔ ایشیا میں دریائے اٹک کی حدود ان کے ایک طرف اور یورپ میں فرانس کے جنوبی اور وسطی میدان دوسری طرف تھے، افریقہ کا تمام شمالی علاقہ بھی ان کے دستِ قدرت میں تھا۔ گویا ماسوا رومتہ الکبریٰ کے جو اٹلی میں تھا مسلمانوں کا تسلط قریب قریب سب مہذب دنیا پر ایک صدی کے اندر اندر ہو گیا۔

جو شے سمجھنے کے لائق ہے یہ ہے کہ دینِ عمرؓ میں رومی جیسے فلسفی اور رازی جیسے مفسر قرآن کی کیا گنجائش ہو سکتی تھی جن کے "طومارِ قلم" کے باوجود ایک مسلمان بھی اپنی جگہ سے نہ ہل سکا بلکہ مسلمان تفسیروں اور فلسفیانہ مباحث کے عادی ہو کر دین خدا کی غرض و غایت سے قطعی طور پر بے حس ہو گئے۔ حضرت امام رازی بالآخر اپنی تین سو بلدوں کی عظیم الشان تفسیرِ کبیر لکھ لینے کے بعد اس معاملے میں اس قدر حساس واقع ہوئے کہ انہوں نے حسب ذیل اشعار میں صاف طور پر اقرار کیا کہ قرآن کے متعلق میری "تمام عقلی اور منطقی باتیں لنگڑی ثابت ہوئیں" "عالمانِ قرآن کی اکثر کوششیں گمراہی تھیں" "ہماری روحیں ہمارے جسموں کے باعث گندی ہو گئیں" "ہماری دنیا کا حاصل سوائے اذیت اور وبال کے کچھ نہ ہوا" "ہم نے اپنی تمام عمر ان بحثوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا سوائے اس کے کہ ہم نے بہت سا قیل و قال (بے مطلب اور بے مقصد) جمع کر لیا" وغیرہ وغیرہ۔ یہ اشعار حسب ذیل ہیں۔

نهاية اقدام العقول عقال   واكثر سعي العالمين ضلال

وارواحنا في وحشة من جسومنا   و حاصل دنيانا اذىً و وبال

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا   سوى ان جمعنا فيه قيل و قال

وكم قد رأينا من رجال و دولة   نبادوا جميعا مسرعين وزالوا

وكم من جبال قد علت شرفاتها   رجال فزالوا والجبال جبال

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان صدہا جلدوں والی تصنیفوں نے قرآن حکیم کو کیوں دو اور دو چار کی طرح واضح نہ کیا۔ اور وہ وضاحت کیا تھی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف چند آدمیوں کے سینوں کے اندر بغیر کسی کتابی علم یا درس و تدریس کے ہوئی اور کم از کم تین سو برس تک نسلاً بعد نسل اس حیرت انگیز تیزی کے ساتھ جاری رہی کہ دنیا کی پوری تاریخ میں اس سعی و عمل کی مثال ہرگز نہیں ملتی۔

ان حالات میں ظاہر ہے کہ امنوا وعملو الصّٰلحت کا مفہوم مسلمانوں کے ذہنوں میں کیا باقی رہتا۔ وہ قرآن جو بار بار اور انتہائی تاکیدوں کے ساتھ صحیفہ فطرت کو برحق، اس کے منکروں کو کافر، باطل کے ماننے والوں کو جہنمی، عمل صالح کرنے والوں کو زمین کے واحد

Marfat.com

وارث پکار پکار کر کہتا تھا' بالاخر ان کتابوں کے طومار کے نیچے دب گیا۔ مدرسے کے طالب علموں نے اس قرآن کی درس و تدریس کو ایک مشغلہ سمجھ کر لیا۔ **امنوا و وعملو الصّلحت** کے معنی "ایمان لائے اور نیک اعمال کئے (اور بس)" اور چونکہ سعی و عمل کی روح اکثر مفقود ہو چکی تھی اور ہر شخص کو کسی نہ کسی طرح بس مسلمان بنا کر رکھنا قومی فرض بن چکا تھا' قرآنِ حکیم میں وہ معنوی تحریف پیدا ہوئی جو یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی کبھی نہ کی تھی۔

(۵) دین میں تفرقہ

موجودہ سائنسی دور میں بھی دینی مدارس اور "دارالعلوم" وغیرہ اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک دین خدا کے بیسیوں ٹکڑے اب تک قائم ہو چکے ہیں۔ ہر ٹکڑا اپنی جگہ ایک مسلمہ فقہ اور فقہ کی بنیاد پر مذہب بنا ہوا ہے۔ ایک ایک فقہ اور مذہب بھی کئی ایک فرقوں میں بٹ چکا ہے۔ اس طرح ملت اسلامیہ بے شمار فرقوں میں منقسم ہے۔ ہر فرقہ **کل حزب بما لدیھم فرحون** (ہر فرقہ یا گروہ اپنے ہی نظریہ کو صحیح ماننا اور اسی پر نازاں و فرحاں ہے) کے مصداق اپنے آپ کو ہی صحیح راستہ پر سمجھ رہا ہے جو ایک مضحکہ خیز بات بلکہ قرآن کی رو سے خدا کے ساتھ شرک کرنے کے مترادف ہے۔ حق تو یہ ہے کہ وہ جماعت یا گروہ (اگر کوئی ہے تو) جو ختم الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سالہ مکی اور دس سالہ مدنی دور کے اسلام پر قائم ہے صرف وہی حق پر ہے۔
اب بھی کوئی دینی مدرسہ یا "دارالعلوم" ایسا نہیں جس میں علم فطرت کے حصول کو ضروری سمجھتے ہوئے ریاضی' انجینئرنگ' سائنس اور ٹیکنولوجی کے مضامین کو کورس کا لازمی حصہ قرار دیا گیا ہو۔ دوسری طرف حکومت کی تعلیمی پالیسیاں بھی اس لحاظ سے یکطرفہ ہیں۔ انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں میں دینیات کی ابتدائی تعلیم تو ضرور دی جاتی ہے مگر کتاب اللہ یعنی قرآن عظیم کے سائنٹفک مطالعہ اور درس و تدریس کا مناسب اہتمام کہیں نہیں ہے۔ نتیجہ صاف ہے۔ دینی مدارس سے مسائل و فضائل سنانے والے واعظ اور سکول' کالجز اور یونیورسٹیوں سے دین حق سے بالکل نابلد لوگ پیدا ہو رہے ہیں۔ اس طرح امت مسلسل خدائی راہ عمل سے دوری اختیار کئے جا رہی ہے۔ بالاخر اس خطرناک رویہ کو ترک کرنا ہو گا۔ تعلیمی میدان میں بھی قسط و اعتدال کے قرآنی اصول کو رو بہ عمل لائے بغیر چارہ نہیں۔ سکول' کالجز اور یونیورسٹیوں میں عربی زبان' قرآن کی تعلیم اور دینی مدرسوں اور دارالعلوموں میں ریاضی' انجینئرنگ' سائنس اور ٹیکنولوجی کے مضامین کو لازمی قرار دینا ہو گا تاکہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد امت کے بیٹے اور بیٹیاں پاکیزہ اور متوازن شخصیتوں کے حامل ہو کر میدان عمل میں آئیں بلکہ ان تمام اداروں کو ایک دوسرے میں مدغم کر دینا چاہئے تاکہ یہاں سے یکجہتی اور اتحادِ عمل کے امکانات زیادہ روشن ہوں۔

جوں جوں انسانی تعلیم و تربیت کا رخ "الحق" یعنی علم فطرت کی طرف مڑتا جائے گا اور دینی اصول و قوانین دو اور دو چار کی مانند صحیح ثابت ہونے لگیں گے انسان دین کی طرف راغب ہوتا جائے گا۔ قرآن پر تو ہر مسلمان کا پختہ ایمان ہے۔ البتہ احادیث کے بارے میں اختلافات ضرور ہیں اور اسی وجہ سے امت مختلف مذاہب اور فرقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں یقیناً سینکڑوں ایسی احادیث ہیں جن پر سب متفق ہیں لیکن بہت سی ایسی احادیث ہیں جن کے الفاظ و معانی میں مختلف آراء ریکارڈ پر ہیں۔ بدقسمتی سے یہ اختلافات وقت کے ساتھ کم ہونے کے بجائے بڑھتے ہی چلے گئے ہیں۔ شیعوں اور سنیوں کی تو گویا ہسٹری ہی مختلف ہے۔ سنیوں کے اندر بیسیوں فرقے بنے ہوئے ہیں۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے نفرت کرتا ہے۔ احادیث کی ریکارڈنگ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بہت

Marfat.com

سال بعد ہوئی بلکہ بیشتر حصہ دوسری اور تیسری ہجری میں جمع ہوا' اس اثنا میں جمع و تدوینِ احادیث کے نئے نظریئے نے اجتہاد کا رخ ایک اور ہی طرف بدل دیا۔ سینکڑوں محافظینِ دین تسلسل اور تواتر کے ناممکن اور غیر یقینی اجتہاد میں مصروف ہو گئے۔ راویانِ حدیث کی صحت کا معیار اہل عرب نے پھر سے عقیدتمندی اور غلبہ وہم کی بنا پر کتاب الٰہی سے تطبیق یا کم از کم عدم تضاد کی بجائے راوی کے ذاتی اعتبار کو قرار دیا۔ دینی اور خدائی معاملات میں اس ناروا ارادت کا اظہار اور نسیان کار انسان سے یہ عقیدت مندانہ سلوک عرب کی ظاہر پرستی اور ناحقیقت شناسی کی ایک اور دلیل تھی جس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ قسم قسم کی احادیث' موقع اور مطلب نباہنے کے لئے معتبرین کے نام پر موضوع ہونے لگیں حتیٰ کہ ان کی چھان بین محال ہو گئی اور بے حد قیمتی وقت اس عمل میں صرف ہوا۔ کلام الٰہی کے مطالب میں براہ راست اجتہاد اسی قدر کم ہوتا گیا اور ضمناً مسلمان ایک حسرت انگیز طریقے پر قرآن کے غیر مکمل' مغلق اور غیر مشرح ہونے کے خاموش قائل ہو گئے۔

درحقیقت اس تمام سطحی جدوجہد کے بروئے کار نہ آنے کی اصل وجہ اہل عرب کا طریق تخیل تھا۔ عرب کی گزشتہ ہزارہا سالہ تاریخ میں ان کا واسطہ تخیل کی دو ہی شقوں سے پڑتا رہا۔ شاعرانہ شق کی بنا پر انہوں نے قرآن کے ظاہری محاسن کو دیکھنا شروع کیا اور بالآخر اس کو کمال پر پہنچا دیا۔ اوہامی شق کی بنا پر عرب نے قرآن کے باطن میں بھی استدلال شروع کر دیا مگر چونکہ طبیعتوں میں غیب کی باتوں سے الفت تھی' اور کہانت' وسواس' ظن اور فرضیت کے عناصر غالب تھے' اس لئے کتاب الٰہی کو کھولتے ہی ان کا خیال ماہیتِ خدا' حقیقتِ نبوت' کیفیتِ وحی' ملائک و جنات' موت و مابعد الموت' بہشت و دوزخ وغیرہ وغیرہ' کی طرف معاً منتقل ہو گیا۔ یہ سب موضوعات لامحالہ اس قسم کے تھے کہ ان کے متعلق تخیل کی بلند پردازی بدرجہ اتم ہو سکتی تھی۔ ظن و تخمین کے ان معاملات پر عرب اور عجم نے دل کھول کر بحثیں کیں' جاہلیہ عقائد کے اکثر لازمات کو اسلامی لباس پہنا کر ان مضامین کا مستقل حصہ بنا دیا مگر چونکہ زمانہ جاہلیہ کے عقائد' یونانیوں کے "علم الاصنام" کی غیر مانند' مدون بھی نہ ہوئے تھے' خود قبائل میں پہلے سے ہی ان ظنیات کے متعلق بے انتہا تفرقہ موجود تھا اور ان کی صحت کی تائید یا تردید بھی قرآن سے نہ ہو سکتی تھی' اس لئے اس نوعِ خیال کا لازمی نتیجہ فرقہ بندی ہوئی۔ عرب نے اس حادثۂ عظمیٰ سے بہت پہلے مسئلہ امامت کے متعلق ایک غیر اسلامی اور جاہلی عقیدے کی بنا پر تفرقہ ڈال کر اسلام کو دو ناقابل وصال گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مگر اب ظنی اجتہاد سے الٰہیات کی سطحی موشگافیاں کرکے' ایک خدا' ایک رسول اور ایک قرآن کے بارے میں بھی عقائد و آرا کا دردناک تفرقہ پیدا کر دیا۔ **کما انزلنا علی المقتسمین○ الذین جعلوا القران عضین فو ربک لنسئلنهم اجمعین** (۱۵:۹۰-۹۲) (یہ قرآن تو گویا ہم نے کسی اور قوم پر نہیں اتارا کہ وہ سارے کو من و عن مان کر اس کے مطالب میں تطابق قائم کریں' بلکہ دراصل اس تفرقہ آرا قوم کی طرف اتارا ہے جو حسب خاطر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لینے والے ہیں۔ اپنے اپنے حصے کو علیحدہ کر کے تفریق پیدا کرتے ہیں۔ پس تیرے پروردگار کی قسم ہم ان سب سے ان کے ان بداعمال کی ضرور بازپرس کریں گے)۔ جامع المتفرقین خدا نے' جو مسلمانوں کی ایمانی اور عملی دونوں زندگیوں کو چٹان کی طرح مضبوط دیکھنا چاہتا تھا' لامحالہ ظن کے انہی ناہموار نتائج کو پیش نظر رکھ کر اس کی بعض قسموں کو قطعی طور پر گناہ قرار دیا تھا مگر قرآن کریم کے ان عظیم الشان مقاصد تک پہنچنے کے لئے تابعینِ عرب کو اس کی آیات میں حقیقی تامل اور تدبر کی ضرورت تھی۔

یا ایها الذین امنوا اجتنبو کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم (۴۹:۱۲) (اے ایمان والو! اکثر قسم کے ظن سے بچتے رہا کرو کیونکہ بعض ظن داخل گناہ ہیں)۔ مگر وائے افسوس اس واضح ہدایت کو بھی غلط معانی پہنا دیئے گئے اور ملت میں تفرقہ کو ختم کرنے کی کوئی تدبیر

نہ کی۔

اب منتہا اتحاد اور خالصتاً" اتحاد ہونا چاہیے۔ اسلام کی ہلاکت انگیز داخلی فرقہ بندی کو حتی الوسع مٹاتا ہے' سب کے لئے ایک صراط مستقیم کو صحیح ثابت کر دیتا ہے۔ ہر فرقہ بند امت یا فرد کو جہنم کا مکین قرار دے کر اس کو ایک مشترک سطح پر لاتا ہے' **رحماء بینھم** کا وہی قرن اول کا ماحول پیدا کرتا ہے' اسی اتحاد کو دین اسلام کا رکن رکین' اس کی فلاح و نجات کی علۃ اولیٰ ثابت کر دیتا ہے' اس کے ماسوا کچھ نہیں' شیعہ اور سنی' حنفی اور شافعی' مقلد اور غیر مقلد' صوفی اور وہابی وغیرہ وغیرہ کچھ شے نہیں۔ ایسی تفرقہ بازی جہنم کی تیاری ہے' خودکشی اور استہلاک ہے' موت کے ساتھ لہو و لعب ہے' اس زمین و آسمان کی چار دیواری کے اندر اگر کوئی الٰہی قانون کسی جگہ نافذ ہے تو وہ خالصتہ" اتحاد اور خالص اتحاد ہے' عملاً اتحاد ہے' طوعاً و کرہاً اتحاد ہے' مدافعانہ بلکہ جارحانہ اتحاد ہے' روز و شب کا اتحاد ہے' اصلاً اور فرعاً اتحاد ہے۔ مکر و فریب سے یہ کہہ دینا کہ "اصولاً اسلام میں کوئی فرقہ نہیں" اور پھر فرقہ بند بن کر اجل زدہ امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور پھر اپنے یا سب فرقوں کو بھی جنت کا مکین سمجھنا پرلے درجے کی فریب کاری ہے' خدا سے مکر ہے' آشوب چشم ہے' سودائے سر ہے۔

اسلام صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی ہے' نہیں اس کے لائے ہوئے قانون کی پیروی ہے۔ انبیاء کے لائے ہوئے طریق عمل (دین) کی پیروی ہے' قانونِ خدا کی پیروی ہے' آئینِ رب العالمین کی پیروی ہے' قانون فطرت کی پیروی ہے' تورات اور انجیل' زبور اور تلمود' صحف نوح اور صحف ابراہیم' بلکہ وید اور ژندادست کے لائے ہوئے مشترک قانون کی پیروی ہے' متفقاً" اور متحداً" پیروی ہے' عملاً اور معناً" پیروی ہے' قولاً" اور اعتقاداً" پیروی ہرگز نہیں۔ **شرع لکم من الدین ماوصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم و موسی و عیسی ان اقیمو الدین ولا تتفرقوا فیہ ط کبر علے المشرکین ماتدعوھم الیہ ط اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدے الیہ من ینیب○وما تفرقوا الا من بعد ماجاء ھم العلم بغیا بینھم ط** (شوریٰ ۴۲:۱۳-۱۴)۔ یہی اتحاد عین اسلام بلکہ تمام اسلام ہے' یہی نفاق اور تفرقہ عین شرک ہے۔ سب خواہشات نفسانی کی پیدا کی ہوئی فرقہ بندی کو مٹا کر ایک راہ عمل (دین) اور مساوات پر آ جانا' ایک مشترک قانون کو پکڑ لینا' سب کا مشترک خدا کے تابع بن جانا' ہر فرد کا اپنے ذاتی عمل کا ذمہ دار بننا' اور کسی دوسرے شخص یا پیر یا ولی یا بزرگ کے عمل سے بے نیاز ہو جانا' کسی دو فرقوں کے مابین کسی حجتہ کا قائم نہ رہنا اور ہر دم اس بات کے درپے رہنا کہ ساکنانِ زمین کے بڑے سے بڑے مجمع میں اتفاق عمل پیدا ہو' حقیقی اسلام ہے۔ **فلذلک فادع واستقم کما امرت ولا تتبع اھواء ھم و قل امنت بما انزل اللہ من کتب وامرت لاعدل بینکم ط اللہ ربنا وربکم لنا اعمالنا ولکم اعمالکم لا حجتہ بیننا وبینکم ط اللہ یجمع بیننا والیہ المصیر ط** شوریٰ (۴۲:۱۵) اسی پر تمام اسلام کی بنیاد ہے۔ خدائے زمین و آسمان کا یہ مذہب سب انبیاؑ کو یکساں ماننے میں' ان کو ایک مشترک پیغام کا حامل سمجھنے میں اس قدر فراخ دل اور سیر چشم ہے کہ ہر قرن کے لئے ایک کتاب **لکل اجل کتاب** (رعد ۱۳)۔ ہر قوم کے لئے ایک ہادیؑ **ولکل قوم ھاد** (رعد ۱۳)۔ ہر امت کے لئے ایک رسولؑ **وان من امتہ الا خلافیھا نذیرہ** (فاطر ۳۵) نہیں' ہر قریے کے لئے ایک نذیرؑ **وما اھلکنا من قریتہ الا لھا منذرون** (شعراء ۲۶) کا آنا مانتا ہے لیکن سب کو ایک قانون کا مبلغ' ایک قانونِ الٰہی کا ناشر' ایک **الکتاب** کا حامل قرار دے کر **اللہ انزل معھم الکتاب** (بقر ۲) ان کو فرقہ بند سمجھنے اور اس طرح پر خدا اور رسلؑ کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی اس شدت سے مخالفت کرتا ہے کہ تمام قرآن کے طول و عرض میں اگر کوئی شے فی الحقیقت کفر ہے تو یہی ہے: **ان الذین یکفرون باللہ و رسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نومن ببعض ونکفر ببعض لا ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا○**

Marfat.com

اولٰئک ھم الکفرون حقا واعتدنا للکفرین عذابا مھینا والذین امنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا بین احد منھم اولئک سوف یوتیھم اجورھم وکان اللہ غفورا رحیما (۴:۱۵۰-۱۵۲) پس اس دین کا رکن اعظم اتحاد ہے' لا تفرقوا فیہ ہے' امرت لا عدل بینکم ہے اللہ ربنا وربکم ہے' لا حجتہ بیننا وبینکم ہے' اللہ یجمع بیننا ہے' تعالوا الی کلمہ سواء بیننا وبینکم لا تعبد الا اللہ ہے' نحن لہ مسلمون ہے' نہیں یہود کے موسیٰ علیہ السلام کو مان کر یہود کو اپنی طرف جذب کر لیتا ہے' نصاریٰ کے مسیح علیہ السلام کو تسلیم کر کے نصاریٰ کو کھینچتا ہے' ہنود کے کرشن علیہ السلام کے مقر ہو کر ہنود کو مرحبا کہتا ہے' گبرو برہمن کو بدہ اور شدہ کو' افریقہ کے جن پرست اور قطب کے اسکیمو کو' امریکہ کے ہندوئے احمر اور مردم خوروحشی کو' ساکن بر اور مکین بحر کو اپنی آغوشِ لطف و مرحبا میں لے کر اسلامی جماعت کو اس قدر تنو مند' اس قدر غالب' اس قدر عالمگیر اور وسیع' اس قدر جہانبان کر دیتا ہے کہ دشمن کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا یارانہ رہے! اصل اسلام یہی ہے' یہی قرآن کا اسلام ہے' یہی قرن اول کا اسلام تھا' مگر واحسرتا کہ نا اہل اور ناشناس لوگوں نے اس کو اس قدر تنگ کر دیا! باہر سے راہ مسدود کر دی' اندر سے ٹکڑے ٹکڑے کر گئے' ہر شخص مدعی تجدید بنکر مٹھی بھر لوگوں کو اپنے اپنے پیچھے لگا گیا' خلقِ خدا کے وسیع دائرے سے نفرت پیدا کر گیا' اشاعت اسلام سرتاپا رک گئی' امت کمزور ہوتی چلی گئی' پھر اعلون' رہ کر مومن بننے کا نصب العین بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا' مسلمان دنیا سے یکسر متنفر ہوتے گئے' بعض رسل کو مانا بعض سے انکار پیدا کر کے خلقِ خدا سے عداوت اور تنگ چشمی مول لے لی' پھر خدائے زمین و آسمان نے بھی اس صریح کفر کی پاداش میں عذاب مہین بھیجا اور اس الکتاب کے آخری وارثین سے بھی جی بھر کر بدلہ لیا۔

پھر جب یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ "ان خیر الحدیث کتاب اللہ" یعنی "بہترین بات تو اللہ کی کتاب یعنی قرآن حکیم کی بات ہے" اس کے پیش نظر قرآن کو سمجھنے کی غرض سے پہلا انسانی رویہ تو یہ ہونا چاہیئے کہ قرآن کو قرآن سے یعنی تصریف آیات کے ذریعے سے ہی سمجھا جائے۔ چونکہ قرآن کا اپنا دعویٰ ہے کہ وہ ایک واضح اور سمجھنے کے لئے آسان کتاب ہے' اس بارے میں کوئی مشکل پیش نہیں آنی چاہیئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر مقرر کیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ حکومت کرنے کے سلسلہ میں رہنمائی کہاں سے لوگے۔ عرض کیا قرآن سے۔ پھر پوچھا کہ اگر کسی معاملہ میں قرآن سے رہنمائی نہ مل سکے تو' جواب میں عرض کیا کہ سنت رسولؐ سے۔ پھر پوچھا کہ مسئلہ کے حل کے سلسلہ میں سنت رسولؐ سے بھی استفادہ ممکن نہ ہو تو۔ جواب میں عرض کیا اے اللہ کے رسول پھر اجتہاد یعنی اپنی عقل و بصیرت سے کام لوں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سن کر مسرت اور اطمینان کا اظہار فرمایا۔ یہی اصول اب بھی کارفرما رہنا چاہیئے۔ اگر کسی مسئلہ پر سنت رسول کے اطلاق کرنے میں اختلاف کا امکان ہو تو بجائے اس کے کہ اس اختلاف کی بنا پر گروہ یا تفرقہ بند ہو جانے کا خدشہ پیدا کر دیا جائے اجتہاد کا عمل مناسب ہو گا اور حکومت اسلامیہ اپنے شورائی نظام کے تحت امیروقت کے فائنل حکم کو قانون کے طور پر نافذ کر دے۔ ایسا جرات مندانہ اور انقلابی نظریہ صرف وہ لوگ رکھ سکتے ہیں جن کا ایمان پختہ اور انہیں ملت کا اتحاد عزیز تر ہو۔ جب نیتیں ٹھیک ہوں گی تو رب غفور الرحیم کوتاہیوں کو اگر ہو بھی جائیں ضرور معاف فرما دے گا۔ یوم الحساب کو تاریخی اور فقہی سوالات تو نہیں پوچھے جائیں گے' پوچھا صرف یہ جائے گا کہ کیا کر کے آئے ہو جو میں چاہتا تھا وہ کر کے آئے ہو۔ جزا و سزا صرف نامہ اعمال پر منحصر ہو گی۔ لہٰذا منتہائے نظریہ ہو کہ قوم ہر قیمت پر متحد رہے اور نفاق کا شکار نہ ہو۔ اجتہاد کا عمل ناگزیر ہے۔ جب تک فطرت قائم ہے انسان ہر فطری ترقی' ہر نئی راہ اور ہر نئی ایجاد پر

161555

Marfat.com

قرآن حکیم کے بے انتہا نور اور علم کو محیط پائے گا۔ امام جعفر صادق' امام ابوحنیفہ' امام شافعی' امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحم اللہ علیہم نے اجتہاد کے عمل سے بہت سی دینی راہیں کھولیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ملوکیتی تعصب نے کافی حد تک ان کا حلیہ بگاڑ دیا تاہم یہ واضح ہے کہ ماضی میں علماء حق اجتہاد کا حق رکھتے تھے جو آج بھی محفوظ رہنا چاہیے۔

جو بات نہایت اہم ہے اور کسوٹی کے طور پر ذہن نشین کر لینی چاہیے یہ ہے کہ کسی قانون کے شایان شان یہی ہے کہ واحد المعانی ہو۔ اس کی ایک دفعہ سے صرف ایک اور ایک ہی مطلب نکل سکتا ہو۔ اگر ایسا نہیں تو وہ قانون قانون نہیں' مجسمۂ فساد ہے۔ قول خدا ہو یا قولِ رسولؐ اس میں اس خاصیت کا موجود ہونا لازمی امر ہے۔ قرآن کا دعویٰ تو موجود ہے کہ اگر یہ قرآن کسی اور ہستی کی طرف سے نازل ہوا ہوتا تو اس میں جابجا اختلاف پاتے۔ صادق و امین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بھی اسی طرح یک مقصد اور یک معانی متصور ہو گا۔ اگر قولِ رسولؐ کے مختلف معانی لئے جا رہے ہیں تو رپورٹنگ کے متن کا اصل نہ ہونے کا امکان موجود ہے' اگر کھینچ تان قبول کر سکتا ہے' حسب مطلب اور حسب پسند قانون بن سکتا ہے' کئی ایک راستوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے' کئی طریق عمل وضع ہو سکتے ہیں اور کئی فرقے بن سکتے ہیں' تو اس تبدیل شدہ یا غلط بیانی کی صورت کو قانون خدا یا قانون رسول کہنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔ سچائی اصلاً ایک شے ہے۔ اس کا مطمع نظر اصلاً اتحاد ہے' وہ لوگوں کو ایک مشترک اساس اور ایک سطح پر جمع کرنے کے لئے آتی ہے اور یہی سچا اور دائمی اجماع ہے اور اگر کسی قوم کی طرف کسی پیغمبر کا لایا ہوا قانون سچ ہے اور پیغمبر کا قول اور طریق عمل اصلاً بیان کیا گیا ہے تو فرقہ بندی اس کا منتہائے کار ہونا محال ہے۔

(۶) ساری انسانیت کو امت واحدہ تصور کرنا ہو گا۔

دین اسلام صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں ساری انسانیت کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ مسلمانوں کے اندر تقسیم اور فرقہ بندی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اسلام تو ساری انسانیت کو امت واحدہ تصور کرتا ہے۔ نبیوں کو بھی حق نہیں دیتا کہ وہ لوگوں کو اپنے پیچھے لگا کر یہودی' نصاریٰ اور محمدی بنا لیں۔ وہ صرف "مسلم" بنانا چاہتا ہے۔ آسمانی صحیفوں کا موضوع اقوام زمین کو ان کی اپنی زبان میں ایک فوری دستور العمل اس زمانے کی انسانی ترقی کے مطابق دینا تھا۔ اس وقت تک انسانی "سمع" اور "بصر" اس مرحلے تک نہ پہنچے تھے کہ اقوام عالم صرف مشاہدہ فطرت سے قوانینِ انسانی اخذ کر سکتیں۔ ہر قوم کو اس زمانے کی ترقی کے مطابق تحریری قانون پیغمبروں کے ذریعے پہنچایا گیا۔ وہ لوگوں کو سمجھاتے رہے لیکن انسان چونکہ نافہم رہا' وہ بجائے اس کے کہ قانون کی ماہیت کو دیکھتا اور اس علم کو دیکھتا جو اس کتاب میں تھا' وہ پیغمبروں کے پیچھے لگ کر فرقہ بند ہو گیا اور صرف اپنے پیغمبر کو سراہتا رہا اور اس نے اپنا الگ مذہب بنا لیا۔ یہ ستم ظریفی اس قسم کی ہے کہ خط جو بھیجا گیا ہو اس کی طرف کسی کا دھیان نہ ہو بلکہ اصل دھیان اس قاصد کی طرف ہو جو خط لایا ہے۔

قرآن حکیم مختلف پیراؤں میں انسان کی اس ضد اور بغاوت کی توضیح کرتا ہے اور ان آیات کے مطالعے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن کی نیت کسی علیحدہ فرقہ بنانے کی نہیں تھی بلکہ جو نقص اہل کتاب نے تورات اور انجیل کی تعلیم میں ڈال دیئے تھے ان کی توضیح کر کے تمام نسلِ انسانی کو ایک کرنا تھا۔ قرآن حکیم میں الکفرون حقا" (اصلی اور سچا کافر) کے الفاظ صرف ایک جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ وہ سورہ النساء کے اکیسویں رکوع میں ان لوگوں کے واسطے ہیں جو ایک نبی کی کتاب مان کر اور دوسرے کی کتاب کو رد کر کے گویا یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مختلف انبیا مختلف پیغام لائے تھے اور اس طرح پر خدا اور پیغمبروں کے

Marfat.com

درمیان "لڑائی" کرانا چاہتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کس قدر ایک مجتمع انسانی کا موید تھا اور اس کی نیت کس قدر نیک تھی۔ اس آیت کو یہاں مسلمانوں کے خاص غور کے لئے نقل کیا جاتا ہے۔

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ و رسلہ ویقولون نومن ببعض و نکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا○ اولئک ھم الکفرون حقا واعتدنا للکفرین عذابا مھینا○ (۴:۱۵۰-۱۵۱)

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کے (منتہائے نظر کے) منکر ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے پیغمبروں کے درمیان پھوٹ ڈال دیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی بین بین راہ اختیار کریں وہی اصلی کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لئے ہم نے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہاں کس قدر واضح ہے کہ قرآن مسلمانوں میں ہی اتحاد کا نہیں بلکہ اتحاد عالم کا موید ہے۔ قرآن کا دعویٰ تھا کہ محمد رسول اللہ صلعم کو ہدایت اور سچا دین دے کر صرف اس واحد غرض کے لئے بھیجا گیا کہ وہ رسول روئے زمین کے تمام دینوں' مختلف راستوں' علیحدہ علیحدہ مذہبوں اور مسلکوں کو جو مختلف انبیا کو علیحدہ علیحدہ گروہوں کے راہنما ماننے کی وجہ سے یا رنگ و نسل وغیرہ کے اختلاف کے باعث پیدا ہو گئے ہیں' یکسر مٹا کر بنی نوع انسان کو ایک امت واحدہ بنا دے خواہ یہ بات خدا کے قانون کے منکروں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ کے رسولؐ نے یہ کر کے دکھا دیا لیکن اس کے برعکس بعد میں مسلمانوں نے بہت سے فرقے بنا لئے اور انتشار و تشتت کے شکار ہو گئے۔ متحد ہو کر تبلیغ نہ کی۔ اس لئے دنیا کو اپنے دائرے میں نہ لا سکے۔ پہلے پہل تبلیغ کی وجہ سے قوموں کی قومیں دائرہ اسلام میں اس لئے داخل ہو جاتی تھیں کہ مسلمانوں کے اپنے اعمال حیرت انگیز طور پر عمدہ اور کتاب خدا کے مطابق تھے۔ لوگ جب ان کے کردار دیکھتے جھٹ اسلام کی جماعت میں داخل ہو جاتے۔ اب کردار بے انتہا خراب ہو گئے۔ ادھر مسلمان خود بیسیوں فرقوں میں بٹ گئے۔ وہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔ اتحاد جو جماعت کی روح اور سرچشمہ ہوتا ہے' نہیں رہا۔ اس لئے ہر طرف سے عذاب نازل ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کو آج پھر خدا اور رسولؐ کی منشا کے مطابق نہ صرف اپنے بیسیوں فرقوں کو ایک دین' دین اسلام میں مدغم کر کے خالص مسلم بننا ہو گا بلکہ ساری نسل انسانی کو امت واحدہ بنانے کے نصب العین کو پا لینا ہو گا۔ قرآن اور ایسی احادیث اور فقہی قوانین کی روشنی میں جن کے بارے میں اختلاف ہرگز نہ ہو' آج بھی شورائی نظام کے تحت زمانے کے تقاضوں کے مطابق نئے نئے قوانین بنائے جا سکتے ہیں تاکہ قوم صحیح معنوں میں "مسلم" بن کر متحد رہے۔

(۷) عدل اور معاشی انصاف کا فقدان

مسلمانوں میں انتہا درجے کے انتشار اور ان کے زوال کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ان میں عدل اور معاشی انصاف کا فقدان ہے۔ کسی قوم میں محبت' اتحاد اور داخلی قوت قائم نہیں رہ سکتی جب تک کہ روزی کمانے کے ذرائع سب کے لئے یکساں طور پر کھلے اور عام سہولیات میسر نہ ہوں اور دولت کی تقسیم ناہموار اور امیر و غریب کا فرق نمایاں رہے۔ اسلام نے اس سلسلہ میں زکوۃ کا نظام دیا ہے جس کے تحت حکومت ایک مستقل حصے کو اصحاب نصاب سے لیتی رہے اور اس کو لے کر کم دولت اشخاص کی بہبودی پر سرکاری طور پر خیرات کا احساس دیئے بغیر صرف کرتی جائے۔ مسلمانوں میں نہ تو سرکاری سطح پر نظام زکوۃ قائم ہے اور نہ ہی انفرادی

Marfat.com

طور پر عمل ہو رہا ہے۔ قرآن عظیم نے صاف صاف کہا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے وہ انتہائی طور پر اپنی خواہشات نفسانی کو خدا بنا کر خدا کے احکام کو رد کرنے والے مشرک ہیں جو قوم کے انجام بد سے بے خبر ہیں (۴۱:۷) اور دوسری جگہ کہا کہ سونا چاندی جمع کرنے والوں کے لئے جہنم کی آگ ہے (۹:۳۴)۔ قرآن حکیم کا منشا صاف تھا کہ تمام دولت کی امیر و غریب میں مساوی تقسیم ہو' واضح طور پر کہا کہ "اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کی برتری دی ہے تو جن کے پاس رزق زیادہ ہے وہ اپنے ماتحتوں کو اپنا رزق اس قدر دینا پسند نہیں کرتے کہ وہ اور یہ آپس میں برابر درجے کے ہو جائیں تو اس سے نتیجہ صاف یہ نکلا کہ وہ اللہ کی نعمت کے منکر ہیں (۱۶:۷۱) بلکہ سورہ روم کی آیت نمبر ۲۸ میں تقریباً تقریباً یہی نظریہ دیتے ہوئے جتلا دیا کہ "یہ نکتہ وہی قوم سمجھ سکتی ہے جو عقل مند ہو۔" ادھر دوسری جگہ انفاق مال کے متعلق قصہ ہی ختم کر دیا کہ جو کچھ تمہارے پاس بچ گیا ہے (حکومت کو) دے دو۔ **یسئلون ماذا ینفقون قل العفو** (۲:۲۱۹)۔ گویا زکوٰۃ کی چالیسویں حصہ کی حد بھی اسلام میں لازمی طور پر نہیں۔

ایک روایت ہے کہ قحط کے دنوں میں اشعری قبیلے کا معمول یہ تھا کہ قبیلہ کے سب افراد اپنے اپنے گھروں سے اشیاء خوراک' جس مقدار میں بھی ان کے پاس ہوتیں' ایک جگہ جمع کر لیتے اور سب مل کر اپنی اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ عمل بہت پسند آیا اور فرمایا کہ اشعری قبیلہ مجھ میں سے ہے اور میں اشعری قبیلہ میں سے ہوں۔

دنیا میں اگر جماعت کو عالمگیر طور پر غالب کرنا ہے تو اسلام کی رو سے جاگیرداری اور سرمایہ داری کو ختم کرنا ہو گا۔ ایسی جاگیریں' زمینیں اور سرمایہ جن کے حصول کی ابتدا سعی و عمل اور محنت کی بجائے بخشش یا مکر و فریب اور استحصال کی بنا پر ثابت ہو وہ بحق نظام حکومت ضبط کر لی جائیں اور حکومت ان کی تقسیم بے زمین کاشتکاروں اور حقداروں میں مناسب طور پر کرے۔

اسلام تو سود (ربا) کو بھی حرام قرار دیتا ہے تاکہ حاجت مند کا استحصال نہ ہو اور دوسری طرف دولت بے حساب نہ بڑھنے پائے۔ آج کل کے زمانے میں جب کہ ہر ملک کی معیشت خالصتاً مقامی نہیں ہے بلکہ بین الاقوامی حیثیت اختیار کر لینے کی وجہ سے بہت حد تک باہمی انحصار پر مجبور ہے' سود کا معاملہ اس قدر پیچیدہ ہو گیا ہے کہ کوئی اسلامی ملک بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کی معیشت سود سے بالکل پاک ہے۔ ایسی صورت میں یہ سوچنا ہو گا کہ جس وقت ربا کے حرام کی آیت نازل ہوئی تھی اس وقت معیشت کی قومی اور بین الاقوامی ہیئت انتظامی نقطہ نگاہ سے کیا تھی۔ آج کے دور میں اس ہیئت سے بالکل مماثل صورت میں ربا کو یکدم اور قطعی طور پر حرام قرار دے دیا جائے۔ ربا کی حرمت کے پیچھے کارفرما اصول چونکہ یہ ہے کہ کوئی فرد یا حکومت کسی ضرورت مند فرد یا قوم کا استحصال نہ کر سکے اور ناجائز طور پر فائدہ نہ اٹھا سکے' اس روح کو پیش نظر رکھتے ہوئے موجودہ نظاموں میں تحقیق اور بین الاقوامی اقتصادی معاہدات پر نظر ثانی کی جائے تاکہ ناجائز فائدہ کے عنصر سے اپنے معاشی نظام اور معاہدات کو پاک رکھا جا سکے۔ ربا کو اکثر انفرادی اور قومی معاملات میں تو بغیر کسی مشکل کے ختم کیا جا سکتا ہے لیکن بین الاقوامی معاہدات پر عمل در آمد پیچیدگیوں سے مبرا نہیں ہو گا۔ عمومی افراط زر اور کرنسی کے عدم استحکام کی وجہ سے ایک خاص رقم اپنی اصل قیمت سے دس سے پندرہ فیصد سالانہ کے حساب سے کم ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بینکنگ سسٹم میں سروس چارجز کی ادائیگی ایک لازمی امر ہے۔ اس صورت میں اصل رقم کی ادائیگی اور وصولی میں کمی بیشی کا واقع ہونا ناگزیر ہے۔

اسلامی معاشرہ میں بچت (وہ رقم جو ہر قسم کی جائز ضروریات پوری کرنے کے بعد بچ جائے) حکومت کا حق ہے اور اس کے عوض انسانی کفالت کی ذمہ داری حکومت کے ذمہ ہے۔ اگر اس اصول پر سو فیصد عمل ہو تو کم از کم قومی سطح پر سودی نظام کی ضرورت ہی باقی

Marfat.com

نہیں رہتی یا کم از کم اگر عوام اور حکومت نظام زکوٰۃ و عشر پر ایمانداری سے کاربند ہوں تو بھی ربا کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب تک اس نظام کا نفاذ ممکن نہ ہو تو نظام کی تبدیلی کے لئے ضروری وقت تک موجودہ سودی نظام کو برقرار رکھنا شاید ناگزیر ہو۔ تاہم شرح سود کو مسلسل کم تر سطح پر لاتے رہنا لازم قرار دیا جائے حتیٰ کہ استحصال کا عنصر مکمل طور پر ختم ہو جائے۔ اگر مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کے بغیر صرف سود کو یکدم ختم کر دیا جائے تو قوم میں اقتصادی انتشار اور انارکی پھیل جانے کا خدشہ ہے۔ مسلمان پر تو فرض ہے کہ ہمہ وقت اس کوشش میں لگا رہے کہ خدا کے عطا کردہ نظام حیات یعنی دین اسلام کو تمام نظامہائے حیات پر غالب کر سکے تاکہ مجموعی طور پر انسانی معاشرہ میں ربا یعنی سود کا سوال ہی پیدا نہ ہو لیکن جب تک یہ ممکن نہ ہو تب تک بہ امر مجبوری نظام میں لچک کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔ آخر نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تیئیس برس نظام کی تکمیل میں لگے۔ آج بھی کسی اسلامی ملک میں حقیقی اسلامی نظام عملاً نافذ نہیں ہے۔ اگر اب احیاء دین کے لئے کچھ وقت صرف ہو جائے تو خدائے غفور الرحیم درگزر فرما دے گا۔ البتہ نیات کے نیک اور صاف ہونے کی شرط لازم ہے۔ تاہم اولیں کوشش یہ ہو کہ بین الاقوامی معاملات کو ایسے ممالک تک محدود رکھا جائے جو غیر سودی نظام کے نفاذ سے عملاً متفق ہوں۔ دریں اثنا ماہرین کا فرض ہے کہ "ربا" اور "سود" کے معنوی فرق کو واضح کریں۔

چونکہ غلبہ اسلام ازروئے قرآن مسلمانوں کا منتہائے نظر ہے' دوسرے لفظوں میں ساری انسانیت کو ایک ہی نظام کا پابند بنا کر امت واحدہ بنانا ہے' اس میں محبت' مساوات اور اخوت تبھی قائم کی جا سکتی ہے جب امیر اور غریب میں فرق کو کم سے کم سطح پر رکھا جائے۔ لیکن یہ مسئلہ اس قدر ٹیڑھا ہے کہ نرے زکوٰۃ کا محصول لگا دینے سے اس کا پورا علاج نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ کے ذریعے امیر اور غریب کا فرق کم تو ہو سکتا ہے مٹتا نہیں۔ اسلام نے دولت اور سرمایہ داری کی تیز دھار حدت کو کم کرنے کے لئے ایک موثر علاج تجویز کیا ہے جس کی حکمت تک دنیا کی بڑی سے بڑی بیدار قوم اب تک نہیں پہنچ سکی۔ وہ سیاست یہ ہے کہ عالمگیر غلبہ چاہنے والی قوم کا ہر فرد خواہ وہ امیر ہو یا غریب' بادشاہ ہو یا رعیت' دن میں ایک دفعہ نہیں پانچ دفعہ' ایک قطار میں کھڑے ہو کر فاطرِ زمین و آسمان کے آگے' ایک مجاہد انسان کی قیادت میں سجدہ ریز ہو تاکہ امیر کی سب اکڑ دن میں پانچ دفعہ نکلتی رہے اور غریب کو حوصلہ ہو کہ امیر بھی اسی قطار میں میری طرح بے بس کھڑا ہے۔ یہ اس لئے کہ امیر کا جمع کردہ سرمایہ انسانی ہیئتِ اجتماعی میں خواہ وہ زمین کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیلی ہوئی ہو' کوئی غیر معمولی خلل پیدا نہ کر سکے۔ آج کل کے یورپی اور امریکی سرمایہ دار اس قدر خونخوار انسان ہیں کہ وہ اپنے نفع کی خاطر بیس پچیس سال کے بعد اپنے سرمایہ کے زور سے سیاسی حاکموں پر دباؤ ڈال کر عالمگیر جنگیں چھیڑ دیتے ہیں تاکہ لامحالہ ان کے نجی کارخانوں میں کام کثرت سے ہو اور وہ اربوں ڈالر کما سکیں۔ یہ سب اس لئے کہ ان کو لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کے ہر لڑائی میں قتل ہو جانے کی کچھ پرواہ نہیں رہی۔

الغرض سرمایہ کے پیدا کردہ کبر و غرور کو توڑ کر انسانوں میں مساوات اور اخوت کا جذبہ قائم کرنے والی شے الزکوٰۃ کے علاوہ الصلوٰۃ بھی ہے جس کو دین اسلام نے انسان کی ذہنی تفریق کو مٹانے کے لئے جاری کیا تھا۔

آج کی دنیا میں سیاست کا سب سے اہم پہلو معاشی استحصال سے بچاؤ بلکہ معاشی مساوات کا یقینی بنانا ہے۔ اسلام کا نظام صلوٰۃ زندگی کے اس پہلو کو بھی احاطہ کئے ہوئے ہے۔ قرآن نے الصلوٰۃ کی بڑی خصوصیت' **انھا عن الفحشاء والمنکر** بتایا ہے جس کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا گیا ہے کہ نماز بے حیائی اور بدیوں سے روکتی ہے۔ الفحشاء کی قرآنی اصطلاح سے مراد زناکاری کی طرف مائل ہونے اور شہوات نفسانی کے ہیجان کی تدابیر اختیار کرنے کے علاوہ اس (باطنی) بے حیائی کو جو قوم کی بہتری کی خاطر ایثارِ مال نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے

معاشرہ سے دور کرنا بھی ہے۔ سورہ بقرہ کی آیات ۲۶۷۔۲۶۸ ملاحظہ ہوں۔

یاایھا الذین امنوا انفقوا من الطیبات ماکسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون و لستم باخذیه الا ان تغمضوا فیه واعلموا ان الله غنی حمید○ الشیطن یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء والله یعدکم مغفرۃ منه و فضلاً والله واسع علیم○ (۲:۲۶۷۔۲۶۸)

اے ایمان والو! اپنی امت کی تقویت اور اعلائے کلمتہ الحق کی خاطر اپنی کمائی میں سے بہترین اشیا (الطیبات) صرف کیا کرو اور جو اشیا ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہیں ان میں سے بھی بہترین چیزیں دو اور ناکارہ چیزیں دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ اس سے خیرات کا چھدا اتر جائے۔ حالانکہ وہی شے اگر کوئی تم کو دینا چاہے تو تم بطیب خاطر منظور نہ کرو ماسوائے اس کے کہ دیدہ دانستہ اپنی بات رکھنے کے لئے اس شے کے بیکار ہونے سے چشم پوشی کرو۔ آگاہ رہو کہ خدا ان چیزوں کو اپنے لئے نہیں مانگتا۔ جو کچھ ہے تمہاری ہی خاطر ہے اور وہ بڑا بے نیاز اور بڑا سزاوار حمد ہے۔ شیطانِ لعین تمہیں ایثار مال اور بہترین اشیا دینے کے وقت افلاس سے ڈراتا ہے اور بخل و امساک کی باطنی بے حیائی (الفحشاء) کا حکم دیتا ہے اور خدا تمہیں اس ایثار کے بعد اجتماعی بدحالیوں پر پردہ پوشی (مغفرۃ) اور دنیاوی انعام و اکرام (فضلا") کا وعدہ فرماتا ہے اور آگاہ رہو کہ وہ خدائے عظیم بڑی گنجائش والا اور ہر قوم کی نیات سے بخوبی واقف ہے۔

یہاں اس قلبی بے حسی اور باطنی بے حیائی کو جو قوم کی بہتری کی خاطر ایثار مال نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے الفحشاء سے تعبیر کیا ہے۔ سورہ ماعون میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ارء یت الذی یکذب بالدین○ فذالک الذی یدع الیتیم○ ولا یحض علی طعام المسکین○ فویل للمصلین○ الذین هم عن صلوٰتهم ساهون○ الذین هم یراء ون○ و یمنعون الماعون○ (۱۰۷:۱۔۶)

بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو دین کی تکذیب کرتا ہے۔ یہ وہی بدبخت ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین (وہ شخص جسکا چلتا چلتا کام ساکن ہو جائے اور اس طرح حاجت مند ہو) کے کھانے پینے (بلکہ روزی) کا اہتمام نہیں کرتا تو اے لوگو! حیف ہے ان نماز گزاروں پر جو اپنی نماز کی اصلی غرض و غایت کو فراموش کر چکے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو محض دکھلاوے کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور باہمی مصالحت' رافت اور رحمت کے سبق کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ ان کی باہمی کپٹیں اس قدر بڑھ گئی ہیں اور دل ایسے تنگ ہو گئے ہیں کہ محبت تو درکنار' وہ ایک دوسرے کو روزمرہ کی برتنے کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے مدد کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔

حضرت شعیبؑ نے جب اپنی قوم کو توحید اور تقویٰ و طہارت کی زندگی اختیار کرنے کی دعوت دی اور ظلم و حق تلفی اور ناپ تول میں کمی کے انجام سے ان کو ڈرایا تو انہوں نے حضرت شعیبؑ کی زندگی میں اس نئی دعوت کے سرچشمہ اور اس اختلاف و انکار کے سررشتہ کی جستجو کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس ساری کشمکش اور اس سارے ہنگامے کی ذمہ دار نماز ہے جس کو بار بار انہوں نے حضرت شعیبؑ کو پڑھتے دیکھا اور یہی وہ ظاہری عمل تھا جس سے ان کی زندگی خالی اور وہ اس کے تقاضوں سے ناآشنا تھے۔ بس گویا انہوں نے اس دعوت و تبلیغ اور اس انکار و تردید کا راز معلوم کر لیا کہ حضرت شعیبؑ اپنی قوم کے اس قدیم و موروثی مذہب اور اپنے اردگرد پیش

Marfat.com

کی اس قدیم طرز زندگی اور عادات و اخلاق کے کیوں اس قدر مخالف ہیں۔ انہوں نے بڑی سادگی کے ساتھ حضرت شعیبؑ سے پوچھا۔

قالوا یشعیب اصلوٰتک تامرک ان نترک ما یعبد اباؤنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء انک لانت الحلیم الرشید (۸۷:۱۱)

انہوں نے کہا شعیبؑ کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم ان کو ترک کر دیں یا اپنے مال مرضی سے خرچ کرنا چاہیں تو نہ کریں۔ تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک ایسی ہی روح پرور اور انسان پرور الصلوۃ کا قیام ہوتا رہا مسلمان بھائی بھائی بن کر متحد' صاحب کردار اور خدا کے سپاہی بنے رہے۔ معاشرے سے معاشی ناہمواریاں' برائیاں اور نفاق و منافقت کی بدیاں مٹتی رہیں۔ لیکن آج بے شمار دینی اداروں' اسلامی تنظیموں اور تبلیغی جماعتوں کی سرگرمیوں کے باوجود الصلوۃ بجائے **تنھا عن الفحشاء والمنکر** ہونے کے کبر و نخوت' انتشار و تشتت اور مکر و نفاق کی بدیاں پیدا کر رہی ہے اور قطعی طور پر بے نتیجہ ثابت ہو رہی ہے کیونکہ مصلین کا مطمع نظر یہ نہیں رہا کہ قیام صلوٰۃ سے خوف خدا' ایمان میں جوش و ولولہ' جماعتی اخوت و طاقت پیدا ہو گی جس کی بنا پر وہ معاشرے سے **انھاء فحشا والمنکر** کا باعث بن سکیں گے بلکہ محض یہ ہے کہ اخروی زندگی میں انہیں ثواب ملے گا۔ گویا ہاتھ میں اوزار پکڑنا مقصود ہے جسے دیکھ کر مالک خوش ہو جائے' عمارت کے کھڑا کرنے سے انہیں کچھ غرض نہیں۔

تاہم خدا کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو الصلوۃ کی روح سے آگاہ اور اس کی لذت سے آشنا ہیں۔ وہ امن و محبت کے پیکر اور امت انسانیہ کے سچے ہمدرد اور اس نظام پر دل و جان سے فریفتہ ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ انسان کی ہیئتِ اجتماعی میں امیر و غریب کو ہردم برابر کرنے کا یہ عجیب و غریب نسخہ جو مرورِ مدت اور بے علم لوگوں کی ناشناسی کے باعث بیکار ہو کر رہ گیا ہے وہ نسخہ ہے جس کے بغیر امیر اور غریب کا فرق کسی عنوان سے دنیا میں مٹ نہیں سکتا اور جب تک کسی صاحب علم شخص کا بے پناہ علم اور محبت حضرت عمرؓ والے درے سے اس کو پھر درست نہ کرے' یہ نسخہ انسان کے حق میں کیمیا نہیں ہو سکتا۔

(۸) دین اور سیاست میں الم انگیز فرق

ایک اور المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعتوں اور تنظیموں میں اکثریت ایسی ہے جو سیاست کو دین سے کوئی الگ شے سمجھتی ہے۔ اسے دین کا ایک اہم حصہ خیال کرنے کی بجائے اسے خالصتاً دنیاوی معاملہ سمجھتی ہے اور ان کے لیڈر اور خطیب اپنی تحریروں اور تقریروں میں سیاسی معاملات کا کبھی ذکر تک نہیں کرتے۔ زبان سے خواہ کچھ کہیں عملاً انہوں نے اسلام کو دوسرے مذاہب کی طرح ایک پوجا پاٹ کا مذہب بنا رکھا ہے۔ ان کے مخصوص قسم کے "ذکر" اور "عبادت" کی قرآن کے "ذکر" اور "عبادت" کے ساتھ کچھ مطابقت نہیں۔ ان کی "عبادت" کے تصور والے اسلام میں انہیں بڑا آرام اور سکون محسوس ہوتا ہے۔ کوئی خاص جانی یا مالی ایثار کا مسئلہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ بس کچھ وقت مسجد یا گھر میں تلاوت' نوافل' تسبیح گردانی اور اللہ اللہ کرنے میں صرف ضرور ہوتا ہے۔ جاگیرداروں' سرمایہ داروں اور بڑوں کی طرف سے کسانوں' مزدوروں اور غریبوں کا معاشی' معاشرتی اور سیاسی استحصال' ظالموں کے ظلم' بے حیا اور بدکردار لوگوں اور فلمی اور نشری اداروں کی فحش اور کردار کش حرکات' جماعت میں نفاق و تفرقہ' آزادی کی تحریکوں میں کامل بے حسی' قومی تعلیم و صحت کے سلسلہ میں انتہا درجے کی غفلت' آئین مملکت اور آئین قرآن میں تضاد' نظام شورائیت یا پارلیمینٹ سازی کا غلط

Marfat.com

طریق کار، قومی نظم و ضبط اور نوجوانوں کی عسکری تنظیم سے لاپرواہی وغیرہ وغیرہ۔ انسانی زندگی کے ایسے اہم معاملات سے انہیں کچھ غرض نہیں۔ ان کی نظر میں یہ دینی ضروریات ہرگز نہیں محض دنیاوی زندگی کے تقاضے ہیں لہٰذا ان کے دائرہ کار سے باہر۔ شاید انہیں یہ معلوم نہیں کہ قرن اول میں مسجد قیام صلوٰۃ کے علاوہ ان تمام امور کی درسگاہ ہوتی تھی جن کے ذریعے جماعت متحد رہتی تھی۔ مقصود یہ تھا کہ اس میں مسلسل وسعت اور طاقت پیدا ہوتی رہے، جس طرح ایک خدا کے سامنے سجدہ ریزی ہو اسی طرح مملکتی امور اور اسلامی تنظیموں میں امیروقت اور سالاروں کے احکام کی اطاعت ہو، نظم و ضبط کی پابند اور ہمہ وقت مال و جان کی قربانی کے لئے تیار ہو۔ الغرض اس کا ہر فرد اعلیٰ ترین اخلاق کا حامل اور شریعت خدا کا سچا پیروکار ہو تاکہ لوگ ایسی جماعت کے جذبہ ایثار و قربانی اور اخلاق و کردار کو دیکھ کر خود بخود اس میں شامل ہونے کے لئے تیار ہوتے جائیں۔

دنیا کے جن ممالک نے "علم" کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے وہ ترقی کے فلک الافلاک تک پہنچ رہے ہیں۔ اسلامی ممالک میں "علم" کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی اور اس کو ابھی تک زیادہ سے زیادہ موجودہ سیاسی حاکموں کی دست بخت لونڈی قرار دیا ہے لیکن اسلام کو چونکہ پچھلے چودہ سو برس سے دنیا کی سیاست کی تشکیل میں بڑا دخل رہا ہے اور بہت کچھ جو اس وقت تک انسان کی معاشرت میں انقلاب ہوا دین انبیا کے زور سے ہوا ہے، اس لئے یہ امر اٹل ہے کہ انسان کی آئندہ زندگی کی تشکیل بھی اسلام پر ہو کر رہے گی۔ جمہوریت اور اشتراکیت کی دو مہیب طاقتیں جو اس وقت کارفرما ہیں بالاخر اسی مسئلے کی طرف رجوع ہو کر رہیں گی اور ایک دوسرے پر غلبے کا انجام بالاخر یہ ہو گا کہ "علم" "حکم" اور "نبوۃ" کا بول بالا ہو کر رہے گا تاکہ اس کائنات کے آخری مقصد یعنی لقائے رب کے مرحلے تک دنیا پہنچ سکے۔ پاکستان کے مسلمان کو "علم" سے دور کا واسطہ نہیں لیکن دین اسلام کی "کتاب" اس کے پاس ہے، وہ اب بھی "فقر" اور "عشق" اور "سوز" کی لاطائل گفتگو سے ہٹ کر "علم" کی طرف دوڑ لگا سکتا ہے اور مفسرین اسلام کی تاویلوں یا حکومت کی تمام "چنگ ونے کی افیون" کے باوجود دنیا کو مات کر سکتا ہے! کسی امت کی نجاح اس میں ہے کہ اس کے پاس حقیقت ہو اور اگر مسلمان کے پاس دنیا کی تمام موجودہ حقیقتوں سے بڑی حقیقت موجود ہے تو وقت ہے کہ وہ اس کو لے کر نکلے اور دنیا کو نئی راہ پر لگا دے۔ چودہ سو برس کے "طول امد" کے بعد یہی نسخہ ہے جو کسی قوم کو نئی زندگی دے سکتا ہے۔

قرن اول میں مسجد ایک خصوصی نظام کے تحت پوری فنکشنل تھی۔ آج بھی اسے فنکشنل بنانے کی ضرورت ہے۔ ہر محلہ کی مسجد ایک ایسی یونٹ ہو جو ایسی جماعت پیدا کرتی رہے جو خود عمدہ کردار کی حامل ہونے کے علاوہ محلہ کے ہر فرد سے ایسا حسن سلوک روا رکھے کہ وہ بالاخر مسجد کے جماعتی نظام میں خود بخود شریک ہونے پر مجبور ہو جائے۔ یہی یونٹ سیانوں اور نوجوانوں پر مشتمل ایسی قوت مہیا کر سکتی ہے جو اپنے اپنے حلقہ میں سماجی خدمت کے علاوہ ہر قسم کی تخریب اور شر کا توڑ ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ عسکری تربیت حاصل کر کے ملکی دفاع کا اضافی عنصر بن سکتی ہے۔ اس طرح مسجدیں مضبوط کڑیوں کے طور پر مرکزی تنظیم کی ایک مکمل زنجیر بن کر نہ صرف شیطانی قوتوں کو جکڑ سکیں گی بلکہ تبلیغ اسلام کے پروگراموں، قومی تعمیر و ترقی کے منصوبوں اور مملکتی نظام و ضبط، دفاع اور انتخابی اداروں کے لئے بھی بے حد ممد و معاون ثابت ہوں گی۔ چونکہ یہ سب کچھ والنٹیر بنیادوں پر ہو گا اس تنظیم سازی پر کوئی خرچ بھی برداشت نہیں کرنا پڑے گا۔

اگر آج ہماری مسجدوں کے خطیب اور دیگر مذہبی رہنما سورہ فاتحہ جسے وہ روزانہ چالیس پچاس دفعہ پڑھتے ہیں، کی سب سے پہلی آیۂ مبارکہ پر غور کریں تو ظاہر ہو جائے گا کہ خداوند عالم کو سزاوار حمد اس کی ربوبیت عالمینی کی بنا پر ٹھہرایا گیا ہے۔ ربوبیت کے عام معانی

Marfat.com

پرورش اور نشو و نما کے ذرائع کا مفت مہیا کر دینا ہے۔ اگر ان خدائی ذرائع کو عوام الناس کے لئے یکساں طور پر میسر کرنے کو ایک اہم دینی تقاضا سمجھ کر وہ خود متحد ہو کر حرکت میں آ جائیں تو وہ موجودہ زمانے کے سیاست دانوں بمعہ ان کے مغربی جمہوری اور اشتراکیتی فلسفوں کو بہت بڑی مات دے سکتے ہیں کیونکہ اس بنا پر عوام الناس کو وہ اپنے تتبع میں ہر قربانی دینے کے لئے تیار پائیں گے۔
مسلمانوں کی سوچ میں اس قسم کی تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ ان کے اذہان و قلوب کی زمین اتنی بنجر نہیں کہ اس قسم کی تبدیلی لانے کے لئے اقدام پر لبیک نہ کہیں۔ مخلص اور مذہب کو دکان نہ بنانے والے چند دردمند انسانوں کی ضرورت ہے جو غلبے کی نیت سے اس کردار کو پھر شروع کر دیں۔ ہر عمل میں اور ہر آن غلبے کی نیت کو کمزور نہ ہونے دیں اور غالب آنے والی جماعت کو روز بروز بڑھانے کی جدوجہد مسلسل جاری رہے۔ گوشت پوست کی اس دنیا میں غالب آنا صرف خون سے کھیل ہے۔ جو قوم جس وقت تک یہ کھیل کھیلتی رہی غالب رہی، شکست اور زوال اس وقت آتے ہیں جب قومیں اس سبق کو بھول جاتی ہیں۔

(۹) مسلمان قوم دین فطرت کی حامل ہونے کی بنا پر پھر زندہ ہو گی:

عالمی غلبے کے دعویدار قرنِ اول میں اور اس کے بعد کئی سو برس تک صرف مسلمان تھے۔ اب ایک کی بجائے دو قومیں روس اور امریکہ ہیں۔ وہ نصب العین کے اعتبار سے متضاد قوتیں ہیں۔ بالآخر ان کی آپس کی کشمکش یا کمزور قوموں کو اپنی گرفت میں لانے کی ان کی تگ و دو اور اس کے رد عمل کے طور پر تیسری دنیا کا اتحاد نصف صدی کے اندر اندر ان کی موت کا سبب ضرور بنے گا۔ روس کا بکھرنا اور ٹوٹنا تو شروع ہو چکا ہے۔ اگر امریکہ اپنی پسند کی ڈیموکریسی یا ورلڈ آرڈر دنیا کی دوسری اقوام پر جبراً ٹھونستا رہا تو اس کا انجام بھی وہی ہو گا جو باطل قوتوں کا ہوتا ہے۔ مغربی اقوام کے سیاسی فلسفوں اور تحریکوں کے مقابلے میں دین اسلام کی تحریک پختہ تر اور قائم تر تحریک تھی جو صدیوں تک بڑے جاہ و جلال سے قائم رہی اور جس کی تیزی کا بڑا عنصر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی وحی کی سچائی پر مکمل یقین تھا۔ اس بنا پر، نیز چونکہ ان قوموں کے افراد میں صحیح فطرت سے شغف کا کوئی روحانی یا نفسیاتی محرک موجود نہیں اور دونوں کے سامنے کائنات کی پیدائش کا کوئی مقصد اس لئے موجود نہیں کہ ان کا لگاؤ فاطرالسمٰوٰت والارض تعالیٰ سے نہیں، اس لئے یقینی امر ہے کہ وہ قومیں باہمی ٹکراؤ میں ہلاک ہو جائیں یا نہ ہونے کی حد تک کمزور ہو جائیں۔ وہ وقت دین اسلام کے لئے پھر ایک عظیم الشان عروج کا وقت ہو گا بشرطیکہ مسلمانوں نے خدا اور قرآن سے وہی لگاؤ پیدا کر لیا جو قرن اول میں تھا اور عالمی غلبے کے لئے ایک دفعہ پھر ہر مسلمان اپنی جان اور پورا مال لے کر اسی طرح حاضر ہو گیا جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے اپنی زندگی میں کر دکھایا تھا۔ دین اسلام کو پھر زندہ کرنے کا یہ وہ نادر موقع ہو گا جو بنی نوع انسان کو اب تک میسر نہیں ہوا اور لازم ہے کہ اس کی تیاری مسلمان ابھی سے کر لیں۔ وہ اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم جیسا ایمان پیدا کریں۔ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جغرافیائی اور رنگ و نسل وغیرہ کے امتیازات ختم کر کے متحد ہو جائیں، بھائی بھائی بن جائیں، اپنے علمی اور مالی ذرائع کو یکجا کریں اور قرآن کی سیاست کو جو انسانی فطرت کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ ہے ساری دنیا پر غالب کرنے کی تیاری فوراً شروع کر دیں۔
سورہ روم کی آیت ۳۰ ملاحظہ ہو۔

فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا ولا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون○

دین اسلام خدا کی بنائی ہوئی وہ فطرت ہے جس پر اس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا۔ اس سے کسی فرد کو مفر نہیں

Marfat.com

اور خدا ساز فطرت میں کسی رد و بدل کا امکان نہیں۔ دنیا کو نباہنے کا یہی صحیح اسلوبِ عمل اور صراط مستقیم ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

سورہ احزاب کی آیت ۶۲ یوں ہے۔

ولن تجد لسنتہ اللہ تبدیلاO

اور تو قانونِ خدا میں کوئی رد و بدل ہرگز نہیں پائے گا۔ (۶۲:۳۳)

چونکہ دین اسلام دین فطرت ہونے کے سبب سراپا حقانیت ہے، مجسمہ صدق اور سرچشمۂ حقیقت ہے۔ شارع قدرت کی عالمگیر سنتوں میں سے ایک سنت ہے اور سنت میں رد و بدل ممکن نہیں لہٰذا قانونِ فطرت کی کوئی اور مضر حقیقت اسلام کو فنا نہیں کر سکتی۔ مسلمان عالم کا روئے زمین پر بالآخر بطور ایک غالب عنصر کے رہنا لازمی ہے اور جب تک زمین و آسمان اور کل کائنات موجود ہے یہ صورت قائم ہو کر رہے گی۔ اگر موجِ حوادث کے تلاطم نے بظاہر اس کلیئے سے انحراف پیدا کر دیا ہے تو وہ استثنائی اور عارضی ہے مگر اس کی حقیقت سوا اس کے نہیں کہ مخالف اثرات کے دباؤ نے ایک غیر مانوس صورت نمایاں کر دی ہے جو ہٹ کر رہے گی۔ دینِ اسلام کے عالم آرا تعمیری فلسفے کا یہی وہ بنیادی پتھر ہے جس نے اس کے قیام و استحکام کا ذمہ ابتدائے آفرینش سے لیا اور آج چودہ سو سال بعد بھی اس کی حیات کو قطعی، اور اس کے قانون کو ازلی اور ابدی قرار دیتا ہے۔ صانعِ قدرت تعالیٰ نے اس اصلیت کا انکشاف فطرت کے ہر اصول اور ہر طرز عمل میں کیا ہے۔ جب تک صداقت صداقت ہے اس کا غلبہ، جہاں کہیں وہ ہو، یا جس پیرایۂ میں ظاہر ہو، ناگزیر اور اٹل ہے۔ اگر دنیا میں کذب و ریا، مکر و فریب، ظلم و فساد کے بے انتہا مضر اثرات کے باوجود فطرت کے اصول قائم اور قانون خدا کی حکومت مسلط ہے تو اس کا اصلی راز یہی ہے۔ اگر حرص اور لالچ کی چند روزہ گرم بازاری اور سفلی خواہشات کی عارضی روا روی کے باوجود سطح زمین اب تک بحیثیت مجموعی اعتدال اور توازن کے راستہ سے منحرف نہیں ہوئی تو اس کا حقیقی باعث یہی ہے۔ باطل اور فاسد ہستی کے تصادم کا ایک مستقل حقیقت پر اثر بعینہٖ مثل اس پتھر کے نقش کے ہے جو ایک اتھاہ سمندر کی سطح پر پھینکنے سے خفیف تموج تو چند لمحوں کے لئے پیدا کر دیتا ہے مگر اپنی ہستی کو ابدالآباد کے لئے کالعدم کر دیتا ہے۔

مانا کہ اسلام کی موجودہ ہیئت انتہائی نچلی سطح کو چھو رہی ہے پھر بھی ربِ لم یزل کے تقاضائے غیرت نے کم از کم اس مردہ ڈھانچے کی اس قدر حرمت تو ضرور برقرار رکھی ہے کہ آج صدہا برس کی موت کے بعد بھی اس کے اصلی خد و خال کا نقشہ صاحب نظر سے نہاں ہو نہیں سکتا۔ قرآنِ عظیم علم و حکمت کا وہ خزینہ ہے کہ جوں جوں علم اور زندہ قوموں کے سعی و عمل کے زور سے کائنات کے راز کھل رہے ہیں، اسلام کا نور دوبالا ہوتا چلا جا رہا ہے اور اندھیرے چھٹتے جا رہے ہیں۔ مطالعہ کی غلط فہمیوں اور مقاصد کی دور افتادگیوں کے باعث جس قدر اس کی بات عوام کے نزدیک ناقابل توجہ اور بے معنی ہو رہی ہے اسی قدر صحیح القلب نقاد کی نظروں میں اس کی عظمت کا رنگ کھلتا جا رہا ہے۔ جوں جوں اعمالِ خدا کا علم اور مشاہدہ وسیع ہوتا جائے گا، جوں جوں کوئی صاحبِ علم قوم اس کے حقائق عالیہ پر غور کرے گی اس کی تعلیم واضح اور مشرح ہوتی جائے گی۔ اسلام کی از سرِنو حیات کے دن لامحالہ اس دن پھرنے لگیں گے جب کہ بداعمالی، کفر اور تکذیب کے ہوش ربا جمود اور مجموعی شکست و ریخت کے عجز میں خود مسلمانوں کا کوئی غمزدہ بندۂ خدا قرآن حکیم کی طرف پھر متوجہ ہو گا اور نافہمی، غلط عملی، سیاہ بینی، باطل پسندی اور عدم یقین کے حجاب در حجاب کو اس کے ماتمی اور پژمردہ چہرے سے الٹ کر ایمان کی اصلیت کو بے نقاب کر دے گا۔ اسی دن حقیقت کی روٹھی ہوئی دلہن پھر من جائے گی اور اسلام کے ویران گھر کو یک دم آباد کر

Marfat.com

دے گی۔

اسی بنا پر قرآن کریم کا وہ مبشرانہ اور فیصلہ کن وعدہ جو آیہ کریمہ **ولاتهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین** (ترجمہ:۔) اور نرم پڑ کر ہمت نہ ہارو اور آزردہ خاطر نہ ہو کیونکہ اگر تم ایمان والے ہو تو آخرکار سب میں تمہاری ہی جیت ہے) میں ہے' ایک ایسی حقیقت کے ساتھ مشروط ہے جس کا التزام اجتماعی غلبے کے تسلسل کے لئے بمنزلہ روح ہے۔ ایمان کی جاں فزا صداقت موت اور زندگی کی ہر کشمکش کے قیام کے لئے اکسیر اعظم ہے۔ وہ ہر کامرانی کی کلید اور ہر کامیابی کی تمہید ہے۔ وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کے لئے مومیائی اور مرے ہوئے حوصلوں کے لئے آبِ حیات ہے۔ وہ فتح کی ہر منزل پر نئی روح اور شکست کی ہر علامت پر نئی زندگی بخشتی ہے۔ وہ اجماع امت کا مرکز' نظم و نسق کا محور اور انتہائی جدوجہد کی اساس ہے۔ اس کی کششِ اتصال فاسد اور متفرق طاقتوں کو جمع کر کے قوت دفاع کو فولادی دیوار کی طرح مضبوط کر دیتی ہے۔ جس شخص کو زندگی کی تکلیف دہ مسافرت میں ایسا سچا راہنما نصیب ہو' اس کے ہر قدم پر فتح و نصرت شامل حال ہے اور جس قوم کو تحفظ و بقا کی غمناک کشمکش میں ایسا جارحانہ اور مدافعانہ حربہ عطا ہوا ہو' اس کا مخالف اثرات پر تسلط یقینی اور تغلب اور تمکن فی الارض ایک طے شدہ امر ہے۔ سورہ نور کی آیت ۵۵ یہ ہے۔

وعدالله الذین امنوا منکم و عملوالصلحت لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم و لیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم و لیبدلنهم من بعد خوفهم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک هم الفسقون○ (۲۴:۵۵)

تم میں سے جن لوگوں کا ایمان سچے دل سے قائم رہا اور جنہوں نے اس کے علاوہ تن وہی سے اعمالِ صالحہ بھی کئے' ان سے اللہ جل شانہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں قیام عطا فرمائے گا جیسے ان لوگوں کو قیام عطا فرمایا تھا جو ان سے پہلے گزرے ہیں' وہ اس دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے جما کر رہے گا اور بعد ازاں اس خوف کو بھی جو انہیں دشمن سے لاحق ہے امن سے بدل دے گا۔ ان کا مسلک عمل یہ ہے کہ میرے غلام بن کر میرے حکموں پر چلتے رہیں۔ **(یعبدوننی)** اور اطاعت گزاری میں کسی دوسری شے کو میرے ہم مقام نہ کریں۔ **(لایشرکون بی شیئا)** اور جنہوں نے اس تمکن اور قیام کے بعد اطاعتِ احکام سے انحراف کیا اور اپنی بداعمالیوں کے باعث اس نعمتِ عظمیٰ کی بے قدری کی (کفر) تو وہی فاسق اور وہی اجتماعی ہلاکت کے باعث ہوں گے۔

شارع قدرت کا یہ حتمی وعدہ نہ صرف اسلام بلکہ تمام اقوام عالم کی حیات و ممات کا مکمل اور آخری فیصلہ ہے۔ قرآنِ کریم کی حجتِ بالغہ اور شریعتِ خدا کی حکمتِ جامعہ و مانعہ ایسے سعی و عمل کے طبعی نتیجے پر چودہ سو سال پہلے پہنچ چکی ہے جو فلسفہ دان فارابی' ہیگل اور ڈارون کے مسئلہ ارتقا و انتخابِ طبیعی کی اصطلاح میں "بقائے اصلح" (SURVIVAL OF THE FITTEST) کے نام سے معروف ہے۔ اس آیہ کریمہ میں دو باتوں کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اولاً یہ کہ "استخلاف فی الارض" یعنی بقا اور زمین پر خلافت کے حصول کے لئے ایمان شرط ہے' اور اللہ کا وعدہ انہیں لوگوں سے کیا گیا ہے جو ایمان رکھتے ہوں۔ ثانیاً یہ کہ ایمان کامل کے ہوتے ہوئے اعمال صالحہ کا اکتساب لازمی امر ہے۔ جس جماعت کے افراد میں یہ دونوں باتیں موجود ہوں وہی اصلح ہے۔ اسی کی ترقی اور سلامتی کا ذمہ قانون فطرت نے اپنے اوپر لے لیا ہے۔

بہر حال استخلاف فی الارض کے انعام کا ایمان اور عمل صالح سے مشروط قرار دیئے جانے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس آیہ کریمہ میں فاطرِ ارض و سما نے مسلمانان عالم کے ساتھ ایک ایسے کامل سیاسی غلبے کا وعدہ کیا ہے جو محض سرزمینِ عرب پر قبضے کے متعلق یا کسی کمزور اور برائے نام خلافت کے قیام پر ہی مشتمل نہیں بلکہ اس کا نصب العین دنیا کے عظیم ترحصے پر حقیقی اور قرار واقعی سیاسی اور اجتماعی حکومت ہے۔ اس نعمتِ عظمیٰ کے حصول کے بغیر نہ تو خدائے پاک کا دین کسی معنوں میں اکناف عالم میں متمکن ہو سکتا ہے اور نہ وہ خوف جو آج ہر سمت سے مسلمانانِ عالم پر طاری ہے' کسی طرح امن سے بدل سکتا ہے۔

مسلمانانِ عالم اعمال صالحہ کی حقیقت کے بارے میں اس قدر بے خبر ہیں یا باخبر ہوتے ہوئے بھی اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ الامان! سابقہ اوراق میں اعمال صالحہ کے اس پہلو کا جس سے عام بے خبری ہے اشارۃً" ذکر ہوا ہے۔ آئندہ صفحات میں ایک مستقل باب کی شکل میں تفصیل سے ذکر ہے تاکہ یہ اچھی طرح سمجھ لیا جا سکے کہ اعمال صالحہ کے بغیر عزت و اکرام اس دنیا میں ہے نہ حیات آخروی میں۔

Marfat.com

باب دوم

مقام فطرت

(۱) صحیفہ فطرت ہی حقیقت ہے

قرآنِ حکیم میں (خدا اور قرآن وغیرہ کو چھوڑ کر) صرف ایک شے ہے جس کو بار بار اور نہایت تاکید کے ساتھ "حق" یعنی سچائی کہا گیا ہے اور وہ صرف خدا کی بنائی ہوئی فطرت ہے۔ یہ حقیقت اس اصرار اور تکرار کے ساتھ واضح کی گئی ہے کہ مسلمان کا زوال کے زمانے سے اس کو قطعی طور پر نظرانداز کر کے خدا کی بنائی ہوئی فطرت کو لاشے اور دنیا کو مردار سمجھنا اس امر کا ثبوت ہے کہ قرآن اس وقت تک متروک و مہجور ہو چکا تھا۔ اسی فطرت کو نظرانداز کرنے سے موجودہ اسلام میں جھوٹ' وہم' ظن اور گمان اس قدر شامل ہو گئے کہ اب دماغ پریشان ہو جاتا ہے۔ قلندری' فقیری' صوفیائیت' پیری مریدی اور مجذوبیت جیسی بے عملی کے تمام جال جو لوگوں نے حقیقت یا غیب دانی کے نام سے پھیلا رکھے ہیں اس باعث سے ہیں کہ مسلمان کو علم نہیں رہا کہ ازروئے قرآن حکیم حقیقت کیا ہے اور حق کے بارے میں خدائے عز و جل کی تصدیق کس شے پر ہے۔ حسب ذیل چودہ موقعوں پر قریباً ایک ہی مضمون ہے جو انتہائی غور کے قابل ہے۔

(۱) خلق السموات والارض بالحقط تعالی عما یشرکون○(۱۶:۳)

آسمانوں اور زمین کو خدا نے سچائی کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ اس شے سے بلند ہے جو لوگ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

(۲) خلق اللہ السموات والارض بالحقط ان فی ذالک لایتہ للمومنین○ (۲۹:۴۴)

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو سچائی کے ساتھ پیدا کیا۔ بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے ایک بڑا اشارہ ہے۔

گویا اول:- فطرت کی حقیقت پیدائشِ خدا ہے اور پیدا کرنے والے کے ساتھ برابر نہیں ہو سکتی۔

دوئم:- اسی فطرت میں ایمان والوں کے لئے بڑا میدانِ عمل ہے۔ (مقابلہ کرو اس آیت کا آیت ۳:۴۵-۵ صفحہ ۴۳)

(۳) ماخلقنا السموات والارض وما بینھما الا بالحقط واجل مسمیط(۴۶:۳)

ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے نہیں پیدا کیا مگر سچائی کے ساتھ اور ایک وقت مقرر تک۔

گویا تمام مخلوق کو بھی جو دونوں کے درمیان ہے سچائی میں شامل کر لیا ہے اور بتلا دیا ہے کہ یہ کارخانہ وقت مقرر تک ہے۔

(۴) خلق السموات والارض بالحق وصورکم فاحسن صورکم والیہ المصیر○ (۶۴:۳)

آسمانوں اور زمین کو سچائی کے ساتھ پیدا کیا اور تمہیں شکل دی پھر بہترین شکل بنائی اور جانے کی جگہ تو وہی خدا ہے۔

گویا اگر حقیقت کے متلاشی ہو تو اسی کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے حقیقت مل سکتی ہے اور کسی جگہ سے نہیں ملے گی نیز یہ کہ انسانی تقویم بہترین تقویم ہے۔ بلکہ یہ بھی کہا کہ آخر اپنے عملوں کا امتحان تو خدا کے پاس جا کر ہو گا۔

(۵) وخلق اللہ السموات والارض بالحق ولتجزی کل نفس بما کسبت وھم لا یظلمون○ (۲۲:۴۵)

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو سچائی کے ساتھ پیدا کیا اور یہ اس لئے کہ ہر شخص کو جو وہ کوشش کرے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور انسان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

گویا جو شخص فطرت کی حقیقت کو بنا قرار دے کر عمل کرنے کی کوشش کرے گا اس کو اس کی پوری اجرت ملے گی۔ کیا تمام دنیا کی زندہ قوموں کو اس کی جزا نہیں مل رہی۔ وائے افسوس کہ بعد کے مسلمان کس گمراہی کی طرف چلے گئے! سورۂ ابراھیم میں اس سے بھی زیادہ واضح طور پر ہے:۔

(۶) الم تر ان اللہ خلق السموات والارض بالحقط ان یشا یذھبکم و یات بخلق جدید○ (۱۹:۱۴)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے آسمانوں اور زمین کو حقیقت پیدا کیا' اگر وہ مناسب سمجھے تو تمہاری نسل کو ختم کر کے ایک نئی پیدائش لا سکتا ہے۔

اللہ اللہ! یہاں تو دھمکی معلوم ہوتی ہے کہ اگر تم انسانوں نے اس حقیقت کی پوری قدر نہ کی تو کیا عجب ہے کہ تمہاری نسل ہی ناپید کر کے بہتر نسل لے آئے جو اس حقیقت کو پورے طور پر دریافت کرے!

(۷) وما خلقنا السموات والارض وما بینھما الا بالحقط وان الساعۃ لاتیۃ فاصفح الصفح الجمیل○ (۸۵:۱۵)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ایک حقیقت پیدا کیا اور یاد رکھو کہ (امتحان کا) وقت ضرور آنے والا ہے پس اس مہلت تک پورے طور سے درگزر کرو۔

گویا اس حقیقت سے جس قوم نے فائدہ نہ اٹھایا اس کو ذلت نصیب ہو کر رہے گی۔ سورۃ زمر ۳۹ میں ہے:۔

(۸) خلق السموات والارض بالحقج یکور الیل علی النہار ویکور النہار علی الیل و سخر الشمس والقمرط کل یجری لاجل مسمیط الا ھوالعزیز الغفار○ (۵:۳۹)

آسمانوں اور زمین کو حقیقت پیدا کیا وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے چاند اور سورج کو اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ یہ سب کارخانہ ایک وقت مقرر تک جا رہا ہے۔ خبردار رہو کہ وہ خدا بڑا غالب اور بڑا پردہ ڈالنے (مہلت دینے) والا ہے۔

(۹) وھو الذی خلق السموات والارض بالحقط ویوم یقول کن فیکون○ (۷۳:۶)

اور وہ خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حقیقت پیدا کیا اور جب وہ کسی دن کہے گا کہ یہ شے ہو جا وہ ہو جائے گی۔

گویا اس کے علاوہ اور حقیقتیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں' اس کے کن کہنے کی دیر ہے۔

(۱۰) ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا و قدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحسابط ماخلق اللہ ذالک الا بالحق یفصل الایات لقوم یعلمون (۵:۱۰)

Marfat.com

اور وہ خدا ہے جس نے سورج کو شعلہ بنا دیا ہے اور چاند کو نور اور اس کی منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تم سنوں کی گنتی کر سکو اور حساب کر لو۔ خدا نے یہ پیدا نہیں کیا مگر ساتھ حقیقت کے۔ ان اشاروں کو علم والی قوم کے فائدے کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔

یہاں صاف اشارہ ہے کہ صحیفہ فطرت سے انتہائی علم حاصل کر کے ترقی کے بام بلند پر چڑھو اور سورج کی روشنی کو ضیا اور چاند کی روشنی کو نور کہہ کر دونوں کے درمیان فرق بتلایا ہے کہ ایک اصلی شعلہ ہے اور دوسرے نے محض اس کی شعاع لے کر چمک حاصل کی ہے! چودہ سو برس پہلے جب کہ تمام دنیا جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی یہ فرق بتانا حیرت انگیز ہے۔ **یعلمون** کے معنی بھی صاف ہو گئے کہ علم صرف علم فطرت ہے۔

(۱۱) اولم یتفکروا فی انفسہم قف ما خلق اللہ السموات والارض وما بینہما الا بالحق واجل مسمی ط وان کثیرا من الناس بلقای ربہم لکفرون○ (۳۰:۸)

کیا لوگوں نے اپنی ساخت پر غور نہیں کیا اور اس پر کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے نہیں پیدا کیا مگر بطور حقیقت کے اور ایک مقرر وقت تک' اور باوجود اس کے لوگوں میں سے بہت سے اس بات سے منکر ہیں کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے سے ایک نہ ایک دن ملاقات کریں گے۔ (گویا ملاقات رب انسان ہی کو سجتی ہے)

یہاں پر ایک باریک اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ فطرت کی تمام اشیا جو پیدا کی گئی ہیں حقیقت پر مبنی ہیں اور اُنہی حقائق پر تفکر اور ان کی کماحقہ' تلاش کا نتیجہ ملاقات رب ہے جو لامحالہ ان سے خدا کرے گا جو ایسا کریں گے لیکن اکثر لوگ ان امور کی طرف متوجہ نہ ہونے کے باعث ملاقات رب سے منکر ہیں۔

اس طریقے سے فطرت کو حقیقت کہنے کے علاوہ ایک اور طریقہ اختیار کیا ہے وہ یہ کہ یہ فطرت ہم نے کھیلتے کھیلتے نہیں بنائی۔

(۱۲) وما خلقنا السماء والارض وما بینہما لعبین○ (۲۱:۱۶)

اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے کھیلتے کھیلتے نہیں بنایا۔

(۱۳) وما خلقنا السموات والارض وما بینہما لعبین○ ما خلقنہما الا بالحق ولکن اکثرھم لا یعلمون○ (۴۴:۳۸-۳۹)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے کھیلتے کھیلتے نہیں بنایا۔ ہم نے ان کو نہیں پیدا کیا مگر بطور حقیقت کے' لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے۔ (گویا خدا کو دھن لگی ہے کہ انسان اس کا علم حاصل کرے جو اس نے بنایا ہے تاکہ اس کو پہچانے)

یہاں پھر دہرایا ہے کہ اکثر لوگ صحیفہ فطرت کی سچائی کا علم نہیں رکھتے کیونکہ علم تو صرف سمع اور بصر اور ذہن کے استعمال سے حاصل ہوتا ہے اور زیادہ لوگ دنیا میں وہ ہیں جو خدا کی ان دی ہوئی چیزوں کا استعمال کر کے فطرت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ اس میں پچھلے مسلمان غافل رہے اور نہایت بے حقیقت باتوں کی طرف چلے گئے۔ اس تمام حقیقت کشائی اور بار بار تنبیہہ کے بعد قرآن حکیم کا آخری فیصلہ یہ ہے کہ جو لوگ اس فطرت کو باطل سمجھتے ہیں وہ کافر ہیں۔ اللہ اللہ!

Marfat.com

کیا اس سے زیادہ سخت سزا مسلمانوں پر عائد ہو سکتی ہے کہ ان کو کہا جائے کہ ایسے لوگ جہنمی ہیں۔

(۱۴) **وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلاط ذالک ظن الذین کفرواج فویل للذین کفروا من النارo**
(۲۷:۳۸)

ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے جھوٹ نہیں پیدا کیا۔ یہ ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں تو حیف ہے کہ ان کافروں کو جہنم ہو گا۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ فطرت کو باطل سمجھنے والوں کو جہنم تک کی سزا ہے۔ اس تنبیہہ کے بعد ایک اور تنبیہہ اس سے بھی ہولناک تر ہے جو نسل انسانی کے اس کثیر حصے کو دی گئی ہے جو خدا کے عطا کردہ سمع و بصر اور ذہن کو استعمال نہیں کرتے۔ یہ تنبیہہ اس قدر لرزہ خیز ہے کہ اس کی رو سے نسل انسانی کے صرف اس حصے کی "آخری" نجات ممکن ہے جو صاحب علم ہو گا اور باقی تمام طبقے جہنم کے انیدھن ہوں گے۔ قابل غور شے یہ ہے کہ اس بظاہر معمولی جرم کی اس قدر ہولناک سزا کا دیا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ خدا کی نگاہوں میں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ اس کائنات سے جو اس نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہے اور جس پر اسے فخر ہے (دیکھو آگے چل کر نمبر شمار (۱۶) تا (۲۲) بے پرواہی اختیار کی جائے' اس کی تہ تک نہ پہنچا جائے اور ملاقات خدا کا اہل نہ بنا جائے۔ دیکھو آیت نمبر (۸:۳۰)

(۱۵) **ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن و الانسط لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھاط اولئک کالانعام بل ھم اضلط اولئک ھم الغفلونo(۱۷۹:۷)**

اور بیشک اور بالتحقیق ہم نے جن و انس کی اکثر مخلوق کو جہنم کے لئے وقف کر دیا ہے' کیونکہ ان کے پاس دل (یعنی ذہن) ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور یہی (ہماری خطرناک قرآنی اصطلاح میں) غافل ہیں!

جس نا محسوس طور پر وہ قومیں جنہوں نے صحیفہ فطرت سے علم حاصل کر کے اپنے آپ کو ترقی اور تمدن کے بلند درجوں تک نہیں پہنچایا' آہستہ آہستہ محکومیت اور غلامی کے جہنم کی طرف گھسٹ رہی ہیں' ہر صاحب نظر پر واضح ہے اور ایٹمی طاقت کی دریافت سے جو ہولناک تباہی آگے چل کر آنے والی ہے' سب کے کان کھڑے کر رہی ہے' لیکن اس آیت کو بہ غور پہلی آیتوں (بالخصوص (۱۰) کے **لتعلموا** اور **لقوم یعلمون** اور (۱۱) کے **اولم یتفکروا** اور (۱۳) کے **لا یعلمون**) کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے واضح ہے کہ خدا کی نگاہوں میں جہنم کی آگ سے بچنے والی قومیں وہی ہیں جو صاحب علم ہیں۔ باقی سب غافل ہیں اور سب جہنم میں جائیں گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ غافل کی قرآنی اصطلاح کافر' مشرک اور فاسق کی قرآنی اصطلاحوں سے کہیں زیادہ لرزہ خیز ہے۔ غافل کی مزید تعریف کے لئے حسب ذیل آیت پر غور کرو۔

(۱۶) **من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیمo ذالک بانھم استحبوا الحیوۃ الدنیا علی الاخرۃ وان اللہ لایھدی القوم الکفرینo اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم وسمعھم و ابصارھم واولئک ھم الغفلونo لا جرم انھم فی**

الاخرۃ ھم الخسرون○ (۱۶:۱۰۶۔۱۰۹)

جس نے خدا (کے قانون) پر ایمان لا کر انکار کیا (اور اس قانون سے برگشتہ ہو گیا) الا وہ شخص جس کو مجبور کیا گیا اور دل سے وہ قانون خدا کے نفع مند ہونے پر یقین رکھتا ہے' لیکن وہ جس نے خدا کے قانون سے انکار کے متعلق سینے کھول دیئے تو یہ قومیں ہیں جن پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور انہی کو درد ناک عذاب ہے اور یہ اس لئے ہے کہ ایسی قومیں انجام سے صرف نظر کر کے لذت دینوی کو پسند کرتی ہیں اور منکرین قانون خدا کو تو خدا کبھی راہ راست نہیں دکھلاتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے ذہنوں اور کانوں اور آنکھوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے اور یہی غافل ہیں۔ لا محالہ یہی وہ لوگ ہیں جو بالآخر گھاٹے میں رہیں گے۔

گویا یہاں بھی غافل وہ لوگ ہیں جو سمع و بصر اور ذہن کا صحیح استعمال نہیں کرتے اور قانون خدا کو بصیرت سے نہیں دیکھتے۔ (۱۵) میں ضمناً" **لھم قلوب لا یفقھون بھا** کے الفاظ سے واضح ہے کہ اہل عرب کے نزدیک قلب یا (فواد) (جس کو ہم لوگ "دل" کہتے ہیں) جو سینے میں ہوتا ہے وہ عضو ہے جس سے تفقہ یعنی سمجھ آتی ہے گویا قلب' ذہن اور فواد ایک ہی شے ہیں۔

کیا ان تمام تصریحات کے بعد کوئی ایک مسلمان ہے جو دین کے بڑے بڑے مفسروں' صوفیوں' شاعروں اور دانایان راز کے ان قوم کش اقوال کی طرف توجہ کرے گا جو اس فطرت کے علاوہ کسی ظن و وہم پر مبنی اقوال کی طرف توجہ دلا کر قوم کو ہلاکت کی طرف لے جا رہے ہیں اور قرآن کا ادنیٰ علم نہ رکھتے ہوئے امت کو زوال کی طرف گھسیٹ رہے ہیں قرآن حکیم میں ہے۔ **ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین**○ (۳۱:۶) (ترجمہ:۔ اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو بکواس اور لغویات کو اپنا لیتے ہیں کہ علم نہ رکھتے ہوئے خدا کے رستہ سے بھٹکا دیں اور اس خدا کے رستے کو مخول بنا دیں' تو ایسے ہی لوگوں کے لئے رسوا کن عذاب ہے)۔ فتدبر۔

(۲) خدائے عزوجل کا صحیفہ فطرت پر فخر

خدائے عزوجل نے یہی نہیں کہ صحیفہ فطرت کو واحد حقیقت قرار دیا بلکہ فخریہ الفاظ میں کہا کہ اس سے بہتر شے کوئی دکھاؤ جو کسی اور نے بنائی ہو۔

(۱۷) **والسماء بنینھا باید وانا لموسعون○ والارض فرشنھا فنعم الماھدون**○ (۵۱:۴۷۔۴۸)

اور اس آسمان کو ہم نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور ہم ضرور بڑی وسیع طاقت رکھنے والے ہیں اور اس زمین کو ہم نے خود فرش کیا تو دیکھو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں۔

(۱۸) **ھذا خلق اللہ فارونی ماذا خلق الذین من دونہ بل الظلمون فی ضلل مبین**○(۳۱:۱۱)

یہ تو اللہ کی پیدائش ہے تم مجھے دکھلاؤ کہ جو اس کے سوا ہیں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے تو دیکھ لو کہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

(۱۹) **قل ارئیتم شرکاء کم الذین تدعون من دون اللہ ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لھم شرک فی السموات ام اتینھم کتابا فھم علی بینت منہ بل ان یعد الظالمون بعضھم بعضا الا غرورا**○(۳۵:۴۰)

Marfat.com

کہہ دو کیا تم نے اپنے ان شریکوں کو دیکھا ہے جنہیں اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو' مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کونسی زمین پیدا کی ہے یا ان کا کوئی حصہ آسمانوں میں ہے' یا انہیں ہم نے کوئی تحریر دی ہے جو ان کے پاس بطور سند کے ہے۔ اصل یہ ہے کہ ظالم ایک دوسرے کو دھوکہ ہی دے رہے ہیں۔

(۲۰) قل ارئیتم ماتدعون من دون اللہ ارونی ماذا خلقو امن الارض ام لھم شرک فی اسموات ائتونی بکتاب من قبل ھذا اواثراہ من علم ان کنتم صادقین○

کہہ دو کیا تم نے اپنے شریکوں کو دیکھا' مجھے دکھاؤ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی یا ان کی آسمانوں میں کوئی شرکت ہے۔ اس سے پہلے کی کوئی تحریر یا نشانِ علم میرے پاس لاؤ اگر سچے ہو۔ (یہاں صاف طور پر صحیفہ فطرت کو کتاب کہا ہے) فتدبر۔

(۲۱) انا جعلنا ما علی الارض زینتا لھا لنبلو ھم ایھم احسن عملا○(۱۸:۷)

ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اس کے لئے زینت پیدا کیا ہے تاکہ ان کو آزمائیں کہ کون بہترین عمل کرتا ہے۔

(۲۲) ماتری فی خلق الرحمن من تفوت فارجع البصر ھل تری من فطور○ ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا وھو حسیر○(۶۷:۳-۴)

تو خدا کی بنائی ہوئی پیدائش میں کوئی فرق نہیں دیکھے گا۔ تو اپنی آنکھ کو غور سے لے جا۔ کیا اس میں کوئی ادنیٰ رخنہ دیکھتا ہے' نہیں دوبارہ آنکھ کو پھر لے جا کر دیکھ لے۔ آنکھ ذلیل اور حسرت زدہ ہو کر تیری طرف واپس آ جائے گی۔

(۲۳) افلم ینظروا الی السماء فوقھم کیف بنینھا وزینھا ومالھا من فروج○(۵۰:۶)

کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ کیسا اچھا ہم نے بنایا اور اس کو آراستہ کر دیا اور اس میں کوئی درزیں نہیں۔

(۳) صحیفہ فطرت کے مطالعہ کے اندر ہی خدا کے احکام موجود ہیں

فطرت کی اس عظیم الشان حقیقت کو اس بے گمان طور پر تصدیق کرنے کے بعد' دنیا کا یہ سب سے زیادہ منطقی طور پر صحیح مذہب اور انسان کا سچا لائحہ عمل انسان کو اس دنیا میں مستقل کام دینے اور خدا کی صحیح معرفت کرانے کے لئے صاف الفاظ میں اسی صحیفہ فطرت میں سے خدائی احکام' الٰہی دستور العمل اور قوموں کی زندگی کا سچا لائحہ عمل تلاش کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان ترغیبوں میں ان (فی الحقیقت) اور ل (ضرور) کی دو تاکیدیں ہر جگہ موجود ہیں اور صاف بتلایا ہے کہ صرف اس قوم کو جو عقل رکھتی ہے (**لقوم یعقلون○**) علم رکھتی ہے (**لقوم یعلمون**)' یقین رکھتی ہے۔ (**لقوم یوقنون**)' فکر رکھتی ہے۔ (**لقوم یتکفرون**)' سننے کی قابلیت رکھتی ہے۔ (**لقوم یسمعون○**) نعمتوں کو صحیح استعمال کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ (**لقوم یشکرون○**) عبرت حاصل کرنے کی استعداد رکھتی ہے۔ (**لقوم یذکرون○**)' ایمان رکھتی ہے۔ (**لقوم یومنون○**)' سعی و عمل رکھتی ہے۔ (**لقوم یعملون○**)' مستقل مزاج اور محنتی اور قدردان ہے۔ (**لکل صبار شکور○**)' خدا کے قانون سے خوفزدہ ہے۔ (**لقوم یتقون○**) وغیرہ وغیرہ' ہاں صرف ان قوموں کے لئے صحیفہ فطرت کے فلاں

Marfat.com

فلاں مظاہر اور مناظر میں اپنی قسمت کو درست کرنے' صحیح راہ پر چلنے' فطرت کا علم حاصل کر کے ترقی کے اعلیٰ ترین مدارج پر پہنچنے کے لئے بے شمار احکام (آیات)' لاتعداد اشارے (آیات) بیگماں معجزات (آیات) اور راہ عمل موجود ہے!

یہ آیات جو قرآن حکیم میں تیں بلکہ اس سے بھی زیادہ مختلف موقعوں پر ہیروں اور موتیوں کی طرح بکھری ہوئی ہیں' ان کے علاوہ ہیں جن میں قرآن نے غیرفانی الفاظ میں زمین کی مخلوق کو صحیفہ' فطرت کا مستقل علم اپنی طرف سے دیا ہے اور جو اس قدر حیران کن ہے کہ اس علم کا نام و نشان صفحہ زمین پر موجود نہ تھا جب کہ قرآن نازل ہوا۔ لیکن قطع نظر قران حکیم کے اس حصے سے جو علمِ قران ہے' قران حکیم کی ایک حیرت انگیز خصوصیت یہ حصہ ہے جس میں انسان کو فطرت کے مناظر کی طرف متوجہ کرنے اور ان سے احکام (آیات) حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ان آیات میں جو شے قابل توجہ ہے یہ ہے کہ (۱) خطاب عام ہے اور ہر قوم کی طرف ہے اور دعویٰ ہے کہ جو قوم ان مناظر کی طرف توجہ کرے گی اس کو لامحالہ آیات ملیں گی۔ (۲) اس قوم کے ساتھ ایک مخصوص لقب (مثلاً عقل' علم' یقین' فکر' سمع' شکر' تذکیر' ایمان' عمل' تقویٰ' وغیرہ وغیرہ) لگا دیا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔ (۳) ہر آیت یا مجموعہ آیات میں مطالعہ فطرت کی کئی شقیں ایسی ہیں جن پر مستقل علوم مسلمانوں نے ایجاد کئے یا ان کے بعد اب مغرب میں ایجاد ہوئے (مثلاً: اسٹرانومی یعنی علم النجوم' میٹرالوجی یعنی علم الریاح' بوٹنی یعنی علم النباتات وغیرہ وغیرہ) لیکن کئی شقیں ایسی ہیں جن کی طرف انسان نے ابھی تک مطلق توجہ نہیں کی (مثلاً: رات اور دن کا علم' آسمان سے برسے ہوئے پانی کا علم' شہد کا علم' اختلاف رنگ کا علم' موت پر روح کے قبض ہونے کا علم' بسط و قبض رزق کا علم' نیند کا علم' وغیرہ وغیرہ)۔ (۴) چونکہ انسان کا مقام اس زمین پر بمنزلہ خلیفتہ اللہ یعنی خدا کا قائم مقام بنا ہے' نیز چونکہ انسان کے متعلق خدائے عزوجل کا اقرار ہے کہ اس میں میری روح بھر دی گئی ہے اس لئے لازم ہے کہ انسان سمیع اور بصیر ہونے کے علاوہ باقی سب اوصاف خدا حاصل کرنے کی سعی کرے جن میں سے ایک بڑا وصف یقیناً خلاق ہونا (یعنی زندہ شے پیدا کرنے کا وصف رکھنا ہے۔ علامہ مشرقیؒ مزید لکھتے ہیں۔

"اس نازک معاملہ پر بحث مفصلہ ذیل آیات کے نقل کرنے کے بعد آئے گی' لیکن میں یہاں پر اس واقعہ کی طرف اشارہ پیش از وقت کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے ۱۹۱۸ء میں یعنی آج سے ۳۳ برس پہلے صوبہ سرحد کی ریاضی کی ایک علمی انجمن میں ایک معرکتہ الارا تقریر کی تھی اور دلائل سے ثابت کیا تھا کہ دنیا کی موجودہ علمی ترقیاں جو پچھلے کئی ہزار برس میں ہوئیں اور جن کا نتیجہ موجودہ علم حساب اور علم طبعیات وغیرہ ہیں' بے حد ناقص اور نارسا اس لئے ہیں کہ ان سب کی بنیاد یونان کی مائی تھالوجی (علم الادہام) کے منتہا یعنی نقطہ اور خط مستقیم اور دائرہ پر ہیں۔ حالانکہ نقطہ اور خط مستقیم اور دائرہ اگرچہ بادی النظر میں نہایت خوبصورت اور نصب العینی (آئیڈیولوجیکل) وجود ہیں لیکن صحیفہ فطرت میں نہ نقطہ موجود ہے نہ دائرہ' نہ خط مستقیم' (جو دائرے کی ایک حالت ہے)۔ اسی مجلس میں جو حساب دانوں پر مشتمل تھی میں نے دعویٰ کیا تھا کہ چونکہ حساب کی بنیاد ان تین غیر فطری چیزوں پر ہوئی اور انہی تین چیزوں کو غلطی سے' اور یونانیوں کی خوشامد کر کے' نصب العین (یعنی آئیڈیل) تسلیم کر لیا گیا' نتیجہ یہ ہے کہ تمام علم حساب اور متعلقہ علوم انہیں تین چیزوں کے گرداگرد گھومتے رہے اور ان تین چیزوں کے چکر سے نہ نکل سکے۔ ایسی غلطی کا المناک نتیجہ یہ ہے کہ ہم اقلیدس سے جیومیٹری اور جیومیٹری سے علمِ جرِ ثقیل (میکنکس) اور جرِ ثقیل سے مشینوں اور انجنوں کی خلاقی کی طرف چلے گئے کیونکہ تمام مشینوں اور انجنوں کی بنیاد نقطہ' دائرہ اور خط مستقیم ہیں۔ اب انسان نے اگرچہ تھوڑی بہت خلاقی ضرور کی ہے اور وہ بڑی عجیب و غریب مشینیں بنا سکتا ہے لیکن وہ مشینیں محض بے جان ہیں اور بیرونی طاقت کے ذریعے صرف گھومنا یا چلنا جانتی ہیں لیکن زندگی کا تمام راز بالکل نایافتہ پڑا ہے۔ بلکہ انسان نے

Marfat.com

اس مضمون کو قطعاً ہاتھ نہیں لگایا۔ اس مجلس میں میرے اس حیرت انگیز انکشاف سے بڑی سنسنی پھیل گئی اور اس کی آواز یورپ اور امریکہ تک پہنچی۔ ۱۹۲۶ء میں جب کہ میں موتمر خلافت میں مدعو ہوا' ڈاکٹر دورونوف اور پروفیسر آئن سٹین سے یورپ میں میری طویل ملاقاتیں اسی مسئلے پر ہوئیں اور انہوں نے میرے اس موقف کو بے حد سراہا اور کہا کہ "اگر آپ اس مسئلے کو سنجیدہ طور پر دنیا میں پیش کریں تو ایک انقلاب عظیم برپا ہو سکتا ہے" بلکہ "دنیا آپ کو ایک بڑا محسن ماننے کے لئے تیار ہو سکتی ہے۔" مجھے ان دو عظیم الشان پروفیسروں کی حوصلہ دہی سے بڑا اطمینان ہوا کیونکہ یہ خود اس مسئلے پر بڑے پریشان تھے کہ انسان باوجود اس کے کہ اس نے علم میں اس قدر ترقی کی ہے ابھی تک اس قابل نہیں ہو سکا کہ زندگی کے مسئلے کے متعلق معمولی معلومات بھی حاصل کر سکے۔ میں نے ان کو اصلی وجہ بتائی کہ دراصل ہم یونان کے پجاری ہیں' صحیفہ فطرت اور خدا کے پجاری نہیں۔ اگر ہم خدا کے پجاری ہوتے تو ضرور اس وقت تک ہم خالق بھی بن جاتے۔ چونکہ اس وقت تک تذکرہ لکھا جا چکا تھا میں نے ان کو قرآنی حقائق کئی نشستوں میں بیان کئے اور ان آیات کی طرف توجہ دلائی۔ ڈاکٹر دورونوف چونکہ وہ مشہور شخص ہے جو بندروں کے غدود انسانوں کے خصیوں میں لگا کر بوڑھوں کو جوان کرتا تھا' وہ قرآن حکیم کی ان آیتوں کو دیکھ کر انتہائی طور پر سرگرم ہو گیا۔ اسی کے ذریعے اور پروفیسر آئن شٹائن کے ذریعے سے مجھے کئی اعزازی سوسائٹیوں کا فیلو منتخب کیا گیا اور قریب تھا کہ میں بھی دنیا میں ایک علمی انقلاب برپا کروں' ۱۹۲۶ء کے بعد چونکہ مسلمانوں کے حالات ہندوستان میں بے حد خراب ہو گئے تھے اور کانگریس کے مقابلے میں کوئی جماعت مسلمانوں کی موجود نہ تھی اس لئے مجھے تذکرہ کے بعد مسلمانوں کی قومی زندگی کی طرف رجوع کرنا پڑا اور یہ تمام انقلابی سلسلہ ۱۹۳۰ء میں میری ملازمت کے ختم ہونے کے بعد ختم ہو گیا۔ ۱۹۳۱ء میں انٹرنیشنل کانگریس آف اور ینٹلسٹس نے مجھے تذکرہ کی تصریحات کرنے کے لئے مدعو کیا لیکن چونکہ خاکسار تحریک شروع ہو چکی تھی میں نے دو بیڑیوں میں ٹانگ اڑانا مناسب نہ خیال کر کے علمی تلاش و تجسس کو یک دم خیرباد کہہ دیا!۔

اس کہانی سے مقصد یہ ہے کہ ابھی انسان خلاقی کے ادنیٰ ترین مراحل بھی طے نہیں کر سکا۔ انسان کی تمام جستجو جو اس وقت تک صحیفہ فطرت کے سلسلے میں ہوئی ہے نہایت سطحی اور عارضی ہے۔ اس تمام تفتیش کی بنیاد علم حساب اور اس سے متعلقہ علوم پر ہے جنکی اساس یونانی نقطہ' یونانی دائرہ اور یونانی خط مستقیم پر ہے۔ علم طب کی بنیاد بھی اسی لحاظ سے محض تجربہ پر ہے۔ اگر کوئی دوا بیمار کو دے کر فائدہ ہوتا ہے تو اس کو تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ تشریح الابدان اور جراحی میں بھی صرف چیر پھاڑ اور تجربہ ہے حتی کہ چیرنے پھاڑنے والے اوزار بھی وہ ہیں جو فطرت میں موجود نہیں۔ اس تمام فطرت سے ہٹنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہم فطرت میں زندگی کے راز کو ابھی تک دریافت نہیں کر سکے یا ہماری دریافت کی حد صرف اس تک ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایک بے جان یعنی صرف ایک گھومنے والی مشین بنا سکیں' لیکن اڑنے والی مکھی سے ہم کلیتہً" بے خبر ہوں حتی کہ ہم کو یہ بھی علم نہ ہو کہ انسان یا حیوان کی پیدائش کا عنصر اول یعنی پروٹاپلزم جو ایک خوردبینی غرفہ (یعنی سیل) میں رہتا ہے' کیا شے ہے' اس کے اندر زندگی کیوں ہے' یہ زندگی کیونکر پیدا ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ یہ بحث ایک بہت طویل اور انتہائی طور پر علمی بحث ہے اور اس کے کرنے کا یہ مقام نہیں لیکن یہ چند سطریں اس لئے یہاں پر لکھ دی گئی ہیں کہ قرآن حکیم کی آیتوں پر جو اس بحث کے ضمن میں آ رہی ہیں' مسلمان انتہائی غور و فکر کریں اور ان کو مشعل راہ بنا کر نئے علوم مستنبط کریں اور یونانیوں کے پجاری بننے کی بجائے خدا کے پجاری بنیں تاکہ ان کو دنیا میں انتہائی سرفرازی حاصل ہو۔ اس سلسلے میں میں چاہتا ہوں کہ آنے والی مسلمان نسلوں کو حوصلہ دلانے کے لئے یہ اشارہ بھی دے جاؤں کہ خلاقی کے سلسلے میں بھی اور انسانی علوم کی طرح آنے والے مسلمان ہی پہل کریں گے کیونکہ قرآن حکیم میں ایک نہایت معنی خیز آیت خلاقی کے بارے میں موجود

Marfat.com

ہے۔ یہ وہ آیت ہے جو میں نے مذکورہ بالا دو پروفیسروں کو مسلمان بنانے کی ترغیب میں پیش کی تھی اور جس کو دیکھ کر وہ خوب سوچ میں پڑ گئے تھے۔ **یا ایھا الناس ضرب مثل فاستمعوا لہ ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعو لہ وان یسلبھم الذباب شیئا لایستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب○ ماقدر اللہ حق قدرہ ان اللہ لقوی عزیز○** (۲۲::۷۳) (ترجمہ۔ اے لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے غور سے سنو۔ تم جن انسانوں کو خدا کی راہ سے قطع نظر کر کے پکارتے ہو وہ ہرگز مکھی نہ پیدا کر سکیں گے خواہ سب کے سب اکٹھے بھی ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی شے چھین لے تو اس سے لے نہیں سکیں گے طالب اور مطلوب دونوں ہی کمزور ہیں۔ انہوں نے در حقیقت خدا کی عظمت کا اندازہ ہی نہیں لگایا بے شک خدا بڑا ہی قوت والا اور عظمت والا ہے)۔ ان آیات میں مجھے خدائے عظیم کی طرف سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بشرطیکہ اس نے خدا کی عظمت کا پورا اندازہ لگا لیا، ممکن ہے کہ خالق بھی بن سکے اور انشاء اللہ ضرور بن کر رہے گا۔

مجھے کچھ رنج نہیں کہ میں نے کیوں اپنی توجہ علمی مشاغل کی طرف سے ہٹا کر قوم کو دی اور زندگی کے بہترین حصے میں کیوں مسلمان کی طرف لگا رہا، یا کیوں تذکرہ لکھا جس کی قوم نے قدر نہ کی، بہرنوع میں کافی سے زیادہ مطمئن ہوں کہ میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ اب اس وقت فرض جو ادا کر رہا ہوں وہ بھی میرے لئے مقدر ہے۔ میں اس میں دخل نہیں دے سکتا۔"

آیات جو اس ضمن میں ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۲۴) **ان فی خلق السموات والارض لایات للمومنین○ وفی خلقکم وما یبث من دابۃ ایت لقوم یوقنون○ واختلاف الیل والنھار وما انزل اللہ من السماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتھا وتصریف الریح ایت لقوم یعقلون○**(۴۵:۳۔۵)

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں بیشک ایمان والوں کے لئے ضرور بہت سے اشارے اور احکام ہیں اور تمہاری اپنی پیدائش میں اور اس میں کہ جو کچھ خدا نے آسمان سے اتارا اور پھر اس (پانی) سے مرنے کے بعد زمین کو زندہ کیا اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں عقلمند قوم کے لئے بہت سے اشارات موجود ہیں۔

(۲۵) **ان فی اختلاف الیل والنھار وما خلق اللہ فی السموات والارض لایات لقوم یتقون○** (۱۰:۶)

بے شک رات اور دن کے اختلاف میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا، بہت سے اشارے اور احکام اس قوم کے لئے موجود ہیں جو خدا کے قانون سے خوفزدہ ہے۔

(۲۶) **وفی الارض ایت للموقنین○ وفی انفسکم افلا تبصرون○ وفی السماء رزقکم وما توعدون○ فو رب السماء والارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون○**(۵۱:۲۰۔۲۳)

اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے کئی اشارے موجود ہیں بلکہ خود تمہارے اندر کیا تم نہیں دیکھتے؟ اور آسمان میں تمہاری روزی ہے اور جس کا تمہیں وعدہ دیا جا رہا ہے۔ تو زمین و آسمان کے پروردگار کی قسم یہ اتنا ہی سچ ہے جتنا کہ تم بالتحقیق بول رہے ہو۔

(۲۷) **ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار لایت لاولی الالباب○ الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموت والارض ج ربنا ماخلقت ھذا باطلا ج**(۳:۱۹۰۔۱۹۱)

Marfat.com

صاحب دانش لوگوں کے لئے آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور دن رات کے اختلاف میں بہت سے اشارے موجود ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے خدا کا کھٹکا لگائے رکھتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچتے رہتے ہیں اور پکارتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے ان کو جھوٹ پیدا نہیں کیا۔

(۲۸) ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابتہ وتصریف الریاح والسحاب المسخرببن السماء والارض لایت لقوم یعقلون○ (۲:۱۶۴)

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور دن اور رات کے اختلاف میں اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں چلتی ہیں اور جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس پانی سے جو اللہ نے آسمان سے اتارا اور پھر مردہ ہو جانے کے بعد زمین کو اس پانی سے (خدا نے) زندہ کیا اور حیوانوں کے اس پھیلاؤ سے جو (خدا نے) زمین پر کیا اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں اور اس بادل میں جو زمین اور آسمان کے درمیان میں پکڑا ہوا ہے' عقل والی قوم کے لئے بہت سے اشارات ضرور موجود ہیں۔

(۲۹) ومن ایتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذالک لایت للعلمین○ (۳۰:۲۲)

اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش (بذات خود) خدائے عظیم کے اشاروں میں سے ایک اشارہ ہے اور تمہاری زبانوں کا آپس میں مختلف ہونا' اور تمہارے (جسم کے) رنگوں کا مختلف ہونا بے شک ان واقعات میں ضرور صاحب علم لوگوں کے لئے کئی اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

قرآن حکیم میں یہ چھ موقعے ہیں جہاں **سموات** اور **ارض** کے الفاظ کہہ کر توجہ دلائی گئی ہے (۲۴) میں صرف **فی السموات والارض** ہے۔ (۲۵) میں **ماخلق اللہ فی السموات والارض** ہے۔ (۲۶) میں صرف **فی الارض** ہے۔ (۲۷) اور (۲۸) میں **فی خلق السموات والارض** ہے۔ (۲۹) میں **فی** کا لفظ موجود نہیں اور صرف **خلق السموات والارض** ہے گویا اس پر غور کرنا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق بہ حیثیت مجموعی کیونکر ہوئی۔ (۲۴) میں **فی خلقکم** ہے (یعنی انسان کی اپنی پیدائش پر بھی غور کرنا ہے)' (۲۶) میں **فی انفسکم** ہے (یعنی انسان کے اپنے نفس پر غور کرنا ہے)' **اختلاف الیل والنھار** کی بنا پر ابھی تک کوئی علم پیدا نہیں ہوا اور نہ معلوم وہ کیا ہو کیونکہ چھ موقعوں میں سے چار پر اس پر زور دیا ہے اور تقویٰ' عقل اور الباب کو اس علم کی طرف منسوب کیا ہے۔ **بث دابتہ** یعنی علم حیوانات ایک نہایت وسیع علم ہے اور اس کو عقل اور یقین کی طرف منسوب کیا ہے۔ **اولی الالباب** (یعنی صاحب دانش) کی تعریف یہ کی ہے کہ ان کو دن رات یہی دھن ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی اشیاء کی حقیقت کیا ہے۔ وہ شائد کسی یونیورسٹی کے بڑے جلیل القدر پروفیسر ہوں گے جن کے کپڑے پھٹے ہوئے اور بال پریشان ہوتے ہیں۔ ضمناً" ذکر خدا کے معنی بھی واضح ہو گئے کہ اس کا مطلب خدا کی پیدائش کی حقیقت کی ٹوہ لگانا ہے اس کے معنی تسبیح پھیرنا اور دن رات نماز پڑھتے رہنا لغو ہے۔ لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ پہلو پر لیٹ کر تو نماز کبھی نہیں ہوتی۔ (۲۶) میں یہ دعویٰ کہ "آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جس کا تم وعدہ (یا دھمکی بھی ہو سکتا ہے) دیئے جا رہے ہو" اور پھر رب زمین و آسمان کی قسم کھا کر یہ کہنا کہ "یہ سچ اسی طرح ہے جس طرح کہ تم بول رہے ہو" حیران کن ہے اور کیا عجب کہ اس کے متعلق تحقیق کرنے سے قرنوں کے بعد کیا انکشاف ہو۔ (۲۴) اور (۲۸) میں اس رزق کی تشریح بارش کے پانی سے کی ہے

Marfat.com

اور ہواؤں کے ہیر پھیر کو بھی ساتھ لگا دیا ہے مگر کیا عجب ہے کہ اس علم کی ترقی سے انسان بادلوں اور ہواؤں کو مسخر کر کے اپنے رزق کا سامان اپنے ہاتھ میں لے جیسا کہ آج کل امریکہ کر رہا ہے۔ اختلاف زبان ایک مستقل علم ہے اور اس کی وجہ سے انسان کی پہلی تاریخ بہت کچھ واضح ہوئی ہے۔ اختلاف الوان کا علم بھی ابھی تک پورے طور سے قابل توجہ نہیں ہوا۔ معلوم نہیں ان دونوں علموں کی تاکید کے متعلق کیا عظیم الشان راز چھپے ہیں۔ ان چھ موقعوں سے گذر کر باقی موقعے ورجہ وار لکھے جاتے ہیں۔

(۳۰) و هوالذی انزل من السما ماء فاخرجنا به نبات کل شئی فاخرجنا منه خضرا نخرج منه حبا متراکبا ومن النخل من طلعها قنوان دانیته وجنت من اعناب والزیتون والرمان متشابها وغیر متشابه انظرو الی ثمره اذا اثمر و ینعه ان فی ذالک لایات لقوم یومنون○ (۶:۹۹)

اور وہ خدا وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے سے (ہی) ہر شے کی سوئی نکالی پھر ہم نے اس سوئی سے سبزی نکالی جس سے ہم سلسلہ دار اور پیوست شدہ دانے بیجوں کے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے سے جھکے ہوئے گچھے اور انگوروں اور زیتون اور سیبوں کے سبز باغ جو ایک دوسرے سے ملے جلے اور الگ الگ ہیں۔ غور سے اس کے پھل اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو بے شک ایمان والی قوم کے لئے اس تمام عمل نشو و نما میں کئی اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۳۱) هو الذی انزل من السماء ماء لکم منه شراب و منه شجر فیه تسیمون○ینبت لکم به الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات ان فی ذالک لایته لقوم یتفکرون○ وسخر لکم الیل والنهار لا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره ان فی ذالک لایات لقوم یعقلون○ وما ذرالکم فی الارض مختلفا الوانه ان فی ذالک لایته لقوم یذکرون○(۱۶:۱۰-۱۳)

خدا وہ پاک ذات ہے جس نے تمہارے (فائدے کے) لئے آسمان سے پانی اتارا' پھر اس پانی کا کچھ حصہ تو پینے کے لئے ہے اور کچھ پودوں کے لئے جن میں (مویشی) چرتے ہیں۔ وہ خدا اس پانی کے ذریعے تمہارے لئے سبزی اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور باقی سب پھل۔ بے شک اس (تمام کارگزاری) میں سوچنے والی قوم کے لئے ضرور ایک (بڑا) اشارہ موجود ہے اور (اس شے میں کہ) خدا نے تمہارے (فائدے کے) لئے زمین میں کئی اشیاء مختلف رنگوں کی چھوڑ رکھی ہیں' بے شک اس قوم کے لئے جو عبرت پکڑے ایک (بڑا) اشارہ موجود ہے۔

(۳۲) والله انزل من السماء ماء فاحیا به الارض بعد موتها ان فی ذالک لایته لقوم یسمعون○ وان لکم فی الانعام لعبرة نسقیکم مما فی بطونه من بین فرث و دم لبنا خالصا سائغا للشربین○ ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منه سکرا و رزقا حسنا ان فی ذالک لایته لقوم یعقلون○(۱۶:۶۵-۶۷)

اور اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر مردہ ہوئے پیچھے اس زمین کو زندہ کیا۔ بے شک اس (مظہر فطرت) میں اس قوم کے لئے جو کان رکھتی ہے ایک (بڑا) اشارہ موجود ہے۔ اور مویشیوں میں بھی ضرور تمہارے لئے عبرت ہے جس سے ہم ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کی درمیانی شے خالص دودھ غٹ غٹ پلاتے ہیں اور

کھجور اور انگور کے پھلوں میں جن سے اپنا نشہ اور عمدہ رزق بناتے ہو۔ ان سب میں عقلمند قوم کے لئے (بڑا) اشارہ موجود ہے۔

(۳۳) الم تر ان اللہ انزل من السما ماء فسلکہ ینابیع فی الارض ثم یخرج بہ زرعا مختلفا الوانہ ثم یھیج فترہ مصفرا ثم یجعلہ حطاما ط ان فی ذالک لذکری لاولی الالباب○(۳۹:۲۱)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر زمین میں اس نے چشمے چلائے پھر اس پانی کے ذریعے وہ سبزی اگاتا ہے جو رنگ برنگ ہوتی ہے' پھر وہ جوش مارتی ہے۔ پھر تو دیکھتا ہے کہ زرد پڑ گئی ہے پھر اس کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ اس (تمام منظر) میں صاحب عقل و فہم لوگوں کے لئے ایک (بڑی) عبرت ضروربالضرور موجود ہے۔

(۳۴) وھو الذی مد الارض وجعل فیھا رواسی وانھرا ط ومن کل الثمرات جعل فیھا زوجین اثنین یغشی الیل النھار ط ان فی ذالک لایت لقوم یتفکرون○ وفی الارض قطع متجورات و جنت من اعناب و زرع و نخیل صنوان وغیر صنوان یسقی بماء واحد و نفضل بعضھا علی بعض فی الاکل ط ان فی ذالک لایت لقوم یعقلون○ (۱۳:۳-۴)

اور وہی ذات ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس میں (پہاڑوں کی) چوٹیاں بنائیں اور دریا پیدا کئے اور تمام پھلوں میں سے ہر پھل کے جوڑے بنائے اور رات دن کو لپیٹ لیتی ہے۔ اس (تمام منظر) میں سوچنے والی قوم کے لئے بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں اور کھجوروں کے باغ جو دو شاخے اور یک شاخے ہیں جن کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور (پھر اس کے بعد) کھانے میں بعض پھلوں کو بعض پر فضیلت ہے۔ بے شک اس (تمام منظر) میں عقلمند قوم کے لئے بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۳۵) الذی جعل لکم الارض مھدا وسلک لکم فیھا سبلا وانزل من السما ماء ط فاخرجنا بہ ازواجا من نبات شتی○ کلوا وارعو انعامکم ط ان فی ذالک لایت لاولی النھی○(۲۰:۵۳-۵۴)

وہ (وہ پاک ذات) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا اور اس میں رستے چلا دیئے اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی کے ذریعے سے ہی ہم نے مختلف سبزیوں کے دو جوڑے نکالے اور (انسان کو اختیار دے کر کہا کہ) کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چارہ دو۔ بے شک اس (تمام منظر) میں صاحب عقل و دانش لوگوں کے لئے بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۳۶) اولم یروا الی الارض کم انبتنا فیھا من کل زوج کریم○ ان فی ذالک لایتہ ط وما کان اکثرھم مومنین○(۲۶:۷-۸)

کیا ان لوگوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنے ہی نہایت باعزت جوڑے بنائے۔ بے شک اس (تمام منظر) میں ایک بڑا اشارہ اور بڑی ہدایت موجود ہے لیکن انسانوں میں سے اکثر (اس صداقت پر) ایمان نہیں رکھتے۔

یہ سات موقعے ہیں جہاں ذکر نباتات اور بادلوں کے پانیوں کا ہے (۳۰) میں نباتات کے اگاؤ کے ہر مرحلے کا اس کے پکنے تک ذکر ہے اس لئے لفظ ایات لکھا ہے یعنی کئی طرح کے علوم ہیں اور کئی اشارات ملیں گے۔ (۳۱) میں غالباً نباتات کے اگاؤ اور اختلافِ الوان کا علم ہے اس لئے صرف ایتہ دونوں جگہ ہے۔ (۳۲) میں بھی پانی کے زمین پر گر کر اس کو زندہ کرنے کا علم لکھا ہے اور یہاں بھی ایات کی جگہ صرف ایتہ ہے لیکن حیرت انگیز لفظ **یسمعون** کا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ زمین پر پانی کے گرنے سے خشک بیجوں میں زندگی کے آثار پیدا ہونے کا کوئی تعلق **سمع** یعنی کان سے ہے اور کیا عجب ہے کہ زندگی کے راز دریافت کرنے کا تعلق کان سے ہو۔ اسی قسم کی ایک سنسنی خیز علمی تفتیش کلکتہ کے ایک ہندو پروفیسر نے نباتات کے متعلق ۱۹۱۶ء میں کی تھی جس میں ثابت کیا گیا تھا کہ نباتات کی حیات میں بہت سی باتیں حیوانی حیات کے مشابہ ملتی ہیں اور یہ ذی حیات افراد بھی حیوانوں کی طرح بیرونی جذبات سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان میں خوشی، غمی، تھکاوٹ، تروتازگی وغیرہ سب خاصیتیں موجود ہیں چنانچہ کیا عجب ہے کہ زندگی کا راز اس ابتدائی قسم کی حیات کے مطالعے سے واضح ہو اور اس میں سمع یعنی سننے کو کافی دخل ہو۔ اس سلسلے میں ایک اور معنی خیز آیت یہاں درج کی جاتی ہے: **الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فتصبح الارض مخضرۃ ط ان اللہ لطیف خبیر**○(۲۲:۶۳) (ترجمہ۔ کیا تو نے اس کی طرف غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا اور پھر زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک خدا بڑا باریک بین لیعنی بڑا باخبر ہے)۔ باخبر کے لفظ سے بھی یقین ہوتا ہے کہ اس معاملے میں کان کو بڑا دخل ہے۔ (۳۳) میں محکمہ رزاعت کے لئے کئی دلچسپ اشارے ہیں۔ (۳۴) میں علم نباتات کے ماہر کے لئے سوچ کا بڑا مواد ہے۔ نباتات کے مذکرو مؤنث اجزا اور ایک ہی پانی سے مختلف قسموں کے پھلوں کے پیدا ہونے کے وجوہات نسلوں تک ماہرین علم کو مصروف رکھ سکتے ہیں اور قریباً یہی مضمون زوجیت کا (۳۵) اور (۳۶) میں ہے۔ (۳۶) میں بالخصوص اس نقطہ نظر سے کہ یہ تمام سورت نہایت واضح طور پر قوموں کی ہلاکت کے اسباب **ماکان اکثر ھم مومنین**○ کہہ کر تشریح کرتی ہے، ممکن ہے کہ یہ بھی اشارہ ہو کہ کسی قوم میں صحیفہ فطرت کے بغور مطالعہ نہ کرنے کی کمی ایمان کی کمی اور قوم کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ الغرض ان سات موقعوں پر غائر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے ان آیات میں انسان کی انتہائی توجہ علم نباتات کے ہر شعبے کی طرف دلائی ہے۔ اسی سلسلے میں ایک اور آیت نہایت معنی خیز ہے جو ممکن ہے محکمہ زراعت کے لئے انتہائی طور پر نتیجہ خیز ثابت ہو بشرطیکہ دنیا کے ماہرین نباتات اس طرف لگ جائیں۔ وہ حسب ذیل ہے۔

(۳۷) **والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ ج والذی خبث لایخرج الا نکدا ط کذالک نصرف الایات لقوم یشکرون**○(۷:۵۸)

اور پاکیزہ شہر (یعنی عمدہ زمین) اپنی سبزی کو خدا کے حکم سے زمین سے نکال دیتی ہے اور جو زمین ناپاک (یعنی عمدہ نہ ہو) وہ سوائے ناقص شے کے نہیں نکالتی۔ ہم اس طرح ہیر پھیر کر کے اشارات اور ہدایات اس قوم کو دیتے ہیں جو (صحیفہ فطرت کی ہر حقیقت کی) قدر کرتی ہے۔

ان موقعوں کے بعد حسب ذیل موقعے ہیں جن میں لیل و نہار کے منظر کے مطالعے کی خاص طور پر ترغیب دی گئی ہے۔

(۳۸) **ھو الذی جعل لکم الیل لتسکنوا فیہ والنھار مبصراط ان فی ذالک لایت لقوم یسمعون**○(۱۰:۶۷)

خدا وہ (پاک ذات) ہے جس نے تمہارے (فائدے کے) لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کر سکو اور دن کو روشن کر دیا۔ بے شک اس (منظر) میں اس قوم کے لئے جو سنتی ہے ضرور (بہت سے) اشارات اور ہدایات

Marfat.com

موجود ہیں۔

(۳۹) الم یروا انا جعلنا الیل لیسکنوا فیہ و النہار مبصراط ان فی ذالک لایت لقوم یومنونO(۲۷:۸۶)

کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ درحقیقت ہم نے رات کو اس لئے بنایا کہ یہ لوگ اس میں آرام لیں اور دن کو روشن کر دیا۔ بے شک اس (منظر) میں اس قوم کے لئے جو ایمان رکھتی ہے ضرور (بہت سے) اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۴۰) وسخر لکم الیل والنہار والشمس والقمرط والنجوم مسخرات بامرہط ان فی ذالک لایت لقوم یعقلونO (۱۶:۱۲)

اور تمہارے (فائدے کے) لئے (خدا نے) دن اور رات کو پکڑ (یعنی تسخیر کر) رکھا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم سے پکڑے ہوئے ہیں۔ بے شک اس (تمام منظر) میں اس قوم کے لئے جو صاحب عقل ہے بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۴۱) ومن ایتہ منامکم بالیل والنہار وابتغاء وکم من فضلہط ان فی ذالک لایت لقوم یسمعونO(۳۰:۲۳)

اور اس (خدا) کی (قابل توجہ) علامتوں میں سے تمہارا رات کو سونا اور دن کو تمہارا خدا کے فضل (یعنی اپنی روزی) کو تلاش کرنا ہے۔ بے شک اس (تمام منظر) میں اس قوم کے لئے جو سنتی ہے (بہت سے) اشارات اور احکام موجود ہیں۔

(۴۲) یقلب اللہ الیل والنہارط ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصارO (۲۴:۴۴)

اللہ رات اور دن کو پلٹتا ہے۔ بے شک اس منظر میں آنکھوں والے لوگوں کے لئے ایک (بڑی) عبرت ہے۔

ابھی تک معلوم نہیں کہ لیل و نہار کے منظر کے متعلق کون سی عجیب و غریب ترقیات زمانہ چھپی ہیں جن کو زمانہ ابھی تک دریافت کرنے سے قاصر رہا ہے اور خدائے عزوجل کی طرف سے قران حکیم میں پانچ دفعہ اس منظر کا بار بار یاد دلانا خالی از علت نہیں۔ لیل و نہار کے منظر کی طرف توجہ (۲۴)' (۲۵)' (۲۷)' (۲۸)' میں (بلکہ ۳۴ میں بھی) اختلاف کا لفظ ساتھ لگا کر دلائی گئی ہے اور جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ہے ابھی تک اس کے متعلق کوئی مستقل علم پیدا نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ لیل و نہار کا مسئلہ صرف زمین کے متعلق ہے اس لئے اس کو کوئی خاص اہمیت فطرت میں حاصل ہے جس کی طرف سے علمائے فطرت ابھی غافل ہیں۔ پچھلی آئیتوں میں اس مسئلے کو تقویٰ' عقل اور الباب کی طرف منسوب کیا گیا تھا اور ان پانچ آیتوں میں سمع' ایمان' عقل اور بصیرت کی طرف منسوب کیا ہے۔ بہرنوع قرآن حکیم کے صدہا علمی رازوں میں سے یہ ایک راز ہے جس کے حل کے لئے ابھی ایک مدت درکار ہے۔

علامہ" مشرقی" لکھتے ہیں :- "(۴۰) سے مجھے کچھ شک پڑتا ہے کہ شمس اور قمراور نجوم کی کچھ خاص طاقتیں ہیں جن کے جوہر کا اظہار دن اور رات پر ہوتا ہو گا اور خدائے عزوجل کا اشارہ ان طاقتوں کی تسخیر کی طرف ہے۔ چنانچہ امریکہ سے سورج کی طاقت کی تسخیر کے سلسلے میں بعض اہم خبریں نکلی ہیں۔ میں ایک مدت سے اس اضطراب میں ہوں کہ سورج کی بے پناہ طاقت (یعنی انرجی) کو انسان کیوں لگاتار ضائع کرتا جا رہا ہے اور چاند کے نور کی علی ہذا القیاس طاقت کو بلکہ چاند کی زمین سے نزدیک ترین ہونے کے باعث جسمانی جاذبی طاقت کو جس سے سمندروں میں مد و جزر ہوتا ہے ابھی انسان نے کماحقہ استعمال نہیں کیا حالانکہ اس کی طاقت دریاؤں کی طاقت سے

Marfat.com

(جن سے اب بجلی میسر ہوتی ہے) ارب ہا گنا زیادہ ہے اور میں اس بارے میں اس قدر بے چین ہوں کہ بعض اوقات دل میں حسرت ہوتی ہے کہ آج سورج کی طاقت کا اتنا حصہ ناحق ضائع ہو گیا اور خدا انسان سے اس کے متعلق گرفت کرے گا!" (۴۰) میں سخر لکم کے الفاظ بھی نہایت معنی خیز ہیں' یعنی خدا نے دن اور رات کو تمہارے فائدے کے لئے مسخر کیا اور آگے چل کر نجوم اور شمس و قمر کا اس کے قانون سے مسخر ہونا بھی انتہائی طور پر معنی خیز ہے اور مقصد شائد یہ ہو کہ دیکھو تم ان کو لیل و نہار میں استعمال کر سکتے ہو۔ تسخیر کے مسئلے کے متعلق انکشافات آگے آئیں گے۔

ان حیرت انگیز انکشافات کے بعد ایک حصہ قرانی آیات کا حیوانات کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ یہ آیات حسب ذیل ہیں۔

(۴۳) الم یروا الی الطیر مسخرات فی جو السماءط ما یمسکھن الا اللہط ان فی ذالک لایت لقوم یومنون○
(۷۹:۱۶)

کیا لوگوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا جو آسمان کے خلا میں پکڑے ہوئے ہیں ان کو سوائے اللہ کے کون پکڑے رکھتا ہے۔ بے شک اس (منظر) میں صاحب ایمان قوم کے لئے (بہت سے) اشارات اور احکام موجود ہیں۔

(۴۴) یخرج من بطونھا شراب مختلف الوانہ فیہ شفاء للناسط ان فی ذالک لایتہ لقوم یتفکرون○(۶۹:۱۶)

ان (شہد کی مکھیوں) کے پیٹوں سے ایک پینے کی چیز نکالتا ہے جو رنگ برنگ ہوتی ہے۔ اس میں عام مخلوق کے لئے شفا ہے۔ بے شک اس میں سوچ سمجھ والی قوم کے لئے ایک (بڑا) اشارہ موجود ہے۔

(۴۵) وان لکم فی الانعام لعبرۃط نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث و دم لبنا خالصا سائغا للشاربین○
(۶۶:۱۶)

اور بے شک تمہارے لئے ان مویشیوں (کے حالات کی دریافت میں) ایک عبرت ہے۔ ہم تمہیں جو کچھ ان کے پیٹ میں فضلہ اور خون کے بین بین شے ہے' خالص دودھ بنا کر پینے والوں کو پلاتے ہیں۔

یہ تینوں آیتیں ایک ہی سورت (سورۃ نحل) میں واقع ہیں۔ (۴۳) کے متعلق تو اب دنیا اعتراف کرے گی کہ اس میں ہوائی جہازوں کی طرف اشارہ تھا اور دنیا اس **الم یروا** کے خدائی حکم سے مستفید ہو رہی ہے۔ (۴۴) کے متعلق ابھی کافی طور سے تحقیقات نہیں ہوئی اگرچہ شہد کی بعض خصوصیات کے متعلق یونانی اور یورپ کے حکیم قائل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ (۴۵) کے متعلق جو تلاش خدا مانگتا ہے وہ ممکن ہے ابھی تک کچھ بھی نہ ہوئی ہو کیونکہ اس میں عبرت کا لفظ ہے۔ ہم نے چار پاؤں کے دودھ سے ابھی تک کوئی عبرت حاصل نہیں کی کیونکہ ہم ابھی تک یہ جاننے سے قاصر ہیں کہ خوراک کس عمل سے خون بنتی ہے اور پھر خون سے ایک حصہ الگ ہو کر کیونکر دودھ بن جاتا ہے لیکن یہ دریافت میں کمی اس تمام غلط رستے کی وجہ سے ہے جس کی طرف اشارہ اس عنوان کے شروع میں کیا گیا تھا۔

ان موقعوں سے صرف نظر کر کے انسان کی اپنی خلقت کے اندر غور و خوض کے اشارے ہیں جو حیوانات کی پیدائش کے سلسلے میں بیان کئے جاتے ہیں تاکہ صحیفہ فطرت کی ذی حیات مخلوق کی طرف قران حکیم کی توجہات یکجا ہو جائیں اور ہر شخص ان کی طرف زیادہ غور و خوض کرنے کے قابل ہو جائے۔

(۴۶) ومن ایتہ ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون○ ومن ایتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا

Marfat.com

لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودہ و رحمتہ ان فی ذالک لایت لقوم یتفکرونo(۳۰:۲۰-۲۱)

اور یہ خدا کے (عظیم الشان) اشاروں میں سے ایک (شاندار) اشارہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر تم ناگہاں بشر بن گئے ہو جو زمین پر پھیل رہے ہو اور اس کی (حیرت انگیز) علامت میں سے ایک علامت ہے کہ اس نے تمہارے (آرام اور استعمال کے) لئے تم میں سے ہی جوڑے پیدا کئے تاکہ تم اپنی عورت سے تسکین قلب حاصل کرو اور تمہارے مابین محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ بے شک اس (منظر) میں سوچنے والی قوم کے لئے یقیناً بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۴۷) اللہ یتوفی الا نفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمیط ان فی ذالک لایت لقوم یتفکرونo(۳۹:۴۲)

اللہ وہ ہے جو موت کے وقت (ذی حیات مخلوق کے) نفسوں کو پورا کر دیتا ہے اور اس نفس کو جو اپنی نیند میں ابھی مرا نہیں۔ پھر جس نفس کے متعلق موت کا فیصلہ ہو چکا ہے اس کو (اپنی طرف) کھینچ لیتا ہے اور دوسرے کو ایک وقت مقرر تک چھوڑ دیتا ہے۔ بے شک اس (منظر) میں اس قوم کے لئے جو سوچ بچار کرتی ہے ضرور بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۴۶) میں انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کا انکشاف ایک نہایت طویل اور علمی انکشاف ہے جس کی تشریح جا بجا قرآن حکیم میں نہایت وضاحت سے کی گئی ہے اور ایک مستقل بحث کی طالب ہے جو علم القرآن سے متعلق ہے۔ مرد اور عورت کے نسوانی تعلقات پر علمی بحث اس امر کی مقتضی تھی کہ کم از کم علمائے فطرت اس کے متعلق انتہائی معلومات حاصل کر کے فطرت کے اس عجیب و غریب منظر سے زندگی کا راز دریافت کرتے مگر وائے حسرت کہ علمائے فطرت کو بھی عورت اور مرد کے اعضائے مخصوصہ کے متعلق بحث کرنے میں شرم محسوس ہوتی ہے اور یہ تمام موضوع نا یافتہ اسی طرح پڑا ہے جیسا کہ پہلے روز تھا۔ ضرورت اس کی ہے کہ علمائے فطرت شرم اور حیا کے بیہودہ تخیل سے بے نیاز ہو کر اس موضوع کا مطالعہ نہایت غور و خوض سے کریں اور کسی مستقل علم تک پہنچیں کیونکہ اسی کے اندر تخلیق انسان کا عظیم الشان مسئلہ حل ہوتا ہے۔ ضرورت ہے کہ مرد کے خصیوں اور عورت کے بیضہ رحم کے متعلق بے پناہ انکشافات ہوں کیونکہ انسان کی جوانی بلکہ زندگی کا دارومدار ان دونوں اعضا کی صحت پر ہے۔

علامہ" لکھتے ہیں :- "ڈاکٹر ورونوف نے جس کا ذکر اوپر ہوا مجھے بتلایا کہ مسلمانوں کے پاس ہسپانیہ' مصر اور ہندوستان میں پرانے زمانے میں مرد اور عورت کے اعضائے مخصوصہ کی صحت کے متعلق اس قدر معلومات اور ادویات تھیں کہ مجھے حسرت ہے کہ میرے پاس ہوتیں تو میں نہ جانے کیا کرتا۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ انسان کے خصیوں میں بندروں کے غدودوں کے لگانے کا تخیل بھی اس نے مسلمانوں سے ہی لیا جبکہ وہ مصر میں کئی برس تک مقیم رہا اور سلطانی محل کے خواجہ سراؤں کے عادات و اخلاق کا (جن کے خصیئے کٹے ہوئے تھے) مطالعہ کرتا رہا نیز یہ کہ درختوں کے پیوند لگانے کا سلسلہ تو مسلمانوں کے علم زراعت میں بڑی مدت سے چلا آتا تھا اور اس نے اس کا گہرا مطالعہ کیا۔ ڈاکٹر ورونوف نے ان امور کا اعتراف اپنی کتابوں میں بھی کیا جن کی جلدیں اس نے مجھے تحفہ میں دی تھیں۔"

(۴۷) میں جو مضمون خدائے عزوجل نے چھیڑا ہے در حقیقت تمام علم فطرت کی جان ہے اور اگر انسان کو یہ علم حاصل ہو گیا تو نہ

Marfat.com

معلوم وہ خدائی اوصاف کے قریب کس قدر ہو سکے گا لیکن اسی بنیادی کمی کے باعث جس کا ذکر اوپر ہوا ہے انسان ابھی ان مسئلوں کو مافوق الجسمی (یعنی میٹا فزیکل) مسئلے کہہ کر اپنی جان چھڑا لیتا ہے حالانکہ جن جسمی (یعنی فزیکل) مسئلوں میں وہ پڑا ہوا ہے وہ سرا سر غیر فطری اور غیر جسمی مسئلے ہیں جن کی تہہ میں یونانی علم وہم (مائی تھالوجی) کام کر رہا ہے۔

ان آیات کو پیش کرنے کے بعد روئے زمین پر آسودگی کا ایک مسئلہ جو آج کل خاص طور پر تمام اقوام عالم میں زیر بحث بنا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے پے درپے عالمگیر جنگیں دنیا میں ہو رہی ہیں' رزق کے کم یا زیادہ ہونے کا مسئلہ ہے۔ چودہ سو برس پہلے اس مسئلے کا وہم و گمان بھی اس پیانے پر نہ ہو سکتا تھا مگر قرآن حکیم چونکہ خالق زمین و آسمان کا کلام یقینی طور پر ہے اور کسی بڑے سے بڑے منکر کو بھی ان انکشافات کے بعد جو یہاں پر کئے گئے ہیں اس امر کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ قران سے منکر ہو' اس لئے اس مسئلے کا قرآن حکیم میں آنا لازمی امر تھا۔ یہ موضوع قرآن میں اور جگہ بھی ہے۔ لیکن چونکہ اس عنوان میں وہی آیات لکھی گئی ہیں جن میں **ان فی ذالک لایت** کے الفاظ ہیں اس لئے یہاں اس قسم کی آیات دی جاتی ہیں۔

(۴۸) (الف) اولم یروا ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدرط ان فی ذالک لایت لقوم یومنونo (۳۷:۳۰)

کیا ان لوگوں نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ اللہ جس (قوم) کو مناسب سمجھتا ہے اس پر رزق کھلا چھوڑ دیتا ہے اور اس کی مقدار کا فیصلہ کرتا ہے۔ بے شک اس (منظر) میں اس قوم کے لئے جو ایمان رکھتی ہے ضرور بہت سی ہدایات اور اشارے موجود ہیں۔

(ب) اولم یعلموا ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدرط ان فی ذالک لایت لقوم یومنون

کیا ان لوگوں کو اس امر کا علم نہیں ہے کہ اللہ جس (قوم) کو مناسب سمجھتا ہے اس پر رزق کھلا چھوڑ دیتا ہے اور اس کی مقدار کا فیصلہ کرتا ہے۔ بے شک اس (منظر) میں اس قوم کے لئے جو ایمان (کی خصوصیات) رکھتی ہے ضرور (بالضرور) بہت سی ہدایات اور اشارے موجود ہیں۔

(۴۹) ضرب لکم مثلا من انفسکمط هل لکم من ما ملکت ایمانکم من شرکاء فی ما رزقنکم فانتم فیہ سواء تخافونھم کخیفتکم انفسکمط کذالک نفصل الایت لقوم یعقلونo(۲۸:۳۰)

(لوگو) تمہاری سوچ کے لئے تمہاری اپنی ہی مثال خدا دیتا ہے۔ (وہ یہ ہے کہ) کیا تم لوگوں کے پاس ان لوگوں میں سے جو تمہاری غلامی میں ہیں (اور تم اس سے اجرت پر کام لے رہے ہو) ایسے ساتھی بھی ہیں کہ تم ان کو اس آسودہ حالی میں جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہے اسی طرح کا شریک کر لو کہ تم اور وہ برابر ہو جائیں۔ یا تم ان کی بھی اتنی ہی پروا اور فکر کرو جتنی تم اپنی کرتے ہو۔ عقلمند قوم کے لئے ہم اس طرح آیات الٰہی کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔

اس آیت (۴۹) میں کافی غور و فکر کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے کھلے الفاظ میں یہ تنبیہہ کر دی ہے کہ دیکھو غلام نہ بن جانا کیونکہ آقا قومیں غلام قوموں سے رزق چھین لیا کرتی ہیں اور پھر کبھی ان کو موقع ہی نہیں ملتا کہ وہ اتنی آسودہ حال ہو جائیں جس قدر کہ ان کے آقا ہیں۔ اس بنا پر جو قوم عقلمند ہے وہ غلام ہونے سے بچے گی۔ بہر نوع بسط و قبض رزق کے لئے خدائے عزوجل کا یہ حیرت

Marfat.com

انگیز انکشاف کہ صاحب ایمان قوم کے لئے خدائے عظیم کے اس مظہر فطرت میں صدہا اشارے ہیں' وہ انکشاف ہے جو تمام دنیا کے علمائے فطرت کو حیرت میں ڈال دے گا اور وہ سب سے زیادہ اس امر کی طرف متوجہ ہوں گے کہ قرآن میں ایمان کی تعریف کیا ہے۔ بہر نوع اگر ایمان کی ملائی تعریف بھی مذاق کے طور پر تسلیم کر لی جائے کہ ہم قرآن کو رسمی طور پر ماننے والے ہی ایماندار ہیں اور باقی سب قومیں کافر' تو یورپ اور امریکہ کی قوموں کو یہ امر شاق گزرے گا کہ دنیا میں اکثر ملک جہاں رزق (جس میں معدنیات اور تیل بھی شامل ہیں) بہتات سے ہے وہ ملک ہیں جو مسلمانوں کے پاس ہیں۔ اور جن میں سب سے نیا ملک پاکستان اب شامل ہوا ہے۔ ان دو آیات (۴۸) اور (۴۹) کے مطالعے کے بعد کم از کم علمائے فطرت کے اندر ایک ہیجان مچ جانا چاہئے کہ قبض و بسطِ رزق کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی طرف انسان کی توجہ دلائی گئی ہے اور اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر اس مسئلے کا مطالعہ غور سے کیا جائے تو انسان کو اس میں ہزارہا اشارات اور احکام مل سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں اوپر کی دو آیات (۴۸) اور (۴۹) سے بھی زیادہ تعجب انگیز دو اور آیات الٰہی ہیں جن سے بسطِ و قبض رزق کے متعلق خدائے عزوجل کی حکمت عملی کا کچھ پتہ لگتا ہے اور یہ آیات اس لئے بھی زیادہ تحیر انگیز ہیں کہ آیت (۴۹) میں **اولم یعلموا** کے الفاظ کہہ کر اس امر کی طرف واضح اشارہ کیا گیا ہے کہ بسط و قبضِ رزق کا مسئلہ ایک علمی (اور سائنٹفک) مسئلہ ہے اور اس مسئلے کے متعلق مفید نتائج پر پہنچنے کے لئے علمی تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہے۔ یہ آیات حسب ذیل ہیں۔

(۵۰) (الف) ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر ط انه کان بعباده خبیرا م بصیرا○(۱۷:۳۰)

بے شک تیرا پروردگار جس (قوم) کو مناسب سمجھتا ہے اس پر رزق کھلا چھوڑ دیتا ہے اور اس کی مقدار کا فیصلہ کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں (کے طرز عمل اور ان کے کرتوتوں) سے بڑا باخبر اور (ان کے اعمال و افعال کو) بڑا پرکھنے والا ہے۔

(ب) **ولو بسط الله الرزق لعباده لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشاء ط انه بعباده خبیر بصیر○ (۴۲:۲۷)**

اور اگر اللہ اپنے بندوں پر رزق کھلا چھوڑ دیتا تو ضرور وہ اس زمین میں بغاوت کر دیتے لیکن وہ جس قدر مناسب سمجھتا ہے اسی اندازے سے رزق اتارتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں (کے طرز عمل اور کرتوتوں سے) بڑا باخبر اور ان کے اعمال و افعال کو بڑے غور سے پرکھنے والا ہے۔

(ج) **الله لطیف بعباده یرزق من یشاء ج وهو القوی العزیز○(۴۲:۱۹)**

ان تینوں آیتوں سے واضح ہے کہ رزق کی مقدار کا تعین انتہائی سوچ بچار کے بعد ہوتا ہے گویا انسان پر لازم ہے کہ اس سوچ بچار کے متعلق توجیہوں کا علم حاصل کر کے اپنے آپ کو ان چیزوں سے باز رکھے جو قبضِ رزق کا باعث ہیں۔ کیا عجب ہے کہ ماضی میں یورپ کی بعض قوموں (مثلاً انگلستان جرمنی وغیرہ) میں رزق کی کمی کا باعث یہی ہو کہ وہ دنیا میں جا کر رزق کی تلاش کریں اور پھر اسی تلاش میں ان کی جنگی یا سیاسی صلاحیتیں بلکہ دماغی قابلیتیں واضح ہوں۔ بہر نوع یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ قوموں میں رزق کی کشائش اکثر اوقات نعمت ہونے کی بجائے نقصان دہ ثابت ہوئی ہے اور اس قوم میں غفلت اور جمود نے گھر کر کے اس کی صلاحیتوں کو تباہ کر دیا ہے۔ سعودی عرب اور دیگر مشرق اوسط کے ممالک اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ قبض و بسطِ رزق کے مسئلے کے متعلق علمی تحقیقات بہر حال

Marfat.com

ایک نیا باب ہے جو انسان کو بے انتہا مفید معلومات پہنچا سکتا ہے۔

ان مسئلوں سے ہٹ کر قرآن حکیم میں ایک اور طریقے پر فطرت کا مطالعہ ہے جو انسان کو ہلاک شدہ بستیوں کے کھنڈروں اور خرابوں سے ملتا ہے اور جس کی طرف یورپ نے بھی ضرور توجہ کی ہے۔ یہ مسئلہ قرآن میں اس تاکید سے ہے کہ آگے چل کر "سیر فی الارض" کے مضمون کے تحت میں کئی اور آیتیں آئیں گی لیکن ذیل کی آیتوں کی اہمیت اس لئے ہے کہ ان میں صاف طور پر ہلاکت شدہ قوموں کے باقیات کے مطالعے کو مستقل علم قرار دیا گیا ہے۔

(۵۱) افلم یھد لھم کم اھلکنا قبلھم من القرون یمشون فی مسکنھمؕ ان فی ذالک لایٰت لاولی النھیٰ○ (۱۲۸:۲۰)

کیا ان کی توجہ اس طرف نہیں ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جن کے گھروں میں وہ اب بس رہے ہیں بے شک اس (عبرتناک منظر) میں ان لوگوں کے لئے جو عقل سلیم رکھتے ہیں ضرور بہت سی ہدایات اور اشارات موجود ہیں۔

(۵۲) اولم یھد لھم کم اھلکنا من قبلھم من القرون یمشون فی مسکنھمؕان فی ذالک لایٰتؕ افلا یسمعون○(۲۶:۳۲)

کیا ان کو خدا نے یہ راہ نہیں دکھائی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جن کے گھروں میں وہ اب چل پھر رہے ہیں۔ بے شک اس (منظر) میں بہت سے اشارات موجود ہیں تو کیا پھر وہ (ان اشارات اور ہدایات کو) نہ سنیں گے؟

(۵۳) فتلک بیوتھم خاویۃ بما ظلمواؕ ان فی ذالک لایۃ لقوم یعلمون○(۵۲:۲۷)

پس یہ ہیں ان کے گھر جو برباد اور ویران اس لئے پڑے ہیں کہ انہوں نے (قانون فطرت کی سرکشی کر کے اپنی جانوں پر) ظلم کیا تھا۔ صاحب علم قوم کے لئے اس (منظر) میں ایک (اہم) اشارہ موجود ہے۔

آخر میں وہ آیات الٰہی درج کی جاتی ہیں جن کے متعلق ابھی ہمارا علم بہت ناقص ہے اور انسان کی توجہ ان کی طرف بے حد ہونی لازم ہے۔

(۵۴) اللہ الذی رفع السموات بغیر عمد ترونھا ثم استوی علی العرش وسخر الشمس والقمرؕ کل یجری لاجل مسمیؕ یدبر الامر یفصل الایٰت لعلکم بلقاء ربکم توقنون○(۲:۱۳)

خدا وہ ہے جس نے آسمان کو بغیر ستون کے کھڑا کیا (یعنی تمام سلسلہ کائنات جو ہمارے سروں کے اوپر ہے بغیر کسی سہارے کے چل رہا ہے) تم اس سلسلہ کو دیکھ رہے ہو۔ پھر اس کے بعد وہ اپنے تخت حکومت پر جم کر بیٹھا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو (اپنے مقرر کردہ قانون کا) پابند کر رکھا ہے۔ یہ سب ایک وقت مقرر تک چل رہے ہیں۔ وہ قانون فطرت کی تجویز و تدبیر کر رہا ہے۔ ان آیات الٰہی کو کھول کھول کر بیان کر رہا ہے تاکہ تم کو اس امر کا یقین آ جائے (کہ ایک نہ ایک دن جبکہ تم اپنی ترقی کے اس آخری مرحلے میں پہنچو گے) تمہاری اپنے پروردگار سے ملاقات (کا ہونا لازمی) ہے۔

Marfat.com

(۵۵) ومن ایتہ ان تقوم السماء والارض بامرہ ثم اذا دعاکم دعوۃً من الارض اذا انتم تخرجون○(۳۰:۲۵)

اور یہ خدا (کی حیرت انگیز حکمت) کی نشانیوں میں سے ایک ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم (قانون) سے تھمے ہوئے ہیں۔ پھر جب ان کی تخلیق کے بعد اس نے تمہیں زمین سے نکلنے کے لئے پکارا تو تم ناگہاں اس سے نکل پڑے۔

(۵۶) الم تر ان الفلک تجری فی البحر بنعمت اللہ لیریکم من ایتہ ان فی ذالک لایت لکل صبار شکور○ (۳۱:۳۱)

کیا تو نے اس امر کی طرف غور نہیں کیا کہ کشتیاں سمندر میں خدا کے احسان کی وجہ سے چل رہی ہیں تاکہ خدا تم کو اپنی (حیرت انگیز حکمت کی) نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں دکھلائے۔ بے شک اس منظر میں اس قوم کے لئے جو صاحب استقلال اور خدا کی نعمتوں کی صحیح قدر کرنے والی ہے کئی ہدایات اور اشارات موجود ہیں۔

(۵۷) ومن ایتہ الجوار فی البحر کالاعلام○ ان یشا یسکن الریح فیظللن رواکد علی ظھرہ ان فی ذالک لایت لکل صبار شکور○او یوبقھن بما کسبوا ویعف عن کثیر○(۴۲:۳۲۔۳۴)

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ جہاز سمندر میں پہاڑیوں کی طرح (سر اٹھائے ہوئے) ہیں وہ جب مناسب سمجھے ہوا کو ساکن کر دے، پھر یہ جہاز سمندر کی پیٹھ پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ انسان کی اس درماندگی اور بے بسی میں ہر مستقل مزاج اور صحیفہ فطرت کی قدر دان قوم کے لئے صدہا اشارات ہیں (جن کی وجہ سے وہ اس مشکل سے نکل کر بہتر جہاز پیدا کر سکتا ہے) یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا سمندر پر ہی انہیں ان کی بد اعمالی کی پاداش میں ہلاک کر دے اور یہ بھی ہے کہ وہ بہتوں سے درگذر کر جاتا ہے۔

(۵۸) وھو الذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمت البر والبحر قد فصلنا الایت لقوم یعلمون○ (۶:۹۷)

اور وہی ذات پاک ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعے سے سمندر اور خشکی کی (حیران کن) تاریکیوں میں رستہ پاسکو۔ صاحب علم قوم کے لئے ہم نے اشارات اور ہدایات کو بالیقین کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

(۵۹) ومن ایتہ یریکم البرق خوفا وطمعا وینزل من السماء ماء فیحی بہ الارض بعد موتھا ان فی ذالک لایت لقوم یعقلون○(۳۰:۲۴)

اور خدا کی (حکمت بالغہ کی) نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ وہ تم کو بجلی کے خوف اور طمع کے دونوں منظر دکھلا رہا ہے اور آسمان سے پانی اتار کر زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اس کو اس پانی کے ذریعے سے زندہ کر دیتا ہے۔ بے شک اس (تمام منظر) میں عقلمند قوم کے لئے بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

آیت (۵۴) شاید ان سب آیتوں میں سے زیادہ تعجب خیز ہے کیونکہ اس میں ملاقات رب پر یقین رکھنے کا ذکر ہے جو بظاہر ان تمام موضوعوں سے جو اس آیت میں بیان کئے گئے ہیں غیر مربوط معلوم ہوتا ہے۔ اسی سلسلے میں دیکھو (۱۱) جہاں پھر صحیفہ فطرت کی طرف توجہ

Marfat.com

دلا کر لقائے رب سے منکر نہ ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔ لیکن آیہ ۵۴ اور آیہ ۱۱ دونوں میں (جن میں سے پہلی تیرھویں میں اور دوسری تیسویں سورت میں ہے لقائے رب کے علاوہ حیران کن الفاظ **لاجل مسمی** (۲:۱۳) اور **اجل مسمی** (۸:۳۰) کے ہیں جن سے انسان کو غالباً یہ تنبیہہ دینا ہے کہ یہ تمام "کارخانہ دنیا" بہ شمولیت "شمس و قمر" و "عرش" ایک مقررہ مدت تک ہیں اور اسی "تھوڑی سی مہلت" میں انسان کو لقائے رب کے سامان پیدا کرنے ہیں۔ آیہ ۵۴ بظاہر چھوٹی سی آیت ہے لیکن اس میں **یفصل الایات** کے الفاظ ہیں جن سے مقصود یہ ہے کہ خدا نے اس آیت کے اندر صحیفہ فطرت کی "آیات" کی بہت سی تفصیل دے دی ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ "شاید اس کے بعد انسان کو خدا سے ملاقات کرنے کے بارے میں پورا یقین پیدا ہو جائے۔" آیہ ۵۴ میں **یدبر الامر** کے الفاظ ہیں یعنی خدا اس دنیا کو چلانے کے لئے "قانون کی تشکیل" کر رہا ہے گویا اسی قانون کی دریافت سے لقائے رب کی صورت پیدا ہو گی۔ واضح رہے کہ **یدبر الامر** کا خدائی عمل ہزاروں سالوں میں جا کر تکمیل کو پہنچتا ہے۔ آیہ ۵۵ میں یہ اشارہ بھی صاف ہے کہ آسمان اور زمین کی تخلیق کے بعد انسان اسی زمین میں سے نکلا ہے۔ آیہ ۵۶ کی رو سے ابھی انسان کو بہت سی "آیات" کشتیوں کے سمندروں میں تیرنے کے متعلق ملیں گی بشرطیکہ انسان مستقل مزاج رہا۔ آیہ (۵۷) میں پھر اسی مستقل مزاجی کی طرف اشارہ ہے کہ تم ان جہازوں سے جو ہوا کے زور سے چلتے یا ٹھہر جاتے ہیں شائد گزر کر اپنی ہلاکتوں سے بچ جاؤ لیکن ابھی تک پورا بچ بچاؤ نہیں ہوا۔ آیہ (۵۸) میں نہ معلوم برو بحر کے "اندھیروں" میں کیا ہدایات انسان کو نجوم سے ملنی باقی ہیں جن سے وہ بالکل بے خبر ہیں۔ آیہ (۵۹) سے ابھی تک اتنا ہی معلوم ہوا ہے کہ بجلی کی نفع مند صورتیں ہیں جن سے دنیا مالا مال ہو رہی ہے۔ الغرض یہ تمام آیات۔ (۵۴) تا (۵۹) اس قطع کی ہیں کہ انسان کا علم ان کے بارے میں ازبس ناقص ہے۔

Marfat.com

(۴) صحیفہ فطرت میں جو شے ہے وہ انسان کی تسخیر کے لئے ہے

صحیفہ فطرت کی طرف اس گہری نظر سے توجہ دلانے کے بعد قرآن حکیم نے حیرت انگیز وضاحت کے ساتھ آج سے تیرہ چودہ سو برس پہلے جب کہ دنیا انتہائی قسم کے ظنون واہیہ اور سحر سیاہ (کالے جادو) میں گرفتار تھی اور جبکہ دنیا کی بڑی بڑی ہوشمند قومیں مثلاً یونانی اور یورپ عراق مصر اور ہندوستان کی نسبتہً" تہذیب یافتہ قومیں پتھر کے بتوں' آگ' دریا' سورج' گائے' بندر' فرضی جانور' ستاروں حتیٰ کہ اعضائے تناسل کی پرستش میں مبتلا تھیں' اعلان کر دیا کہ تمام کارخانہ فطرت کی ہر شے انسان کی تسخیر اور استعمال کے لئے ہے اور کوئی شے ماسوا خدا کے خواہ وہ بڑی سے بڑی ہو اور مرعوب کرنے والی ہو لائق سجدہ نہیں۔ اگر سجدہ ہے تو صرف خدا کی واحد ذات کو ہے۔ یہ وہ سنسنی خیز اعلان تھا جس نے تمام دنیا کے تخیل کا رخ بالکل دوسری طرف کر دیا اور انسان فطرت سے مرعوب ہونے کی بجائے فطرت کا علم حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس سلسلے میں صرف تسخیر فطرت کے متعلق جو آیات قرآن حکیم میں ہیں یہاں پر جمع کر دی جاتی ہیں تاکہ معلوم ہو کہ قرآن کا افق نظر اور مذہبی کتابوں کے بالمقابل کس قدر بلند' فیصلہ کن اور واضح ہے۔

جو شے انتہائی طور پر قابل غور ہے یہ ہے کہ ان تمام آیات میں سوائے ایک کے **سخر لکم** کے الفاظ ہیں یعنی یہ کہ یہ تمام اشیاء تمہارے لئے مسخر کی گئی ہیں' تمہیں پورا اختیار ہے کہ ان سے فائدہ اٹھاؤ۔

(۶۰) الله الذی خلق السموات والارض وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقا لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامره ج وسخر لکم الانهر○ وسخر لکم الشمس والقمر دائبین ج وسخر لکم الیل والنهار

○(۱۴:۳۲-۳۳)

خدا وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس پانی کے ذریعے سے پھلوں سے تمہارے لئے رزق نکالا اور تمہارے لئے ان کشتیوں کو مسخر کیا جو خدا کے قانون سے سمندروں میں چلتی ہیں اور تمہارے لئے دریا مسخر کئے اور تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کیا جو چل رہے ہیں اور تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر کیا۔

(۶۱) الم تر ان اللہ سخر لکم مافی الارض والفلک تجری فی البحر بامرہ ویمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ ان اللہ بالناس لرء وف رحیم○ (۲۲:۶۵)

کیا تو نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے مسخر کیا اور کشتیاں مسخر کیں جو سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہیں اور آسمان کو پکڑے رکھتا ہے کہ وہ زمین پر نہ گر جائے (یعنی آسمان کے ستارے زمین سے ٹکرا نہ جائیں) مگر اس وقت کہ اس کے حکم سے (ایسا ہو سکتا ہے) بے شک اللہ انسانوں پر بالضرور نہایت ہی رحمت اور رافت کرنے والا ہے (کہ ایسے واقعے کو ہونے نہیں دیتا)۔

(۶۲) الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض و اسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ وباطنتہ ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدی و لا کتب منیر○(۳۱:۲۰)

کیا تم لوگوں نے اس بات کی طرف نہیں دیکھا کہ بالتحقیق خدا نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے مسخر کر رکھا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل کر دی ہیں (پھر بھی) لوگوں میں سے ایسے ہیں جو خدا کے بارے میں (یعنی اس کی کنہ و ماہیت دریافت کرنے کے متعلق) (اس کی فطرت کا) علم حاصل کئے بغیر' یا فطرت کی روشن کتاب کا مطالعہ کئے بغیر جھگڑتے رہتے ہیں۔

(۶۳) الم تر ان اللہ یولج الیل فی النہار و یولج النہار فی الیل وسخر الشمس والقمر کل یجری الی اجل مسمی وان اللہ بما تعملون خبیر○ (۳۱:۲۹)

کیا تو نے اس بات کو نہیں دیکھا کو خدا رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ یہ سب ایک وقت مقرر تک چل رہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اللہ جو کچھ (ان کی دریافت کے متعلق) عمل کر رہے ہو' اس سے بڑا باخبر ہے۔

(۶۴) وسخر لکم ما فی السموات ومافی الارض جمیعا منہ ان فی ذالک لایت لقوم یتفکرون○ (۴۵:۱۳)

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تمہارے فائدے کے لئے مسخر کر رکھا ہے۔ بے شک اس (اعلان میں جو ہم نے کیا ہے۔ سوچ بچار کرنے والی قوم کے لئے بہت سے اشارات اور ہدایات موجود ہیں۔

(۶۵) (الف) ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعا ثم استوی الی السماء فسوھن سبع سمواتہ وھو بکل شی علیم○ (۲:۲۹)

وہ پاک ذات ہے جس نے اس زمین میں جو کچھ ہے سب کا سب تمہارے لئے پیدا کیا' پھراس کے بعد وہ جم کر آسمان کی طرف متوجہ ہوا پھران کو سات آسمان بنا کر برابر کر دیئے اور وہ ہر شے کے متعلق بڑا علم رکھنے والا ہے۔

(ب) وللہ ما فی السموات وما فی الارض لیجزی الذین اساٗوا بما عملوا ویجزی الذی احسنوا بالحسنی○ (۳۱:۵۳)

اور جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کا اس لئے ہے کہ وہ برے انسانوں کو (انہی چیزوں کے ذریعے سے) ان کی کاہلی اور غفلت کی سزا دے اور حسن عمل کرنے والوں کو یہی چیزیں بطور انعام دے۔

اللہ اللہ! اس آخری آیت سے بالکل واضح ہو گیا کہ نہ صرف روئے زمین کی ہر نعمت بلکہ آسمان کی تمام چیزیں یعنی کروڑ ہا ستارے بھی خدا نے بنا بنا کر اپنے پاس اس لئے رکھے ہیں کہ وہ سب کے سب انسان کو بطور انعام دے دے۔

Marfat.com

باب سوئم (۳)

قرآن کے حوالے سے چند اہم علمی حقائق جو مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔

(ماخذ۔ حدیث القرآن و تکملہ جلد اول)

(ا) انسان کی پیدائش کی آخری غرض ملاقاتِ خدا ہے
مآل انسان کا قطعی ثبوت۔ سورۂ جاثیہ کا مربوط ترجمہ

قرآن حکیم میں اس حیرت انگیز علمی ترغیب کا انکشاف جو سابقہ باب میں کیا گیا ہے، ممکن ہے کہ کتابِ خدا کو سطحی نظر سے دیکھنے والوں کے دلوں کو مطمئن اس لئے نہ کرے کہ آج کل کا عام طور پر مغرب زدہ اور اپنے زعم میں متنور مسلمان مشرق کی اکثر دریافتوں کو مغرب کے مقابلے میں ناقابل توجہ سمجھتا ہے اور ممکن ہے کہ اپنے دل پر یہ اثر لے کہ یہ سب تحقیق و تفتیش قرآن کی برتری جتلانے کے لئے ایک تکلف اور آورد ہے ورنہ قرآن کو مسلسل طور پر پڑھنے سے یہ نتائج ایک عام شخص کو منکشف نہیں ہوتے اور وہ علم کی اس تعریف کو جو سابقہ ابواب میں پیش کی گئی، ماننے پر مجبور نہیں ہوتا۔ ادھر مذہبی رہنما اور عام مسلمان قرآن کو عالم آخرت کی ایک کتاب سمجھنے اور دنیا سے کچھ تعلق نہ رکھنے میں اس قدر مشاق ہو چکے ہیں کہ قرآن حکیم کے اندر اپنی مادی دنیا کو سدھارنے کی کوئی بات ان کے عقیدے کو متزلزل کرنے والی بات معلوم دیتی ہے اور وہ قرآن کو کسی اور نقطہ نظر سے دیکھنے کے منکر ہیں۔ ان حالات میں کوشش یہ کی گئی ہے کہ مذہبی رہنما اور مغرب زدہ مسلمان دونوں کو ہمیشہ کے لئے ساکت و صامت بلکہ حواس باختہ کرنے کے لئے قرآن حکیم کی صرف ایک سورہ یعنی سورۂ جاثیہ کا مربوط ترجمہ یہاں پر کر دیا جائے تاکہ دنیا حیرت زدہ ہو جائے کہ کم از کم اس سورۃ کا ترجمہ نہ مذہبی رہنما نہ مغرب زدہ مسلمان سوائے اس کے کچھ اور کر سکتا ہے اور قرآن حکیم کا دنیا میں آنے کا منشا درحقیقت وہی ہے جو بیان کیا گیا۔

اس سورت میں ایک خاصیت ہے جو قرآن حکیم میں اور جگہ کم ملتی ہے وہ یہ کہ اس تمام سورۃ میں جس میں چار رکوع اور ستائیس آیتیں ہیں مظاہر فطرت کی طرف توجہ دلانے کے سوا کوئی اور موضوع ہی نہیں اور قرآن حکیم کی بلند نظری پر یقین رکھنے والے گروہ کو ان نتائج کے سوا کسی دوسرے نتیجے پر پہنچنا محال ہے جو حسب ذیل مربوط ترجمے میں پیش کر دیئے گئے ہیں۔

(۱) حمٓ○

حم۔

(۲) تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم○

یہ الکتب اس خالق زمین و آسمان کی طرف سے انسان پر نازل ہوئی ہے جو انتہائی طور پر غالب اور بڑی حکمت کا مالک ہے۔

(۳) ان فی السموات والارض لایات للمومنین○

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ صاحب ایمان لوگوں کے لئے آسمانوں اور زمین میں (ہر انسان کی ہدایت کے لئے) بالضرور کئی (ہزارہا) احکام موجود ہیں۔

Marfat.com

(۴) وفی خلقکم وما یبث من دابتہ ایت لقوم یوقنونo

(۴) اور (اے لوگو) تمہاری اپنی پیدائش میں اور جو کچھ خدائے عظیم حیوانات کو (زمین پر) پھیلاتا ہے کئی ہدایات (آیات) اس قوم کے لئے ہیں جو (صحیفہ فطرت کے برحق ہونے پر) یقین کرتی ہے۔ (آیات کے لفظ پر غور کرو جو بار بار آ رہا ہے)۔

(۵) واختلاف الیل والنہار وما انزل اللہ من اسماء من رزق فلحیا بہ الارض بعد موتہا و تصریف الریاح ایت لقوم یعقلونo

اور (لوگو!) دن اور رات کے اختلاف میں اور جو کچھ اللہ نے آسمان سے رزق (یعنی پانی) اتارا اور پھر اس پانی سے زمین کو مرجانے کے بعد اس کو زندہ کیا اور ہواؤں کے مختلف اطراف سے چلنے میں صدہا احکام و ہدایات اس قوم کے لئے ہیں جو صاحب عقل و دانش ہے۔

(۶) تلک ایت اللہ نتلوہا علیک بالحق ج فبای حدیث بعد اللہ وایتہ یؤمنونo

(اے محمدؐ!) یہ (اوپر کی آیات) وہ آیات ہیں جو ہم تم کو حقیقت کے طور پر پڑھ کر سنا رہے ہیں پھر (مجھے بتاؤ کہ) خدا کی کہی ہوئی آیات اور اس کی (صحیفہ فطرت سے اخذ کی ہوئی) آیات کے بعد یہ لوگ کونسی زیادہ سچی بات پر ایمان رکھیں گے۔

(۷) ویل لکل افاک اثیمo

اس جھوٹے اور گناہ گار پر (جو فطرت کی حقیقت نہ دیکھنے کا گناہ عظیم کرتا ہے۔

(۸) یسمع ایت اللہ تتلے علیہ ثم یصر مستکبرا کان لم یسمعہاج فبشرہ بعذاب الیمo

اور اس کو لاشے سمجھ کر اس سے اکڑتا ہے' (ہزار) حیف ہے کہ وہ خدا کی آیات کو سن رہا ہے کہ اس کے سامنے پڑھی جا رہی ہیں پھر وہ (جہالت کے باعث) اکڑتا ہے کہ گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں۔ تو (اے پیغمبر!) ایسے (نامعقول) شخص کو دردناک عذاب کی خوشخبری دو۔ (ایسے شخص کی حقیقت سے نفرت اور اکڑ ہی قوم کو ہلاک کر دے گی)۔

(۹) واذا علم من ایتنا شیئا اتخذ ہا ہزوا اولئک لہم عذاب مہینo

اور (مزا یہ ہے) کہ جب وہ ہماری آیتوں میں سے کچھ کا علم حاصل کر لیتا ہے تو ان کو ٹھٹھا مخول سمجھ کر بے معنی سمجھتا ہے تو یہی وہ لوگ ہیں جن کو ذلیل کر دینے والا عذاب (اس دنیا میں) ملے گا۔

(۱۰) من وراہم جہنم ج ولا یغنی عنہم ما کسبوا شیا ولا ما اتخذ وامن دون اللہ اولیا ولہم عذاب عظیمo

اور (اس عذاب کے بعد ان کے پیچھے) جہنم ہو گا اور جو کچھ وہ کر رہے ہوں گے اس کا ان کو کچھ فائدہ نہ ہو گا اور نہ اس شے کا کہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے سردار دوسرے اشخاص پکڑ لئے ہیں اور ان کو بڑا عذاب لاحق ہو گا۔

(۱۱) ہذا ہدی ج والذین کفروا بایات ربہم لہم عذاب من رجز الیمo

Marfat.com

(یاد رکھو کہ یہ جو کچھ ہم نے اوپر واضح کیا ہے) یہی ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے خدا کی (بھیجی ہوئی) آیتوں سے انکار کیا (اور ان کی ہدایت کے مطابق عمل کرنے سے گریز کیا) ان کو درد ناک مصیبت سے آلودہ عذاب ملے گا۔

(۱۲) اللہ الذی سخر لکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہ لتبتغوا من فضلہ و لعلکم تشکرونO

(لوگو! یاد رکھو کہ) خدا وہ (قاہر اور غالب) ذات ہے جس نے تمہارے (فائدے کے) لئے سمندر کو مسخر (یعنی اس امر کا پابند) کیا تاکہ اس میں خدا کے قانون (حکم) سے جہاز چلیں اور تاکہ تم انسان اپنی تجارت کر سکو اور تاکہ تم (اس کی بنائی ہوئی فطرت کی) صحیح قدر کر سکو۔

(۱۳) وسخر لکم ما فی السموات ومافی الارض جمیعا منہ ان فی ذالک لایت لقوم یتفکرونO

اور (لوگو! یہی نہیں بلکہ) اس نے تمہارے (استعمال کی خاطر) جو کچھ شے بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب مسخر کیا۔ بے شک اس (نئے انکشاف) میں (جو اب کیا گیا ہے) سوچ دوڑانے والی قوم کے لئے (ہزار ہا) ہدایات موجود ہیں۔

(۱۴) قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ لیجزی قوما بما کانوا یکسبونO

(اے پیغمبر!) ان لوگوں کو جو (صحیفہ فطرت پر) ایمان لے آئے ہیں کہ دو کہ ان لوگوں (کو نا معقول اور قابل رحم سمجھ کر ان) سے درگذر کریں جن کو امید نہیں کہ خدا کے دن بھی آئیں گے (گویا وہ دن جن میں خدا ان سے روبرو ملاقات کرے گا) تاکہ خدا ان کو ان کی بد اعمالی کی سزا دے۔

(۱۵) من عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیھا ثم الی ربکم ترجعونO

جس قوم نے (اس کائنات فطرت کے احکام کی تلاش کے بارے میں) مناسب اور عمدہ عمل کیا تو اس میں اس قوم کی اپنی ہی بہتری ہے اور جس نے برا کیا تو اپنے لئے۔ (لیکن) پھر تم اپنے رب کی طرف ہی لوٹو گے (اور اس کے حضور میں پیش کئے جاؤ گے کہ اپنی غفلت کی جواب دہی کرو)۔

(۱۶) ولقد اتینا بنی اسرائیل الکتاب والحکم والنبوۃ ورزقناھم من الطیبات وفضلنھم علی العالمینO

اور ہم نے بنی اسرائیل کو صحیح معنوں میں اور بالتحقیق الکتب' حکومت اور نبوت دی اور ہم نے ان کو نہایت پاکیزہ نعمتوں سے مالا مال کیا اور ان کو تمام دنیا پر (انسانی تقدم اور عمران کی ہر شق میں) فضیلت دی۔ (گویا بنی اسرائیل تسخیر فطرت کے عمل صالح سے ہی سرفراز ہوئے!)

(۱۷) واتینھم بینات من الامر فما اختلفوا الامن بعد ما جاء ھم العلم بغیا بینھم ان ربک یقضی بینھم یوم القیامۃ فیما کانوا فیہ یختلفونO

اور قانون (فطرت) کی روشن حقیقتیں بھی ان کو عطا کر دیں لیکن وہ آپس میں ایک دوسرے سے باغی ہو کر علم اور حقیقت کے حاصل ہوئے پیچھے آپس میں پھٹ گئے (اور انہوں نے اپنی سلطنت کو کمزور کر دیا ورنہ ان کی دنیا پر مادی فضیلت قطعی طور پر برقرار رہتی) لیکن اب بے شک تیرا پروردگار اس آپس کے (الناک) اختلاف کے

Marfat.com

متعلق فیصلہ کرے گا (کہ کون فریق مجرم تھا)۔

(۱۸) ثم جعلنٰک علی شریعتہ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمونO

اب (اس بنی اسرائیل کی سلطنت کے زوال کے بعد اے پیغمبر!) ہم نے تم کو قانونِ خدا کے ایک رستے (شریعہ من الامر) (گویا قانون فطرت کی ایک شاخ) پر مقرر کر دیا ہے تاکہ تو اس راہ کی پیروی کر کے (اپنی قوم کو عروج اور فضیلت کی لازوال منزل تک پہنچا سکے اور نبی اسرائیل کی سزا یافتہ قوم کی طرح) بے علم لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرے' (وہ بے علم لوگ جو صحیفہ فطرت سے کچھ ہدایات اور آیات اخذ نہیں کرتے اور آپس میں اختلاف پیدا کر کے اپنی قوم کو جہنم کے گڑھے پر لا رکھتے ہیں)۔

(۱۹) انھم لن یغنوا عنک من اللہ شیئاً وان الظالمین بعضھم اولیاء بعض واللہ ولی المتقینO

یہ کسی صورت میں بھی تجھے اللہ کے مقابلے میں فائدہ نہ دیں گے اور اس میں شک نہیں کہ (فطرت کی حدود سے) تجاوز کرنے والے آپس میں جو کچھ کرتے ہیں صلاح و مشورہ سے کرتے ہیں (کیونکہ ہر مجرم کا طبعی میلان مجرم کی طرف ہے) لیکن خالق زمین و آسمان (صرف) اس قوم کا دوست ہے جو قانون خدا سے (پورے طور پر) خائف ہے۔

(۲۰) ھذا بصائر للناس وھدی ورحمتہ لقوم یوقنونO

یہ (تمام نکات جو اس سورت میں بیان ہوئے' ذہن انسانی کے لئے) بصیرت کی باتیں اور مستقل ہدایت ہے بلکہ (سربسرایک سرچشمہ) رحمت اس قوم کے لئے ہیں جو ان کی صداقت پر یقین رکھتی ہو۔ (غور کرو کہ اب تک صرف فطرت پر غور کرنے کی بات ہوئی ہے)

(۲۱) ام حسب الذین اجترحو السیات ان نجعلھم کالذین امنوا وعملو الصلحت سواء محیا ھم ومما تھم ساء مایحکمونO

کیا ان (قوموں) نے جو (اس دنیا میں) اپنے برے عمل سے زوال کو پہنچیں یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم ان کو ان قوموں کے برابر کر دیں گے جنھوں نے ایمان (کے لازمات کو) حاصل کر کے بہترین اعمال کئے' کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی زندگیاں اور موتیں برابر کی ہوں گی (یاد رکھو کہ) ان کا یہ فیصلہ انتہائی طور پر غلط (اور بے معنی) ہے۔

(۲۲) و خلق اللہ السموات والارض بالحق و لتجزی کل نفس بما کسبت وھم لا یظلمونO

اور اب (ان امور کے واضح کر دینے کے بعد کہ آسمانوں اور زمین میں صدہا احکام الٰہی موجود ہیں نیز یہ کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ انسانوں کے استعمال کے لئے خدائے عظیم نے مسخر کر رکھا ہے جو سنسنی خیز انکشاف کیا جا رہا ہے یہ ہے کہ) خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا ہی بطور ایک حقیقت کے کیا ہے اور اس پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ہر نفس کو (انفرادی طور پر) اس کے عمل (یعنی تلاش صحیفہ فطرت) کی جزا پورے طور پر دی جائے اور انسانی نسل پر ظلم نہ ہو۔

(۲۳) افرء یت من اتخذنا الھہ ھویہ و اضلہ اللہ علی علم وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشوہ

Marfat.com

فمن یھدیہ من بعد اللہ افلا تذکرون○

کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے اپنی خواہش نفسانی کو ہی اپنا حاکم بنا لیا ہو اور باوجود جانتے ہوئے کہ اس دنیا کے اندر کوئی حاکم یا سردار بجز خدا کی ذات کے نہیں خدا نے اس کو گمراہ کر دیا ہو اور اس کے علم کے تینوں مصدروں یعنی سمع و بصر پر مہراور قلب پر پردہ ڈال دیا ہو۔ تو (کیا ممکن ہے کہ) ایسے شخص کو کوئی ہستی خدا کے بعد راہ دکھائے۔ کیا تم اس سے عبرت نہیں پکڑتے۔

(۲۴) وقالوا ماھی الاحیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر وما لھم بذالک من علم ان ھم الا یظنون○

اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ بس یہی دنیاوی انفرادی زندگی ہی ہے (جو کسی مطلب کی ہے) اسی میں ہم زندہ رہتے ہیں اور پھر ہلاک ہو جاتے ہیں اور زمانہ ہی (خودبخود) ہم کو ہلاک کر دیتا ہے۔ (اس کے سوا کوئی اور محرک نہیں نہ اس ہلاکت میں کسی قانون کی نافرمانی یا آخرت کی پرسش یا خدائی گرفت کا سوال ہی پیدا ہوتا ہے) ان لوگوں کو اس کا علم نہیں اور وہ محض اٹکل پچو باتیں کر رہے ہیں۔ (کیونکہ بقائے اصلح کے قانون سے ناواقف ہیں)

(۲۵) واذا تتلی علیھم ایتنا بینت ماکان حجتھم الا ان قالو ائتو ابا بائنا ان کنتم صادقین○

اور جب ان پر ہماری روشن آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی دلیل اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ (اگر فی الحقیقت خدا کے احکام قوموں کو ہمیشہ کی زندگی دینے والے احکام ہیں تو) ہمارے باپ داداؤں کو پھر زندہ کر دو اگر تم سچے ہو۔

(۲۶) قل اللہ یحییکم ثم یمیتکم ثم یجمعکم الی یوم القیامۃ لاریب فیہ ولکن اکثر الناس لایعلمون○

ان کو کہو کہ خدا تمہیں زندہ کرے گا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں روز قیامت کو جمع کر کے (تم سے تمہارے اعمال کا حساب لے گا) لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے (کہ وہاں فرداً فرداً پوچھ ہو گی)۔

(۲۷) و للہ ملک السموات والارض ط و یوم تقوم الساعۃ یومئذ یخسر المبطلون○

اور تمام آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کی ہے اور جس دن وہ وقت آگیا سب (صحیفہ فطرت کو) جھٹلانے والے گھاٹے میں پڑ جائیں گے۔ (مبطلون کے لفظ پر غور کرو یعنی الحق (صحیفہ فطرت) کو باطل سمجھنے والے)

(۲۸) وتری کل امۃ جاثیۃ" کل امۃ تدعی الی کتابھا الیوم تجزون ما کنتم تعملون○

اور تو دیکھے گا کہ سب امتیں گھٹنے ٹیکے ہوئے سب اپنی اپنی کتاب کی طرف (جو اس کے لئے بنائی گئی تھی بلائی جا رہی ہیں (اور ان کو کہا جائے گا کہ) آج تم کو اس کی جزا دی جائے گی جو کچھ تم عمل کر رہے تھے۔ (ا: تجزون اور تعلمون کے الفاظ کو آیت نمبر ۲۲ کے لتجزی اور کسبت سے ملا کر پڑھو تو واضح ہو جائے گا کہ صحیفہ فطرت کو نہ دیکھنے سے امتیں ذلیل ہوتی ہیں اور دونوں جگہ سلسلہ کلام ایک ہی ہے۔ یہی استکبرتم کا لفظ آیت (۸) میں ہے۔ تدبر۔)

Marfat.com

(۲۹) هذا کتابنا ینطق علیکم بالحق ط انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون○

یہ ہماری وہ کتاب ہے جو بالکل سچ بولتی ہے اور ہم جو کچھ تم کر رہے تھے لکھواتے جاتے تھے۔

(۳۰) فاما الذین امنو او عملو الصلحت فیدخل ہم ربھم فی رحمتہ ذالک ھو الفوز المبین○

پھر ایمان اور عمل صالح والی قوم کو خدا اپنی رحمت میں لے لے گا اور یہ بڑی روشن کامیابی ہے۔ (غور کرو آیات ۸ تا ۱۱ پر اور ان کے مضمون کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھو)۔

(۳۱) واما الذین کفروا الفلم تکن ایتی تتلی علیکم فلستکبرتم و کنتم قوما مجرمین○

اور منکر جماعت کو کہا جائے گا (جیسا کہ اس سورۃ کے شروع میں کہا گیا ہے) کہ کیا ہماری آیات تم پر پڑھی نہ جاتی تھیں تو تم ان سے نفرت کے باعث اکڑا کرتے تھے اور اس طرح تم مجرم قوم ہو گئے۔

(۳۲) واذا قیل ان وعد اللہ حق واساعتہ لاریب فیھا قلتم ماتدری ماالساعتہ ان نظن الا ظنا ومانحن بمستیقنین○

اور جب تم کو کہا گیا تھا کہ اللہ کا وعدہ اور ہلاکت کا وقت دونوں برحق ہیں اور ان کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم جانتے ہی نہیں وقت کیا شے ہے ہم سوائے اس کے کہ شک کریں اس پر یقین ہی نہیں کر سکتے۔

(۳۳) وبدا لھم سیات ماعملوا وحاق بھم ما کانوا بہ یستھزء ون○

پس اس وقت ان پر اپنی بد اعمالی کے برے نتیجے واضح ہوں گے اور جس کو وہ ٹھٹھا مخول سمجھتے تھے وہی ان پر آپڑے گا۔

(۳۴) وقیل الیوم ننسکم کما نسیتم لقاء یومکم ھذا وماوکم النار ومالکم من ناصرین○

پھر ان کو کہا جائے گا کہ آج ہم بھی تم کو بھول جاتے ہیں جس طرح کہ تم نے اس آج کے دن کی ہماری ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور اب تمہارا کوئی مدد گار نہیں۔

(۳۵) ذالکم بانکم اتخذ تم ایت اللہ ھزوا وغرتکم الحیوۃ الدنیاج فالیوم لا یخرجون منھا ولاھم یستعتبون ○

یہ اس لئے کہ تم نے آیات خدا کو مخول سمجھا اور دنیاوی تعیش اور غفلت نے تم کو دھوکہ میں ڈال دیا پس آج تم اس عذاب سے نہ نکل سکو گے نہ تمہیں معاف کیا جائے گا۔

(۳۶) فللہ الحمد رب السموات ورب الارض رب العالمین○

پس اس پروردگار عالم اور خالق زمین و آسمان کی تعریف ہونی چاہیے۔

(۳۷) ولہ الکبریاء و فی السموات والارض ص وھو العزیز الحکیم○

کیونکہ اس آسمان اور زمین میں اسی کی کبریائی ہے اور وہی صحیح معنوں میں انتہائی طور پر غالب اور حکمت کا مالک ہے۔

Marfat.com

اس سورۃ کے مطالب سمجھنے میں جو باتیں قابل غور ہیں حسب ذیل ہیں۔ سورۃ کے شروع میں فطرت کی اشیاء اور نظام کو "آیات" کہا ہے جو **"قوم یومنون"** **"قوم یوقنون"** اور **"قوم یعلمون"** کی توجہ کا مرکز ہیں نیز سورۃ کے شروع میں **العزیز الحکیم** کے الفاظ ہیں۔ وہی الفاظ آخری آیت (۳۷) میں ہیں۔ شروع میں ہی **السموات** اور **الارض** کی آیات کا ذکر ہے اور اس درد ناک عذاب کا جو ان قوموں کو ہو گا جو ان آیات الٰہی کو تمخول ٹھٹھا سمجھتی ہیں۔ اسی عذاب کی تصویر کو سورت کے اخیر میں بھی کھینچا ہے۔ دوسرے رکوع میں پھر نیا انکشاف کیا ہے کہ آسمان و زمین کی ہر شے انسان کے لئے ہے اور بتایا ہے کہ انہی کی تسخیر اور صحیفہ فطرت کی تلاش و تفتیش سے ملاقاتِ خالقِ زمین و آسمان ہو سکتی ہے اور یہی انتہائے منشائے ایزدی ہے۔ پھر بتلایا ہے کہ کس طرح بنی اسرائیل والے آپس میں اس فطرت کے احکام کا غلط مطالعہ کر کے ہلاک ہو گئے اور اب یہ ذمہ داری محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم پر ہے کہ وہ صحیفہ فطرت کی ان آیات کو اپنا دستور العمل بنا دے اور محمد صلی اللہ علی وسلم کی قوم بھی بے علم لوگوں کی خواہشات نفسانی میں پڑ کر ہلاک نہ ہو جائے۔ پھر تیسری منزل اسی علم کی تیسرے رکوع کے شروع میں آتی ہے کہ خدا نے صاف یہ انکشاف ہی کر دیا کہ آسمانوں اور زمین کو ہی خدا نے برحق پیدا کیا اور پیدائش کا مقصد ہی صرف یہ ہے کہ ہر متنفس کو اس کے عمل کی جزا اور سزا دے اور وہ جو اس فطرت کو اپنا واحد رہنما نہیں سمجھتے اور عیش و عشرت کی غفلتوں میں پڑ کر مقصد حیات بھول جاتے ہیں اور صرف یہی سمجھتے ہیں کہ مرنا جینا ایک زمانہ کا معمول ہے اور اس کی کوئی خاص وجہ نہیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کو درد ناک سزا روزِ جزا کو ملے گی اور جو کتاب ان کو عمل کرنے کے لئے دی گئی تھی (دیکھو آیت ۲۸) ان کے سامنے لائی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم ہی ٹھٹھا تمخول کیا کرتے تھے۔ آؤ دیکھو آج تمہارا کیا حشر ہے۔ آج ہم تم کو بھول جاتے ہیں جیسا کہ تم نے ہمیں بھلا دیا تھا اور ان لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں جنہوں نے ہماری فطرت پر یقین کیا تھا۔

الغرض اس تمام سورۃ کا ایک ایک لفظ خاص کر ایام اللہ اور لقائے **یومکم ھذا** کے الفاظ اس مفہوم کی قطعی تصدیق کرتے ہیں کہ بالآخر خدا سے ملاقات ہی انسان کو پیدا کرنے کی آخری غرض ہے اور اس کا واحد وسیلہ تلاشِ صحیفہ فطرت ہے۔

ان ملاحظات کے بعد سورۃ جاثیہ کے موضوعات کی قدر و قیمت واضح ہو جاتی ہے اور دین اسلام کو دین خدا تسلیم کر لینے والوں پر عیاں ہو جاتا ہے کہ خدا نے تسخیر کائنات کی کیا عظیم ذمہ داری مسلمان پر عائد کر دی ہے اور قوموں کے **تغلب** اور **تمکن فی الارض** کا کیا معیار قائم کیا ہے!

کیا اس معیار کے متعلق اطلاع پا جانے کے بعد دنیا کی سب سے زیادہ متنور اور متقدم قوم کا سب سے بڑا عالم اور سائنس دان شخص ایسا ہے جو قرآن کے آگے نہ جھکے اور اس کو دنیا کی سب سے بڑی اور آخری کتاب نہ مانے!

(۲) سورہ ھود کے عظیم الشان اور عالم آرا حقائق' ایک آیت میں پورے قانون فطرت کا ملخص

سورۂ ھود (۱۱)

اس سورت کے شروع میں قرآن کے متعلق ایک قابل غور دعوے حسب ذیل الفاظ میں ہیں۔

الرٰ کتب احکمت ایتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر○ الا تعبدوا الا اللہ اننی لکم منہ نذیر و بشیر○ وان

Marfat.com

استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یمتعکم متا عا حسنا الی اجل مسمی ویوت کل ذی فضل فضلہ وان تولوا فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیرo

یہ وہ کتاب ہے کہ اس کی آیات کو ناقابل رد طور پر مضبوط کر دیا گیا' اور پھر انتہائی حکمت اور علم و خبر والے خدا کی طرف سے ان آیات کی تفصیل کی گئی ہے اور اس سب علم و خبر کا خلاصہ یہ ہے کہ اے انسان! فاطرِ زمین و آسمان کے سوا کسی کی ملازمت اختیار نہ کرو۔ درحقیقت میں محمدؐ اس خدا سے تم کو ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔ نیز یہ کہ تم انسان اپنے پروردگار سے اپنے پچھلے گناہوں کے متعلق پردہ پوشی کی خواہش کر کے اس کے جاری کردہ قانون کی طرف لوٹ آؤ تو وہ تمہیں ایک وقت مقررہ تک عمدہ سامانِ حیات ارزانی کر دے گا اور ہر اس قوم کو جو آگے بڑھنے کی اہل ہے بڑائی دے گا اور اگر تم نے اس کے بنائے ہوئے قانون سے روگردانی کی تو میں تم پر ایک بڑے دن کے دردناک عذاب کا خطرہ دیکھ رہا ہوں۔

(۳) سورہ ھود میں حیرت انگیز علمی حقائق کا اعلان۔ مسئلہ ارتقائے انواع اور مسئلہ کشمکشِ حیات' مسئلہ بقائے اصلح و مسئلۂ حفظ نفس' علمِ طبقات الارض اور علمِ اعضاء الحیوان کے دقیق مسئلوں کی طرف اشارے۔

بنی نوع انسان کے متعلق صحیفہ فطرت کے اس واحد اور غالب قانون کو اس عمدہ طور پر مختصر کر دینے کے بعد اس سورت کے پہلے رکوع میں پانچویں اور چھٹی آیتیں نہایت دقیق اور پر معنی آیات ہیں جن کو واضح کرنے کے لئے بڑی تفصیل درکار ہے۔ ان آیات کا موضوع طبقات الارض میں ارتقائے انواع حیوانی کے مسئلہ کا ایک مستقل اور عظیم الشان باب ہے۔ اس باب میں طبقات الارض کی مختلف تہوں کے اندر حیوانات کے بقیہ ڈھانچوں یعنی (رکازات) کی مسلسل چھان بین کے بعد عالمانِ فطرت اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ نشاء آفرینش کے مختلف اوقات میں (جو لاکھوں اور کروڑوں برس پہلے کے سمندروں کی تہہ میں بنے ہوئے طبقوں کے ایک دوسرے کے اوپر ترتیب وار واقع ہونے کے باعث مقرر کئے جا سکتے ہیں اور چھ بڑے طویل المیعاد زمانوں (ستہ ایام) میں تقسیم کئے گئے ہیں' حیوانی نوعیں رزق کی تلاش میں سرگرداں رہیں اور جس حیوانی نوع کو کارخانہ فطرت سے جس قدر آسانی سے رزق میسر ہوا اسی قدر وہ نوع روئے زمین پر پھلتی پھولتی اور پھیلتی رہی حتی کہ اس نوع کو کشمکش حیات میں دوسری ادنیٰ نوعوں پر غلبہ حاصل ہوا اور وہ نوع ارتقا کر کے اس سے بہتر نوع بننے کے مرحلے طے کر گئی۔ اسی طرح وہ نوعیں جن کو روئے زمین پر رزق آسانی سے میسر نہ ہو سکا وہ کشمکش حیات کے باعث بالاخر فنا ہوتی گئیں یا انہوں نے اپنے اعضاء و جوارح میں ماحول کے مطابق آہستہ آہستہ انقلاب پیدا کرنا شروع کر دیا حتی کہ وہ نوعیں اپنے نئے ماحول کے مطابق کشمکشِ حیات کے دباؤ سے نئی طرز رہائش اختیار کرتی گئیں۔ الغرض مختصر الفاظ میں ارتقائے انواع کا مسئلہ دراصل رزق کے میسر یا نا میسر ہونے یا بالفاظ دیگر حفظ نفس کا مسئلہ زیادہ تر رہا ہے۔ آج اس زمانے میں انسانی قوموں کے اندر بھی یہ بات نمایاں طور پر ہے کہ جس قوم کو رزق میں آسانی میسر ہے وہ بہ نسبت دوسری قوموں کے زیادہ غالب اور طاقتور قوم ہے اور کم رزق والی قوموں پر غلبہ حاصل کر کے روئے زمین پر زیادہ متمکن اور مسلط ہونے کی سعی کر رہی ہے۔

Marfat.com

دوسری شے جو طبقات الارض کے غائر اور بلیغ مطالعے سے اخذ ہوتی ہے یہ ہے کہ جن حیوانی انواع نے صحیفہ فطرت کے موانعات اور امتناعات کا جو رزق یا دوسرے لازماتِ حیات (مثلاً سردی یا گرمی یا جغرافیائی رعایات مثلاً خشکی یا تری کے مساکن و مقامات کا میسر ہو جانا وغیرہ) کے نہ ملنے کے باعث لاحق ہوتے ہیں' اپنے اعضا کی جدوجہد سے کامیاب مقابلہ کر کے اپنے اعضا میں تبدیلی پیدا کی وہ نوعین بہتر اعضا کے حصول کے بعد ارتقا کرتی گئیں اور ان اعضائی انقلابوں کی وجہ سے بہتر نوعین بنتی گئیں۔ مثال کے طور پر ابتدائے آفرینش میں صرف رینگنے والے جانور پیدا ہوئے جو صرف گوشت اور خون کے لوتھڑے تھے اور کوئی دوسرے اعضا مثلاً آنکھیں' کان' پاؤں' وغیرہ نہ رکھتے تھے لیکن جب رینگنے سے ان کو کافی رزق میسر نہ ہوا تو انہوں نے رینگنے کی بجائے اٹھ کر چلنے کو پیش نظر رکھ کر اپنے گوشت میں ہڈیاں پیدا کر لیں حتی کہ اپنے جسموں میں ریڑھ کی ہڈی پیدا کرنے کے بعد وہ اس قابل ہو گئے کہ اپنے بدن کو زیادہ مضبوط کر کے تلاش رزق کر لیں اور جغرافیائی موانعات پر قابو پائیں۔ کئی ایک نے سردی یا گرمی سے بچنے کے لئے اپنے بدنوں پر مضبوط غلاف یا پروں کے لحاف پیدا کر لئے پھر اسی طرح کئی نوعوں نے ریڑھ کی ہڈی پیدا کرنے کو تلاش رزق کے لئے ناکافی سمجھ کر دو ٹانگیں پیدا کر لیں یا اڑنے کے پر پیدا کئے تاکہ رزق حاصل کرنے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی سے پہنچ سکیں۔ الغرض یہ سلسلہ ارتقا جو ارب درارب سالوں سے روئے زمین پر جاری ہے اس کی تہ میں رزق کا مسئلہ سب سے زیادہ غالب مسئلہ ہے اور اسی کو مسئلہ کشمکشِ حیات یا مسئلہ حفظِ نفس کے تحت میں سب سے زیادہ ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اسی کشمکش کے باعث ادنی حیوانوں میں باقی اعضائے شریفہ مثلاً کان' آنکھ' دل' جگر بلکہ ذہن پیدا ہوئے۔ زیادہ ارتقا کر جانے والی نوعوں میں دو ٹانگوں کی بجائے چار ٹانگیں پیدا ہوئیں تاکہ بھاگ کر دوسری قوی تر نوعوں کی دستبرد سے محفوظ رہیں اور اپنی جانیں بچا سکیں۔ الغرض شدہ شدہ کروڑوں برس گزرنے کے بعد رزق کا مسئلہ دوسری نوعوں کے ترقی کرنے کے باعث جہاد بالسیف اور حفظِ نفس کا مسئلہ بن گیا جس کے باعث مختلف حیوانی انواع نے اعضائی ارتقا کے ساتھ ساتھ دفاعی اور جارحانہ ہتھیار مثلاً دانت' سینگ' پنجے' ڈنگ وغیرہ پیدا کر لئے جن کے باعث کئی حیوانی انواع اب تک قائم ہیں اور کئی ایک کشمکشِ حیات میں ناکامیاب ہو جانے کے باعث روئے زمین سے مٹ رہی ہیں۔

کشمکشِ حیات اور حفظِ نفس کے سلسلے میں ہی روئے زمین پر انسان اس وقت تک سب سے زیادہ ارتقا کی ہوئی نوع ہے کیونکہ اس کے اعضائے جسم سب سے زیادہ صالح اور ترقی یافتہ ہیں۔ انسان نہ صرف سب سے زیادہ ترقی یافتہ چارپایہ ہے بلکہ اس نے اپنے چار پیروں میں سے دو اگلے پاؤں کو ہاتھ بنا کر اور زیادہ طاقت اور غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ اس کے باقی اعضاء بالخصوص کان' آنکھ اور ذہن دوسرے تمام ارضی حیوانات سے زیادہ اور بے انتہا طور پر ترقی یافتہ ہیں حتی کہ اب اس کو خدا اور فاطرِ زمین و آسمان کی طرح سمیع اور بصیر ہونے کا دعوہ سجتا ہے کیونکہ اس نے صحیفہ فطرت کی ''آیات'' سے نفع اٹھا کر ایٹم بم وغیرہ بنانے تک کی قوت حاصل کر لی ہے اور **لجعلنه سميعا بصيرا** (۲:۷۶) کے مقام تک پہنچنے کی جدوجہد کر رہا ہے!

(۴) سورۂ ھود کی آیت ''نفس واحدہ'' کو سمجھنے کے لئے سورہ انعام کی طرف رجوع

اس اعضائی ارتقا کے سلسلے میں ہی قرآن حکیم نے دعوے کیا ہے کہ انسان کی ابتدا نفس واحدہ سے ہوئی یعنی صرف ایک مطلق جان سے (جو ابتدائے آفرینش میں صرف ایک خلیہ یا دوربینی حجرہ تھی) ادنی مخلوق رفتہ رفتہ انسان بن گئی - یہی ایک خلیہ جس میں انڈے کی سفیدی کی طرح ایک لیس دار مادہ ہے' یہی چھوٹا سا خلیہ جو دوربین کے بغیر انسانی آنکھ کو نظر نہیں آتا' ہاں اسی ایک خلیہ کے اجتماع اور

Marfat.com

استعار سے گوشت کے لوتھڑے اور رینگنے والے جانوروں سے ریڑھ کی ہڈی والی مچھلیاں' پھر ریڑھ کی ہڈی والے دو ٹانگوں اور دو پروں والے پرندے' پھر ان پرندوں سے چار پیروں والے چوپائے' پھر ان چوپاؤں سے لاکھ ہا برس گزرنے کے بعد دو ٹانگوں اور دو ہاتھوں والا انسان پیدا ہوا جو اس روئے زمین پر اشرف الخلق ہے۔ سورۂ انعام کی یہ حیرت انگیز اور عظیم الشان آیت حسب ذیل ہے۔

وھو الذی انشا کم من نفس واحد مستقر و مستودع قد فصلنا الایت لقوم یفقھون○ (۶:۹۸)

(اور فاطر زمین و آسمان خدا تعالیٰ) وہ (عظیم الشان وجود ہے) جس نے (اپنی بے پناہ تجویز و تدبیر سے) تم انسانوں کی پیدائش کی ابتدا ایک مطلق جان سے کی (اور اسی ایک دور بینی خلئے کے اجتماع اور استعار سے اس کا) ایک عارضی جائے قرار (مستقر) مقرر کیا حتیٰ کہ (اس دوربینی خلئے کو) ایک مستقل جائے قرار (مستودع) میں لے آیا (گویا اس خلئے کو ادنیٰ حیوانوں کی ایک پیدائش سے منتقل کر کے دوسری بہتر پیدائش میں منتقل کیا یہاں تک کہ ایک مستقل جائے قرار میں آکر وہ خلیہ یا نفس واحدہ انسان بن گیا!!) اے لوگو! ہم نے تفقہ کرنے والی اور سمجھ بوجھ رکھنے والی قوم کے لئے (صحیفہ فطرت کی) آیات کو (ان الفاظ میں) کھول کھول کر بیان کر دیا ہے (ان انسان کا فرض ہے کہ اس تفصیل کے بعد جو ہم نے ان چند لفظوں میں کی ہے اپنی پیدائش کے مسئلے پر غور کرے اور نتیجہ خیز باتوں تک پہنچے)!

مستقر کے معنی عربی زبان میں وہ جائے قرار ہے جو تھوڑی مدت کے لئے ہے۔ مثلاً **ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین** (۲:۳۶) و (۷:۲۴) یعنی اے انسانو! تمہارے لئے زمین میں ایک عارضی رہنے کی جگہ ہے اور ایک وقت تک سامان رہائش ہے (اس کے بعد تمہاری مستقل جگہ کوئی اور ہو گی) یا مثلاً **لکل نباء مستقرا وسوف تعلمون** (۶:۶۷) یعنی (سزا کی) ہر خبر کے لئے ایک عارضی وقت مقرر ہے (جو بدلتا رہتا ہے) لیکن عنقریب ہی تم کو علم ہو جائے گا (جب کہ سزا تم پر آ چکی ہو گی) یا مثلاً **والشمس تجری لمستقر لھا ذالک تقدیرا لعزیز العلیم** (۳۶:۳۸) اور سورج ہے کہ ایک عارضی جائے قرار کی طرف چل رہا ہے (جو بدلتی رہتی ہے جیسا کہ مشہور سائنس دان ہرشل نے اعلان کیا تھا)' عزیز و علیم خدا کی بنائی ہوئی تقدیر سورج کے بارے میں یہی ہے۔ اسی طرح لفظ **مستودع** سے مراد عربی زبان میں مستقل جائے قرار ہے جہاں ایک شے "ودیعت" یعنی ہمیشہ کے لئے سپرد کی جاتی ہے۔

(۵) آیہ "وما من دابتہ" کے حیرت انگیز طور پر دقیق اور قابل غور معانی!

مستقرا اور مستودع کے معانی کی صحیح تعین کے لئے اس طول و طویل تمہید کے بعد اب سورہ ہود کی ان دقیق آیات کے صحیح مطالب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جن کی طرف اشارہ سورۂ ہود کے مطالب بیان کرنے کے ضمن میں کیا گیا تھا۔ یہ آیات حسب ذیل ہیں اور ان کا صحیح ترجمہ (عام تشریح سے قطع نظر کر کے) یہاں پر کر دیا جاتا ہے جس سے اظہر من الشمس ہو جائے گا کہ قرآن عظیم کی آیات کے مطالب کس قدر حیرت انگیز طور پر بلند و بالا ہیں اور قرآن کے متعلق اگر شروع شروع میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ تم صرف قرآن کے وہی حصے پڑھ لیا کرو جو آسانی سے سمجھ میں آ سکتے ہیں اور دقیق حصوں پر تدبر کسی فرصت کے وقت کے لئے چھوڑ دو۔ **فاقروا ما تیسر منہ** (سورہ مزمل) کیونکہ تم کو اور بہت سے کام ابھی کرنے ہیں اور جہاد بالسیف کی بھاری ذمہ داریاں تم پر ڈالی جانے والی ہیں۔ **وانا سنلقی علیک قولا ثقیلا** (۷۳:۵)۔ تو یہ حکم اسی وجہ سے تھا کہ قرآن کی بعض آیات انتہائی طور پر دقیق و بلیغ ہیں۔

Marfat.com

وما من دابتہ فی الارض الاعلے اللہ رزقھا ویعلم مستقرھاو مستودعھا و کل فی کتاب مبین○ وھوالذی خلق السموات والارض فی ستہ ایام و کان عرشہ علی الماء لیبلوکم ایکم احسن عملا، ولئن قلت انکم مبعوثون من بعد الموت لیقولن الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین۔ (۱۱:۶۔۷)

ترجمہ: اور (اے لوگو!) کوئی جاندار یا چلنے والا جانور اس زمین پر نہیں ہے الا یہ کہ (کشمکش حیات کے باعث جس امتحان و ابتلا میں اس کی نوع گرفتار ہے) اس کو (کافی یا ناکافی مقدار میں) رزق پہنچانے کا ذمہ دار خدا ہے۔ وہی خدا اس کی جدوجہد کی مقدار کو دیکھ کر بعض حالات میں اس قدر وافر رزق پہنچاتا ہے کہ وہ نوع ارتقا کر جاتی ہے اور وہی خدا پھر اپنے کارخانہ فطرت میں ایسے وقتی اور مقامی حالات پیدا کر دیتا ہے کہ وہ نوعِ حیوانی بالآخر کشمکش حیات کے باعث شکست کھا کر فنا ہو جاتی ہے! (یہ اس لئے ہے کہ) خدا کو اس چوپائے یا چلنے والے جانور کی عارضی جائے قرار کا پورا علم ہے (یعنی وہ خدا ہی ہے جو تخلیق کائنات کی اپنی تجویز کے مطابق جو اس کے ذہن میں ہے اس بات کا علم رکھتا ہے کہ یہ حیوان بالآخر کسی عارضی پیدائش کی طرف ارتقا کرے گا) اور وہی خدا اس چوپائے یا چلنے والے جانور کی مستقل جائے قرار کا پورا علم رکھتا ہے (**یعلم مستقرھا و مستودعھا**) (یعنی وہ خدا ہی ہے جو تخلیق کائنات کی اپنی تجویز کے مطابق جو اس کے ذہن میں ہے اس بات کا پورا علم رکھتا ہے کہ اسی حیوان کو بالآخر کس مستقل پیدائش کی طرف ارتقا کرنا ہے) (اس تمام تشریح کا لب لباب یہ ہے کہ خدا رزق کی کمی بیشی کا خود ذمہ دار ہے۔ تم مخلوق ہرگز نہیں ہو یہ اس لئے کہ خدا کو پورا علم ہے کہ کس مخلوق کو فنا کر دیا جائے اور کس کو ارتقا کی آخری منزل تک پہنچایا جائے (اور لوگو!) یہ (کافی یا ناکافی رزق پہنچانے کے مسئلہ کی پوری روئداد اور کسی مخلوق کو اس کے مستقر یا مستودع تک ارتقا کرانے کے عظیم الشان تماشے کی پوری حکایت) سب کی سب (صحیفہ فطرت کی) اس کتاب (کے اوراق یعنی طبقات زمین میں واضح حروف) میں (لکھی) ہے جو ایک بیان کرنے والی روشن کتاب ہے: (**کل فی کتب مبین**)! اور وہی وہ عظیم الشان خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھوٹے بڑے کروڑوں برس کی مدت والے "دنوں" میں اس حالت میں پیدا کیا جب کہ اس کا تختِ سلطنت پانی پر تھا (**وکان عرشہ علی الماء**) (یعنی آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے خدا کی حکومت سمندروں پر تھی جن سمندروں کی تہ میں طبقات الارض پیدا ہوتے رہے اور زمینی انقلابات کی وجہ سے سطحِ زمین پر نمودار ہو کر مخلوق خدا کا مسکن بن گئے)۔ (اور یاد رکھو کہ) یہ (آسمانوں اور زمین کی چھ دنوں کی پیدائش (محض) اس لئے کی گئی ہے کہ بنی نوع انسان کو آزمائے کہ تم میں سے کون (اس رازِ کائنات کو دریافت کرنے اور اخیر تک پہنچانے کے لئے) بہترین عمل (یعنی علمی جدوجہد) کرتا ہے: (**لیبلو کم ایکم احسن عملا**) اور اے محمدؐ! اگر تو ان کفارِ مکہ کو یہ کہے کہ تم لوگ اپنی بد کرداریوں کا حساب دینے کے لئے موت کے بعد پھر اٹھا کر خدا کے سامنے کھڑے کر دئے جاؤ گے تو کفار ضرور کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ قول تو کھلا جھوٹ ہے۔ (**ان ھذا الا سحر مبین**) (۱۱:۷)

قرآن کی ان دو آیتوں کی اس قدر مدلل تشریح ہر سلیم الذہن شخص کے نزدیک ناقابل انکار طور پر قابل تسلیم اس لئے ہے کہ دونوں آیتوں کے ایک ایک لفظ پر کامل غور و خوض کر کے اس کے سوا کوئی دوسری تشریح ممکن نہیں۔ اور علامہ مشرقیؒ کی طرف سے

اعلان ہے کہ وحی خدا کے ہر لفظ کو پورے طور پر ملحوظ نظر رکھ کر کوئی شخص ان آیات کی اس سے بہتر تشریح پیش کرے! نہیں بلکہ اگلی چند سطروں سے ہی عیاں ہو جائے گا کہ قرآن صرف علم ہے اور اس کی تشریح بھی علمی ہی ہو سکتی ہے۔ مسلمان بیچارے نے جو صحیفہ فطرت کا علم نہیں رکھتا ان آیتوں کی کیا گت بنائی ہے۔

(۶) آیہ "وسامن دابہ" کے متذکرہ صدر صحیح معانی کی حیرت انگیز تائید

سورۂ ھود کی محولہ بالا عظیم الشان آیات کی تشریح کے بعد صرف چند آیتیں آگے چل کر حسب ذیل معنی خیز آیتیں ہیں۔

ام یقولون افترہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریت وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین○ فان لم یستجیبو لکم فاعلموا انما انزل بعلم اللہ وان لا الہ الا ھو فھل انتم مسلمون○(۱۱:۱۳-۱۴)

اے محمدؐ! کیا یہ کفار مکہ بکواس کرتے ہیں کہ تم اس قرآن کو اپنے پاس سے گھڑ لائے ہو۔ ہاں ان (بد کرداروں) کو کہہ دو کہ اگر یہی صورت ہے تو تم بھی اسی طرح کی دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور جس قدر تم میں طاقت ہے اس طاقت سے خدا کے سوا اپنے مدد گاروں کو بلاؤ کہ وہ ایسی سورتیں تیار کر دیں اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر وہ تمہارے اس مطالبے کا کوئی جواب نہ دیں اور کھسیانے ہو کر خاموش ہو جائیں تو اچھی طرح جان لو کہ یہ قرآن تو صرف خدا کے نا پیدا کنار علم کو لے کر اتارا گیا ہے (تم میں مقدور کہاں کہ تم اس علم کے پاسنگ کے برابر کوئی تحریر پیش کر سکو) اور یاد رکھو کہ کوئی حاکم اعلیٰ سوائے اس خدا کے اس کائنات میں موجود نہیں تو کیا کفار کی اس شکست فاش کے بعد تم ہار مان کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاؤ گے؟

پھر اس مضمون کو بائیس آیتوں کے بعد ان الفاظ میں دہرایا: **ام یقولون افتراہ قل ان افتریتہ فعلی اجرامی وانا بری مما تجرمون○** (۱۱:۳۵) کیا یہ کہتے ہیں کہ رسول قرآن کو اپنے پاس سے گھڑ لایا ہے تو بالاخر ان بحث اور ضد کرنے والوں کو کہہ دو کہ اگر میں قرآن گھڑ لایا ہوں تو میں اپنے جرم کا ذمہ دار ہوں (وہ خدا مجھے خود سزا دے گا لیکن) جو جرم تم کر رہے ہو میں اس کا ذمہ ہرگز نہیں لیتا۔ انتظار کر کے دیکھو کہ تمہارا کیا حشر ہوتا ہے۔

ان آیات سے پہلے قوم نوح کی ہلاکت کا بیان شد و مد سے ہے پھر کشتی نوح کا تفصیلی ذکر ہے پھر عاد و ثمود کی قوموں کی ہلاکت کا تذکرہ ہے' پھر قوم لوط اور مدین کا کہ وہ قوم فاحش افعال کے علاوہ کم تولا کرتی تھی اور گاہکوں کو دھوکہ دیتی تھی۔ پھر مسلمانوں کے ایمان مضبوط کرنے کے لئے کہا۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار و مالکم من دون اللہ من اولیاء ثم لا تنصرون○ واقم الصلواۃ طرفی النھار وزلفا من الیل ط ان الحسنت یذھبن السیات ط ذالک ذکری الذکرین○(۱۱:۱۱۳-۱۱۴)

اور اے مسلمانو! کفار مکہ کے مظالم سے عاجز اور بے بس ہو کر ہرگز ان کی طرف نرم نہ پڑ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ (ان کو دوست بناتے بناتے) جہنم کی آگ تم کو چھو جائے کیونکہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی مدد گار ہے ہی نہیں اور اس حالت میں تم کو کوئی مدد بھی نہ ملے گی۔

اور اے محمدؐ! دن کے دونوں طرف یعنی فجر سے پہلے اور مغرب کے وقت اور رات کے پہلے حصے میں "نماز"

Marfat.com

قائم کرو بے شک نماز کا متحد عمل نیکی بن کر تمہاری بدحالیوں کو دور کر دے گا۔ یہ قرآن تو یاد کرنے والوں کے لئے ایک عبرت ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک بھی پنج وقتہ نماز (الصلوہ) کا باقاعدہ حکم نہ پہنچا تھا اور مسلمان یونہی ان تین وقتوں میں **علی الحساب** خدا کے حضور میں کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔

ان تمام ہدایتوں کے بعد سب سے بڑی عظیم الشان ہدایت جو اس سورت میں ہے حسب ذیل الفاظ میں ہے۔ یہ وہ ہدایت ہے جو ساکنانِ زمین کو ابدالاباد تک صحیفہ فطرت کی صحیح راہ دکھلاتی رہے گی اور اگر انسان اس پر نہ چلا تو اس کے لئے بہ حیثیت مجموعی نوعی ہلاکت سے دو چار ہونا ناگزیر ہو جائے گا۔

وما کان ربک لیھلک القری بظلم واھلھا مصلحون○ ولو شاء ربک لجعل الناس امتہ واحدۃ ولا یزالون مختلفین○ الامن رحم ربکہ ولذالک خلقھم وتمت کلمتہ ربک لاملئن جھنم من الجنتہ والناس اجمعین○ وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فوادک وجاء ک فی ھذہ الحق وموعظہ و ذکری للمومنین○

(۱۱:۱۱۷-۱۲۰)

(اور اے محمدؐ! یہ پہلی قوموں کی دردناک ہلاکت کے کئی قصے جو ہم نے تمہیں بیان کئے ہیں اس لئے ہیں کہ تمہاری قوم ہلاکت سے بچ جائے اور اس پر عذاب الٰہی نہ آئے) ورنہ خدا تو ہرگز ایسا نہیں کہ قوموں کو ظلم سے ان حالات میں ہلاک کر دے کہ اس قوم کے لوگ صحیح عمل کرنے والے ہوں۔ (اور حقیقت تو یہ ہے کہ خدا صرف مکہ یا عرب والوں کو ہی ایک متحد قوم بنانا نہیں چاہتا بلکہ تمام دنیا کو ایک نقطہ پر جمع کرنا چاہتا ہے) اور اگر تیرا پروردگار اپنی مرضی کرتا (اور اگر کسی دوسرے فرد کی مرضی کو دخل دینے کی اجازت نہ دیتا) تو ضرور تمام ساکنان زمین کو ایک امت بنا دیتا (کیونکہ صراط مستقیم تو صرف یہی ہے) لیکن کم بخت انسان ہیں کہ (اپنی مرضی کے مالک ہو کر) ہمیشہ اختلاف ہی پیدا کرتے رہتے ہیں ماسوا ان لوگوں کے جن پر خدا نے رحم کیا اور درحقیقت خدا نے تو بنی نوع انسان کو (صرف) ایک امت بننے اور مکمل اتحاد کے لئے ہی پیدا کیا تھا (کیونکہ تمام انسان ایک نوع ہیں اور کوئی حیوانی نوع ایسی نہیں جو آپس میں برسرپیکار ہو اس لئے ایسا عمل خلاف فطرت ہے)۔ (اور اگر یہ نہ ہوا تو ایک نہ ایک دن) خدا کا یہ قول پورا ہو کر رہے گا کہ میں جن وانس سب انسانوں سے جہنم کو بھر دوں گا۔ اور اے محمدؐ! یہ تمام قصے جو ہم تم کو سنا رہے ہیں یہ انبیا کی خبریں ہیں (جو فاطرِ زمین و آسمان کی طرف سے تم کو پہنچائی جا رہی ہیں) تاکہ ہم ان سے تمہارے دل کو مضبوط کر دیں اور یاد رکھو کو ان تمام میں تم کو خدا کی طرف سے حق بات پہنچی ہے اور یہ اس کے علاوہ ایمانداروں کے لئے ایک عبرت اور نصیحت بھی ہے۔

بین الاقوامی تفریق کے باعث تمام بنی نوع انسان کا جہنم کے کنارے پر آکھڑے ہونا جو آج بھی امریکہ' روس اور ایٹمی طاقت رکھنے والے دوسرے ممالک کے درمیان برتری حاصل کرنے کی کشمکش میں ممکنہ جنگ سے ظاہر ہے' اگر دنیا قرآن کی بتائی ہوئی اخلاقی و تعمیری اقدار کو اپنا کر ایک امت نہ بنی تو چار ارب انسانوں کا آئندہ چند سالوں کے اندر اندر ہی پورے طور پر جہنم میں جھونکا جانا اٹل ہے!

Marfat.com

(۷) سورۃ النجم میں نبی کے بلند ترین علمی مقام کا جائزہ اور حیرت انگیز علمی اور کائناتی انکشافات

سورۃ النجم (۵۳) حسب ذیل الفاظ میں ہے۔

والنجم اذا ہوی○ ما ضل صاحبکم وما غوی○ وما ینطق عن الھوی○ ان ھو الا وحی یوحی○ علمہ شدید القوی○ ذو مرۃ فاستوی○ وھو بالافق الاعلی○ ثم دنا فتدلی○ فکان قاب قوسین او ادنی○ فاوحی الی عبدہ ما اوحی○ ما کذب الفواد ما رای○ افتمرونہ علی مایری○ ولقد راہ نزلۃ اخری○ عند سدرہ المنتہی○ عندھا جنتہ الماوی○ اذ یغشی السدرہ ما یغشی○ ما زاغ البصر وما طغی○ لقد رای من ایت ربہ الکبری○ افرء یتم اللت والعزی○ و منوۃ الثالثتہ الاخری○ الکم الذکر ولہ الانثی○ تلک اذا قسمتہ ضیزی○ ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم و اباء کم ما انزل اللہ بھا من سلطن ط ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس ج ولقد جاء ھم من ربھم الھدی○ (۵۳: ۱-۲۳)

(اے زمین کے بے خبر بسنے والو اور اے چھوٹے سے افق پر سے کائناتِ بیکراں کا محدود تماشا کرنے والو! بامِ آسمان کا وہ بلندیوں پر ٹوٹ کر فضائے آسانی میں) ملیا میٹ اور غائب ہو جانے والا ستارہ اس امر کی گواہی دے رہا ہے کہ تمہارا ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تو راہ راست سے بھٹک گیا اور نہ (کچھ) بہک گیا ہے۔ وہ (زمین و آسمان کے جو (حقائقِ عالیہ تمہارے سامنے) بول رہا ہے اپنی خواہشِ نفسانی سے نہیں بولتا (بلکہ) وہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ (آسمانی) وحی اور خدائی آواز ہے جو اس پر نازل کی جا رہی ہے۔ اس کو (یہ سب حقائق) انتہائی قوتوں والے خدا نے خود سکھلائے ہیں جو بڑا زور آور ہے۔ پھر وہ (اس علم کے زور اثر سے) قائم اور مستحکم ایسی حالت میں ہو گیا ہے کہ وہ (مشاہدے اور تحقیق کی ایک بہت بلند سطح پر سے کائناتِ جہاں کا تماشا کر رہا ہے) پھر وہ (آہستہ آہستہ خدا سے) نزدیک تر ہوتا گیا پھر نزدیک تر ہوتے ہوئے اس نے عاجزی کی (حتیٰ کہ وہ خدا کے پاس) بقدر دو کمان کے فاصلے بلکہ اس سے بھی کم ہو گیا۔ تو جب وہ اس ذوق و شوق، اس حلم و عجز، اس استعداد و دریافت کے آخری مرحلوں تک پہنچ چکا) تب کہیں ایزدِ بیمثال نے اپنے بندے پر وہ بات وحی کی جو تم لوگوں پر ظاہر کی جا رہی ہے (بے خبر اور ناشناس لوگو!) محمدؐ نے جو کچھ دیکھا اس کے متعلق اس کے ذہن سلیم نے کوئی دھوکا نہیں دیا۔ تو کیا تم اس شے کے سچ ہونے پر اس سے جھگڑ رہے ہو جو اس نے (بہ چشم خود) دیکھی حالانکہ بالتحقیق اس نے وہی شے (ذہن پر اترنے کے علاوہ) دوسری مرتبہ (عرش اکبر سے بطور وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی جو سدرۃ المنتہی (یعنی انتہائی علم و خبر) کے پھل دار درخت کے پاس ہے اور جس کے قریب ہی جنت الماوی (یعنی انسانی خلق و نجات کی آخری پناہ) واقع ہے (ہاں دوسری دفعہ نازل ہوتے اس وقت دیکھی) جب کہ اس سدرۃ المنتہی پر (خدائے ذوالجلال کا نور) اس طرح پر چھا رہا تھا جس طرح کہ وہ چھایا ہوا تھا۔ اس کیفیت کو مشاہدہ کرتے وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ نہ بہکی نہ بھٹکی اور بے شک اس نے اپنے پروردگار کے عظیم و ثقیل کنایوں اور اشاروں کو (جو اس سے پہلے اس کے ذہن نے محسوس کئے تھے بچشم خود دیکھا تو (اے لوگو!) کیا تم نے اللات

Marfat.com

(یعنی ان کی مادہ دیوی) اور العزی (یعنی عزت والی دیوی اور ایک اور تیسری (دیوی) مناۃ کی طرف غور کیا ہے (جو کافروں نے پوجنے کے لئے بنا رکھی ہیں) تو (ان کو کہو کہ) تم آپ تو مذکر بنے بیٹھے ہو اور خداؤں کے لئے صرف مونث بنا (رہ گیا) ہے۔ اگر یہ بات ہے تو یہ نہایت نامنصفانہ تقسیم ہے (ارے یہ دیویاں اور بت جو تم گھڑ کر بیٹھے ہوئے ان کو پوج رہے ہو) یہ تو صرف نام ہی نام ہیں۔ جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں۔ خدا نے تو ان کے ہونے کی کوئی سند اتاری نہیں۔ یہ لوگ تو صرف وہم و گمان کا تتبع کر رہے ہیں یا اس کا جو ان کے نفس چاہتے ہیں۔ درانحالیکہ ان کو ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے۔

ام للانسان ماتمنی○ فلله الاخرته والاولی○ وکم من ملک فی السموات لاتغنی شفا عتھم شیا الا من بعد ان یاذن الله لمن یشاء و یرضی○ ان الذین لایومنون بلاخرته لیسمون الملئکته تسمیته الانثی○ وما لھم بہ من علمہ ان یتبعون الا الظن ج وان الظن لایغنی من الحق شیئا○ فاعرض عن من تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیواته الدنیا○ ذالک مبلغھم من العلمہ ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہٖ وھو اعلم بمن اھتدی○ ولله ما فی السموات ومافی الارض لا لیجزی الذین اساء وا بما عملوا ویجزی الذین احسنوا بالحسنی○ الذین یجتنبون کبئر الاثم والفوا حش الا اللممہ ان ربک واسع المغفرۃ ھو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض واذ انتم اجنته فی بطون امھتکم ج فلاتزکوا انفسکمہ ھو اعلم بمن اتقی○ (۵۳:۲۴-۳۲)

کیا انسان کو جو کچھ اس نے (خواہش نفسانی سے) چاہا مل بھی گیا) تو انجام اور ابتدا سب اللہ کے اختیار میں ہے اور کتنے ہی فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش (انسان کے حق میں) کچھ نہ کر سکی ماسوا اس کے کہ خدا نے جس کے متعلق مناسب سمجھ لیا جس کے عمل پر راضی ہو گیا اس کے بارے میں سفارش کا حکم دیا۔ وہی لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (اور یہی سمجھتے ہیں کہ بالآخر کچھ بھی نہ ہو گا) وہ ضرور (فرشتوں اور خداؤں) کے زنانہ نام رکھتے ہیں حالانکہ ان کو اس کے متعلق کوئی چشم دید علم اور حقیقت میسر نہیں۔ وہ صرف وہم و گمان کا تتبع کرتے ہیں اور گمان تو کبھی حقیقت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا تو (اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) تو ان لوگوں سے دور ہو جا جو ہماری یاد سے روگردانی کریں اور سوائے دنیاوی زندگی کی لذتوں سے ان کی ارادت اور کسی شے سے نہ ہو۔ لے دے کے ان کے علم کی پہنچ یہاں تک ہی ہے اور تیرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے بتائے ہوئے راستے سے بھٹک گیا اور کس نے ہدایت اختیار کی۔ اور (اے ساکنان زمین توجہ سے سنو! کہ) جو کچھ زمین میں ہے' سب کی سب خدا نے اپنی ملکیت اس لئے بنا رکھی ہیں کہ خدا انہی چیزوں میں سے بری چیزیں بطور سزا ان لوگوں کو دے جنھوں نے برے عمل کئے اور انہی چیزوں میں سے اچھی چیزیں سب کی سب بطور انعام ان لوگوں کو دے جو عمدہ اعمال کر کے تحسین و آفرین کے مستحق ہوئے یہ وہ لوگ ہیں جو اس کائناتِ فطرت میں بڑی بڑی غلطیوں اور بد اعمالیوں سے (ماسوا چھوٹی چھوٹی لغزشوں کے) بچتے رہتے ہیں (اور فطرت کو ان سے انتقام لینے کا موقع نہیں دیتے کیونکہ بے شک تیرا پروردگار بڑی وسیع حد تک

Marfat.com

انسانوں کی معمولی واماندگیوں پر پردہ ڈالتا رہتا ہے اور وہ تمہاری اہلیتوں سے پورے طور پر خبردار اس وقت سے ہے جبکہ اس نے تمہاری پیدائش کی ابتدا مٹی (میں رہنے والے خلیات) سے کی اور اس وقت سے خوب جانتا ہے جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں چھوٹے سے بچے تھے' تو اب اپنے آپ کو بڑے پاکیزہ نہ بناؤ۔ وہ ربِ زمین و آسمان خوب جانتا ہے کہ کون اس کے قانون سے خوفزدہ ہے۔

افرایت الذی تولی○ واعطی قلیلا واکدی○ اعندہ علم الغیب فھو یری○ ام لم ینبا بما فی صحف موسی○ وابراھیم الذی وفی○ الا تزز وازرۃ وزر اخری○ وان لیس للانسان الا ماسعی○ وان سعیہ سوف یری○ ثم یجزئہ الجزاء الاوفی○ وان الی ربک المنتھی○ وانہ ھو اضحک وابکی○ وانہ ھو امات واحیا○ وانہ خلق الزوجین الذکرو والانثی○ من نطفۃ اذا تمنی○ وان علیہ النشاۃ الاخری○ وانہ ھو اغنی واقنی○ وانہ ھو رب الشعری○ وانہ اھلک عادن الاولی○ وثمودا فما ابقی○ و قوم نوح من قبل انھم کانوا ھم اظلم واطغی○ والموتفکۃ اھوای○ فغشھا ما غشی○ فبای الاء ربک تتماری○ ھذا نذیر من النذر الاولی○ ازفت الازفۃ○ لیس لھا من دون اللہ کاشفۃ○ افمن ھذا الحدیث تعجبون○ وتضحکون ولا تبکون○ وانتم سامدون○ فاسجدوا للہ واعبدوا○ (۵۳:۲۶-۳۳)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا تو نے اس شخص پر نظر کی جو تم سے پھر گیا اور تھوڑا سا مال دے کر پھر پتھر کی طرح سخت ہو گیا۔ کیا اس کے پاس علمِ غیب ہے جس کو دیکھ کر (کہتا ہے کہ مجھے کوئی سزا نہ ملے گی) کیا اس کو اس بات کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں دی گئی تھی یا اس ابراہیم کے صحیفوں میں جس نے اپنے عمل سے اطاعتِ خدا کا حق پورا پورا ادا کر دیا۔ اور وہ (انتہائی طور پر اہم اور عالم آرا خبر یہ تھی کہ اس کائناتِ فطرت میں) کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا (اور کسی دولت مند کی دولت اس کے گناہوں کا بوجھ اٹھا نہ سکے گی اور دوسری خبر یہ تھی کہ) انسان کو ہرگز کچھ نہ ملے گا مگر بقدر اس کے جس کے حاصل کرنے کی اس نے کوشش کی (جس قوم نے یہ عظیم الشان سبق سیکھ لئے وہ زندہ ہو گئی!)' نیز یہ کہ اس کی کوشش کا امتحان لامحالہ کیا جائے گا اور پھر اس امتحان کے بعد اس کوشش کی جزا اس کو پوری کر دی جائے گی اور انہی صحیفوں میں ہم نے واضح کر دیا تھا کہ) بے شک ہر انسان کی انتہا تیرے پروردگار تک ہے اور بالتحقیق وہی ہے جو انسان کو خوشحال اور بدحال کرتا ہے اور وہی قوموں کو ہلاک کرتا ہے اور زندہ رکھتا ہے اور وہی بالتحقیق ہے جس نے (سب حیوانوں میں) نر و مادہ کے جوڑے منی کے قطرے سے پیدا کئے جو شرمگاہ میں گرائی جاتی ہے اور بالتحقیق دوسری بار زندہ کرنے کا ذمہ دار بھی وہی ہے اور بے شک وہی ہے جو کسی قوم کو مالا مال اور اندوختوں سے سرمایہ دار کرتا ہے اور بے شک وہی پروردگار ہے شعری ستارے کا (جس کی پرستش کافر کرتے ہیں) اور درحقیقت وہی ہے جس نے پرانے زمانے کی قوم عاد کو ہلاک کیا اور ثمود قوم کا نشان تک نہ چھوڑا اور اس سے پہلے نوح کی قوم کو کہ وہ بڑی ظالم اور بڑی سرکش قوم تھی اور (قوم لوط کی) الٹی ہوئی بستیوں کو ہلاک کر مارا اور اس پر بے مثال تباہی چھا گئی۔ تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے پروردگار کی کونسی نعمت کے متعلق شک کرتے ہو۔ یہ محمد صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم بھی پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے (تو لوگو! یاد رکھو) آنے والی (سزا) ضرور آ پہنچے گی اور خدا کے سوا کوئی اس کو ہٹانے والا نہ ہو گا۔ تو یہ کافر لوگ ان باتوں سے جو ہم بیان کرتے ہیں متعجب ہو جاتے ہیں اور پھر ان باتوں کا مخول اڑاتے ہیں اور روتے نہیں درآنحالیکہ تم لوگ غفلت کے مارے ہوئے ہو۔ تو لوگو! خدا کے آگے جھک جاؤ اور اس کے غلام بن جاؤ۔

علامہ مشرقیؒ لکھتے ہیں :-

"اس سورت (سورۂ نجم) میں جو کلئے قانون فطرت کے بیان کئے گئے ہیں اس قدر عظیم الشان ہیں کہ ان کو قوموں کی قسمت کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جانا چاہیے۔ سب سے بڑا عظیم الشان اعلان اس سورت میں یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے (یعنی کروڑوں اور اربوں میل دور کے ستارے بشمولیت چاند اور مریخ وغیرہ سب کے سب انسان کے لئے اس کے حسن عمل کی پاداش میں بطور انعام کے رکھے ہیں اور انسان پر لازم ہے کہ صحیفہ فطرت کی پورے طور پر تسخیر کرے (اب تک کی تحقیق سے سائنس دانوں کو یقین ہو چکا ہے کہ مریخ پر ذہین تر مخلوق موجود ہے) ان تمام اشیاء کا جو پیدا کی گئی ہیں مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ انسان ان کو اپنے قابو میں لائے' ان کو مسخر کرے' اپنے سعی و عمل کی جزا کے طور پر ان انعاموں کو اپنے قبضے میں کرے۔ صحیفہ فطرت کے بارے میں قرآن عظیم کا یہ محاکمہ اس قدر مبہوت کن' اس قدر بلند پایہ' اس قدر دور رس اور اس قدر حیات افزا ہے کہ ابھی صرف چند برس ہوئے کہ روس اور امریکہ کسی حد تک اس عظیم الشان نصب العین کی لم تک پہنچے ہیں اور وہ بھی غالباً اس وقت جب کہ میں ۱۹۵۱ء سے انسان کے واحد نصب العین اور مقصد پیدائش کائنات کی لم کے متعلق سائنس دانوں کی دنیا میں مسلسل چیخ پکار پیدا کر رہا ہوں اور آٹھ برس سے سائنس دانوں کی دنیا میں میرے خط (باب ہشتم (۸) ملاحظہ ہو) کے متعلق ایک ہیجان برپا ہے بلکہ یورپ کی حکومتیں میرے اس خط کے خلاف مخالفت کا طوفان پیدا کر رہی ہیں۔ الغرض اس سورت میں انسانی علم اور نباء کا وہ نایاب ذخیرہ موجود ہے جو انسان کے لئے سعی و عمل کی راہ ہزاروں برس تک پیدا کر سکتا ہے!"

(۸) سورۃ الطارق میں پہلی ہیجان انگیز عالم آرا کائناتی حقیقت کا اعلان

والسماء والطارقo وما ادراک ما الطارقo النجم الثاقبo ان کل نفس لما علیها حافظo فلینظر الانسان مم خلقo خلق من ماء دافقo یخرج من بین الصلب والترائبo انه علی رجعه لقادرo یوم تبلی السرائرo فماله من قوة ولا ناصرo والسماء ذات الرجعo والارض ذات الصدعo انه لقول فصلo وما هو بالهزلo انهم یکیدون کیداo واکید کیداo فمهل الکفرین امهلهم رویداo (۸۶:۱۷) (الطارق)

آسمان (کی بیکراں فضا) گواہ ہے اور (آسمان میں) رات کے وقت نمودار ہونے والا "طارق" شہادت دے رہا ہے اور (اے محمدؐ!) تو کیا جانتا ہے کہ "طارق" کیا ہے؟ طارق ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ (تو آسمان اور طارق دونوں اس امر کے گواہ ہیں کہ اس کائناتِ جہاں میں) کوئی متنفس نہیں مگر یہ کہ اس پر کوئی نہ کوئی اس کی نگہداشت کرنے والا (مقرر) ہے۔ تو اس (اہتمام) کے بعد انسان کو لازم ہے کہ وہ غور کرے کہ وہ کس (گندی اور ناپاک) شے سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو اچھل اچھل کر پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں سے

Marfat.com

(پیشاب کی نالی سے ہو کر) نکلتا ہے تو سب سے زیادہ توجہ دینے کی بات یہ ہے کہ یہی انسان اس پانی کو واپس لوٹانے (اور کسی باعزت اور قابل فخر طریقہ سے پیدا ہونے) پر بے شک و شبہ قدرت رکھتا ہے (بشرطیکہ وہ اس کے متعلق صحیح جدوجہد کرے)۔ (اگر انسان نے ایسا نہ کیا اور وہ اپنی کوشش سے طریق پیدائش کے بدلنے پر قادر نہ ہوا تو جس دن کائناتِ فطرت کے عظیم الشان بھید (جن کی بنا پر علاوہ اور لاتعداد باتوں کے انسان کی پیدائش اس شرمناک طریقے سے مقرر کی گئی ہے) کھول دیئے گئے۔ اس دن انسان کے پاس کوئی طاقت نہ ہو گی (کہ اپنے طریق پیدائش کو بدلے) اور نہ ہی کوئی اس کا مددگار ہو گا اور یہ آسمان جو اس "واپس لوٹانے" یعنی "الرجع" کے فعل کا (جس کا ذکر اوپر ہوا) مالک ہے اس امر کا گواہ ہے اور یہ زمین (مختلف قسم کی) توڑ پھوڑ (پر قادر ہو کر انسان کو نئی راہیں سمجھانے کی ضامن ہے' گواہ ہے کہ بے شک (جس شے کی طرف انسان کی خاص توجہ اس وحی میں دلائی گئی ہے وہ شے' ایک فیصلہ کن قول ہے (جو اس لائق ہے کہ انسان اپنی تمام تر توجہ اس "رجع" پر "قادر" ہونے کی طرف لگا دے اور قرنوں اور صدیوں تک اس دھن میں لگا رہے) اور یہ کوئی ہنسی مخول کی یا بے ہودہ بات نہیں۔ بے شک یہ کافر عرب (آئے دن) کوئی نہ کوئی مکر کرتے رہتے ہیں (کہ اسلام کی روشنی کو اچک لیں) اور میں ان کے خلاف اپنا مکر کرتا ہوں جس سے ان کی تمام مکاریاں مات ہو جاتی ہیں۔ اے محمدؐ تو کچھ دنوں تک ان کافروں کو مہلت دے (پھر دیکھنا ان کی گت کیا بنتی ہے اور ان حقائق کی تلاش کی طرف لگ جا اور اپنے پیرودں کو لگا دے تاکہ وہ کائنات کا راز پالیں اور بہتر مخلوق بننے کی طرف ارتقا کریں)۔

مندرجہ ترجمہ اور مفہوم پیش کرتے ہوئے علامہ مشرقیؒ اعلان کرتے ہیں۔ "اس انتہائی طور پر دقیق اور پر از معانی سورت کا جس میں علم اور خبر کا دریائے بے کراں بہ رہا ہے اور جس کے یہ چند الفاظ ہی اہلِ علم اور دنیا کے بڑے سے بڑے سائنس دان کے لئے قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا قطعی ثبوت ہو سکتے ہیں' کوئی اور ترجمہ کرنا سوائے اس کے جو میں نے اوپر کے الفاظ میں کیا ہے' یا اس سے کوئی اور مطلب لینا سوائے اس کے جو میں نے ظاہر کیا ہے' یا اول سے آخر تک اس کو کسی اور طرح مربوط المطالب کرنا سوائے اس کے جس طرح پر میں نے کیا ہے' میرے اور ہر سلیم الذھن شخص کے نزدیک نا ممکن ہے۔ اس سورت میں **انہ لقول فصل○ وماھو بالھزل○** کے الفاظ کا وارد ہونا (یعنی یہ کہ جو بات اس سورت میں کہی گئی فیصلہ کن قول ہے اور یہ کوئی ہنسی ٹھٹھے کی بات نہیں کہ انسان اپنی شرمناک پیدائش کا طریقہ بدل سکتا ہے اگر وہ جدوجہد کرے) اس شے کی دلیل ہے کہ اس سورت کے اندر کوئی عظیم الشان علمی سبق ہے جو بنی نوع انسان کو اس کی آئندہ بہتری کے لئے دیا جا رہا ہے اور جس سبق کی تکمیل میں انسان قرنوں اور صدیوں تک لگا رہے گا۔"

بعثت کے چوتھے برس کے وسط میں غالباً یہ سورت نازل ہوئی.اور اس وقت تک قرآن کی صرف پندرہ سورتیں نازل ہوئی تھیں' بہر نوع ان پندرہ سورتوں میں جو اس وقت تک نازل ہوئیں یہ سورت انسانی علم میں ایک شاندار اضافہ ہے جس کی حقیقت اس وقت تک یورپ اور امریکہ بہ شمولیت روس) ایٹم بم کے ایجاد ہونے کے بعد بھی نہیں سمجھے اور ابھی تک ان کے دماغوں میں یہ بات نہیں آتی کہ انسان کیونکر اپنی پیدائش کے موجودہ شرمناک طریقے سے (جو مرد اور عورت کی دو نہایت ناپاک جگہوں کے ملنے اور عورت کی ناپاک جگہ سے نکلنے سے ہوتی ہے) نکل کر کسی پاکیزہ طریقے کی طرف آ سکتا ہے (تاکہ خدا سے دو بدو ملاقات کا اہل بنے) اور اپنے اعضا میں کیونکر

یہ انقلاب خود انسان اپنی جدوجہد سے پیدا کر سکتا ہے۔ قرآن حکیم پہلی آسمانی کتاب ہے جس میں خدا نے انسان کو کئی بار گندے اور ناپاک پانی سے پیدا ہونے کا طعنہ دیا۔ یہ طعنے حسب ذیل آیتوں میں ہیں اولم یر الانسان انا خلقنا من نطفته فاذا ھو خصیم مبین○ وضرب لنا مثلا و نسی خلقه (۳۶:۷۷-۷۸) خلق الانسان من نطفته فاذا ھو خصیم مبین○(۱۶:۴) ایحسب الانسان ان یترک سدی○ الم یک نطفته من منی یمنی○ (۷۵:۳۶-۳۷) الم نخلقکم من ماء مھین○ (۷۷:۲۰) وغیرہ۔ ان طعنوں کو پیش نظر رکھ کر خدا نے اس سورۂ الطارق میں واضح کر دیا کہ انسان اس ذلت سے فی الحقیقت نکل کر صحیح معنوں میں اشرف الخلق ہی نہیں بلکہ پاکیزہ خلق ہو سکتا ہے۔

(۹) سورہ نوح میں اعلان کہ خدا کے قانون پر ملازموں والا عمل اور اطاعت امیر بادشاہت زمین دیتا ہے۔

سورۂ نوح (۷۱)

اس سورت میں حضرت نوح کی اپنی قوم کی طرف پیغام اور قوموں کے قیام و استحکام کے اصولوں کو حسب ذیل الفاظ میں واضح کیا گیا ہے تاکہ مسلمانانِ مکہ کے لئے باعث تذکیر و اعتبار ہوں۔

قال یقوم انی لکم نذیر مبین○ ان اعبدو اللہ واتقوہ واطیعون○ یغفرلکم من ذنوبکم و یوخرکم الی اجل مسمی ط ان اجل اللہ اذا جاء لا یوخر لو کنتم تعلمون○ (۷۱:۲-۴)

نوح نے اپنی قوم کو کہا کہ لوگو! میں تمہیں ہلاکت کے عذاب سے کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں۔ (تمہاری سلامتی کی شرط یہ ہے کہ) خدا کی اطاعت اختیار کر لو اور اپنے سب اعمال میں اس کا کھٹکا ہر دم لگائے رکھو اور (مجھے) اپنا امیر سمجھ کر میرے احکام کی اطاعت کرو۔ (اگر یہ تین چیزیں کر لو گے تو) خدا (تمہارے پچھلے) گناہوں پر پردہ پوشی کرے گا اور تمہاری قوم کو ایک وقت مقرر تک قیام و استحکام عطا فرما کر برقرار رکھے گا کیونکہ اگر تم کو اس بات کا علم ہوتا تو ضرور سمجھ لیتے کہ اللہ کی دی ہوئی مدت جب ختم ہو جاتی ہے تو اس کو لمبا نہیں کیا جا سکتا۔

فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا○ یرسل السماء علیکم مدرارا○ ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انھرا○ (۷۱:۱۰-۱۲)

پھر (اے پروردگار عالم!) میں نے اپنی قوم کو کہا کہ اے لوگو! (ملازمتِ خدا اور خوفِ خدا اور اطاعتِ امیر کرنے کے بعد) اپنے پروردگار سے اپنے پچھلے گناہوں کی پردہ پوشی کی درخواست کرو کیونکہ بے شک خدا بڑا درگذر کرنے والا ہے۔ (اگر یہ کرو گے تو) خدا تم پر (آسودگی اور خوشحالی کا) موسلا دھار مینہ برسائے گا اور تمہیں مال و اولاد کو (فراغت سے) دے کر تمہاری مدد کرے گا اور (زمین کی بادشاہت اور سلطنت سے تمہیں نواز کر) تمہیں جنت (باغات) اور انھار (دریا) عطا کرے گا۔ (یہاں صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ **جنت تجری من تحتھا الانھار** کے الفاظ جو بار بار قرآن میں آتے ہیں اور جن سے اکثر مسلمان آخرت کا جنت مراد لیتے ہیں سے خدا کا مقصود آخرت کا جنت نہیں بلکہ اس زمین پر بادشاہت اور اس کی وراثت ہے)۔

مالکم لا ترجون للہ وقارا○ و قد خلقکم اطوارا○ (۷۱:۱۳-۱۴)

Marfat.com

اور اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خدا سے (مزید) عزت کی امید نہیں رکھتے حالانکہ وہی خدائے عظیم ہے جس نے تم کو ایک پیدائش سے دوسری پیدائش میں بدل کر پیدا کیا ہے (یعنی لاکھوں اور کروڑوں برس کے ارتقا کے بعد ادنیٰ درجے کی مخلوق سے آہستہ آہستہ بلند کر کے بالآخر انسان کی اشرف الخلق نوع تک پہنچایا ہے) تو اس غیر معمولی عزت افزائی کے بعد تم کیوں امید نہیں رکھتے کہ وہ تمہیں اور بلند تر مخلوق بنا دے گا۔

واللہ انبتکم من الارض نباتاo ثم یعید کم فیھا ویخرجکم اخراجاo (۷۱:۱۷-۱۸)

اور اے لوگو! خدا نے بنی نوع انسان کو اسی طرح اگایا ہے جس طرح کہ زمین سے درخت اگتا ہے۔ (یعنی جس طرح درخت کی جڑ ایک اور مشترک ہوتی ہے اور وہ اوپر جا کر شاخیں بن جاتی ہیں اسی طرح انسان کی پیدائش ایک تنے سے اس درخت کی بلند ترین شاخ کی پیدائش کی طرح ہے) پھر وہ خدا اس بلند پیدائش کو (اس کے مرنے کے بعد) مٹی میں واپس کر دیتا ہے اور پھر اسی مٹی سے ہی بار بار انسانی نسل نکالتا (یعنی پیدا کرتا) ہے۔

اس عظیم الشان سورۃ میں (۱) خدا کی پیہم ملازمت اختیار کر کے اس کے احکام پر عمل کرنا (اعبدوا اللہ) (۲) اپنے ہر فعل کو خدا کا کھٹکا اور خوف دل میں رکھ کر کرنا جس طرح کہ ملازم کو اپنے آقا کا کھٹکا لگا رہتا ہے' (واتقوہ) (۳) اپنے امیر کی جو جماعت پر مقرر ہو اطاعت بے چون و چرا کرنا (واطیعون) وہ اعمال ہیں جن سے اس امت کا روئے زمین پر قیام و استحکام یقینی اور متحقق ہو جاتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو پہلے دو عملوں سے مراد فی الحقیقت قانونِ فطرت پر عمل ہے۔ سورۃ کے دوسرے حصے میں کہا گیا ہے کہ اگر تم خدا سے اپنے قصوروں اور غفلتوں پر پردہ پوشی کی طلب کرو گے (گویا دوسرے معنوں میں اگر تم خدا کے قانون پر حتی الوسع چلتے رہو گے اور جان بوجھ کر نافرمانی نہ کرو گے) تو خدا قوت کا موسلادھار مینہ تم پر برسائے گا اور تم کو بادشاہتِ زمین عطا کرے گا جس کے باعث تمہارے مال و اولاد میں کثرت ہو گی۔

سورۃ کے تیسرے حصے میں ایک عظیم الشان اور عالم آرا علمی حقیقت بیان کی گئی ہے وہ یہ کہ جس خدا نے تمہیں پیدائش کے ادنیٰ درجوں (یعنی حیوانات) سے بلند درجوں تک لے جا کر انسان بنایا کیا تم ایسے خدا سے مزید عزت افزائی کی امید نہیں رکھتے۔ گویا یہ کہ نوع انسان کا ارتقا ابھی اس سے بلند درجوں تک ہونے والا ہے۔ چوتھے حصے میں اسی حقیقت کی وضاحت دوسرے طریقے سے کی ہے۔ وہ یہ کہ انسان کو خدا نے ایک درخت کی مانند زمین سے اگایا جو ایک تنے سے پیدا ہوتا ہے گویا انسان حیواناتِ زمین کی مختلف شاخوں میں سے جو ایک ہی سلسلہ توالد و تناسل سے پیدا ہوئے بلند ترین شاخ ہے۔ پھر وہی انسان مٹی میں رل مل کر معدوم ہو جاتا ہے اور پھر بار بار درخت کی مانند بلند ترین شاخ پر اگتا ہے۔

(۱۰) سورۂ الدھر میں حیات افروز اعلان کہ انسان خدا کی طرح سمیع اور بصیر ہو سکتا ہے۔

اس سورۃ میں ایک اور عالم آرا حقیقت کے بیان کرنے کے بعد جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے کفار کے لئے جہنم کی آگ اور ابرار (نیک لوگوں) یعنی مسلمانانِ مکہ کے لئے جنت کی نعمتیں' لباس حریر' مرفہ الحالی کی زندگی' سندس اور استبرق کے کپڑے' لذیذ اور پاکیزہ مشروبات' خدمت کے لئے نوجوان اور خوبصورت غلام' چاندی اور شیشے کے برتن اور آفتابے' پہننے کے لئے چاندی کے کنگن الغرض ہر ممکن نعمتیں اس لئے ارزانی کی جائیں گی کہ یہ لوگ یتیم اور مسکین اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ یہ سب منظر ظاہر ہے کہ اس قوم کا

Marfat.com

ہے جس کو زمین کی بادشاہت ملی ہو اور مقصد مسلمانانِ مکہ میں اسی تخیل کو مختلف طریقوں سے پیدا کرنا تھا تاکہ وہ میدانِ قتال میں کفار مکہ کو پچھاڑ کر رہیں اور سرزمین عرب پر قبضہ کریں۔ اسی لئے تاکید سے کہا کہ یہ تمام نعمتیں تمہاری ان کوششوں کے بدلے میں دی جائیں گی جن کا خدا کی طرف سے شکریہ ادا کیا جائے گا۔ **ان هذا كان لكم جزاء و كان سعيكم مشكورا** ○ (۲۲:۷۶) بلکہ کہا۔ **واذا رايت ثم رايت نعيما و ملكا كبيرا** ○ (۲۰:۷۶) (یعنی اے محمدؐ! جب تو ان نعمتوں کی طرف دیکھے گا اور پھر غور کرے گا تو تجھے معلوم ہو گا کہ ان کو (نعمتیں ہی نہیں بلکہ) ایک عظیم الشان سلطنت دی جا رہی ہے! **وجزاهم بما صبروا جنة و حريرا** (۱۲:۷۶) یعنی یہ جنت اور ریشمی لباس اس استقلال کی جزا ہے جو انہوں نے (کافروں سے قتال کرتے وقت) دکھایا تھا۔ الغرض اس سورۃ کے نزول تک' جو ۵ نبوی کے شروع میں تھا جبکہ کافر مسلمانوں کو دردناک ایذائیں دے رہے تھے اور ابھی تک حضرت عمرؓ بھی اسلام نہ لائے تھے' مسلمانوں کے سامنے خدائی دستور العمل یہ تھا کہ یتیموں' مسکینوں اور قیدیوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے تاکہ مسلمانوں میں رحم کے جذبے پیدا ہوں اور قوم کا بنیادی اخلاق بے کس مجبور اور مقہور انسانوں پر شفقت کرنا ہو۔ اسی سورۃ میں کچھ نرم سا حکم خدا کو صبح اور پچھلے پہر "یاد" کرنے کا بھی دیا ہے۔ **واذكر اسم ربك بكرة واصيلا** ○ (۲۵:۷۶) بلکہ اس حکم کے ساتھ **ومن اليل فاسجد له و سبحه ليلا طويلا** ○ (۲۶:۷۶) کا حکم بھی ہے یعنی رات کے ایک حصہ میں بھی خدا کے آگے جھک جا اور اس کی تقدیس لمبی راتوں میں کر۔ یہ سب کچھ کہا لیکن باقاعدہ پنج وقتہ نماز کا حکم بطور فرض ابھی نازل نہ ہوا تھا۔ مذکورہ بالا مضامین پر مشتمل اس سورت کو مسلمانوں کے ایک طبقہ نے مکی کہا ہے اور بعض مسلمان کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے لیکن مذکورہ بالا مضامین سے ظاہر ہے کہ اس سورت میں مکی رنگ غالب ہے اور تعلیم بھی وہی ہے جو پہلی مکی سورتوں میں دی گئی ہے۔ جرمن مستشرق نولڈکے نے بھی غالباً اسی بنا پر اس کو مکی کہا ہے لیکن سب سے زیادہ لائق توجہ اس سورت میں وہ عظیم الشان علمی حقیقت ہے جو سورۃ کے شروع میں ذیل کے الفاظ میں ہے۔

> **هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذ كورا○ انا خلقنا الانسان من نطفته امشاج نبتليه فجعلنه سميعا بصيرا** ○ (۷۶:۱-۲)
>
> کیا زمانہ میں (جو لاکھوں اور کروڑوں برس سے چل رہا ہے) انسان پر کوئی ایسا وقت بھی آیا تھا جب کہ وہ (اپنی پیدائش کے ابتدائی مراحل میں صرف ایک خوردبینی جرثوم اور خلیہ تھا بلکہ) کوئی قابل ذکر شے ہی نہ تھا؟ (پھر جب انسان کو ان خلیات کے اجتماع و استعمار سے اعلیٰ مخلوق یعنی مچھلیوں اور پرندوں اور چوپاؤں میں تبدیل کیا تو) درحقیقت ہم نے اس کو مرد اور عورت کے ملے جلے نطفے سے (ذی ہوش و حواس مخلوق (اس لئے) بنایا کہ ہم اس کا امتحان لیں اور آزمائش کریں کہ وہ میرے بنائے ہوئے صحیفہ فطرت کو کس حد تک سمجھتا اور اس سے کس قدر فائدہ اٹھاتا ہے)۔ تو پھر ہم نے انسان کو (خدا کی طرح) بہت ہی بڑا سننے والا اور بہت ہی بڑا دیکھنے والا بنا دیا!

انسانی علم کی تمام بنیاد سمع اور بصر پر ہے اور انسان کے متعلق یہ کہنا کہ اس کو سمیع اور بصیر ہونے کے خدائی اوصاف دیئے گئے ہیں لامحالہ اس تخیل کی طرف لے جاتا ہے کہ ایک نہ ایک دن انسان اپنے سمع اور بصر میں اتنی ترقی کرے گا کہ وہ تمام کائنات پر قبضہ کر لے گا درانحالیکہ وہ ناقابل ذکر شے کے ارتقا سے پیدا ہوا تھا' قرآن عظیم کی یہ حیرت انگیز آیتیں انسان کو صدیوں تک راہ دکھاتی رہیں گی اور ان کو انتہائی سعی و عمل کے لئے تیار کرتی رہیں گی۔

(۱۱) سورۃ الدخان میں پہلی بار اعلان کہ صحیفہ فطرت واحد حقیقت ہے۔

Marfat.com

سورۃ الدھر کے بعد سورۃ الدخان (۴۴) نازل ہوئی۔ یہ سورۃ بھی اسی رنگ میں ہے جس رنگ کی سابقہ دو سورتیں ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کو پے در پے دھمکیاں دے کر عذاب الٰہی سے ڈرانا زیادہ اس وجہ سے تھا کہ ان کے مسلمانوں پر مظالم کم نہ ہوتے تھے۔ ادھر مکہ کے مسلمانوں سے بار بار وعدہ کرنا کہ وہ عنقریب امن اور آرام کی جگہ حاصل کریں گے اور خوبصورت عورتوں سے ان کا نکاح کر دیا جائے گا' وہ سندس اور استبرق کے ریشمی لباسوں میں ملبوس ہوں گے' ہر نئی وحی اور ہر نئے وعدے پر ان کا حوصلہ بلند کرتا ہو گا اور ایک سچے رسول سے بار بار یہ خدا کے وعدے سن کر ان کے دلوں میں نئے حوصلے موجزن ہوتے ہوں گے۔ اس میں شک نہیں کہ رسول کے ساتھی ہر نئی وحی پر اس کا مضمون کافروں تک ضرور پہنچاتے ہوں گے اور کافروں کے دلوں میں ضرور تذبذب پیدا ہوتا ہو گا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پروردگار کے بالمقابل ان کا کوئی بت ایسا نہیں جو ان دھمکیوں کا جواب ترکی بہ ترکی دیتا جائے۔ اس لحاظ سے ایک ہی مضمون کی وحی کا بار بار تحکم سے آنا خواہ وہ جماعت کتنی ہی بے بس اور بے کس ہو نفسیاتی اثر ان طبیعتوں پر ضرور کرتا ہو گا جن کے خدا سینکڑوں کی تعداد میں ہو ہوا کر خاموش تھے اور کافروں سے بن نہ پڑتی تھی کہ وہ رسول صلعم کے بلند بانگ دعووں کو جواب دے کر باطل کر دیں۔ قرآن حکیم میں بعض مضامین کے تکرار کی وجہ سوائے اس وجہ کے نہیں ہو سکتی جو اوپر بیان ہوئی اور آج کل کے مسلمانوں کا اس تکرار کو دیکھ کر قرآن سے بیزار ہو جانا دراصل اسی وجہ سے ہے کہ ان کو اس تکرار کی وجہ معلوم نہیں رہی اور یہ بھی معلوم نہیں رہا کہ کسی مضبوط عمارت کی بنیادیں اسی وقت ہل سکتی ہیں کہ کدال سے اس عمارت کو پے در پے ایک ہی طرح کی ضربیں لگائی جائیں حتیٰ کہ وہ عمارت دھڑام سے زمین پر آگرے۔ اس سورت میں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ جنت کا لفظ جس کے غلط معانی مسلمانوں نے آخرت کے جنت کے لے کر اسلام کو اخروی' اور دنیا کے لئے بیکار مذہب بنا دیا ہے اور اسی لئے انتہائی سرعت سے زوال کی طرف جا رہے ہیں' بار بار قرآن میں زمین کی بادشاہت کے لئے استعمال ہوا ہے چنانچہ حسب ذیل آیات میں جنت کا لفظ خالفتہ" فرعون کی سلطنت کے متعلق استعمال ہوا ہے جس کو اس جابر بادشاہ نے حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں آکر ہارا تھا۔

کم ترکوا من جنت و عیون○ و زروع و مقام کریم○ و نعمۃ کانوا فیھا فکھین○ کذالک و اورثنھا قوما اخرین○ فما بکت علیھم السماء والارض وما کانوا منظرین○ (۴۴:۲۵-۲۹)

(تو لوگو!) فرعون کی قوم نے کتنے ہی جنت اور چشمے چھوڑے اور کتنی کھیتیاں اور نہایت باعزت مکانات اور محل تھے جن سے نکال دئے گئے اور کتنے سازو سامان نعمت کے تھے جس میں مزے اڑاتے تھے۔ ہاں ایسا ہی ہوا اور ہم نے دوسری قوم کو ان کا وارث بنا دیا پھر نہ ان پر آسمان نہ زمین روئے اور ایک پل کی مہلت ان کو نہ دی گئی۔

دوسرا انتہائی توجہ کے قابل مضمون جو اس سورت میں ہے حسب ذیل آیات ہیں۔

وما خلقنا السموات والارض وما بینھما لعبین○ ما خلقنھما الا بالحق ولکن اکثرھم لا یعلمون○ (۴۴:۳۸-۳۹)

اور (لوگو!) ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو (کروڑ در کروڑ ستارے اور سیارے) ان دونوں کے درمیان ہیں) کھیلتے کھیلتے نہیں بنایا ہم نے ان کو نہیں پیدا کیا مگر یہ کہ وہ ایک مستقل حقیقت ہیں لیکن انسانوں میں سے اکثر اس کا علم نہیں رکھتے۔

ان عظیم الشان آیات کی قدر و قیمت جن میں دنیا کی تمام آسمانی اور زمینی کتابوں کو چھوڑ کر پہلی بار انسان کے سامنے صحیفہ فطرت کی

Marfat.com

دریافت کے بارے میں انسان کی صدیوں کی بے مثال جدوجہد' انتہائی تکلیف اور بے مثال کوشش کے بعد اعلان کیا گیا ہے کہ دنیا میں صرف ایک شے ہے جو حقیقت ہے اور وہ حقیقت صحیفہ فطرت ہے' واضح ہے۔ آج تک ہزاروں سالوں سے انسان کے لاتعداد مقاتلے مجاہدے اور مباحثے صرف اس بات پر رہے ہیں کہ "حقیقت کیا ہے" اور کروڑ در کروڑ بلکہ ارب در ارب انسان صرف اس بات پر کٹ مرے ہیں کہ سچائی کس فریق کے ساتھ تھی۔ ہر قوم اپنے آپ کو سچائی پر اور اپنی مدِ مقابل قوم کو جھوٹی قرار دیتی رہی ہے اور لا تعداد جھگڑوں اور جنگوں کے بعد بھی اب تک فیصلہ نہ ہو سکا کہ سچائی کیا شے تھی۔ قرآن عظیم نے دنیا کے تمام نظریات' تمام دعاوی' تمام ڈھکوسلوں' تمام منطقوں اور بحثوں کو بالائے طاق رکھ کر دھڑلے سے یہ محاکمہ دیا کہ اس کائنات جہاں میں صرف ایک سچائی ہے جو صحیفہ فطرت ہے' اس کے سوا کوئی دوسری ہرگز نہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک نہیں چودہ بار صرف اس شے کو جو اس کی آنکھ (بصر) دیکھے' اس کے کان (سمع) سنیں اور اس کا ذہن (فواد) سمجھے' حقیقت سمجھے' اس کے سوا ہر شے جو دنیا میں ہے باطل ہے' ظن و گمان ہے' بچ اور حقیقت نہیں۔ ہزار ہا سال کے مسلسل زوال کے بعد جب انگلستان کے مشہور فلسفی بیکن نے ساڑھے تین سو برس ہوئے' سچائی کی اس تعریف کا اعلان کیا جس کا اعلان قرآن نے ایک ہزار برس پہلے کیا تھا' تب کہیں برسوں میں یورپ میں نشاۃ ثانیہ (Renaiscence) یعنی دوبارہ عروج شروع ہوا جو اس وقت تک اس کو حاصل ہے۔ اس وقت تک یورپ عجیب و غریب طرح کی ظنیات اور توہمات میں مبتلا تھا اور ان کے باعث ایک قدم آگے نہ بڑھ سکا تھا۔ اب مسلمانوں کے زوال کی بھی یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام امت فرقہ پرستی' پیر پرستی' ملائیت اور صوفیائیت وغیرہ وغیرہ کے توہمات اور ظنیات میں مبتلا ہے اور اس کو علم نہیں رہا کہ قرآن حکیم نے حقیقت کی کیا تعریف کی ہے!

(۱۴) آخری مکی سورہ الرعد میں انسان کی پروردگار عالمین سے برابری کی ملاقات کا ہیجان خیز اعلان لعلکم بلقاء ربکم توقنون کے ذہن انگیز الفاظ سے مساویانہ ملاقات کا نظریہ! فطرت کے مزید حیران کن مظاہر' کفار کے اعتراضات کا جواب۔

نوے عدد مکی سورتوں میں سے سب سے آخری سورت' سورہ الرعد (۱۳) ہے جو ۱۳ نبوی کے اخیر میں نازل ہوئی۔ اس سورت کے متعلق مسلمان مفسروں میں اختلاف ہے۔ بعض اس کو مکی کہتے ہیں اور اکثر اس کو مدنی قرار دیتے ہیں لیکن اس سورۃ کا رنگ تمام تر مکی ہے اور اسی وجہ سے مستشرق نولڈکے نے اس کو مکی سورتوں کی فہرست میں سب سے اخیر نمبر پر درج کیا ہے۔ اس سورت میں عمداً کوئی اشارہ مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا نہیں تاکہ کفار مکہ خبردار نہ ہو جائیں اور رکاوٹ بنیں لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ اس وقت تک مدینہ میں دین اسلام کے مبلغ گروہ پیدا ہو چکے تھے اور مکہ والوں کی مدینہ کی طرف ہجرت کے عنوان کم از کم مدینہ میں نمایاں ہو چکے تھے۔

انتہائی طور پر لائق غور و خوض آیت جس کو مفصل کا خطاب دیا گیا ہے۔

سب سے پہلی لائق غور بات اس سورت میں یہ ہے کہ پھر زیادہ تفصیل سے واضح کر دیا ہے کہ یہ کار خانہ قدرت ایک وقت مقرر

تک چل رہا ہے اور اس وقتِ مقرر کے اندر اندر انسان کے ذمے کوئی اہم فرض عائد ہے جس فرض کے پورا ہونے کے بعد لقائے رب یعنی ملاقاتِ خدا کا عظیم الشان واقعہ رونما ہونے والا ہے یہ قابل غور الفاظ حسب ذیل ہیں۔

(ا) اللہ الذی رفع السموات بغیر عمد ترونھا ثم استوی علے العرش و سخر الشمس والقمرؕ کل تجری لا جل مسمیؕ یدبر الامر یفصل الایت لعلکم بلقاء ربکم توقنون○ (۲:۱۳)

خدا وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر کسی ستون کے بلند کیا جنہیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو (کہ گردش کر رہے ہیں اور ایک دوسرے پر نہیں گرتے)۔ پھر (آسمانوں کو اس طرح مضبوط بنانے کے بعد) وہ عرش پر جم کر بیٹھا (ہوا اس حیرت انگیز نظام کو نہایت دھڑلے سے چلا رہا) ہے اور اس نے سورج اور چاند کو (اپنی تجویز و تدبیر کا انتہائی سختی سے پابند بنا کر) مقید کر رکھا ہے۔ یہ سب کارخانہ قدرت ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے۔ وہ قانون فطرت (الامر) کی تجویز و تدبیر مکمل طور پر کر رہا ہے اور آیات خدا کو کھول کھول کر اس لئے بیان کرتا ہے کہ تم کو وقت مقرر کے بعد اپنے پروردگار سے ملاقات کے متعلق (جو ایک نہایت ہی عظیم الشان واقعہ ہو گا) پورا یقین ہو جائے (اور تم اس وقتِ مقرر کے اندر اندر خدا کا وہ مقصد پورا کر سکو جس مقصد کے لئے اس نے اتنے بڑے کارخانے کو پیدا کیا)۔

رب زمین و آسمان سے ملاقات کا صرف یہ مقصد بتلانا کہ اس دن نافرمانوں کو سزا ملے گی کچھ بھلا معلوم نہیں دیتا اور کارخانہ فطرت کے قائم رہنے کی ایک مدت مقرر کرنے کے بعد اس مہلت کو بے مقصد قرار دینا یا اس مہلت کا مقصد نری سزا یا نری جزا دینا بھی کوئی بڑی جوش دلانے والی بات نظر نہیں آتی۔ البتہ **توقنون** اور **ربکم** کے الفاظ سے اخذ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے پروردگار سے اس کے کسی مقصد کے پورا ہو جانے کے بعد مساوی درجہ پر روبرو ملاقات اور اس کے ساتھ برابری کی دوستی ہو جانے کا یقین دلانا ہے۔ اس بلند اور عظیم الشان درجہ کو حاصل کرنے کے لئے صرف "نیک عمل" دنیا میں کرنا یا بڑے "پرہیز گار" بنے رہنا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا اور نہ ان معمولی سے افعال سے خدا، جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بنایا، جس نے سورج کے زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑے کرے کو اپنے حکم کے ماتحت قیدی کی طرح مقید کر کے لاکھوں اور کروڑوں برس سے مسخر کیا ہوا ہے، اس پر راضی ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کو اپنے سے برابری کی ملاقات کا درجہ دے دے اور پھر اس مقررہ مدت کے بعد بلکہ اس کارخانہ قدرت کے پورے طور پر فنا ہو جانے کے بعد اس انسان کو اپنا دائمی دوست بنا لے۔ اس لحاظ سے جب تک انسان سے ایسے ہی عظیم الشان کام، جو اس آیت میں خدا نے اپنے متعلق فخراً بیان کئے ہیں (مثلاً آسمانوں کو بغیر ستونوں کے کھڑا رکھنا، کائنات کی حکومت کے تخت پر جم کر بیٹھ جانا، سورج اور چاند جیسے عظیم الشان کروں کو مسخر کر لینا وغیرہ وغیرہ) ہاں ایسے بڑے بڑے کام انسان سے سرزد نہ ہو جائیں اور انسان بھی اتنا ہی صاحب طاقت نہ ہو جائے جس قدر کہ خدا نے اپنی روح اس میں پھونکی ہے، سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ خدا کیونکر ایسے انسان سے ملاقات گوارا کرے گا جس کو اس نے خود ناپاک نطفہ منی سے پیدا کیا، جس کی پیدائش کی جگہ عورت کی پیشاب کی جگہ کو قرار دیا، جس کے متعلق وہ بار بار قرآن عظیم میں کہتا ہے کہ ہم نے اس کو گندے پانی سے پیدا کیا اور اب وہ ہمارا کھلا دشمن ہے۔ **فاذا ھو خصیم مبین○** (۷۷:۳۶) (۴:۱۶)

اس آیت میں پورے طور پر غور و خوض کرنے کے بعد صاف اخذ ہوتا ہے کہ جب تک انسان کی حکومت پورے صحیفہ کائنات کے کونے کونے تک نہ پہنچے گی اور وہ پوری کائنات کو جو ارب در ارب میلوں تک پھیلی ہوئی ہے از خود مسخر کر کے **استوی علی العرش** کا

Marfat.com

مصداق خود نہیں ہوتا ملاقات رب اس کو مقرر مدت اور اجل مسمی کے بعد میسر نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر تسخیر کائنات انسان کی اس زمین پر زندگی کا واحد مقصد ہے اور کوئی دوسرا نتیجہ اس آیت سے یا کئی اور دوسری آیتوں سے جو اس طرح کی ہیں اخذ نہیں ہو سکتا۔

(۱۳) سورۂ فاطر میں ملائکہ کی حقیقت کا اعلان اور دیگر عظیم الشان علمی حقائق کا اعادہ کارخانہ فطرت ایک مقررہ مدت تک ہے!

سورۂ فاطر (۳۵) سب سے پہلے ملائکہ کی حقیقت کو حسب ذیل الفاظ میں واضح کیا۔

الحمد لله فاطر السموات والارض جاعل الملئكة رسلا اولى اجنحة مثنى وثلث وربع يزيد فى الخلق مايشاء ان الله على كل شئى قدير○ (۳۵:۱)

سب تعریف کا سزاوار وہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا خدا ہے جس نے ملائکہ (یعنی ان عظیم الشان ربانی قوتوں کو جو کائنات کے انتظام میں لگی ہیں اور جو اس کائنات کے ہر محکمے کے نظام کو قانونِ قدرت کے احکام کے مطابق چلا رہی ہیں) کو دو دو، تین تین، چار چار "پروں" والا بنایا (گویا ان کے فرائض کے مطابق ان کو کئی مختلف پروں (یعنی قوتوں) کا مالک بنایا تاکہ نظام صحیح طور پر چل سکے)۔ وہ خدا اپنی پیدائش میں جو شے مناسب سمجھتا ہے زیادہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ درحقیقت ہر بات کو (عمدہ طور پر سرانجام دینے پر) قادر ہے۔

پھر کہا کشائش اور تنگی خدا کے اختیار میں ہے (کیونکہ قوموں کے عمل پر موقوف ہے) کوئی رازق سوائے خدا کے نہیں۔ دنیا کی ترغیبیں تمہیں دھوکا نہ دیں اس لئے مسلسل سعی و عمل میں لگے رہو۔ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ کافر سخت عذاب سے دو چار ہوں گے۔ تم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) صبر کرو۔ کہیں ان کفارِ مکہ پر افسوس کرتے کرتے تمہاری جان ہی غم میں ہلاک نہ ہو جائے۔ خدا کو سب کچھ علم ہے جو یہ مکار تمہارے خلاف کر رہے ہیں۔ **فلا تذهب نفسك عليهم حسرت ان الله عليم بما يصنعون○** (۳۵:۸) جس طرح بادل کے پانی سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح قومیں ہدایت کے ترشح سے زندہ ہوتی ہیں۔ سب نیک عمل خدا کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عملوں والی قوم کو خدا ہی بلند کرتا ہے۔ خدا ہی نے مٹی کے دوربینی جراثیم سے تمہاری پیدائش کی ابتدا کی پھر نطفہ سے تمہاری پیدائش کی۔ اب جو بچہ ماں کے پیٹ میں ہے اس کا علم صرف خدا کو ہے اور اگر کوئی کافی عمر کے بعد بوڑھا ہوتا ہے اور کسی کی عمر گھٹ جاتی ہے تو وہ سب کچھ ایک کتاب میں لکھا ہے (یعنی قانون فطرت کے مطابق جو رہتا ہے اس کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے جو فطرت کے گناہ کرتا رہتا ہے وہ جلد مرجاتا ہے)۔ وہ خدا رات اور دن کا سلسلہ جاری رکھتا ہے اور اسی لئے اس نے سورج اور چاند کو تمہارے نفع کے لئے مسخر کیا اور یہ سب سلسلہ ایک مقرر مدت کے لئے ہے (**كل يجرى لاجل مسمى** (۳۵:۱۳) پھر انسان کی انتہائی محتاجی اور قانون فطرت کے سامنے اس کی بے بسی کو زیادہ واضح کرنے کے لئے یہ خطرناک محاکمہ دے دیا کہ اگر تم انسان سرکشی کرو گے اور اس کے حکموں کے آگے سر تسلیم خم نہ کرو گے تو خدا وہ بے نیاز خدا ہے کہ وہ یہاں تک بھی کر سکتا ہے کہ تم سب بنی نوع انسان کو جو اربوں افراد پر مشتمل ہے اور خدا کی سب سے زیادہ شریف پیدائش ہے یک بار اچک کر لے جائے اور تمہاری جگہ اس زمین پر ایک نئی مخلوق بسا دے اور یہ شے اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ **يايها الناس انتما الفقراء الى الله والله هو الغنى الحميد○ ان يشا يذهبكم ويات بخلق جديد○ وما ذالك على الله بعزيز○** (۳۵:۱۵-۱۷)

Marfat.com

پھر کہا کہ اندھے اور آنکھوں والے برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح زندے اور مردے برابر برابر نہیں ہو سکتے۔ نہ تو مردوں کو اپنی بات سنا سکتا ہے۔ ہم نے تجھ کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا برحق بنا کر بھیجا اور کوئی امت نہیں جس میں ہم نے اپنا ڈرانے والا رسول نہ بھیجا ہو۔ اور اگر تجھے یہ جھٹلاتے ہیں تو غم نہ کرو۔ اس سے پہلے کے رسول بھی جھٹلائے گئے پھر دیکھو ان کا حشر کیا ہوا۔ **وما یستوی الاعمی والبصیر ولا الظلمت ولا النور○ ولا الظل ولا الحرور○ وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور ان انت الا نذیر○ انا ارسلناک بالحق بشیرا و نذیرا و ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر○ و ان یکذبوک فقد کذب الذین من قبلھم جاء تھم رسلھم بالبینت و بالزبر و بالکتب المنیر○ ثم اخذت الذین کفروا فکیف کان نکیر○** (۳۵:۱۹-۲۶)

پھر ایک انتہائی حیرت انگیز علمی حقیقت حسب ذیل الفاظ میں بیان کی کہ خدا سے صحیح معنوں میں ڈرنے والے وہی لوگ ہیں جو عالمانِ فطرت ہیں۔ تم جا کر کوئلہ کی کانیں زمین میں دیکھو وہ تمہارے لئے فائدہ مند ہوں گی :-

الم تر ان اللہ انزل من السماء ماءج فاخرجنا بہ ثمرات مختلفا الوانھاج ومن الجبال جدد بیض و حمر مختلف الوانھا وغرابیب سود○ ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانہ کذالکط انما یخشی اللہ من عبادہ العلموء اط ان اللہ عزیز غفور○ (۳۵:۲۷-۲۸)

کیا تو نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی کہ خدا نے آسمان سے پانی اتارا' پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور (ملاحظہ کرو) کہ پہاڑوں میں سفید اور سرخ مختلف رنگوں کے طبقے ہیں' نیز بھجنگ کالے (یعنی وہاں پر تلاش کرو) اسی طرح ہر انسانوں اور جانوروں میں بھی مختلف رنگوں والی قسمیں ہیں اور یہ ایک امرواقع ہے جو اسی طرح پر ہے (کذالک)۔ (اگر حقیقت کی نظر سے دیکھو تو) خدا کے بندوں میں سے صرف عالم (یعنی صحیفہ فطرت کا بغور مطالعہ کرنے والے لوگ) ہی صحیح معنوں میں ڈرنے والے ہیں۔ بے شک خدا بڑا ہی صاحب غلبہ و عزت اور بڑا ہی صاحبِ عفو و درگزر ہے یعنی قصور وار امتوں کی غفلتوں پر پردہ ڈالنے والا ہے۔

اس آیت کے سیاق اور سباق سے صاف ظاہر ہے کہ ازروئے قرآن علما جس لفظ کا اطلاق آج کل دین اسلام کے مولویوں یا مفسرین قرآن پر نہایت مضحکہ انگیز طور سے ہو رہا ہے (اور جس مفہوم کے سوا کوئی دوسرا مفہوم علما کے متعلق مسلمان کے ذہن میں بھی نہیں آتا) صرف وہی لوگ ہیں جو خدا کے اتارے ہوئے آسمان کے پانیوں' زمین کے پھلوں کے مختلف رنگوں' پہاڑوں کے مختلف رنگوں کے طبقوں' کوئلہ کی بھجنگ کالی کانوں' انسان کی زمین پر مختلف رنگوں کی نسلوں' جانوروں کی ہزار ہا مختلف رنگوں کی قسموں کا غور سے مطالعہ کر کے اس صحیفہ فطرت کے فاطرِ اعظم کے کمالِ علم' انتہائی قوت اور اس کے اٹل قانون سے خوف زدہ رہتے ہیں اور اس مطالعہ فطرت کے بعد ان کے بدن کے رونگٹے خوف خدا سے کھڑے رہتے ہیں اور اس خوف خدا کے باعث ہی ان کا نبی اسرائیل کے انبیا سے مشابہ ہونا بجا ہے کیونکہ علم و خبر کی انتہا ہی ان کے اندر وہ خشیت خدا اور تفہیم قانونِ خدا پیدا کر دیتی ہے جو انبیا علیہم السلام کا خاصہ تھی۔ مفسرین یا مولوی صاحبان کو علما کا لقب دینا یا ان کو تعظیما" ربنا" مولانا (ہمارا خدا) کہنا (جو لفظ قرآن حکیم میں خالصتہ" خدائے عزوجل کے لئے مخصوص ہے) حقیقت کا منہ چڑاتا اور قوم کی انتہائی جہالت کی دلیل ہے!

پھر انہی دھمکیوں میں اس سورت کو ختم کیا اور آخر میں کہا کہ اگر اللہ انسانوں کو گرفت کرنے لگتا تو ایک جاندار چیز اس روئے زمین پر باقی نہ چھوڑتا لیکن یہ سب کچھ ایک وقت مقرر تک ہے۔ جب وہ آ پہنچا تو کوئی رعایت نہ ہو گی اور سب تہس نہس کر دیے جائیں

Marfat.com

گے۔

(۱۴) سورہ کہف کے پہلے رکوع میں حسب ذیل عظیم الشان حقیقت کا اعلان ہے جو صدیوں تک بنی نوع انسان کا لائحہ عمل بن کر رہے گا۔

انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لہا لنبلوہم ایہم احسن عملا○ وانا لجاعلون ما علیہا صعیدا جرزا○ (۱۸:۷-۸)

(اے بنی نوع انسان) در حقیقت ہم نے معدنیات' جمادات اور نباتات وغیرہ کے) جو (بے شمار خزانے (زمین پر یا اس کے اندر) پیدا کئے ہیں' زمین کے لئے بطور زیور کے بنائے ہیں۔ (اس طرح اشیا کے پیدا کرنے کا) مقصد یہ ہے کہ ہم انسانوں کا امتحان لیں کہ ان میں سے کون سی قوم ان کا بہترین استعمال کر کے ان کو زمین کا زیور بناتی ہے اور ہمارے نزدیک حسن عمل کرتی ہے اور یقین جانو کہ (انسان اس زمین پر ان خزانوں سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کی غرض سے اس قدر لگاتار محنت کرے گا کہ) ہم اس زمین پر جو جگہ اونچی ہے اس کو (انسان سے تہ و بالا کر کے بالآخر) چٹیل میدان کر کے رہیں گے۔

یہاں صاف لفظوں میں قرآن کا حسن عمل (**عملو الصلحت**) یہ ہے کہ انسان اس زمین کو پورے طور پر آراستہ پیراستہ رکھے اور اس کی ہر شے کو اس قدر مفید عام کر دے کہ وہ شے اس زمین کا زیور بن جائے۔ دنیا کی سب زندہ قومیں روز اول سے اسی جدوجہد میں لگی ہیں لیکن قرآن اعلان کرتا ہے کہ ضرور ایک نہ ایک دن انسان زمین کے اندر کے تمام دفینوں اور معدنیات کو جو بالعموم پہاڑوں میں ہوتے ہیں سطح پر لا کر اپنے استعمال میں لائے گا اور زمین کی اونچ نیچ برابر کر کے اس کو چٹیل میدان بنا دے گا۔

سورۂ انشقاق میں (جو ترتیب نزول کے اعتبار سے ۲۹ ویں وحی ہے زمین کی اونچ نیچ کے برابر ہونے کے بعد لازمی طور پر انسان کی خدا سے ملاقات ہونے کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں ہے۔

واذا الارض مدت○ والقت مافیہا وتخلت○ واذنت لربہا وحقت○ یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملقیہ○ (۸۴:۳-۶)

اور جب (پیہم انسانی کوشش کے باعث) زمین کو (تہ و بالا ہونے کی وجہ سے) برابر کر دیا جائے گا اور وہ زمین (سب خزانوں کو) جو اس میں ہیں الٹ دے گی اور خالی ہو جائے گی اور وہ بھی (آسمان کی طرح) اپنے پروردگار کا حکم مانے گی جو اس کے لئے سزاوار ہے (اس وقت) اے انسان! توفی الحقیقت (اپنے ہزاروں سالہ عمدہ عمل سے جو صحیفہ فطرت کی دریافت کے متعلق کر رہا ہے) سخت کوشش کر رہا ہو گا کہ اپنے سعی و عمل کے زور پر (**کدحا**) اپنے پروردگار سے ملاقات کرے تو (ضرور ہے کہ تو) اس سے ملاقات کرنے والا ہو جائے گا۔

ان دونوں سورتوں کے الفاظ کی بنا پر غالب یہ ہے کہ یہ زمین کے ہموار ہو جانے کا وقت وہ وقت ہو گا کہ انسان زمین کے تمام وسائل ختم کر کے مزید وسائل کی تلاش میں زمین سے باہر کے ارب در ارب کروں پر اپنا قبضہ جمائے گا اور صحیفہ فطرت کی پوری تسخیر کر کے اپنے پروردگار سے برابری کی ملاقات کرنے کا حقدار ہو گا!! (فتدبر)

(۱۵) سورۃ الفاتحہ کے الفاظ کا صحیح ترجمہ

سورۃ الفاتحہ (۱) قرآن حکیم کی پہلی سورت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کے چوتھے سال کے اخیر میں یہ سورت نازل ہوئی۔ اس کا مضمون قریباً ہر مسلمان جانتا ہے لیکن مفہوم یہ ہے کہ سب جہانوں کا پروردگار قابل صد ستائش ہے' اور وہ روز جزا و سزا کا مالک ہے' اے پروردگار! (اگرچہ ہم آج اس سورت کو ہر نماز میں پڑھتے ہیں اور جاہل لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم تیری عبادت کر رہے ہیں لیکن ہم اقرار کرتے ہیں کہ) ہم تیری ہی ملازمت کریں گے (اور چوبیس گھنٹے تیرا حکم ہی مانیں گے) اور تجھی سے مدد مانگیں گے۔ تو ہم کو اس سیدھی راہ پر لے جا جس راہ پر چل کر تو اپنے بندوں کو (بادشاہت کا) انعام دیتا ہے۔ ان لوگوں کی راہ پر نہ لے جا جن پر تیرا غضب نازل ہوا' نہ گمراہوں کی راہ پر لے جا۔ **اهدنا الصراط المستقیم○ صراط الذین انعمت علیهم○ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین○**

سورۃ الفاتحہ کا مقصد مسلمانوں کے سامنے بادشاہت اور غلبے کا نصب العین پیش کرنا تھا۔

اس سورت سے مقصد مسلمانوں کے آگے بادشاہت' سلطنت اور غلبے کا نصب العین رکھنا تھا اور غالب یہ ہے کہ یہ سورت ۴ نبوی کے اخیر میں نازل ہوئی۔ اگرچہ عام مسلمان اس سورت کو ۴ نبوی کے شروع میں رکھتے ہیں۔ اس وقت تک مسلمانوں کو "نماز" پڑھنے کا کوئی باقاعدہ حکم نہ ہوا تھا۔ نہ "عبادتِ خدا" کا وہ تخیل جو آج کل مسلمانوں میں کئی صدیوں سے رائج ہے کہ وہ خدا کی "پرستش" کرتے ہیں یا خدا کو پوجتے ہیں ان ایام میں تھا۔ اس وقت رسولِ خدا کے چند ساتھی صرف خدا کے سامنے اس کے بھیجے ہوئے حکموں کی پوری تعمیل کے علاوہ کھڑے ہو کر کچھ جھکا سا کرتے تھے اور کوئی "رکوع" اور "سجود" یا "قومہ) اور "قعدہ" مقرر نہ ہوئے تھے۔ موجودہ نماز کے متعلق عام طور پر مروی ہے کہ ۲۷ رجب ۱۰ نبوی کو یعنی سورۃ فاتحہ کے نزول کے چھ سال بعد جب کہ رسولؐ خدا ام ہانی کے گھر میں فروکش تھے حضرت جبرئیل آئے اور اس وقت پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم ہوا لیکن ظہر' عصر اور عشاء کی چار چار رکعتیں ا ہجری میں یعنی دس سال بعد فرض کی گئیں۔ اس بنا پر سورۃ الفاتحہ میں ایاک نعبد کے یہ معنی لے لینا کہ ہم تیری ہی "عبادت" کرتے ہیں۔ تجھے ہی "پوجتے" ہیں یا تیری ہی "نماز" پڑھتے ہیں انتہائی طور پر لغو اور مضحکہ انگیز ہے کیونکہ نمازی جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ خدا ہی کی "عبادت" کرتا ہے اور کسی دوسرے بت کی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اس لئے ایسا اقرار نماز کے اندر فضول ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ سورت نماز کے فرض ہونے سے دس برس پہلے نازل ہوئی اور اس وقت ایاک نعبد کے معنی جو اس وقت کے مسلمان لیتے تھے صرف یہ تھے کہ اے خدا! ہم تیرے ہی بندے بنیں گے اور تیری ہی ملازمت یعنی نوکری اختیار کریں گے اور چوبیس گھنٹے ایک ملازم کی طرح تیرے ہی حکموں کی تعمیل کریں گے۔ اس کے سوا کسی رسمی "عبادت" کا تخیل اس وقت مسلمانوں میں ہرگز نہ تھا۔ یہی خدا کا عملی طور پر "نوکر" بن جانا اور پھر ملازم ہو کر خدا کے بتائے ہوئے کام دن رات کرتے رہنا ان دنوں میں "مسلمان" بن جانے کے مترادف تھا۔
ان دنوں میں کہ مسلمانوں کو سخت ترین اذیتیں کافروں کی طرف سے دی جا رہی تھیں خدا نے مسلمانوں کو پہلے پہل بار بار یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کا سبق دیا تھا تاکہ آپس میں رحمدلی پیدا ہو' پھر مال کے دینے میں بخل نہ کرنے کا سبق دیا تاکہ ان میں قربانی مال کا جذبہ پیدا ہو' پھر کافروں کو عذاب اور سزا سے بار بار ڈرایا' پھر سورۃ مزمل میں دیر تک خدا کے حضور میں کھڑا رہنے سے منع کیا اور پہلی

Marfat.com

بار اشارہ کیا کہ اصل مقصد تو مسلمانوں کو کافروں کے قتال کے لئے تیار کرنا ہے' پھر زنا سے بچنے' امانتوں میں بد دیانتی نہ کرنا' سچی شہادت دینا' وعدوں اور اقراروں کو بہر قیمت پورا کرنے وغیرہ کا اخلاق سکھلایا تاکہ مسلمان بلند ترین کردار و نیات کے مالک ہوں اور وہ آگے چل کر بادشاہ زمین ہونے کے اہل ہوں۔ پھر دو تین بار خوبصورت عورتوں کے ملنے کا ذکر کیا تاکہ میدان جنگ سے قیدی عورتوں کے پکڑ کر لانے کی تیاری پیدا ہو' پھر کہا کہ ان عورتوں کو بیویاں بنانے کا حق ہے جن پر تمہارے دونوں ہاتھوں کے زور نے قبضہ کیا ہو **(ما ملکت ایمانکم)** گویا میدان جنگ سے لائی گئی ہوں۔ پھر کہا کہ ہلاکت ہو ان لوگوں پر جو کم تولتے ہیں اور گاہک کو دھوکہ دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ الغرض مکمل اور طاقتور مسلمان بننے کی اس تدریجی تعلیم کے بعد سورۂ فاتحہ میں یہ سبق دیا کہ اسلام کا صراط مستقیم وہ رستہ ہے جس پر چل کر بادشاہت زمین ملتی ہے۔ اور مسلمان کو کہا کہ خدا سے اس صراط مستقیم پر چلنے کی درخواست کر۔ دس برس بعد یہی سورت الفاتحہ نماز میں داخل کر دی گئی۔ گویا مسلمان کو کہا گیا کہ خدا کے آگے دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جا' اسی طرح جس طرح کہ کوئی سوالی کسی غنی سے کچھ مانگتا ہے ہاتھ باندھ کر مانگ' پھر اس بادشاہت کے لینے کی تڑپ میں اپنے گھٹنوں پر جھک جا' پھر اللہ کے پاؤں پڑنے کے لئے زمین پر اسی طرح سجدہ کر جس طرح کہ ایک فقیر بھیک لینے کے لئے کبھی دولتمند کے آگے جھکتا ہے' کبھی گھٹنوں کے بل ہو جاتا ہے' پھر اس کے پاؤں پڑتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ الغرض یہ سورۂ فاتحہ مسلمانوں کی بادشاہتِ زمین حاصل کرنے کا پہلا سبق تھا جو دیا گیا اور یہی قرآن کا بتایا ہوا الصراط المستقیم تھا! (تدبر)

(۱۶) رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے پہلا اعلان کہ میں تمام بنی نوع انسان کی طرف بھیجا گیا ہوں

قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموت والارض لا الہ الا ہو یحی و یمیت فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ و کلمتہ واتبعوہ لعلکم تہتدون○ (۱۵۸:۷)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ دو کہ اے لوگو! میں بے شک اللہ کا بھیجا ہوا رسول تم سب بنی نوع انسان کی طرف ہوں۔ وہ اللہ جس کی سلطنت آسمانوں اور زمین پر ہے اور کوئی حاکم سوائے اس کے نہیں' وہی زندہ رکھتا ہے وہی مارتا ہے تو لوگو! ایمان لے آؤ ایسے اللہ اور ایسے رسولِ امی پر جو خود بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے حکموں پر' اور اسی کی پیروی کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

رسول عربی کے تمام بنی نوع انسان کی طرف رسول ہونے کی کیا دلیل ہے :-

مکی وحی کی ۹۰ سورتوں میں سے ۸۷ سورتیں سورۂ الاعراف پر ختم ہوئی ہیں اور قریباً تیرہ برس کی دکھ بھری مدت کے بعد وحی کا اس سورت میں اعلان کہ "اے زمین کے باشندو! عرب کی بے آب و گیاہ اور غیر معروف سر زمین کا رہنے والا ایک غیر معروف' غریب اور بے کس فرد محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سب بنی نوع انسان پر خالقِ زمین و آسمان کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے"۔ آج فی الحقیقت ایک تعجب خیز اور ہیجان انگیز اعلان معلوم ہوتا ہے! اس اعلان سے قرن اول کے مٹھی بھر عرب مسلمانوں کے دلوں میں کیا ولولہ پیدا ہوا

Marfat.com

ہو گا یا ان کو کیا تسلی ہوئی ہو گی اس کا اندازہ کفارِ مکہ کے ان بے پناہ ظلموں سے ہو سکتا ہے جن کے باعث یہ چند لوگ چند مہینوں کے اندر اندر ہی مکہ سے اپنا بوریہ بستر اٹھانے پر مجبور ہو گئے تھے' یا اس سے ہو سکتا ہے کہ قرآن کے پیغام کے متعلق (اس کے زود فہم نہ ہونے کی وجہ سے) خود وحی نے بار بار کہا کہ اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو' اس پر سوچ بچار کیا کرو' اس کو ہم نے ٹھہر ٹھہر کر اتارا اس کا آسان حصہ پڑھ لیا کرو' وغیرہ وغیرہ لیکن آج جبکہ وہ عالم آرا اور ذہن انگیز حقیقتیں جو قرآن نے ان ۸۷ سورتوں میں الم نشرح کی ہیں ترقی زمانہ کے باعث روز بروز آشکارا ہو رہی ہیں اور قرآن کے قاری کو روز بروز یقین ہوتا جا رہا ہے کہ یہ وہ حقیقتیں ہیں جن پر بنی نوع انسان کے درخشاں مستقبل کا پورا انحصار ہے تو وہ اس اعلان کو کسی مجذوب کی بڑیا ایک جاہل اور بے علم قوم کے ایک فرد کی تعلی نہیں سمجھ سکتا بلکہ سوچ میں اپنی گردن بے اختیار جھکا لیتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے صرفِ نظر کر کے قرآن کا طالب علم پھر جب اس حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ کائناتی حقائق اور عالم آرا علمی مسائل جو قرآن نے ان سورتوں میں بیان کئے کسی عنوان سے عرب قوم کے غور و خوض کا سامان نہ بن سکتے تھے' اور یہ خدا کی بے نیازی کی ایک شان تھی کہ پیغام ایسا دیا جو آگے چل کر تمام بنی نوع انسان کو مجموعی طور پر مفید ہو سکتا تھا تو وہ طالب علم اس امر کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ قرآن کا پیغام صرف عرب قوم کی طرف ہرگز نہ تھا بلکہ تمام بنی نوع انسان کی طرف تھا اور یہ امر یقینی ہے کہ محمدؐ عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) پوری بنی نوع انسان کی طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول تھا۔

باب چہارم

ایمان اور عمل صالح کی تشریح

(حدیث القرآن سے ماخوذ)

امنوا و عملوا الصلحت کی مصداق کون اقوام ازروئے قرآن ہیں۔

قرآن حکیم کے مفہوم کے متعلق ایک ضروری تصریح امنوا وعملوا الصلحت کی قرآنی اصطلاح کی ہے جس کی یقینی تشریح ذہنوں میں موجود نہیں رہی۔ قرآن حکیم میں کم و بیش ۳۵ جگہوں پر امنوا و عملوا الصلحت کے الفاظ اجتماعی معنوں میں اور آٹھ جگہوں پر انفرادی نقطہ نظر سے آئے ہیں۔ ان موقعوں میں سے کئی ایسے ہیں جہاں اس اصطلاح کی خاص وضاحت اسی آیت میں ہے۔ کئی ایسے ہیں جہاں وضاحت تمام رکوع کے مطالعے سے ہوتی ہے اور بعض وہ موقع ہیں جہاں تمام سورۃ کو غور سے پڑھنے کے بعد عمل صالح کا قرآنی مفہوم کچھ کچھ واضح ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کے اس اہم معاملہ کو (بلکہ دراصل انسانی تخلوق کے اس بنیادی مسئلے کو) نہایت مختصر الفاظ میں یہاں پر بیان کر دیا جاتا ہے۔ یہاں پر چونکہ ازروئے قرآن فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ صحیفہ فطرت کے سوا اس کائنات میں کوئی دوسری حقیقت نہیں اس لئے ان تمام آیات کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے یکجا کر دیا جاتا ہے۔

(۱) وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا۔ ذالک ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار○ ام نجعل الذین امنوا وعملوا الصلحت کالمفسدین فی الارض؛ ام نجعل المتقین کالفجار○ (۳۸:۲۷-۲۸)

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے باطل اور جھوٹ پیدا نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں۔ پس حیف ہے ان لوگوں پر جو آخرت کے جہنم سے (جو ایسے لوگوں کی سزا ہو گی) منکر ہو گئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم ایمان اور عمل صالح والی قوموں کو (اس دنیا کو بے حقیقت سمجھ کر) زمین کو برباد کر دینے والوں کے برابر کر دیں یا خدا سے ڈرنے والی قوموں کو فاجر قوموں کے برابر سمجھ لیں۔

ان آیات سے قطعی طور پر واضح ہے کہ آسمان اور زمین کے اس کارخانہ کو باطل سمجھنے والے کافر، جہنمی، زمین میں فساد مچانے والے اور فاجر ہیں اور اس کو حقیقت سمجھ کر اس زمین میں امن پیدا کرنے والے ایماندار، عمل صالح کرنے والے متقی (یعنی خدا سے ڈرنے والے) ہیں اور یہ الفاظ اجتماعی حیثیت میں استعمال ہوئے ہیں۔ سورۂ عصر میں ہے۔

(۲) والعصر○ ان الانسان لفی خسر○ الاالذین امنوا وعملوا الصلحت و تواصوا بالحق وتواصوا بالصبر○ (۱۰۳:۱-۳)

یہ تمام زمانہ (جو تمہارے سامنے گزرا ہے یا گزر رہا ہے) اس امر کا گواہ ہے کہ درحقیقت انسان ضرور گھاٹے میں رہا مگر وہ قومیں جو ایمان لے آئیں اور جنہوں نے عمل صالح کئے اور (اس کارخانہ دنیا کی واحد) حقیقت کو پکڑ کر ایک دوسرے کی مدد کی اور انتہائی استقلال سے اس پر جمے رہے۔

یہاں گھاٹے کے لفظ سے ظاہر ہے کہ تمام انسانی بہبودی اور مرفہ الحالی کا دارومدار اس پر ہے کہ حقیقت کو پکڑ کر اجتماعی عمل اس پر ہو اور پھر پورا استقلال دکھایا جائے۔ مقام فطرت (باب دوئم) کے عنوان کے تحت قطعی طور پر ثابت کر دیا گیا ہے کہ صحیفہ فطرت کے

سوا ازروئے قرآن کوئی دوسری حقیقت نہیں اور صبر یعنی استقلال سے ظاہر ہے کہ صحیفہ فطرت کی مستقل حقیقت کو پکڑ کر اور پھر جم کر اس سے فائدہ اٹھانا ایمان اور عمل صالح ہے۔

(۳) لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم○ ثم رددنہ اسفل سافلین○ الا الذین امنوا وعملوا الصلحت فلھم اجر غیر ممنون○ فما یکذبک بعد بالدین○ الیس اللہ باحکم الحکمین○ (۹۵:۴-۸)

بے شک ہم نے انسان کو بہترین اعضاء کے سازو سامان کے ساتھ پیدا کیا پھر اس کو ان اعضا کے غلط ترین استعمال کی وجہ سے ذلت اور ادبار کے آخری گڑھے میں دھکیل دیا مگر وہ قومیں جو ایمان دار ہیں اور عمل صالح کی مرتکب ہیں ان کو بے کم کاست اپنے عمل کی اجرت (اس کارخانہ فطرت سے) ملے گی تو تم مجھے بتاؤ کہ (ایسے کھرے سودے کے بعد) کوئی اس دین کو کیا جھٹلائے گا۔ کیا خدا سب حاکموں کا حاکم نہیں (کہ وہ پورا اجر دے سکے)۔

یہی مربوط ترجمہ اس عظیم الشان سورۃ کو انسان کا دائمی اور حوصلہ افزا دستور العمل بنا سکتا ہے۔ انسان کے اعضا کی بہترین تقویم کا کوئی فائدہ انسان کو پہنچنا چاہئے ورنہ وہ تقویم بے معنی اور بے نتیجہ ہے اور وہی دین انسان کے لئے قابل قبول ہو سکتا ہے جس میں دنیاوی فائدہ بھی ہو اور عمل کی اجرت نقدا نقد اور پوری ملے۔ یہاں منطقی طور پر کہہ دیا کہ اگر "احسن تقویم" سے فائدہ اٹھاؤ گے تو اجر بے کم و کاست ملے گا ورنہ نہیں۔ سورۂ محمدؐ میں ہے۔

(۴) ا۔ والذین امنوا وعملو الصلحت و امنوا بما نزل علی محمد وھو الحق من ربھم کفر عنھم سیاتھم واصلح بالھم○ذالک بان الذین کفروا اتبعوا الباطل وان الذین امنوا اتبعوا الحق من ربھم○ (۴۷:۲-۳)

اور جو ایمان لے آئے اور عمل صالح کرتے رہے اور (بالخصوص) اس شے پر ایمان لائے جو محمدؐ پر اتاری گئی اور وہی شے ان کے رب کی طرف سے حقیقت ہے تو ایسے لوگوں کی دنیاوی بدحالی ان سے یقیناً ہٹ جائے گی اور ان کی دنیاوی حالت یقینی طور پر درست ہو جائے گی۔ یہ اس لئے کہ کافر لوگ تو باطل کی پیروی کرتے ہیں اور ایمان والے اپنے پروردگار کی طرف سے جو سچائی آئے اس کی متابعت کرتے ہیں۔

۲۔ ان اللہ یدخل الذین امنوا وعملو الصلحت جنت تجری من تحتھا الانھار والذین کفروا یتمتعون ویاکلون کما تا کل الا نعام والنار مثوی لھم○ (۴۷:۱۲)

بے شک خدا ایمان اور عمل صالح والی قوم کو ان سرسبز ملکوں میں داخل کر دیتا ہے جن میں دریا بہ رہے ہوں اور جو کافر قومیں ہیں وہ (اس کارخانہ فطرت سے) اتنا ہی فائدہ اٹھاتے اور اسی طرح ہی کھاتے پیتے ہیں جیسا کہ مویشی اور چارپائے (ان کی دنیاوی زندگی حیوانوں کی سی ہے) اور آگے چل کر ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

(۴۷:۱۲) والی آیت میں جنات کو آخرت کا جنت قرار دینا نا ممکن ہے کیونکہ مقابلہ کافروں کی ذلیل اور حیوانوں جیسی زندگی سے ہو رہا ہے۔ ان تمام آیتوں کو جو اوپر گذریں بغور دیکھنے سے ایک ہی نتیجہ واضح ہے کہ قرآن حکیم کے پیش نظر "حق" سے ایک ہی شے ہے وہ صحیفہ فطرت اور اس سے دنیاوی فائدہ اٹھانا ہے۔ (۱) میں کفر اور جنہم ان کو دیا جو فطرت کو باطل قرار دے۔ (۲) میں کہا کہ جب تک اس دنیا کو مضبوط نہ پکڑو گے گھاٹے میں رہو گے۔ (۳) میں کہا کہ تمہارے اعضا ہی اسی واسطے بہترین بنائے گئے کہ اس فطرت سے مکمل

Marfat.com

فائدہ اٹھاؤ اور گھاٹے میں نہ رہو۔ دین وہی ہے جو دنیاوی فائدہ بھی دے۔ (۴) میں صاف طور پر کہا کہ حقیقت کی طرف لگنے سے ہی دنیاوی حالت درست ہو سکتی ہے اور یہ صرف محمدؐ کے دین کی خصوصیت ہے۔ **اصلح بالھم** اور **کما تاکل الانعام** سے سوائے دنیاوی حالت کے درست یا برے ہونے کے کوئی دوسرا نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ (۴) ا۔ میں **کفر عنہم سیتاتھم** (یعنی ان کی دنیاوی بدحالی دور ہو گئی) اور (۴) ۲۔ میں **جنت تجری** (یعنی بادشاہت زمین) ہے۔ ان دونوں دنیاوی بہتری کی باتوں کو اور جگہ بھی عیاں کیا ہے اگرچہ یہاں خطاب انفرادی ہے اور فرد کو آمادہ کار کرنے کے لئے ہے۔

(۵) ومن یومن باللہ ویعمل صالحا یکفر عنہ سیاتہ ویدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ابدا○ ذالک الفوز العظیم○ (۶۴:۹)

اور جو شخص (بہ حیثیت فرد جماعت) خدا (کے احکام) پر ایمان رکھتا ہے اور (جماعت کے استحکام کو پیش نظر رکھ کر) مناسب اعمال کرتا ہے' تو (خدا) اس سے اس کی بدحالیاں دور کر دے گا اور اس کو ان باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے "نہریں" بہ رہی ہوں گی۔ پھر وہ (تمام قوم کی قوم) ان باغات میں (جب تک وہ قانون خدا پر عمل کرتے رہیں گے) ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ تو (دیکھ لو) یہ (کتنی) بڑی کامیابی ہے۔ (آیت کے پہلے حصے میں ایک فرد واحد کا ذکر اور آخری حصے میں جماعتی پیرائے میں اس کے عمل کا اجر صاف دلالت کرتے ہیں کہ اس کی انفرادی حیثیت بھی بطور فرد جماعت کے ہی ہے اور افراد کا **من حیث الجماعت** عمل ہی جماعت کو کامیابی تک پہنچاتا ہے)۔

اس طرح کے انفرادی خطاب سات آٹھ جگہ اور ہیں جو سہولت کے لئے یہاں پر لکھ دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ ان کا آپس میں مقابلہ کرنے سے قرآنِ حکیم کا حیرت انگیز تطابق واضح ہو۔

(۶) ا۔ ومن یومن باللہ ویعمل صالحا یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھار خلدین فیھا ابدا قد احسن اللہ لہ رزقا○ (۶۵:۱۱)

اور جو شخص (بہ حیثیت فرد جماعت) خدا (کے احکام) پر ایمان رکھتا ہے اور (جماعت کے استحکام کو پیش نظر رکھ کر) مناسب عمل کرتا ہے تو (خدا) اس کو (زمینی بادشاہت کے) باغوں میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے دریا بہ رہے ہوں گے۔ پھر وہ (تمام قوم کی قوم) ان باغات میں (جب تک وہ قانون خدا پر عامل رہیں گے) ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اس فرد کے لئے (جس نے یہ جماعتی عمل کیا) بے شک اللہ نے مال و نعمت تو خوب کر دی۔ (یہاں بھی آخری حصے میں اجر تمام جماعت کو ہے)۔

۲۔ ومن یعمل من الصلحت وھو مومن فلایخاف ظلما ولاھضما○ (۲۰:۱۱۲)

اور جو شخص (بھی بہ حیثیت فرد جماعت) مناسب اعمال میں سے کرتا جائے گا اس حالت میں کہ وہ (خدا کے احکام کے نفع مند ہونے کا) پورا قائل ہے تو اس کو کسی ظلم اور نہ کسی شکست کا خوف ہے۔

۳۔ فمن یعمل من الصلحت وھو مومن فلا کفران لسعیہ وانا لہ کاتبون○ (۲۱:۹۴)

اور جو شخص (بھی بہ حیثیت فرد جماعت) مناسب اعمال میں سے (حسب موقع) کرتا جائے گا درانحالیکہ اس

Marfat.com

کو (خدا کے احکام کے نفع مند ہونے کا پورا) یقین ہے تو اس کی (انفرادی) کوشش کی کوئی بے قدری نہ ہو گی اور ہم خود اس کے سعی و عمل کو لکھ لیں گے۔

۴۔ ومن یاتہ مومنا قد عمل الصلحت فاولٰئک لھم الدرجات العلٰی○ (۲۰:۷۵)

اور جو شخص بھی (خدا کے احکام کے پورے طور پر نفع مند ہونے کا) یقین کر کے (اس کی درگاہ میں مطیع ہو کر) آ جائے گا درانحالیکہ اس نے (جماعت) کے استحکام کو مد نظر رکھ کر) مناسب اعمال بے شک کئے ہوں، تو وہ (تمام قوم کی قوم) ہی ایسے لوگ ہیں جن کو بلند درجے (اس دنیا میں) نصیب ہوں گے۔ (یہاں بھی آیت کے آخری حصے میں اجر تمام جماعت کو ہے)۔

۵۔ وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحا ثم اھتدٰی○ (۲۰:۸۲)

اور بے شک میں (کمزوروں پر) پردہ ڈالنے والا ہوں اس شخص کے لئے جو (برے کاموں سے) روگردان ہو گیا اور جس نے (خدا کے احکام کے نفع مند ہونے پر) ایمان پیدا کر لیا اور مناسب اعمال کئے اور پھر وہ راہ راست پر لگ گیا۔

٦۔ فاما من تاب وامن وعمل صالحا فعسٰے ان یکون من المفلحین○ (۲۸:٦۷)

پھر جو شخص (بہ حیثیت فرد جماعت کسی برے کام سے) روگرداں ہو گیا اور اس نے (خدا کے احکام کے نفع مند ہونے پر) ایمان پیدا کر لیا اور مناسب اعمال (پھر شروع) کر دیئے تو عنقریب ایسے لوگوں کی تمام قوم کی قوم کامیاب ہونے والی قوموں میں سے ہو گی۔

۷۔ من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینہ حیوتہ طیبتہج و لنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون○ (۱٦:۹۷)

۷۔ جس شخص نے بھی خواہ وہ مردوں سے ہو یا عورتوں سے مناسب عمل (استحکام جماعت کی خاطر) کیا اس حالت میں کہ وہ (خدا کے احکام کے نفع مند ہونے پر) پورا یقین رکھتا ہے تو ہم اس کو (نہایت) پاکیزہ اور خوشگوار زندگی پر متمکن کر دیں گے اور اس (تمام کی تمام) قوم کو ان کے اعمال کے بدلے میں بہترین اجر دیں گے۔ (یہاں بھی پہلے فرد کا ذکر ہے اور بعد میں جماعت کا کیونکہ دین اسلام میں فرد کا تخیل بغیر جماعت کے محال ہے)۔

۸۔ ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصرٰی والصابین من امن باللہ والیوم الاخر و عمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھمج ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون○(۲:٦۲)

جو لوگ (محمدؐ کے پیروؤں میں سے) ایمان لے آئے اور جو یہودی اور نصاریٰ اور صابئین ہیں، ان میں سے جو بھی عملی طور پر) اللہ پر ایمان لے آیا اور روزِ آخرت کو اس نے برحق یقین کیا اور (ساتھ ہی) مناسب عمل کرتا رہا تو خدا کے پاس ان کی (پوری) مزدوری موجود ہے اور ان کو کوئی خوف اور غم نہ ہو گا۔ (یہاں مسلمان اور غیر مسلمان کی خصوصیت بالکل اڑا دی)

(۵) اور (٦) دونوں کا مضمون قریباً ایک ہے اور خلدین فیھا ابدا کے الفاظ دونوں جگہ ہیں۔ ان الفاظ کے لانے سے مقصد صرف

بڑی مدت تک ان نعمتوں کے برقرار رہنے کا ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اور موخرالذکر کے رزق کے لفظ سے بھی دنیاوی فائدہ ہونے کی تائید ہوتی ہے نہ اخروی کی، ماسوا (۶) ۵ یا ۶ کے جس میں کچھ اخروی رنگ کا گمان ہو سکتا ہے (۶) کی پہلی سات آئتیں، انفرادی طور پر صالح العمل مومن کے لئے حوصلہ افزا ہیں، جو از روئے (۱) وہی شخص ہے جو صحیفہ فطرت کو واحد حقیقت سمجھ کر اس سے جلب منفعت اور اس کی تسخیر کے لئے لگا ہے اور اس کی سعی سے انسان کو از روئے (۲) کوئی گھاٹا نہیں، اور اس کی جماعت از روئے (۴) اصلح بالہم کے درجہ تک پہنچتی ہے لیکن (۶) ۸ کی آیت ان سب سے انوکھی ہے جس میں ہر مذہب کی تخصیص کر کے صاف کہہ دیا ہے کہ جس شخص نے بھی عمل صالح کیا اس کو پوری اجرت ملے گی اور وہ قوم ساری کی ساری بے خوف و خطر ہو گی! اجتماعی طور پر جو آئتیں قریباً اسی مضمون کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۷) ا۔ ان الذین امنوا وعملوا الصّٰلحت لھم جنت تجری من تحتھا الانھر○ ذالک الفوزا لکبیر○ (۸۵:۱۱)

بے شک وہ لوگ (جنکی تمام قوم کی قوم خدا کے احکام کے نفع مند ہونے پر) ایمان لے آئے اور انہوں نے (استحکام قوم کو پیش نظر رکھ کر) مناسب اعمال کئے تو ان کو (بطور اجر زمینی بادشاہت کے) باغ دیئے جائیں گے جن کے نیچے دریا بہ رہے ہوں گے اور (دیکھ لو) یہ (کتنی) بڑی کامیابی ہے۔

۲۔ فاما الذین امنوا وعملو الصلحت فید خلھم ربھم فی رحمتہج ذالک ھو الفوز المبین○ (۴۵:۳۰)

تو جو لوگ (من حیث القوم) ایمان لے آئے اور انہوں نے مناسب اعمال (استحکام قوم کے لئے) کئے تو ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لے گا اور یہ ایک (بہت ہی) نمایاں کامیابی ہے۔

۳۔ ان اللہ یدخل الذین امنوا وعملو الصلحت جنت تجری من تحتھا الانھرط ان اللہ یفعل مایرید○ (۱۴:۲۲)

بے شک خدا ان لوگوں کو جو (ایک قوم اور ایک جماعت ہونے کی حیثیت میں احکام خدا کے نفع مند ہونے پر) ایمان لے آئے اور جنہوں نے (استحکام جماعت کو پیش نظر رکھ کر) مناسب عمل کئے ان کو (نہایت وسیع زرخیز اور سرسبز زمینوں کی بادشاہت کے) باغوں میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے (عظیم الشان) دریا بہ رہے ہوں گے۔ بے شک اللہ وہی کر دیتا ہے جس کا ارادہ کر لیتا ہے۔

۴۔ ان الذین امنوا وعملوا الصلحت یھدیھم ربھم بایمانھمج تجری من تحتھم الانھر فی جنت النعیم○ (۹:۱۰)

بے شک وہ لوگ جن کی (تمام قوم کی) قوم احکام خدا کے نفع مند ہونے پر ایمان لے آئی اور انہوں نے (استحکام قوم کو مد نظر رکھ کر) مناسب اعمال کئے، تو ان کا پروردگار ان کے (اس) ایمان (یقین کی وجہ) سے (جو ان کو مسلسل عمل پر مستعد کرتا رہتا ہے) ان کو نعمت ہائے خداوندی کے ان سرسبز باغوں (کی بادشاہت) کی طرف لے جائے گا جن کے نیچے دریا بہ رہے ہوں گے۔

۵۔ وادخل الذین امنوا وعملوا الصلحت جنت تجری من تحتھا لانھار خلدین فیھا باذن ربھمط تحیتھم فیھا سلم (۱۴:۲۳)

Marfat.com

اور وہ لوگ جو (بہ حیثیت قوم خدا کے احکام کے نفع مند ہونے پر) ایمان لے آئے تھے اور جن نے (استحکام قوم کو پیش نظر رکھ کر) مناسب اعمال کئے تھے (سر سبز باغوں میں داخل کر دیئے گئے جن کے نیچے دریا بہ رہے ہیں۔ وہ (اب اپنے پروردگار کے حکم سے (جب تک قانون خدا پر عمل کرتے رہیں گے) ان میں ہمیشہ رہیں گے (اور) ان باغوں میں ان کی دعا (یعنی پکار) یہ ہو گی کہ امن سے رہو!

یہ آیت اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ جنت سے مراد قرآن میں جنات زمین ہی ہیں کیونکہ یہاں ان میں داخل کر دیئے جانے کا ذکر ہے' یہ نہیں کہ وہ کر دیئے جائیں گے۔ اسی طرح **خلدین فیھا** کے متعلق قرآن میں **خلدین فیھا مادامت السموت والارض**(۱۱:۱۰۷) ہے یعنی وہ ان میں جب تک زمین و آسمان قائم ہیں' رہیں گے گویا یہ اور ثبوت ہے کہ ذکر دنیا ہی کا ہے روز قیامت کا نہیں۔ اسی طرح اور جگہوں میں ہے۔

٦۔ الذین امنوا وعملوا الصلحت طوبی لھم وحسن ملب○ (۱۳:۲۹)

جو قوم با ایمان اور عمل صالح والی قوم ہو گئی تو ان کے لئے سب اچھا ہی اچھا ہے اور ان کی باز گشت بھی عمدہ ہے۔

٧۔ ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم ویبشر المومنین الذین یعملون الصلحت ان لھم اجرا کبیرا○ (۱۷:۹)

بے شک یہ قرآن اس راہ کی طرف لے جاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور اس قوم کو جو (خدا کے احکام کے نفع مند ہونے پر) یقین رکھتی ہے اور (ساتھ ہی قوم کے استحکام کو پیش نظر رکھ کر) مناسب اعمال کرتی ہے اس امر کی بشارت دیتا ہے کہ بے شک ان کو (اپنے کئے کا) بڑا (ہی) اجر (بادشاہت زمین کی صورت میں) ملے گا۔

٨۔ فاما الذین امنوا وعملوا الصلحت فیوفیھم اجورھم ویزیدھم من فضلہ واما الذین استنکفوا واستکبروا فیعذبھم عذابا الیما○ (۴:۱۷۳)

تو باایمان اور عمل صالح والی قوم جو ہو گی اس کو تو خدا ان کی اجرتیں (اور مزدوریاں) پوری کر دے گا اور ان کو اپنی رحمت کے انعاموں سے زوفزو کرتا جائے گا۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے (اس کے قانون سے) کنارہ کشی کی اور (اس کو لاشے سمجھ کر) اکڑ گئے تو ان کو دردناک سزا کا عذاب دے گا۔

٩۔ فالذین امنوا وعملوا الصلحت لھم مغفرۃ ورزق کریم○ والذین سعوا فی ایتنا معجزین اولئک اصحاب الجحیم○ (۲۲:۵۰-۵۱)

تو (احکام خدا کو نفع مند یقین کرنے والی) وہ باایمان قوم جنہوں نے (استحکام قوم کو پیش نظر رکھ کر) مناسب عمل کئے وہ لوگ ہوں گے جن کے لئے (ان کی چھوٹی موٹی واماندگیوں) پر پردہ پوشی ہو گی اور ان کو باعزت روزی نصیب ہو گی اور جن قوموں نے ہمارے احکام کے بارے میں اس طرح کی دوڑ دھوپ کی کہ وہ (بد دلی سے عمل کر کے ناکامی حاصل کرتے ہیں اور اس طرح پر ان حکموں کو بے فائدہ ثابت کر کے ہم کو) ہرانا چاہتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جو دوزخ والے ہیں۔

۱۰۔ والذین امنوا وعملوا الصلحت فی روضت الجنت ج لھم مایشاٗون عند ربھم ج ذالک ھو الفضل الکبیر ○ (۲۲:۴۲)

اور جو قوم (احکام خدا کے نفع مند ہونے پر) ایمان لے آئی اور انہوں نے (استحکام قوم کو مد نظر رکھ کر) مناسب اعمال کئے تو وہ بادشاہت زمین کے باغات میں (بڑے لطف اٹھا رہے) ہوں گے۔ ان کو اپنے پروردگار کے پاس جو چاہیں گے ملے گا اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

ان پہلی آٹھ آیتوں میں صرف دنیاوی فائدوں کا ذکر ہے اور اس کا مزید ثبوت پانچویں آیت ہے جس میں صاف طور پر اقرار ہے کہ صالح العمل قوم جنات میں داخل کر دی گئی۔ آیت (۹) میں **سعوا فی ایتنا معجزین** کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ صحیفہ فطرت کی تلاش و تفتیش کا کام تمام بنی نوع انسان کے تعاون اور اتحاد سے ہو تاکہ دنیا میں رزقِ کریم کا وعدہ پورا ہو جو اس آیت میں ہے۔ ان پندرہ متفرق آیتوں یعنی (۵)(تا (۷) تا ۱۰ سے جو قریباً ایک ہی مضمون کی ہیں صرف ایک ہی چیز یعنی دنیاوی مرفہ الحالی اخذ ہوتی ہے لیکن یہ آیتیں عمل صالح کی تعریف کرنے میں چنداں مدد نہیں دیتیں۔ حسب ذیل اور موقعے اسی مضمون کے حامل ہیں جن سے دنیاوی نعمتیں اور بھی واضح ہو جاتی ہیں۔

(۸) ا۔ ان اللہ یدخل الذین امنوا وعملوا الصلحت جنت تجری من تحتھا الانھر یحلون فیھا من اساور من ذھب ولؤلؤا ولباسھم فیھا حریر ○ وھدوا الی الطیب من القول وھدوا الی صراط الحمید ○ (۲۲:۲۳-۲۴)

بے شک خدا ایمانداروں اور عمل صالح والی قوم کو (جو استحکام قوم کی خاطر احکامِ خدا کو نفع مند یقین کر کے ان پر ایمانداری سے عمل کرتے ہیں) زمین کے انتہائی سرسبز خطوں میں حکمرانی کے لئے داخل کر دیتا ہے جن کو سیراب کرنے کے لئے (بڑے بڑے پر شوکت) دریا بہ رہے ہوں گے۔ وہ ان باغوں میں سونے کے کڑے اور بیش بہا موتی پہنے ہوئے ہوں گے۔ اور ان کا لباس ریشمی ہو گا اور (یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے) خدا کے بہترین قول کی راہ پکڑی اور خدا کے بتائے ہوئے راستے کی طرف رہنمائی کئے گئے۔

۲۔ ان الذین امنوا وعملوا الصلحت انا لا نضیع اجر من احسن عملا ○ اولئک لھم جنت عدن تجری من تحتھم الانھر یحلون فیھا من اساور من ذھب ویلبسون ثیابا خضرا من سندس واستبرق متکئین فیھا علی الارائک ط نعم الثواب ط وحسنت مرتفقا ○ (۱۸:۳۰-۳۱)

(ان دونوں آیتوں (۸) ا،۲ سے ثابت ہے کہ جنت کا یہ منظر دنیاوی ہے اور بعینہٖ وہی ہے جو ہر بادشاہ قوموں کے حاکم آئے دن کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے فتح عراق کے موقع پر **الدجلۃ والفرات نھران من انھار الجنت** کے لفظ کہے یعنی "دجلہ اور فرات کے دریا جنت کے دریاؤں میں سے ہیں" اور ان کے مقرر کردہ حاکموں نے اس موقع پر شہنشاہ ایران کے سونے کے کنگن پہن کر کہا کہ خدائے عظیم کا قرآنی وعدہ پورا ہوا۔ ان واقعات سے جو تاریخی ہیں اور جن میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، ثابت ہے کہ بعد میں اسلام کو دین کے مولویوں نے اس قدر تنگ کر دیا اور ریشم اور لباس فاخرہ کا پہننا حرام قرار دیا۔ قرآن حکیم جہاں کسی خدا کی بنائی ہی دنیاوی زینت کو ممنوع قرار نہیں دیتا وہاں یہ بھی تنبیہہ کرتا ہے کہ لذات دنیوی میں پڑنے والی قوم بالآخر ان نعمتوں کو

Marfat.com

کھو بیٹھے گی اس لئے یہ اشیاء اسی حد تک جائز ہیں کہ میانہ روی سے چلا جائے۔)

بے شک جو قوم ایماندار ہو گی اور انہوں نے مناسب اعمال کئے تو (یاد رکھو کہ) بے شک ہم جس قوم نے حسن عمل کیا اس کی مزدوری کو روک نہیں رکھتے۔ یہی وہ ہیں جن کو ہمیشگی کے باغات ہوں گے جن کے نیچے دریا بہ رہے ہوں گے۔ وہاں ان کو سونے کے کڑے پہنائے جائیں گے اور سندس اور استبرق کے سبز کپڑے پہن کر (آرام کرسیوں کے) تخت پوشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ یہ ان کے کئے کا بہترین اجر اور عمدہ آرام گاہ ہے۔

۳۔ **والذین امنوا وعملو الصلحت سند خلھم جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ابداط وعد اللہ حقاط ومن اصدق من اللہ قیلاo(۴:۱۲۲)**

اور جو قوم ایماندار ہو گئی اور جس نے ساتھ ہی مناسب اعمال کئے تو ان کو عنقریب ہم ان عظیم الشان باغات کی حکومت عطا کریں گے جن کے نیچے عظیم الشان دریا بہ رہے ہوں گے۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ تک رہیں گے۔ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے اور اپنے قول میں خدا سے زیادہ سچا کون ہے؟ (یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ بادشاہت زمین کے متعلق نہایت دھڑلے سے کہا ہے کہ یہ ان قوموں کو دی جائے گی جو ایماندار اور صالح العمل ہیں اور یہ بات دھڑلے سے ہماری آنکھوں کے سامنے روزانہ ہو رہی ہے۔ ایک قوم آتی ہے' دوسری چلی جاتی ہے۔ جب تک یہ باتیں ہماری آنکھوں کے سامنے نہ ہوں' ایسی باتوں کو "اللہ کا سچا وعدہ" کہنا دل کو یقین نہیں دلاتا۔ ادھر عنقریب کا لفظ پھر اس امر کی یاد دلاتا ہے کہ یہ بات دنیا میں ہی ہو کر رہتی ہے' اس کا تعلق "آخرت" سے نہیں)۔

۴۔ **والذین امنوا وعملوا الصلحت سند خلھم جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ابداط لھم فیھا ازواج مطھرۃو ندخلھم ظلا ظلیلاo(۴:۵۷)**

اور باایمان اور صالح العمل قوم کو عنقریب ہم ان باغات میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے دریا پڑے بہ رہے ہوں گے۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے (آرام کے) لئے پاکیزہ (صورت و سیرت) بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو گھنے سایوں میں رکھیں گے (یہ منظر بھی خالصتہ" دنیاوی ہے ورنہ (معاذاللہ) لازم آتا ہے کہ آخرت میں بھی مردانہ شہوت ہو گی اور وہاں بھی دنیا کا یہی لچ پنا ہو گا!)

۵۔ **وبشر الذین امنوا وعملوا الصلحت ان لھم جنت تجری من تحتھا الانھرط کلما رزقوا منھا من ثمرتہ رزقا قالوا ھذا الذی رزقنا من قبلا واتوبہ متشابھاولھم فیھا ازواج مطھر تملا وھم فیھا خلدونo (۲:۲۵)**

اور باایمان اور صالح العمل قوم کو خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے وہ باغات ہوں گے جن کے گرداگرد دریا پڑے بہہ رہے ہوں گے۔ وہ جب جب (اپنی محنتوں کا) کوئی پھل (کسی نئے ملک کی بادشاہت کی صورت میں) چکھنے کو دیئے جائیں گے تو پکار اٹھیں گے کہ ہاں یہی پھل تھا جو ہمیں (پچھلے سعی عمل پر) اس سے پہلے بھی دیا گیا تھا اور (جب تک وہ اس سعی و عمل میں مکمل طور پر مشغول رہیں گے) ان کو اسی طرح کے ایک ہی شکل کے پھل دیئے جائیں گے حتی کہ تمام روئے زمین کے سرسبز باغات ان کی تحویل میں ہوں گے) اور پاک (صورت و

Marfat.com

سیرت) بیویاں ان (کو آرام دینے) کے لئے ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

آیات ۳، ۴ میں **جنت تجری من تحتها الانهار** کے ساتھ **سند خلهم** (ہم عنقریب داخل کر دیں گے) کے الفاظ سے مزید ثابت ہے کہ جنات کے معنی دنیاوی بادشاہت ہی ہے، اخروی اجر کے لئے قرآن کریم میں **الجنته** کا لفظ مخصوص ہے اور یہاں پر **الجنته** کا ذکر نہیں ہے نہ کسی حور کا ذکر ہے نہ قصور کا بلکہ **ازواج** اپنی بیویاں کا ذکر ہے۔ بہرنوع یہ ایک علیحدہ بحث ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

ان چاروں آیات سے **امنوا وعملو الصٰلحت** والی قوم کا دنیاوی اجر اور واضح ہے اور حضرت عمرؓ کے عہد میں دجلہ اور فرات کے دو دریاؤں کو جنت کی نہروں سے موسوم کر کے سپہ سالاران فوج کا ایران کے بادشاہ کو مغلوب کرنے کے بعد اس کے سونے کے کنگن خود پہننے کا واقع تاریخ میں مشہور ہے۔ الغرض ان چار، اور (۴) سے (۸) تک کے تمام موقعوں سے جو یکجا کر دیئے ہیں یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ مومن اور صالح العمل قوم کے لئے اس دنیا کے اندر دائمی آسودہ حالی لازم و ملزوم ہے اور قرآن حکیم میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک حیرت انگیز تطابق ہے جو ایک ایسے وقت میں جبکہ کاغذ قلم دوات موجود نہ تھے اور قرآن حکیم جستہ جستہ تیئس سال میں نازل ہوا تھا، بلکہ جن پر وحی نازل ہوئی وہ امی تھے، قرآن حکیم کے منجانب اللہ ہونے اور محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت نبوت کے صحیح ہونے کی قطعی اور مسکت دلیل ہے۔ ان آیات کے یکجا کرنے کے بعد بھی **امنوا وعملوا الصٰلحت** کے مفہوم کی پوری تشریح نہیں ہوئی۔ **الا** وہ کچھ جو (۱) سے (۴) تک کی آیتوں سے اخذ ہوا۔ اس لحاظ سے معاملہ کو واضح طور پر حل کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن حکیم کے ان تین موقعوں کو یکجا کر دیا جاتا ہے جن تین کو پیش نظر رکھ کر ایمان اور عمل صالح کے معنی لوگوں نے خاص مذہبی رنگ کے لے لئے ہیں اور باقی بیسیوں آیتوں کو نظرانداز کر دیا ہے۔ یہ تین موقعے حسب ذیل ہیں۔

(۹) **وما امروا الا ليعبدو الله مخلصين له الدين؛ حنفاء ويقيموا الصلوته ويوتوا الزكوته وذلك دين القيمته○ ان الذين كفرو امن اهل الكتاب والمشركين فى نارجهنم خلدين فيها؛ اولئك هم شرا لبريته○ ان الذين امنوا و عملوا الصلحت اولئك هم خيرالبريته○** (۹۸:۵-۷)

اور ان کو کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا سوائے اس کے کہ وہ خدا کی ملازمت اختیار کریں اور اس کے حکموں پر اپنے تمام یقین کو خدا کے لئے مخصوص کر کے عمل کریں۔ خالص اسی طرف جھک جائیں اور (اپنی جماعت کے استحکام کے لئے) نماز کے نظام کو اور (مالی حالت پختہ کرنے کے لئے) زکوٰۃ کے نظام کو قائم کریں اور یہی دین قیم ہے۔ اہل کتاب میں سے جو لوگ قانون خدا پر عمل کرنے سے منکر ہو گئے اور مشرک لوگ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی وہ لوگ ہیں جو بدتریں خلائق ہیں (لیکن) وہ قومیں جو ایماندار ہو کر صالح العمل بن گئیں تو وہ وہ ہیں جو دنیا کے بہترین افراد ہیں۔ (یہاں مولوی صاحبان کے نزدیک "عبادت" (یعنی رات دن تسبیح پھیرنے) اور نماز اور زکوٰۃ کے عمل ہی عمل صالح ہیں اور بس)

(۱۰) **وويل للمشركين○ الذين لايوتون الزكوته وهم بالاخرته هم كافرون○ ان الذين امنوا وعملو الصلحت لهم اجر غير ممنون○** (۴۱:۶-۸)

اور ہزار افسوس (یعنی حیف) ہے ان مشرکوں پر جو (اس لئے کہ وہ فاطر زمین و آسمان کے قانون کو چھوڑ کر نفسانی خداؤں کو پکڑے ہوئے ہیں اور قوم کی بہتری کے لئے مال کی قربانی کا جو حصہ خدا نے) زکوٰۃ (کی صورت

میں مقرر کیا ہے) نہیں دیتے اور وہ (اس طرح پر قوم کے برے انجام بلکہ اپنی) آخرت سے منکر ہیں (اور پرواہ نہیں کرتے کہ خدا ان کو بالآخر پکڑ کر رہے گا۔ بے شک وہ قوم جو (خدا کے احکام کے نفع مند ہونے پر) ایمان لے آئی اور انہوں نے استحکامِ قوم کو پیش نظر رکھ کر) مناسب اعمال کئے تو ان کو (ان کے عمل کی) مزدوری بلا کم و کاست مل کر رہے گی۔ (یہاں بھی زکوٰۃ اور آخرت کے الفاظ سے مولوی صاحبان اخذ کر لیتے ہیں کہ صرف زکوٰۃ دینا ہی "عمل صالح" ہے)۔

ان آیات اور اس سے پہلی آیات میں جہاں جہاں لفظ اجر آیا ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ قرآنِ حکیم انسانوں کے اس دنیا میں ان عملوں کی جو قانون فطرت کے مطابق ہوتے ہیں' مزدوری اس قوم کی خوشحالی کی صورت (یعنی جنات زمین) میں دیتا ہے۔ گویا یہ مزدوری نقد ہے' ادھر عمل کیا اور ادھر اجر مل گیا۔ اس لفظ کے استعمال سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ مزدوری کوئی اخروی نہیں کہ عمل یہاں کرے اور اجرت لاکھوں اور کروڑوں برس بعد "آخرت" میں ملے جیسا کہ آج کل زوال شدہ مسلمانوں کا خیال ہے۔ یہی نقد اجرت کا تخیل تھا جو مسلمانوں کو صدہا برس تک آمادۂ عمل کرتا رہا۔ فتدبر۔

(۱۱) لیسوا سواء من اهل الکتب امة قائمة یتلون ایت الله اناء الیل وهم یسجدون○ یومنون بالله والیوم الاخر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولئک من الصالحین○ (۳:۱۱۳-۱۱۴)

سب لوگ ایک قطع کے نہیں۔ اہل کتاب میں سے بھی ایک گروہ ہے جو (خدا کے قانون پر) قائم ہے۔ وہ اللہ کے احکام کو (جو کتاب خدا میں ہوں یا صحیفہ فطرت سے اخذ ہوتے ہوں) رات (کی خاموشیوں) میں (نہایت غور سے) مطالعہ کرتے ہیں اور (پھر جب ان کے برحق ہونے پر یقین آ جاتا ہے تو تسلیم کرتے ہوئے) جھک جاتے ہیں۔ وہ خدا (کے احکام کے برحق اور نفع مند ہونے پر) ایمان رکھتے ہیں اور (اس) آخرت کے دن پر (جب کہ احکام خدا کی تعمیل کا لازمی نتیجہ قوم کی خوشحالی پر منتج ہو گا) اور وہ (قوم کو آپس میں نفاق واشتات کی خاص الخاص) برائی سے منع کرتے رہتے ہیں اور خود (امت کی بہتری کے لئے خاص الخاص) نیکیوں کی طرف لپک لپک کر پہنچتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو صالح العمل لوگوں میں داخل ہیں۔ (یہاں بھی "تلاوت" اور "نیکیوں" اور "سجدوں" "برائیوں" اور "خیرات" اور "یوم آخر" کے لفظوں سے مولوی صاحبان نماز روزہ کو ہی عمل صالح مراد لے لیتے ہیں)۔

ان تین موقعوں سے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی اعمال صالحہ میں داخل ہونے کی اہمیت واضح ہے لیکن **یعبد و الله مخلصین له الدین** (یعنی اپنا تمام طرز عمل خالصتہً خدا کے حکموں کی تعمیل میں وقف کر دینا) اس قدر وسیع اور دور رس فعل ہے کہ اس سے قرآن حکیم کے ہر گوشے میں جو حکم بھی لکھا ہے اس کی پوری پوری تعمیل ہر صالح العمل مومن پر لازم اور واجب ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر قرآن حکیم کے تمام احکام کی تعمیل (نہ صرف صلوٰۃ اور زکوٰۃ) اعمال صالحہ میں داخل ہے۔ اپنا تمام طرز عمل خالصتہً خدا کی عبادت (یعنی اس کے بندے بننے اور اس کی ملازمت میں گزارنے) کے لئے وقف کر دینا (۱۱) کی رو سے **امنوا وعملو الصلحت** کی تشریح ہے۔ یہ امر بجائے خود اس قدر دقت طلب ہے کہ انسان کے لئے اس کی تعمیل خالہ کا گھر نہیں۔ اس بنا پر انسان کے طرز عمل کو مخصوص بلکہ محدود کرنے کے لئے

Marfat.com

تاکہ وہ کسی کمال تک پہنچ سکے قرآن حکیم کی ان آیتوں کو سب سے پہلے یکجا کیا جاتا ہے جن میں صلاحِ عمل یا حسنِ عمل کی کوئی نہ کوئی تعریف لکھی ہے۔ یہ آیات حسب ذیل ہیں۔

(۱۲) انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملا۔ وانا لجعلون ماعلیھا صعیدا جرزا○

(۱۸:۷-۸)

بے شک ہم نے جو شے بھی زمین پر ہے اس زمین کے لئے زیور اور زینت بنا دی ہے (تاکہ اس کی آرائش میں کام آئے اور بالاخر اس زمین کو انتہائی طور پر خوبصورت اور لائق رہائش بنا دے اور یہ) اس لئے کہ ہم آزمائش کریں کہ لوگوں میں سے کونسی قوم حسن عمل کرتی ہے اور (یہ یاد رکھو کہ اس آرائش زمین کے سلسلے میں جو سعی و عمل اور زہرہ گداز کوششیں ہمارے خلیفہ ارضی یعنی انسان کی طرف سے ہزاروں اور لاکھوں برس تک رونما ہوں گی وہ اس قدر انقلاب انگیز ہوں گی کہ وہ اس زمین کے چپہ چپہ کو تہ و بالا کر دیں گی اور) ہم یقینی طور پر جو کچھ اس زمین پر اونچا ہے اس کو چٹیل میدان کر کے رہیں گے۔ لنبلو ھم (یعنی ہم امتحان لیں گے) کے الفاظ سے اس ترجمہ کی صحت ظاہر ہے)۔

گویا زمین کے اوپر یا اس میں جو شے بھی ہے وہ زمین کی زینت ہے اس لئے اس زمین کو ہر طریقے سے آراستہ پیراستہ کرنا حسن عمل یا دوسرے لفظوں میں عمل صالح ہے سورۂ سبا میں ہے۔

(۱۳) ولقد اتینا داود منا فضلا۔ یجبال اوبی معہ والطیر والنا لہ الحدید○ ان اعمل سبغت وقدر فی السرد واعملوا صالحا۔ انی بما تعملون بصیر○ ولسلیمن الریح غدو ھا شھر و رواحھا شھر واسلنا لہ عین القطر۔ ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ ومن یزغ منھم عن امرنا نذقہ من عذاب السعیر○ یعملون لہ مایشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیت۔ اعملوا آل داود شکرا۔ وقلیل من عبادی الشکور○

(۳۴:۱۰-۱۳)

اور بے شک ہم نے داوٗدؑ کو اپنی طرف سے (صحیفہ فطرت میں ماہر ہونے کی) فضیلت اور برتری عطا کی۔ (اس کو اس کائنات کی اشیا کا اتنا ماہر کر دیا کہ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا کہ) اے پہاڑو اور پرندو داوٗدؑ کے ساتھ ساتھ (اس کے حکم کے مطابق) چلو اور لوہے کی صنعت کا ماہر تو وہ اس قدر تھا اور ایسی باریک زرہیں اس کے کارخانوں میں بنتی تھیں کہ فی الحقیقت) ہم نے اس کے لئے لوہے کو (موم کی طرح) نرم کر دیا تھا۔ (پھر ہم نے داوٗدؑ کی حوصلہ افزائی کی اور اس کو کہا کہ) کشادہ کشادہ (زرہیں) بناتے جاؤ اور ان کی کڑیوں کے جوڑنے کا اندازہ لگا کر (صحیفہ فطرت کو تلاش کرنے کا یہی) نیک کام کرتے جاؤ۔ میں بے شک جو کچھ تم کر رہے ہو نہایت غور سے دیکھ رہا ہوں اور ہم نے ہوا کو سلیمان کے (تابع کر دیا) وہ ایک ماہ تک صبح کو چلا کرتی تھی اور ایک ماہ تک شام کو اور (تانبے کی صنعت کو اس کے عہد میں اس قدر فروغ ہوا کہ) ہم نے اس کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور (اس کے پاس) دیو صورت قوی ہیکل مزدور تھے جو اس کی نگرانی میں خدا کے حکم سے کام کرتے تھے اور جو ان میں سے (کام چوری کر کے) ہمارے حکم سے پھر جاتا تھا تو اس کو بھڑکتی آگ کا عذاب

چکھاتے تھے۔ وہ مزدور سلیمان کے لئے جو کچھ وہ چاہتا تھا مثلاً محرابیں اور مورتیں (مکانات کی سجاوٹ کے لئے) اور لگن حوضوں جتنے بڑے بڑے (بادشاہی جلسوں کے لئے) اور جمی رہنے والی دیگیں (شاہی مہمانی کے لئے) بناتے رہتے تھے (اور سلیمان کے عہد میں تمدن اور عمران اس درجہ تک پہنچا کہ وہ ضرب المثل ہو گیا تو ہم نے آل داؤد کو پکارا کہ) اے آل داؤد! (صحیفہ فطرت کی نعمتوں کی) قدردانی کرتے کرتے عمل کرتے جاؤ (جب تک علم فطرت میں ترقی کرتے جاؤ گے تمدن اور خوشحالی میں فلک الافلاک تک چڑھتے جاؤ گے) لیکن بالآخر داؤد کی اولاد اس سعی و عمل میں ماند پڑ گئی اور ان کو زوال ہوتا گیا تو افسوس ہے کہ) بہت ہی تھوڑے بندے ہیں جو (صحیح معنوں میں میرے) قدردان ہیں۔ (ان آیات میں تمام ذکر دنیاوی باتوں کا ہے)۔

گویا صحیفہ فطرت کے پہاڑوں کو، پرندوں کو، لوہے کو، ہوا کو، عین القطر کو، مسخر کرنا، مختلف صنعتوں اور دستکاریوں کو فروغ دینا عمل صالح ہے اور شکر خدا ہے، اسی طرح پیغمبروں کے ان دنیاوی اعمال کا ذکر شد و مد سے کرتے کرتے قرآن حکیم نے ان کو جا بجا صالح کہا ہے۔

(۱۴) ا۔ ففهمنها سليمنج وكلا اتينا حكما وعلما وسخرنا مع داؤد الجبال يسبحن والطير وكنا فعلين○ وعلمنه صنعة لبوس لكم لتحصنكم من باسكمج فهل انتم شاكرون○ ولسليمن الريح عاصفة تجرى بامره الى الارض التى بركنا فيها وكنا بكل شيئ علمين○ ومن الشيطين من يغوصون له ويعملون عملا دون ذالكج وكنا لهم حفظين○ (۲۱:۷۹-۸۲)

پھر ہم نے سلیمانؑ کو کھیتی باڑی کی تمام صورت حال سے جو سلیمان کی حکومت کو مضبوط کر سکتی تھی، (پورے طور پر) آگاہ کر دیا اور اس کی قوم (تمام کی تمام) کو ہم نے حکومت (کو ترقی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچانے کا سلیقہ) اور (صحیفہ فطرت کا قانون کا) علم دیئے اور پرندے جو (اپنا اپنا فرض ادا کر کے گویا خدائے ذوالجلال کی) تسبیح کیا کرتے تھے اور ہم (ضرور) ایسا کرنے والے تھے (کیونکہ ہمارا فرض تھا کہ دیانتداری سے اس دنیا میں کام کرنے والوں کی ہم مدد کرتے) اور ہم نے ان کو زرہوں کے لباس کا بنانا سکھلا دیا جو تم کو لڑائی کے ضرر سے بچاتی تھیں تو کیا تم لوگ (اتنے احسانوں کے بعد بھی میرے صحیفہ فطرت کی) قدر کرنے والے بنو گے (یا نہیں) اور ہوا کو ہم نے سلیمان کا (اتنا) فرمانبردار کر دیا (کہ وہ) اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلا کرتی تھی جس کو ہم نے (مادی ترقیوں سے مالا مال کر کے) برکت دی تھی اور ہم ہر شے کے متعلق (جو سلیمان کی قوم علم فطرت کو استعمال کر کے بنایا کرتی تھی براہ راست) علم رکھتے تھے (کیونکہ ہماری دلچسپی اس امر میں پوری تھی) اور سلیمان کے تابع ہم نے وہ گرانڈیل مزدور بھی کر دیئے جو اس کے واسطے غوطہ لگاتے تھے اور دوسرے کام بھی کرتے تھے اور ہم سب ان کی (پوری) حفاظت کرتے تھے (تاکہ یہ ترقیاں برقرار رہیں)۔ (۱۳) میں بھی شکر کا لفظ ہے اور یہاں بھی **شاکرون** کا لفظ ہے۔ گویا صحیفہ فطرت کو استعمال کرنا ہی شکر اور قدردانی ہے۔

۲۔ ولقد اتينا داؤد سليمان علما وقالا الحمد لله الذى فضلنا على كثير من عباده المومنين○ (۲۷:۱۵)

اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو (صحیح معنوں میں) علم (صحیفہ فطرت) دیا اور اس صحیفہ فطرت

Marfat.com

کے علم کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ ان کی سلطنت مادی ترقی کے اوج کمال تک پہنچ گئی) تو (بالآخر) یہ دونوں (آیات خدا کو اس انتہائی حد تک نفع مند سمجھ کر) بہ زبان حال پکار اٹھے کہ شکر ہے اس پروردگار عالم کا جس نے ہم کو (اسی علم کے باعث) دنیا کی اکثر ایمان والی اور اطاعت گزار قوموں پر بھی (نمایاں) فضیلت اور برتری دی۔

وورث سلیمان داؤد وقال یایھا الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیئ ان ھذا لھو الفضل المبین ○ (۲۷:۱۶)

پھر داؤد کا جانشین سلیمان ہوا (اور اس نے بھی ان ترقیات کو برقرار رکھا۔ وہ پکار اٹھا کہ اے لوگو! (اب ہم مادی ترقی کے عظیم الشان منازل تک پہنچ چکے ہیں) کہ ہم نے پرندوں کی بولی (تک) سیکھ لی ہے اور تمام دنیا کی نعمتیں ہمیں (خدا کے ہاں سے) ارزانی ہیں (تو دیکھ لو کہ خدا کے فطرت کی اشیا کو قبول کرنے سے خدا کیسے کیسے انعاماتِ فاخرہ انسان کو مرحمت فرماتا ہے اور جان لو کہ درحقیقت ہماری یہ (قابلِ فخر) حالت بغیر کسی شک و شبہ کے ایک بین اور روشن برتری ہے (جس سے ہر متنفس کو پروردگار عالم کے احکام کے نفع مند ہونے کا یقین ہو جاتا ہے)۔ (یہاں ثابت ہو گیا کہ نبی اسرائیل کی دوسری قوموں پر "فضیلت" انہی دنیاوی ترقیوں کی وجہ سے تھی)۔

۳۔ **ولوطا اتینہ حکما وعلما ونجینہ من القریۃ التی کانت تعمل الخبئث انھم کانوا قوم سوء فسقین ○ وادخلنہ فی رحمتنا انہ من الصلحین ○ (۲۱:۷۴-۷۵)**

اور ہم نے لوط کو حکم اور علم دیا (اور جب وہ اس حکم اور علم کے ذریعے ایک قوم کو جو طرح طرح کی خلاف فطرت بدکاریوں میں پھنسی تھی اور زوال کے آخری گڑھے تک پہنچ چکی تھی، راہ راست پر نہ لا سکے اور وہ اندھا دھند بد کرداری میں مبتلا رہی) تو ہم نے اس کو اس بستی سے علیحدہ کر دیا (تاکہ وہ خود بخود عذاب الٰہی سے ہلاک ہو جائے اور لوطؑ اپنے حکم اور علم کو کسی زیادہ اہل بستی کے لئے استعمال کر سکے)۔ بے شک یہ تمام قوم کی قوم پرلے درجے کی بدکار اور بدکردار تھی۔ (پھر لوط نے اپنے حکم اور علم کو دوسری قوم پر استعمال کر کے اس کو ترقی کے فلک الافلاک تک پہنچا دیا اور ہم نے (بھی) اس کو اپنی مہربانیوں (کے سائے) میں لے کر (کامیابی کے عظیم الشان قصرمیں) داخل کر دیا۔ لوط (کے اس بے مثال طرز عمل سے ثابت ہو چکا تھا کہ وہ) درحقیقت صالح العمل لوگوں میں سے تھے (یہاں بظاہر کسی دنیاوی ترقی کی طرف اشارہ نہیں لیکن حکم کے ساتھ علم کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ رحمت کی وجہ علمی ترقی ہی ہو گی)۔

۴۔ **ووھبنا لہ اسحق ویعقوب نافلۃ وکلا جعلنا صلحین ○ (۲۱:۷۲)**

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ (جیسے جلیل القدر شخص کو (خدا کی کائنات کے بڑے علاقے اس کے انتہائی عظیم الشان عمل کی پاداش میں جو ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے لئے مدۃ العمر کیا) بطور انعام اور شکر کرنے کے عطا کئے اور (یہ سب کے سب اس حیرت انگیز باخبری اور نبوت کے مالک شخص تھے کہ ہم نے ان کو صالح العمل لوگوں (کی فہرست) میں داخل کر دیا تھا (قوموں کو خوشحال کرنے کے عمل سے ہی ان کو صالح کا خطاب مل سکتا

Marfat.com

ہے)۔

۵۔ **واسمٰعیل و ادریس و ذالکفل کل من الصبرین وادخلنھم فی رحمتنا انھم من الصلحین○ (۲۱:۸۵۔۸۶)**

اور اسمٰعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفلؑ سب کے سب انتہائی طور پر مستقل مزاج (اور زہرہ گداز تکلیف اٹھا کر (قوم کو کامیاب کرنے والے) بندوں میں سے تھے (اور ان کے صبر و استقلال کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی قوموں کو مادی ترقی کے فلک الافلاک تک پہنچا دیا یہاں تک کہ) ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر کے (لا انتہا برکتیں ان کی قوموں کو دیں اور کامیاب بنا کر) چھوڑا۔ بے شک یہ لوگ صالح العمل لوگوں میں سے تھے۔ (استقلال سے قوموں کو ترقی دینے کی وجہ سے ان کو صالح کا خطاب ملا)۔

۶۔ **رب ھب لی حکما والحقنی بالصلحین○ (۲۶:۸۳)**

(اور جب ابراہیم اس کارخانہ فطرت کی ملکوت کا تمام علم حاصل کر چکا اور اس پر واضح ہو گیا کہ کائنات کا بھید کیا ہے اور اس دنیا میں انسان کے آنے کا کیا مقصد ہے تو اس نے گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگی کہ) اے میرے پروردگار مجھے حکومت عطا کر (تاکہ میں اس حکومت کو مخلوق خدا کے فائدے کے لئے استعمال کر کے کائنات کا مقصد واضح کر سکوں اور اس قوم کو جس پر میں حکومت کروں ترقی اور تمدن کے فلک الافلاک تک پہنچا سکوں اس بنا پر اے میرے رب مجھے حکومت دے) اور مجھے صالح العمل لوگوں کے ساتھ ملا دے (کیونکہ زبور میں بار بار تو نے کئی تاکیدوں کے ساتھ اس امر کا ذکر کیا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح العمل بندے ہی ہیں)۔ (آگے چل کر اسی صفحہ میں صالحین کی تعریف یہی کی ہے کہ وہی وارث زمین ہوتے ہیں)۔

۷۔ **قال رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدیج (۳۸:۳۵)**

(تو جب حضرت سلیمان پر مشکلات اور صعوبتوں کا پہاڑ آ پڑا اور وہ ان کو دور کرنے کا پختہ ارادہ کرنے کو تھا تو وہ پکار اٹھا کہ اے میرے پروردگار! (میری واماندگیوں پر) اپنی رحمت کا پردہ ڈال اور مجھ کو (میرے سعی و عمل کو دیکھ کر) وہ (لازوال) سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے شایاں نہ ہو۔ (انبیا کو سلطنت کی خواہش اسی لئے تھی کہ وہ قوم کو مادی عروج دیں)۔

۸۔ **ام یحسدون الناس علی ما اتھم اللہ من فضلہج فقد اتینا ال ابراھیم الکتاب و الحکمۃ واتینھم ملکا عظیما (۴:۵۴)**

کیا یہ لوگ ساکنان زمین سے اس بارے میں حسد کر رہے ہیں جو خدا نے ان کو اپنے فضل میں سے عطا کیا ہے تو (ان کا یہ بغض و حسد ہم پر کوئی اثر نہیں رکھتا کیونکہ) درحقیقت ہم نے ابراہیم کی اولاد کو (نہ صرف دنیاوی فضیلت دی بلکہ) صحیفہ فطرت کے علم پر مشتمل) الکتب اور (خدا کے عظیم الشان علم کی حامل) حکومت دی اور (انہی دونوں موہبتوں کی برکت سے) ان کو ایک بہت بڑی سلطنت بھی دی۔ (یہاں پھر فضل کا لفظ ہے جس کے معنی دنیاوی ترقی ہی ہو سکتی ہے)۔

۹۔ **ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصلحون○ ان فی ھذا لبلغا لقوم عبدین○**

Marfat.com

(۱۰۵:۲۱-۱۰۶)

اور بے شک اور بالتحقیق ہم نے ضروری تفصیل کے بعد اس امر کا فیصلہ زبور میں ہی لکھ کر کر دیا تھا کہ درحقیقت اس زمین کے وارث ہمارے صالح العمل بندے ہی ہیں اس (اعلان) میں بے شک اور بالضرور ملازم خدا قوم کے لئے ایک بہت ہی بڑا پیغام ہے (جب انبیا بھی حکومت مانگتے تھے تو یہاں شارحین کا ارض کا ترجمہ "ارض جنت" کرنا نہایت لغو ہے)

اس میں شک نہیں کہ انسان ان پیغمبروں کے زمانے میں صحیفہ فطرت کے علم کے متعلق نہایت ابتدائی واقفیت رکھتا تھا لیکن انسان کی ان ابتدائی ایجادات کو اس شدومد سے بیان کرنے' ان کو وراثت زمین سے مشرف اور صحیفہ فطرت سے روشناس کر کے یہ کہنا کہ ہم نے ان کو حکم اور علم دیا اور انہوں نے فلاں فلاں اشیائے فطرت مسخر کیں اور فلاں ایجادات کیں' وغیرہ وغیرہ' یہ تمام بیان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن حکیم کے نزدیک صلاح عمل صحیفہ فطرت کی تلاش و تفتیش بدرجہ اولی ہے اور یہ علم صرف وہی قومیں حاصل کر سکتی ہیں جو حکم بھی رکھتی ہوں گویا زمین کی وارث ہوں۔ چنانچہ (۱۴)۔۹ میں (۱) ل یعنی ضرور (۲) قد یعنی بالتحقیق (۳) کتبنا یعنی قطعی فیصلہ کر دیا (۴) ان یعنی بے شک کی چار تاکیدوں کے بعد اس امر کا اعلان کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے اور پھر اس کے بعد ان اور لی کی دو مزید تاکیدیں کر کے یہ کہنا کہ خدا کے قانون کو ماننے والی قوم (قوم عابدین) کے لئے یہ انکشاف حقیقت ضرور ایک بہت بڑا پیغام ہے' اس امر کی ناقابل انکار تائید ہے کہ خدا کے نزدیک (جس کو اپنی بنائی ہوئی فطرت پر بے حد ناز ہے (دیکھو عنوان مقام فطرت باب دوم) بنی نوع انسان کی بہترین صلاحیت صحیفہ فطرت کی تلاش و تفتیش' تسخیر اشیائے فطرت اور وراثت زمین بھی ہے تاکہ یہ انسان بالآخر اپنی فطری استعداد سے اس قدر سمیع و بصیر ہو جائے کہ خدا سے ملاقات کرنے کا اہل ہو۔ اسی نقطہ نظر سے خدائے عظیم نے صاف اعلان کر دیا کہ لقائے رب کے لئے ضروری ہے کہ اعمال صالحہ ہوں اور؛ قانون فطرت کی مکمل تلاش ہو۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ان دو آیتوں میں ل' قد' کتبنا' ان' ان' ل کی پے در پے چھ تاکیدیں ہیں جن سے ثابت ہے کہ ان دو آیات میں خدائے عظیم نے جو کچھ کہا ہے وہ دنیا کی ایک بہت بڑی حقیقت ہے جس کے متعلق انسان کو ادنیٰ سا شک نہ ہونا چاہئے اور ہر قوم کو **عبادی الصالحون** اور **قوم عابدین** کا سچا مصداق ہونا چاہئے۔ تدبر۔

آیات (۱۴-۹) میں **صالحون' عبادی'** اور **عابدین** اور آگے (۱۵) میں **عبادہ** اور **عملا صالحا** کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ پہلی آیات میں عبادت اور صالحیت کا نتیجہ وراثت زمین اور آگے (۱۵) میں نتیجہ لقائے رب ہے۔ گویا (جن زمینی قوموں کے پاس وراثت زمین ہی نہیں وہ صحیفہ فطرت سے علم حاصل کر کے آرائش زمین کیا کر سکیں گی اور ان کا عمل کیا عمل صالح ہو سکے گا۔ (۲) عبادت کے معنی نماز روزہ وغیرہ نہیں جیسا کہ آج کل کے مسلمانوں نے سمجھا ہے بلکہ خدا کی نوکری (یعنی اس کے قانون فطرت کی پابندی) اختیار کرنا ہے۔ (۳) صالحیت بھی علی ہذالقیاس محض "متقیانہ" چہرے بنا لینا نہیں بلکہ وہ یہ ہے کہ صحیفہ فطرت کے علم کے ذریعے سے اس زمین کو انتہائی طور پر آباد اور پررونق کر دیا جائے اور تمام خطہ زمین عظیم الشان ایجادات اور اختراعات سے بھرپور ہو جائے۔ (۴) اس آیت یعنی آیہ (۱۵) میں ملاقات رب کے بارے میں **یرجوا** (امید) کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے پہلا تاثر یہ ہوتا ہے کہ یہ ملاقات سزا کھانے کے لئے نہ ہو گی جیسا کہ مسلمانوں نے سمجھ رکھا ہے کہ روز قیامت کو ہو گی بلکہ یہ انعام لینے اور خدا سے برابری کا مصافحہ کرنے والی ملاقات ہو گی۔ دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ ملاقات کوئی معمولی سی شے نہیں جو معمولی سے عمل سے ہو جائے بلکہ مسلسل سعی و عمل

Marfat.com

اور جانکاہ جدوجہد کے بعد ہو گی۔ تدبر۔

(۱۵) فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادتہ ربہ احدا○ (۱۸:۱۱۰)

تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو اس کو چاہئے کہ (صحیفہ فطرت سے علم حاصل کر کے اس زمین کو پر زینت اور پر رونق کرنے کے) مناسب اعمال کرتا جائے اور اپنے پروردگار (کے قانون پر عمل کرنے) کی ملازمت میں کسی دوسرے (حاکم کے احکام کی متابعت کر کے اس کو (خدا کے ساتھ) شریک نہ کرے۔

(انبیاء کو صالحین اگر ان کے بنیادی عمل کے باعث کہا تو یہاں بھی حسن عمل زمین کو پر رونق کرنا ہے)

اسی نقطہ نظر سے بنی نوع انسان کو صالحین کی فضا میں پرورش کرنے اور زمین کی اس وقت کی آبادی کو علمی رنگ میں رنگنے کے لئے حسب ذیل تعلیم دی۔

(۱۶) حتی اذا اتوا علی واد النمل لا قالت نملۃ یایھا النمل ادخلوا مسکنکم ج لا یحطمنکم سلیمن وجنودہ وھم لایشعرون○ فتبسم ضاحکا من قولھا وقال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی و علی والدی وان اعمل صالحا ترضہ وادخلنی برحمتک فی عبادک الصلحین○ (۲۷:۱۸-۱۹)

تو جب (سلیمان کا جری اور نڈی دل) لشکر (جو بڑے بڑے گرانڈیل اور قد آور دیو صورت سپاہیوں پر مشتمل تھا اور جس کو فتح مند کرنے کے لئے خبر رسانی اور پیغامبری کی غرض سے سدھائے ہوئے پرندوں کے لشکر بھی ساتھ تھے) وادی نمل میں پہنچا تو (مخالف لشکر کے سرکردہ) ایک نمل نے کہا کہ اے نملو! (تم اس لشکر کا مقابلہ آسانی سے نہیں کر سکو گے اس لئے) اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کا لشکر تم کو (اپنے آلات تخریب سے) بے خبری میں ہی تہس نہس کر دے۔ اس (بلا مقابلہ سپر اندازی کی) گفتگو پر سلیمان کی باچھیں کھل گئیں اور وہ (بزبان حال) پکار اٹھا کہ اے میرے پروردگار مجھے اس بات کی توفیق دے کہ میں (صحیح معنوں میں) تیرے اس احسان کی قدر کروں جو تو نے (مجھے اس امر کا قابل بنا کر) مجھ پر کیا ہے (کہ میں ایسا جرار لشکر تیار کر سکوں جس کے مقابلے کی کوئی دوسرا لشکر تاب نہ لا سکے) بلکہ میرے والد پر بھی (کیونکہ) میرے والد کے انتہائی سعی و عمل کی وجہ سے ہی میں قوت و شوکت کے اس درجے پر پہنچا ہوں) تو مجھے توفیق دے کہ میں (قوت اور شوکت حاصل کرنے کے یہی) مناسب اعمال کرتا جاؤں جن کو تو پسند کرتا ہے اور مجھ کو اپنی رحمت کی وجہ سے اپنے صالح العمل بندوں (کی فہرست) میں داخل کر دے (تاکہ منشائے کائنات جو اس دنیا میں مادی قوت حاصل کر کے صحیفہ فطرت کی ماہیت کو پالینا ہے' حاصل ہو جائے) (اس تشریح کے سوا کوئی دوسری تشریح ان دو مشکل آیات کی ہرگز نہیں ہو سکتی۔)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ وادی نمل جس میں سے حضرت سلیمان کا بے شمار لشکر تمام دنیاوی ساز و سامان سے لیس ہو کر ملکہ سبا کے ملک پر حملہ کرنے کی غرض سے گذرا تھا' سلطنت کی سرحد پر ایک قطعہ زمین تھا جو ملک کو حملہ آور فوجوں سے بچانے کے لئے خاص طور پر دفاعی ساز و سامان سے لیس کیا گیا تھا۔ اس خاص علاقے میں ملکی دفاع کی تجویز غالباً یہ تھی کہ زہریلے حشرات الارض کی بڑے پیمانے پر آبادیوں کو قائم کیا جائے تاکہ دشمن اس

Marfat.com

علاقے میں داخل ہی نہ ہو سکے۔ چین والوں کے متعلق ہر شخص جانتا ہے کہ انہوں نے اپنے ملک کی سرحد پر ایک عظیم الشان دیوار اسی مقصد کے لئے کھڑی کی تھی جو اب تک موجود ہے۔ ممکن ہے کہ یہ حشرات الارض ایسے خطرناک قسم کے زہریلے کیڑے تھے جو لاکھوں کی تعداد میں دشمن کے سپاہیوں کو کاٹ کر ہلاک کر دیتے ہوں گے یا وہ کوئی جراثیم تھے جن سے ہولناک بیماریاں سپاہیوں میں پھیلتی ہوں گی۔ افریقہ میں کئی خطرناک حشرات اب بھی موجود ہیں جن کی وجہ سے زرد بخار وغیرہ پھیلتے ہیں اور مچھروں سے ملیریا کا پھیلنا تو ہر شخص جانتا ہے۔ لیکن یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ ملکہ سبا کی سلطنت کے متعلق جدید ترین انکشافات یہ ہیں کہ وہ جزیرہ مدغاسکر میں واقع تھی جو افریقہ کا ایک مشہور جزیرہ ہے۔ الغرض جب ملکہ سبا کی طرف سے اپنی سلطنت کو بچانے کے لئے یہ ہتھیار تھے کہ ایک بڑے خطے کو خطرناک کیڑوں اور جراثیم سے آباد کیا گیا تھا تو لامحالہ حضرت سلیمان کی طرف سے بھی پوری تیاریاں ضرور ہوئی ہوں گی تاکہ اس خدائی آفت کا مقابلہ کیا جائے۔

علامہ مشرقیؒ لکھتے ہیں' میری نگاہ تو یہاں تک جاتی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے تمام وہ علمی آلات اپنی فوج کے سپاہیوں کو ان حشرات کی زد سے بچانے کے لئے تیار کئے ہوں گے جو آج کل زندہ قومیں تیار کرتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کامل طور پر فتح مند ہوئے اور حشرات کی مخالف فوج نے ہتھیار ڈال دیئے بلکہ اس بڑی مہم کو سر کرنے کے بعد حضرت سلیمان کا ہنسنا یعنی خوش ہو جانا اور ان کا بزبان حال خدائے عز و جل کی حمد و ثنا میں عمل صالح کرنے کی توفیق مانگنا بلکہ **عبادک الصالحین** بننے کی آرزو کرنا جو وارث زمین بننے کی شرط ہے وغیرہ اس امر کی صاف دلالت کرتا ہے کہ قرآن حکیم کا عمل صالح' ایمان' عبادت' کفر' شرک الغرض اسلام کا تمام کا تمام مذہب صرف یہ ہے کہ انسانی تقدم کی ہر شق میں انتہائی مادی ترقی کی جائے اور مسلمان کا عمل صرف یہ ہو کہ اس کا اٹھنا' بیٹھنا' لیٹنا' بھاگنا بلکہ سونا بھی اس دھن میں ہو کہ وہ اپنی قوم کو ترقی اور تیاری کے فلک الافلاک تک پہنچا دے۔ اس قطعی فیصلے کے بعد سوچو کہ مسلمان کس قدر پیچھے رہ گیا ہے' دوسری قومیں کس قدر آگے بڑھ گئی ہیں اور دین اسلام کو عہد زوال کے مفسروں اور فلسفیوں نے کیا سے کیا بنا دیا ہے۔ اس آیہ شریفہ میں **عبادک الصالحین** کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں کیونکہ وارثین زمین کی تعریف آیہ (۱۴)۔۹ میں انہیں الفاظ میں ہوئی ہے۔

الغرض انسان کو خدا سے علمی طور پر روشناس کرنے کے لئے قرآن حکیم کی ایک ایسے وقت میں تعلیم جب کہ روئے زمین پر علم کے ابتدائی نشانات بھی کسی بڑے پیمانے پر موجود نہ تھے' اسلام کے منجانب اللہ ہونے کی وہ دلیل ہے جو ہر طالب علم کو حیران کر دیتی ہے۔ اس علم اور مادی ترقی کے زمانے میں پہلے انبیاء کے زمانوں یا پہلی قوموں عاد اور ثمود اور ایکہ کے وقتوں کی ترقیات اور ان کے تمدنوں کا ذکر بلاشبہ موجودہ انسانوں پر اثر نہیں رکھتا لیکن جو بات قابل توجہ ہے یہ ہے کہ اس وقت کہ قرآن حکیم دنیا میں آیا ماسوا ان واقعات کے جو ہو چکے تھے اور واقعات موجود نہ تھے کہ ان کو بطور نمونہ پیش کرتا' قرآن نے عام محاکمہ دے دیا کہ علم فطرت کے حاصل کئے بغیر خدا کے بارے میں آپس میں تنازعات پیدا کرنا اور اٹکل پچو باتیں کرنا بنی نوع انسان کو غلط راہ پر چلا کر اس کو ہلاک کرنا ہے۔ سورۂ حج میں ہے:۔

Marfat.com

(۱۷) (۱) ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ویتبع کل شیطان مریدo کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضلہ و یھدیہ الی عذاب السعیرo (۲۲:۳-۴)

اور لوگوں میں سے (کئی) ایسے ہیں جو خدا کے (متعلق اس بات کی ٹوہ کے لگانے کے) بارے میں (کہ وہ انسان سے کیا چاہتا ہے یا اس کا قانون کیا ہے اور وہ کس اصول کے ماتحت سزا و جزا دیتا ہے' خدا کی خدائی کا) علم حاصل کئے بغیر بحث و جدال کرتے رہتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں (حالانکہ) شیطان کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے کہ جس نے اس سے دوستی کی تو وہ ضرور اس کو گمراہ کرتا ہے اور جہنم کے عذاب کی طرف لے جاتا ہے۔ (اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کی مرضی کا علم صحیفہ فطرت سے علم حاصل کرنے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ گویا جو قومیں کسی خاص موضوع کے متعلق کتاب وحی سے ہدایت نہیں لیتیں یا نہیں لے سکتیں یا ان کی کتاب وحی معنوں کے بدلنے کے باعث تحریف شدہ ہو چکی ہے' ان کے لئے واحد رہ نما علم (صحیفہ فطرت) ہے جیسا کہ آج کل کی مغربی اقوام عملاً کر رہی ہیں)۔ (اگلی آیت میں علم کے لفظ کے ساتھ اور الفاظ لگا دیئے ہیں جن سے یہ ترجمہ واضح ہو جاتا ہے)۔

(۲) ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولاھدی ولا کتاب منیرo ثانی عطفہ یضل عن سبیل اللہ لہ فی الدنیا خزی و نذیقہ یوم القیامۃ عذاب الحریقo (۲۲:۸-۹)

اور لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہے جو خدا (کی مرضی) کے بارے میں (صحیفہ فطرت سے) علم حاصل کئے بغیر یا (کتاب وحی سے) ہدایت لئے بغیر' یا (خدا کی) روشن کتاب کا مطالعہ کئے بغیر' بحث کرتا رہتا ہے وہ ان تمام مصادر علم سے پہلو موڑ لیتا ہے تاکہ خدا کے رستے سے بھٹک جائے۔ تو ایسے شخص کو دنیا میں ذلت اور رسوائی ہے اور روز قیامت کو ہم اس کو جلا دینے والا عذاب چکھوائیں گے (فطرت کو "کتاب مبین" بھی بعض جگہ کہا گیا ہے' یہاں "کتب منیر" کہا ہے۔ فتدبر۔)

اس سلسلے میں **امنوا وعملوا الصّٰلحت** کے مفہوم کی ایک قطعی اور فیصلہ کن تشریح کے لئے حسب ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں جن سے یقین ہو جاتا ہے کہ قرآن حکیم کی اس معنی خیز اصطلاح کا حقیقی مقصد تلاش و تفتیش صحیفہ فطرت کے سوا کچھ نہیں۔ جو شے قابل لحاظ ہے یہ ہے کہ دونوں موقعوں پر یہ آیات سیاق و سباق کے لحاظ سے صحیفہ فطرت کی مخلوق کی طرف توجہ دلانے والی آیات میں گھری ہیں۔

(۱۸) (۱) ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یدبر الامر ما من شفیع الا من بعد اذنہ ذلکم اللہ ربکم فاعبدوہ افلا تذکرونo الیہ مرجعکم جمیعا وعد اللہ حقا انہ یبدؤا الخلق ثم یعیدہ لیجزی الذین امنوا وعملو الصلحت بالقسط والذین کفروا لھم شراب من حمیم و عذاب الیم بما کانوا یکفرونo (۱۰:۳-۴)

(لوگو! غور کرو) ۔بے شک تمہارا پالنے والا (اور دنیا میں تمہیں ترقی کی تمام فضیلتوں پر پہنچانے والا) وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین (کے اس عظیم الشان کارخانے) کو چھ (بڑے بڑے طویل المیعاد) دنوں میں پیدا کیا' پھر

Marfat.com

وہ تخت حکومت پر جم کر بیٹھ گیا (اور وہیں پر سے) قانون کی تدبیر کرتا ہے۔ (تو خدا کی حکومت اور اس کے قانون کے جاری و ساری ہونے کے بعد تمہارا) کوئی سفارشی نہیں (ہو سکتا) مگر اس کی اجازت کے بعد تو (جب) تمہارے پروردگار اللہ (کا) یہ (مقام) ہے (تو لازم ہے کہ تم) اسی کی ملازمت اختیار کرو۔ پھر کیا تم (ان واقعات کے ہوتے ہوئے) نصیحت نہیں پکڑتے؟ تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ بے شک وہی ہے جو خلقت کی ابتدا کرتا ہے اور پھر اس کو بار بار پیدا ہی اس غرض سے کرتا ہے کہ صاحب ایمان و عمل صالح قوم کو عدل و انصاف سے (ان کے عملوں کی جو وہ صحیفہ فطرت کی تلاش کے متعلق کریں) جزا دے اور جو لوگ (اس کی پیدا کی ہوئی خلقت کے منتہا سے) منکر ہیں (اور اس تمام کارخانہ قدرت کو لا طائل اور باطل سمجھتے ہیں) ان کے واسطے کھولتا ہوا پانی پینے کے لئے اور ان کے کفر کے بدلے میں درد ناک عذاب ہے۔ (اس آیت میں صاف اقرار اس امر کا ہے کہ کائنات پیدا ہی اس واحد غرض و مطلب کے لئے کی گئی کہ ایمان اور عمل صالح والی قوموں کی تلاش صحیفہ فطرت کی پاداش ہر قوم کو اس کے مقدارِ عمل کے مطابق عدل و انصاف سے جزا دی جائے جو آج ان آنکھوں کے سامنے ہر قوم کے ساتھ عملاً ہو رہا ہے۔ ان آیات کا اگر یہ ترجمہ درست نہیں تو معاذ اللہ یہ آیات بے معنی ہیں)۔

(۲) اللہ یبدئوا الخلق ثم یعیدہ ثم الیہ ترجعون○ ویوم تقوم الساعتہ یبلس المجرمون○ ولم یکن لھم من شرکائھم شفعئوا وکانوا بشرکائھم کافرین○ ویوم تقوم الساعتہ یومئذ یتفرقون○ فاما الذین امنوا وعملوا الصٰلحت فھم فی روضتہ یحبرون○ و اما الذین کفروا وکذبوا بایاتنا ولقائی الاخرہ فاولئک فی العذاب محضرون○ (۳۰:۱۱-۱۶)

خدا خلقت کی ابتدا کرتا ہے پھر اس کو بار بار پیدا کرتا ہے۔ پھر تم لوگ (اس حقیقتِ خدا کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرنے کے بارے میں پرسش کے لئے) خدا کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور جس دن وہ (امتحان کا) وقت آ پہنچا (اور اسی دنیا کے اندر غافل قوموں کو ان کے کئے کی سزا ملنے لگی) تو مجرم لوگ مایوس ہو جائیں گے اور ان لوگوں میں سے (جن کو یہ خدا کا ساتھی سمجھ کر ان کے بنائے ہوئے ٹیڑھے قانونوں پر عمل کرتے تھے) کوئی (بھی خدا کے سامنے) ان کا سفارشی نہ ہو سکے گا اور یہ اپنے شریک (آقاؤں) کے منکر ہوں گے اور جب وہ پرسش کی گھڑی آ چکی تو اسی وقت قومیں (مختلف ٹولیوں میں) الگ کر دی جائیں گی۔ پھر وہ قومیں جو صاحب ایمان ہو کر مناسب اعمال کیا کرتی تھیں تو وہ وہی ہوں گے جو ایک (سجے سجائے) باغ میں باعزت داخل ہوں گے اور جن قوموں نے ہماری صحیفہ فطرت سے اخذ کی ہوئی آیات کو مخول سمجھ کر ان سے بے پرواہی اختیار کی تھی اور جنہوں نے (خلقت خدا اور صحیفہ فطرت کی تلاش و تجسس کو بے معنی سمجھ کر) خدا سے انسان کی بالآخر ملاقات کو مخول سمجھا تھا تو وہی ہوں گے جن کو عذاب کے سامنے لا کر حاضر کر دیا جائے گا۔ (ان آیات کے شروع کے الفاظ کا ربط اسی ترجمہ سے ہو سکتا ہے جو اوپر کیا گیا)۔

(۱۸) سے مقصد صاف واضح ہو جاتا ہے وہ یہ کہ صحیفہ فطرت کی تخلیق ہی اس غرض سے کی گئی کہ ایماندار اور صالح العمل انسانی

Marfat.com

اقوام کو ان کے حسن عمل کی جزا دینے کا موقع ملے اور جو لوگ اس فطرت کو باطل سمجھ کر اس کی حقیقتوں کی طرف توجہ کرنے سے منکر ہیں ان کو سخت ترین سزائیں دی جائیں۔ عبادتِ غیر سے مقصد لذات دنیوی میں منہمک ہو کر خدا کے قانون سے غافل ہو جانا ہی ہے اور جس غفلت کا نتیجہ اقوام کے حق میں مہلک ہوتا ہے۔ گویا تمام قوم فطرت سے متمتع نہ ہو کر اپنی دنیاوی حالت کو درست کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ صحیفہ فطرت کی تخلیق ہی اسی غرض سے ہوئی کہ انسان اس کی طرف پیہم توجہ کر کے اس سے فائدہ اٹھائے اور اپنی دنیاوی حالت درست کرے۔ اسی نقطہ نظر سے خلاقِ عظیم تعالیٰ نے کہا کہ "تم جن خداؤں اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر اپنی دنیاوی حالت کو خراب کر رہے ہو' مجھے بتاؤ کہ ان تمہارے خداؤں نے کون سی زمین پیدا کی ہے جو تمہارے نفعے کے لئے ہو۔" خدائے عظیم معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر پیہم چاہتا ہے کہ انسان ایک لحظہ کے لئے اس صحیفہ فطرت کے مطالعہ' بلکہ اس کی تسخیر اور اس سے فائدہ اٹھانے سے غافل نہ ہو' بنی نوع انسان کے ایمان کا تمام دارومدار حق (یعنی صحیفہ فطرت) پر ہو' وہ اسی صحیفہ فطرت میں خدا کی آیات اور احکام کی پیہم تلاش میں رہے اور اسی خدا کی صنعت عظمیٰ میں اپنی نجات کی راہ ڈھونڈے۔ اسی حقیقت کو اشارۃً" یا بداہتہً" ان تمام آیات الٰہی میں واضح کیا ہے جن میں فطرت کے مشاہدے کی ترغیب دی گئی ہے اور باطل پر ایمان رکھنے والوں کو کافر کہا گیا ہے (دیکھو ۱۹-۲)

(۱۹) (ا) فاقم وجهک للدین القیم من قبل ان یاتی یوم لا مرد له من الله یومئذ یصدعون۝ من کفر فعلیه کفره ج ومن عمل صالحا فلانفسهم یمهدون۝ لیجزی الذین امنوا وعملوا الصلحت من فضله انه لا یحب الکفرین۝ (۳۰:۴۳-۴۵)

تو (اے پیغمبر!) تو اپنی توجہ اسی مضبوط دین (اور لازوال راہ عمل) کی طرف کر دے (جس پر چل کر ہر قوم کو قوت اور طاقت حاصل ہو سکتی ہے) پیشتر اس کے کہ (تیری قوم پر) وہ سخت گھڑی (عذاب اور پرسش کی) آ جائے جس کی کوئی روک نہ ہو گی اور اس دن یہ لوگ الگ الگ ٹولیوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے تو جس نے (صحیفہ فطرت کے مفید ہونے سے) انکار کیا تھا تو اس کے کفر کی ذمہ داری اس پر ہو گی اور جنہوں نے مناسب اعمال کئے ہوں گے (اور اپنے آپ کو ترقی اور تمدن کے فلک الافلاک تک پہنچایا ہو گا تو) ان کو عیاں ہو جائے گا کہ وہ یہ سب کچھ اپنے ہی ذاتی فائدوں کے لئے تیاری کرتے ہیں (اور یہ سب کچھ جو ان کو صحیفہ فطرت سے احکام اخذ کرنے کے لئے کہا گیا) اس واحد غرض کے لئے تھا کہ خدائے عظیم صاحبِ ایمان قوم کو جو مناسب اعمال کرتی ہے اپنی دنیاوی نعمت بطور جزا کے دے کیونکہ وہ خدائے عظیم فی الحقیقت ان لوگوں کو جو اس کے (صحیفہ فطرت کے) منکر ہیں پسند ہی نہیں کرتا۔ سورۂ نجم آیت ۳۱ میں بھی یہی مضمون زیادہ وضاحت سے ہے' نیز ۱۸-۱ میں جو صفحہ ۱۰۷ پر ہے اور تینوں جگہ لیجزی کا لفظ موجود ہے)۔

۲۔ قل کفی بالله بینی و بینکم شهیدا یعلم ما فی السموات والارض ط والذین امنوا بالباطل و کفروا بالله اولئک هم الخسرون۝ و یستعجلونک بالعذاب ط و لو لا اجل مسمی لجاءهم العذاب ط و لیاتینهم بغتة و هم لا یشعرون۝ یستعجلونک بالعذاب ط و ان جهنم لمحیطة م بالکفرین۝ یوم یغشهم العذاب من فوقهم و من تحت ارجلهم و یقول ذوقوا ما کنتم تعملون۝ یعبادی الذین امنوا ان ارضی واسعة فایای فاعبدون۝ کل نفس

Marfat.com

ذائقتہ الموت ثم الینا ترجعون○ والذین امنوا و عملوا الصلحت لنبوئنهم من الجنتہ غرفا تجری من تحتها الأنہر خلدین فیها نعم اجر العملین○ الذین صبروا و علی ربهم یتوکلون○ (۲۹:۵۲-۵۹)

(اے پیغمبر!) کہہ دے کہ میرے اور تمہارے درمیان وہ خدا کافی گواہ (اس لئے) ہے (کہ) وہی جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اس کا علم رکھتا ہے (اور سمجھتا ہے کہ تمہارے صحیفہ فطرت کی طرف متوجہ ہو کر اس سے احکام خدا اور آیات الٰہی اخذ کرنے سے بنی نوع انسان کو کیا کیا عظیم الشان فوائد حاصل ہو سکتے ہیں)۔ (وہی خدا سمجھ سکتا ہے کہ) وہ لوگ جو (صحیفہ فطرت کی واحد حقیقت کو چھوڑ کر) باطل (اور بے معنی چیزوں) پر ایمان لے آئے اور انہوں نے خدا (کے بنائے ہوئے قانون) سے انکار کیا تو یہی لوگ ہوں گے جو (بالآخر) گھاٹے میں رہیں گے اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ (اپنی غفلت کی مستی میں اکڑ اکڑ کر) تم سے عذاب الٰہی کا جلد آنا طلب کرتے ہیں (تو ان کو کہہ دو کہ) اگر عذاب کے لئے اس وقت تک نہ آنے کا جب تک کہ گناہوں کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے)۔ وقت مقرر نہ ہوتا تو ضرور عذاب آ جاتا اور (ان غفلت زدوں کو جو اپنی مستی میں لمبی تان کر پڑے ہیں) یقیناً وہ ناگہاں ہی آئے گا اور ان کو اس کی خبر تک نہ ہو گی۔ (ہاں ہاں!) وہ عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہیں اور یہ بات تو لازم ہے کہ خدا (کے قانون) کے منکروں کو جہنم نے گھیرا کر رکھا ہے۔ جب عذاب ان کو (سر کے) اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے لپیٹ لے گا (تو تب ان کو پتہ چلے گا کہ عذاب کیا تھا جس کی جلدی مچا رہے تھے) اور خدا ان کو کہے گا کہ (آؤ اب) چکھو اس کے عوض میں جو کچھ تم کر رہے تھے۔ (اور یہ سب کچھ جو تمہیں باطل اور بے حقیقت چیزوں پر ایمان نہ لانے کے لئے کہا جا رہا ہے اور صرف اس امر کی ترغیب دی جا رہی ہے کہ صحیفہ فطرت پر ایمان رکھو اس لئے ہے کہ) اے میرے بندو! جو مجھ پر ایمان لے آئے ہو یہ میری بنائی ہوئی زمین بڑی ہی وسیع ہے' (اس زمین کے اندر تمہاری بہبودی اور بنی نوع انسان کی بہتری کے لا انتہا خزانے موجود ہیں بشرطیکہ تم میں ان کو تلاش کر کے ترقی کے فلک الافلاک تک پہنچنے کا عزم اور استقلال موجود ہو) تو صرف میری ہی ملازمت اختیار کرو۔ (یاد رکھو کہ) ہر متنفس (ایک نہ ایک دن) موت کا لقمہ بننے والا ہے (اس لئے بہتر ہے کہ وہ اپنا زاد راہ اس دنیا میں بنا لے کیونکہ) پھر تم سب ہماری طرف ہی لوٹا دیئے جاؤ گے اور وہ لوگ جو ہم پر ایمان لے آئے اور انہوں نے مناسب اعمال کئے تو ہم ضرور ان کو دنیاوی بہشت کے ان سبزہ زار میدانوں میں پناہ دیں گے جن کے نیچے دریا بہ رہے ہوں گے اور جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ سو دیکھو کہ سعی و عمل کرنے والوں کا کیا ہی اجر ہے اور یہ وہ قومیں ہیں جنہوں نے نہایت صبر و استقلال سے (میری وسیع زمین کی) تلاش و تحقیق کی اور پھر اپنے پروردگار (کی بنائی ہوئی ہر چیز کے نفع مند ہونے) پر پورا اعتماد کیا۔ (یہ چھ آیتیں ایک دوسرے سے الگ معلوم ہوتی ہیں لیکن سوائے اس ترجمہ کے اور کسی طرح ان کا جوڑ نہیں بیٹھتا)

قرآن حکیم جیساکہ پہلے واضح کیا گیا ہے آیات قرآنی پر ایمان کا مقصد اسی صحیفہ فطرت کی صداقت پر مکمل ایمان' اس کی پوری قدردانی کے لئے مکمل تڑپ اور اسی سے خوفزدہ ہو کر اس کے قانون پر عمل کرنے اور اسی سے طمع کی امید رکھ کر اپنی دنیاوی حالت کے درست کرنے کو قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس کی کئی مثالیں اس سے پہلے واضح طور پر دے دی گئی ہیں (دیکھو مقام فطرت باب دوم صفحہ تا

) لیکن یہاں پر ایک اور موقع تلاش و تفتیش کی ترغیب و تحریص کا پیش کیا جاتا ہے جس میں صاف طور پر دعویٰ کیا گیا ہے کہ کسی متنفس کو معلوم نہیں کہ اس صحیفہ فطرت کے اندر انسانی طمع اور مرفہ الحالی کے کیا بیش قیمت خزانے خفیہ طور پر دبے ہیں اور یہ دفینے ان کو ان کے عمل ہی کی جزا کے طور پر مل سکتے ہیں:

(۲۰) انما یومن بایتنا الذین اذا ذکروا بہا خرواسجدا و سبحوا بحمد ربہم و ھم لا یستکبرونo تتجا فی جنوبہم عن المضاجع یدعون ربہم خوفا و طمعاز و مما رزقنہم ینفقونo فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملونo افمن کان مومنا کمن کان فاسقلا لا یستونo اما الذین امنوا و عملوا الصلحت فلہم جنت الماوی نزلام بما کانوا یعملونo (۳۲:۱۵-۱۹)

صرف وہی قومیں ہماری (صحیفہ فطرت سے اخذ کی ہوئی ایجادوں اور احکام یعنی) آیات پر صدق دل سے ایمان و یقین کرتی ہیں جو، جب ان آیتوں سے ان کو عبرت حاصل کروائی جاتی ہے (اور وہ ان کے نفع مند ہونے کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں) تو وہ لڑکھڑا کر سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کے شکرانے میں بہ زبان حال ترانہ حمد گاتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں (جو صحیفہ فطرت کو باطل نہ سمجھ کر بے پرواہی اور غفلت کی) اکڑ نہیں کرتے۔ ان کے پہلو (صحیفہ فطرت کی تلاش کی دھن میں) بستروں سے آشنا نہیں ہوتے اور وہ اپنے رب کو (ملاقات کی) دعوت، خوفِ سزائے غفلت اور انعامات کی امید اور طمع کی وجہ سے دیتے رہتے ہیں اور جو کچھ (عطیہ جات الٰہی ایجادات کی صورت میں) ہم ان کو دیتے رہتے ہیں وہ ان کو (بہبودی خلق کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں۔ تو کوئی متنفس نہیں جانتا کہ (اس صحیفہ فطرت کے لا متناہی خزانوں کے اندر) آنکھوں کی کیا کیا ٹھنڈکیں (ایجادات اور اختراعات کی صورت میں) چھپی پڑی ہیں جو ان کو ان کے سعی و عمل کی پاداش میں بطور جزا کے ملیں گی تو (یہ بتلاؤ کہ) کیا جو شخص ایمان لے آئے اس کے برابر ہو سکتا ہے جو منکر اور بدکار ہو۔ ہرگز برابر نہیں ہو سکتا۔ تو جو قومیں ایمان لے آئیں اور انہوں نے (صحیفہ فطرت کی تلاش میں) مناسب اعمال کئے تو یہ وہ ہیں جن کو نہایت سرسبز باغ بطور پناہ کے ملیں گے اور یہ ان کی مہمانی (پروردگار کی طرف سے) ان کے حسن عمل کے بدلے میں ہو گی (یہاں کے لفظ **ایات** کے معنی سوائے صحیفہ فطرت کی آیات کے نہیں ہو سکتے۔ مقابلہ کرو اس کا آیہ (۳۷) صفحہ ۴۷ سے)۔

اسی طرح کی ترغیب و تحریص ایک دوسری جگہ ہے جس میں صاف کہا ہے کہ اگر قرآن حکیم کے احکام کو پکڑ لو گے تو درجہ بدرجہ آسمان تک ترقی کرتے جاؤ گے اور تمہیں اجرت ملے گی جو کسی طرح کم نہ ہو گی۔

(۲۱) فما لہم لا یومنونo و اذا قرء ی علیہم القران لا یسجدونo بل الذین کفروا یکذبونo واللہ اعلم بما یوعونo فبشرھم بعذاب الیمo الا الذین امنوا عملوا الصلحت لہم اجر غیر ممنونo (۸۴:۲۰-۲۵)۔ ان آیات سے پہلے "**والقمر اذا اتسقo لتر کبن طبقا من طبقا**" ہے۔

تو ان لوگوں کو (جو غفلت اور سکون کے مارے ہوئے ہیں) کیا ہو گیا ہے کہ وہ صحیفہ فطرت کی تلاش و تجسس کے سلسلے میں انسان کے ایک پیدائش سے بلند تر پیدائش میں بدلنے اور خدا سے زیادہ قریب تر ہونے کے واقع

Marfat.com

الامر پر) ایمان نہیں لاتے اور جب ان پر قرآن (کے وہ روشن حقائق جن کی سچائی چڑھتے ہوئے سورج کی طرح روشن ہے) پڑھے جاتے ہیں تو وہ اس کی آیتوں کو سن کر سجدہ نہیں کرتے بلکہ وہ لوگ جو منکر ہیں تو وہ ان آیتوں کو جھٹلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ ان آیتوں کو کون سچ مان کر اپنی جان ہمیشہ کے عذاب میں ڈالے اور ایک پیدائش سے بلند تر پیدائش میں بدلنے کے لازمات پیدا کرے) اور اللہ ہی خوب جانتا ہے جو چور ان کے دلوں میں بیٹھا ہے تو (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے۔ (ہاں البتہ) وہ قومیں جو صحیفہ فطرت پر ایمان لا کر مناسب عمل کرتی رہیں تو ان کو ان کے اعمال کی مزدوری بلاکم و کاست مل کر رہے گی۔ (طبقا عن طبق یعنی ایک درجے سے دوسرے درجے پر چڑھنا صاف انسان کا خدا تک اور ارتقاء ظاہر کرتا ہے۔ فتدبر)

(۲۲) رسولا یتلوا علیکم ایت اللہ مبینت لیخرج الذین امنوا و عملوا الصلحت من الظلمت الی النور ط ومن یومن باللہ و یعمل صالحا یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ابدا ط قد احسن اللہ لہ رزقا ○ (۶۵:۱۱)

(لوگو!) یہ وہ رسول ہے جو تم لوگوں پر خدا کی (وہ روشن) آیات پڑھ (کر خبردار کر) رہا ہے جو (قانون خدا کو) واضح اور اظہر من الشمس کرنے والی ہیں اور ان کی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کرنے والی قوم کو (جہالت اور غفلت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ترقی اور تمدن کے) نور کی طرف لے جائے (جس سے قوم کی مادی اور روحانی حالت کا ہر شعبہ روز روشن کی طرح منور ہو جاتا ہے) اور جس متنفس یا فرد نے (جماعت کے فرد ہونے کی حیثیت میں) خدا (کی بنائی ہوئی فطرت کو برحق سمجھ کر اس) پر یقین و ایمان پیدا کر لیا اور اس نے (اس کے اصلی غرض و منشا کو پیش نظر رکھ کر) مناسب اعمال کئے تو اس کو خدا ایسے سرسبز باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے دریا بہ رہے ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ تک رہیں گے (اور یاد رکھو کہ) خدا نے اس کے لئے بہتر سے بہتر رزق مہیا کر دیا (اندھیرے سے روشنی میں نکالتے وقت رزق کا ذکر کرنا گویا دنیاوی حالت کو درست کرنے کا نور ہی ہے)

الغرض قرآن حکیم کے نقطہ نظر سے اس تمام سعی و عمل، رکوع و سجود، اضطراب اور ایمان کا نتیجہ مومن کے حق میں ایک ایسی ناقابل شکست جماعت کا قیام روئے زمین پر ہے جو اپنے ایمان اور عمل صالح کے زور سے روز بروز سطح زمین پر پھیلتی جائے اور جس کی بنیاد ایمان اور اعمال صالح پر ہو:

(۲۳) ھوالذی ارسل رسولہ بالھدے و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ط و کفی باللہ شھیدا ○ محمد رسول اللہ ط والذین معہ اشداء علی الکفار رحما بینھم تراھم رکعا سجدا ط یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا ز سیما ھم فی وجوھھم من اثرالسجود ط ذالک مثلھم فی التورتہ ج و مثلھم فی الانجیل ج کزرع اخرج شطاہ فازرہ فستغلظ فلستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار ط وعد اللہ الذین امنوا و عملوا الصلحت منھم مغفرۃ و اجرا عظیما ○ (۴۸:۲۸-۲۹)

(لوگو! تمہارا پروردگار) وہ پاک ذات ہے جس نے اپنے رسولؐ کو (خاص اپنی طرف سے) خاص الخاص ہدایت اور (صحیفہ فطرت کا) برحق دین دے کر صرف اس غرض و غایت کے لئے بھیجا کہ وہ دین باقی سب دینوں پر (اسی

طرح) غالب آ جائے (جس طرح کہ ہر باطل پر سچائی غالب آ جاتی ہے) اور اس امر کے لئے (کہ یہ خدا کا دین کیونکر باطل پر غالب آ جائے گا) خدا کا گواہ ہونا کافی ہے۔ (لوگو! یاد رکھو کہ) محمدؐ خدائے عالمیان کی طرف سے بھیجا ہوا شخص ہے اور جو لوگ (اس کے دین کو صحیح معنوں میں ترقی کے فلک الافلاک تک لے جانے والا دین سمجھ کر) اس کے ساتھ ہو چکے ہیں (وہ اس عظیم الشان عزم اور استقلال کے مالک ہیں کہ) ان لوگوں پر جو خدا کے (قانون اور صحیفہ فطرت کے) منکر ہیں انتہائی طور پر سخت ہیں (اور ان کو مٹا کر رہیں گے) (اور اسی طرح) وہ آپس میں انتہائی طور پر رحم دل ہیں (کیونکہ ان سب کا منتہائے نظر ایک ہے) تو ان کو دیکھ رہا ہے کہ وہ (خدا کے ہر حکم پر) تن بہ تسلیم اور سر بسجود ہیں۔ وہ (خدا سے ایک ہی چیز کی) تجسس اور تلاش میں ہیں اور وہ اللہ کی طرف سے (قوم پر) دنیاوی انعامات کی بارش اور اس کی خوشنودی ہے۔ ان کی علامت یہ ہے کہ ان کے چہروں سے ہی تسلیم کے آثار عیاں ہیں۔ یہی ان کی وہ تصویر تھی جو تورات میں بیان کر دی گئی تھی اور یہی ان کی نشانی انجیل میں واضح ہے۔ یہ وہ عظیم الشان لوگ ہیں جو) مثل ایک کھیتی کے ہیں جس نے (پہلے) اپنی (چھوٹی سی) کونپل نکالی پھر اس کو طاقتور کر دیا' پھر وہ موٹی ہوتی گئی' پھر اپنی ڈنڈی پر خوب قائم ہو گئی اور کسانوں کو (جنہوں نے بیج بویا تھا) خوش کرنے لگی تاکہ منکر لوگ ان کو دیکھ کر (سخت ترین) غصے میں آ جائیں۔ (یاد رکھو کہ) اللہ نے ان میں سے ایمان والی قوم سے جنہوں نے (خدا کے منتہا کو سامنے رکھ کر) مناسب اعمال کئے ان کی واماندگیوں پر پردہ پوشی کا وعدہ کر رکھا ہے اور (اس کے علاوہ) ایک بہت بڑے عظیم الشان اجر کا وعدہ (جو بادشاہت زمین کی صورت میں ہو گا)۔ (تورات اور انجیل کے ذکر سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی ایمان اور عمل صالح کے یہی اوصاف تھے۔)

(۱۷) سے لے کر (۲۳) تک کی آیتوں کو جو اس جگہ درجہ بہ درجہ پیش کی گئی ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں ایک حیرت انگیز وحدت مقصد نظر آئے گا جو ہر صاحب نظر کو قرآن حکیم کے انتہائی طور پر عمیق اور بلیغ ہونے کا یقین دلا دے گا۔ (۱۷) میں صاف طور پر عیاں کر دیا ہے کہ خدا کے بارے میں علم کے بغیر ٹاک ٹوئیے مارنا کہ خدا یوں ہے' ایسا ہے ویسا ہے' یہ چاہتا ہے' وہ چاہتا ہے' یہ اس کی مرضی ہے' فلاں شے اس کی مرضی کے خلاف ہے' وغیرہ وغیرہ سب عبث ہے' گمراہی ہے' قوم کو جہنم میں پھینکنا ہے۔ خدا کو سمجھنا چاہتے ہو تو آنکھ اور کان اور ذہن کے ذریعے سے علم حاصل کرو اور اس کی بنائی ہوئی فطرت کو دیکھو' اس روشن کتاب (کتب منیر) کا مطالعہ بہ چشم خود کرو جو تمہارے سامنے ہے یا اس کتاب وحی سے "ھدیٰ" حاصل کرو جو پیغمبروں کے ذریعے سے بھیجی گئی۔ (۱۸) کی دونوں آیتوں میں زمین اور آسمانوں کی لا انتہا اور حیران کن مخلوق کی پیدائش' خدا کی لازوال حکومت اور اٹل قانون کے رائج ہونے کا ذکر کر کے دونوں جگہ صاف کہہ دیا ہے کہ یہ صحیفہ فطرت میں بار بار مخلوق کا پیدا ہونا ہی اس واحد غرض کے لئے ہے کہ ایمان اور عمل صالح والی قوم کو اس کے حسن عمل کا انعام پورے طور پر دیا جائے' اس فطرت کی "آیات" کو سچ جاننے والی قوم کو بادشاہت اور غلبہ دے کر باعزت کر دیا جائے (فی روضۃ یحبرون) بلکہ "آخرت" میں خدا سے ملاقات کی امید پیدا کی جائے وغیرہ وغیرہ۔ (۱۹) کی پہلی آیت میں پھر وہی **یجزی** کے الفاظ ہیں جو (۱۸) کی پہلی آیت میں آئے لیکن یہاں **من فضلہ** کا ذکر ہے جس کا یقینی مفہوم دنیاوی خوشحالی ہے۔ (۱۹) کی دوسری آیت **امنوا بالباطل و کفروا باللہ** کے الفاظ سے صاف ثابت ہے کہ یہ اشارہ صرف صحیفہ فطرت کو باطل سمجھنے کا

Marfat.com

ہے: (دیکھو ۳۸:۲۷-۲۸) اور خسرون کے الفاظ سے ثابت ہے کہ یہ گھاٹا بھی صرف دنیاوی گھاٹا ہے۔ آگے چل کر عذاب بھی جو گمراہ قوم کو ملے گا خالص دنیاوی ہے۔ پھر اس عذاب کی تصویر کھینچنے کے بعد ایمان والی قوم سے جو "اپیل" کی گئی ہے یہ ہے کہ "یہ میری زمین بڑی ہی وسیع ہے" گویا اس میں بے شمار انعامات ہیں جو میرے قانون کی پابندی اور میری ہی "عبادت" یعنی ملازمت اختیار کرنے سے مل سکتے ہیں: **(فایای فاعبدون)** پھر کہا کہ ایمان اور عمل صالح والی قوم کو ہی ان باغوں کی بادشاہت ملے گی جن کے نیچے دریا بہ رہے ہوں گے اور صاف کہہ دیا کہ سعی و عمل کرنے والوں کو کیا اچھا اجر ہے **(فنعم اجر العاملین)** اس سعی و عمل کی مزید تشریح کر دی ہے کہ اس قوم میں تلاش فطرت کے بارے میں پورا استقلال ہو: **(اللذین صبروا)** (اس **صبروا** کا مقابلہ (۲) کے **تواصوا بالصبر** سے کرو) اور پھر خدا پر پورا بھروسہ ہو کہ جو کچھ ملے گا اسی فطرت کی جانچ پڑتال اور اسی وسیع زمین کی تلاش و تفتیش کے بعد ملے گا۔ یہ تمام باتیں آج حرف بحرف دنیا کی ہر زندہ قوم کر رہی ہے اور اس کا اجر اپنے پروردگار سے نقدا نقد پا رہی ہے۔ ادھر عمل صالح کو تسبیحوں کی ہیر پھیر اور نمازوں کے سجدے سمجھنا اور ادھر جزا و اجر کو "آخرت" کا نسیہ سمجھ کر خوش رہنا وہ آشوب ذہن ہے جو مسلمانوں میں زوال کے بعد پیدا ہوا۔ قرآن کے مولویانہ معنی کر کے خدا کی **ایات بینات** کو بے معنی اور مضحکہ انگیز کر دینا وہ عظیم الشان گناہ ہے جس کی پھٹکار آج مسلمانوں کی تمام قوم پر پڑ رہی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان بے ہودہ معنوں کی وجہ سے تمام دین اسلام سکون اور زوال کا سبب بن چکا ہے۔ فتدبر۔

(۱۸)۲۔ کے اخیر میں **کذبوا بایتنا** اور (۲۰) کے شروع میں **یومن بایتنا** کے الفاظ ہیں اور ساتھ ہی **انما** (یعنی صرف) کا لفظ ہے جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ دنیا میں وہ واحد قوم کون ہے جو خدا کی (صحیفہ فطرت کی) "آیتوں" پر صحیح معنوں میں ایمان لاتی ہے۔ (۲۰) کی پہلی آیت میں اگر انتہائی غور سے دیکھا جائے تو قریباً وہی مضمون ہے جو آیہ (۳:۱۹۰-۱۹۱) میں ہے وہاں **یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبھم** ہے یعنی صاحب دانش و بینش وہ لوگ ہیں جو صحیفہ فطرت پر کھڑے بیٹھے اور لیٹے غور کر کے گویا "اللہ کو یاد" کر رہے ہیں اور فطرت کی حیران کن اشیاء کی تلاش و تفتیش کرتے کرتے بزبان حال پکار اٹھتے ہیں کہ اے پروردگار عالم! تو نے اس کارخانہ فطرت کو باطل ہرگز نہیں بنایا **(ربنا ما خلقت ھذا باطلا)** یہاں یعنی (۲۰) کی پہلی دو آیتوں میں بھی **جنوبھم** اور **ذکر** کے الفاظ ہیں لیکن کہا ہے کہ وہ خدا کی "آیتوں" کو "یاد" کر کے بزبان حال سجدے میں گر پڑتے ہیں گویا جب وہ صحیفہ فطرت کی تلاش کے دوران میں عجیب و غریب ایجادوں سے دوچار ہوتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں کہ خدا نے اس فطرت کے اندر کیا کیا ممکنات رکھی ہیں۔

علامہ مشرقیؒ لکھتے ہیں:

> "اس سلسلے میں عجیب و غریب واقعہ جو کیمبرج یونیورسٹی میں میرے ساتھ ۱۹۰۹ء میں ہوا' یہاں پر بیان کرنے کے لائق ہے۔ میں ۱۹۰۷ء میں کیمبرج میں داخل ہوا اور ایک سال ہی میں میں یونیورسٹی کے تمام کالجوں کے ریاضی کے آزمائشی امتحان میں اول رہا۔ میری عمر بھی اس وقت ۱۹ سال تھی اور میں نمایاں ہونے کی وجہ سے شوخ ترین طالب علموں میں سے تھا۔ کیمبرج میں دستور ہے کہ وہاں کے کسی پروفیسر سے طالب علم بالعموم کلام نہیں کرتے کیونکہ یہ لوگ اپنی ایجادات میں محو رہتے ہیں اور ان کی دنیا ہی کچھ اور ہے۔ ایک روز میں نے اتوار کے دن ایک بہت بڑے نامور پروفیسر کو بازار میں دیکھا کہ معمولی سے کپڑوں میں انجیل اور چھتری دونوں بغلوں میں دبائے آ رہا ہے حالانکہ اس وقت سخت بارش ہو رہی تھی۔ اپنی شوخی کی وجہ سے جھٹ اس کو سلام کیا۔ پروفیسر

Marfat.com

نے مسکرا کر جواب دیا تو شیر ہو گیا اور اس سے انتہائی گستاخی کر کے پوچھا کہ "جناب! آپ تو دنیا کے مشہور ترین عالم ہیں آپ انجیل پر کیسے یقین کرتے ہیں؟" پروفیسر یہ کہہ کر چل دیا کہ "جمعرات کے دن میرے مکان پر آؤ۔" میں نے اپنے تمام ہم جماعتوں میں ہنگامہ مچا دیا کہ دیکھو پروفیسر نے مجھے مکان پر بلایا ہے۔ وہ یقین نہ کرتے تھے۔ جمعرات کے دن ایک شریر جماعتی (جو انگریز تھا) میرے ساتھ ہو گیا کہ چلو تمہارے جھوٹ کو آزمائیں۔ ٹھیک چار بجے ہم پروفیسر کے مکان پر پہنچے تو عین اس وقت اس کے مکان کا دروازہ کھلا اور ایک عورت میرا نام پوچھ کر مجھے اندر لے گئی۔ میرا ساتھی یہ منظر دیکھ کر بھاگ گیا۔ پروفیسر نے نہایت محبت آمیز لہجے میں مجھے چائے پیش کی۔ پھر کہا تمہارے سوال کا جواب دینے کے لئے میں نے تمہیں بلایا ہے۔ میں اس تمام واقعے سے پہلے ہی ڈرا ہوا تھا۔ میں نے معذرت کی اور کہا کہ بڑا گستاخانہ سوال تھا جو میں نے کیا۔ الغرض ایک گھنٹہ تک اس نے مجھے سمجھایا کہ یہ صحیفہ فطرت کیا ہے۔ ہم اس کی تلاش میں کس قدر محو ہیں' ہم اس کے اندر کیا کیا عظیم الشان باتیں دیکھ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں اس نے یہ الفاظ بعینہٖ کہے کہ "میں تم کو اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب سے میں صحیفہ فطرت کی تلاش میں لگا ہوں میرے بدن کے رونگٹے خدا کے خوف سے ہر دم کھڑے رہتے ہیں۔" میں حیران رہ گیا کیونکہ ہمارے ہندوستان کے سائنس پڑھے ہوئے "نیم حکیم" پروفیسر تو اکثر خدا کے منکر ہوتے ہیں۔ الغرض ان الفاظ کو جب دو سال بعد ۱۹۱۱ء میں ہی کیمبرج کی یونیورسٹی میں عربی کا امتحان دیتے ہوئے قرآن حکیم میں پڑھا **انما یخشی اللہ من عبادہ العلمواء** اور **تقشعرمنہ جلودھم** کے لفظوں پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ علما مولوی لوگ نہیں بلکہ یہ عالم ہیں جنھوں نے دنیا میں ایک تہلکہ مچا رکھا ہے۔ اس وقت سے قرآن کی عظمت میرے دل میں بیٹھتی گئی اور یہ واقعہ قرآن حکیم کے متعلق روشنی کی پہلی کھڑکی تھی جو مجھ پر اتفاقاً کھلی ورنہ میں سائنس پڑھ کر قرآن سے بالکل محروم رہتا۔"

Marfat.com

اسی لئے خدائے عظیم نے (۲۰) کی اگلی آیتوں میں صاف کھول دیا کہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس صحیفہ فطرت کے اندر کیا کیا "آنکھوں کی ٹھنڈکیں" یعنی ایجادات موجود ہیں۔ اس سے اگلی آیت میں **مومن** اور **فلسق** کا بعینہٖ اسی طرح مقابلہ کیا ہے جس طرح کہ سورہ فاطر کی آیات ۲۷ تا ۲۹ میں **متقین** اور **فجار** کا کیا ہے اور **امنوا و عملوا الصلحت** کے الفاظ بھی دونوں جگہ موجود ہیں جن سے قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہاں سب بات صحیفہ فطرت کی "آیات" کے متعلق ہی ہو رہی ہے۔ وہ بات ہرگز نہیں کہ جب قرآن کی کوئی آیت تلاوت کرو تو سجدے میں جھک جاؤ اور چہرے بنا کر الحمدللہ پڑھ دیا کرو!

(۲۱) میں حیرت انگیز طور پر ان تمام باتوں کی تائید مزید ہوتی ہے جو (۱۷) سے (۲۰) تک کی آیات کے متعلق اوپر کی گئیں ان آیات کی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے:

فلا اقسم بالشفق ○ والیل و ما وسق ○ والقمر اذا اتسق ○ لترکبن طبقا عن طبق ○ فما لھم لا یومنون ○ و اذا قری علیھم القران لا یسجدون ○ (۸۴:۱۶-۲۱)

تو (خبردار ہو جاؤ کہ) میں (اس سرخی کی) شہادت دے کر کہتا ہوں (جو دن کے اختتام پر) شفق کی (صورت میں نمودار ہوتی ہے) اور (پھر اس سرخی شفق کے بعد اس) رات کی شہادت دیتا ہوں اور (ان سب اشیاء کی) جن

پر وہ چھا جاتی ہے اور چاند کی شہادت دیتا ہوں جب وہ (آہستہ آہستہ باریک دھاری سے بڑھ کر) پورا چاند بن جاتا ہے کہ تم (انسان) ضرور ایک درجہ (پیدائش) سے دوسرے درجہ (پیدائش) تک (اسی طرح) چڑھتے جاؤ گے (جس طرح کہ زوال آفتاب کے بعد شفق، شفق کے بعد رات اور رات کے بعد چودھویں رات کا پورا چاند نمودار ہوتا ہے اور روشنی کمال کو پہنچ جاتی ہے!) تو کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو کہ وہ (انسان کے اس حیرت انگیز ارتقا پر) ایمان نہیں لاتے اور جب ان کو قرآن عظیم کی یہ حوصلہ افزاء حقیقتیں) پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں نہیں جاتے (یعنی ان کو تسلیم نہیں کرتے) وغیرہ وغیرہ۔

الغرض (۲۱) کی آیتوں میں واضح طور پر بتلا دیا کہ انسان کا ایک طبقے سے دوسرے طبقے پر ارتقا ہو کر رہے گا اور یہ ارتقا چاند کی طرح مکمل ہو گا۔ ایمان اور عمل صالح والی قومیں ہی اس ارتقا سے فائدہ اٹھائیں گی اور ان کو بلا کم و کاست مزدوری ملے گی۔

ان تمام آیتوں سے جو (۱۷) سے لے کر (۲۱) تک دی گئی ہیں ایک غائر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن حکیم کا **امنوا و عملوا اصلحت** ایک طول و طویل اور جان کاہ عمل ان قوموں کا ہے جو **تواصوا بالحق** اور **تواصوا بالصبر** (دیکھو (۲) کرتی رہیں۔ گویا جنہوں نے اس دنیا کی واحد حقیقت (یعنی صحیفہ فطرت) کو جم کر پکڑ لیا اور پھر اس حقیقت تک پہنچنے کے لئے جم کر استقلال سے عمل کیا۔ یہی شے (۴) میں ہے جہاں حق کے لفظ کے ساتھ باطل کے لفظ کو بھی دہرایا ہے۔ ادھر باطل کے متعلق صاف طور پر کہہ دیا کہ جس نے کارخانہ زمین و آسمان کو باطل سمجھا وہ کافر ہے، **مفسد فی الارض** ہے، متقی نہیں ہو سکتا: (۱) اسی وجہ سے سورۂ عصر میں صاف کہہ دیا کہ انسان گھاٹے میں رہے گا مگر وہ قومیں جو صاحب ایمان اور صاحب عمل صالح ہیں: (۲) اسی وجہ سے زمین کے اوپر کی سب اشیاء کو باعث زینت زمین کہہ کر اس زینت دینے کے عمل کو "حسن عمل" کہا: (۱۲) اسی وجہ سے داؤد علیہ السلام کی زرہوں کی صنعت وغیرہ کو "**عمل صالح**" سے تعبیر کیا: (۱۳) اسی صحیفہ فطرت کی تلاش و تفتیش کے باعث سلیمان علیہ السلام کے متعلق کہا کہ ان کو **علم** اور **حکم** دیا گیا: (۱۴)۱۔ داؤد علیہ السلام کے متعلق **علم** اور **فضل** کے الفاظ استعمال کئے: (۱۴)۲۔ لوطؑ کے متعلق **حکم**، **علم**، **رحمتہ**، **صالح** کے لفظ استعمال کئے: (۱۴)۳۔ میں اسحٰقؑ، یعقوبؑ، اسمٰعیلؑ، ادریسؑ، ذالکفلؑ، سلیمانؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق صالحین کے لفظ استعمال کئے: (۱۴)۴ تا ۷۔ نیز (۲۱) وغیرہ وغیرہ۔ الغرض ان تمام آیات پر ایک نظر دوڑا کر قطعی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن حکیم میں صالحیت کیا ہے اور **امنوا و عملوا الصلحت** والی قوموں کے کیا عمل ہونے چاہئیں۔ صرف (۹) تا (۱۱) والی آیتوں کو پکڑ کر اس سے ایسے نتیجے اخذ کر لینا کہ صالحیت صرف نماز، روزے اور زکوٰۃ اور تسبیح خوانی کا نام ہے قرآن حکیم کے ساتھ صریحاً" بددیانتی کرنا ہے۔

قرآن حکیم کے متعلق ایک مشہور حدیث ہے: **لکل ایت منها ظهر و بطن و لکل حد مطلع** یعنی قرآن کی ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور ہر ایک کی ایک حد مخصوص ہے۔ اس حدیث کو مدنظر رکھ کر جو حیرت انگیز تطابق ان آیتوں میں جو پیش کی گئیں اور جو قرآن حکیم میں دور دور مختلف جگہوں اور سورتوں میں بکھری پڑی ہیں اب تک "بطنا" ظاہر ہوا ہے اس امر کی روشن دلیل ہے کہ قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ جامع اور مانع ہے۔ ہر لفظ ہر اصطلاح، ہر بیان کے ایک مستقل اور معین معنی ہیں اور اسی لئے کہ ہر قرآنی اصطلاح (مثلاً ایمان، کفر، فسق، عمل صالح، شرک، وغیرہ وغیرہ) ایک مستقل معنی رکھتی ہے اور وہ مستقل معنی قرآن کو ظاہرہ طور پر پڑھتے وقت قاری کے ذہن میں پورے طور پر نہیں ہوتے، قرآن کو پڑھنے والا صرف اس آیت کے ظاہری معانی لے لیتا ہے اور وہ جامع اور مانع معنی جو قرآن کو مکمل طور پر پڑھنے سے حاصل ہوتے ہیں بلکہ جن کے باعث قرآن کے کسی محاکے کی دلیل روز روشن کی طرح واضح

ہو جاتی ہے نظرانداز کر دیتا ہے۔ اسی ظاہری معنی لے لینے کی وجہ سے قرآن حکیم کی اکثر آیتیں بے ربط دکھائی دیتی ہیں۔ ایک آیت کا جوڑ اگلی آیت سے، بلکہ آیت کے ایک حصے کا جوڑ اس کے دوسرے حصے سے پورے طور پر نہیں ہوتا اور قرآن حکیم صرف پریشان خیالات کا مجموعہ نظر آتا ہے۔ اسی عنوان کے تحت میں شروع کی تمام آیتیں (۱) تا (۴) اس دعوے کی روشن دلیل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال کے وقت کے مفسروں نے قرآن حکیم کی آیتوں کے صرف ظاہری معنی کر دیئے اور ان باطنی معنوں سے جو قرآن کے حقیقی مصنف عزوجل کے ذہن میں قرآن حکیم کی تصنیف کے وقت تھے عوام کو قطعی طور پر بے خبر کر دیا۔

مذکورہ بالا تصریحات کو جو **امنوا و عملوا الصلحت** کا قرآنی اور الٰہی مفہوم پیش کرنے کے بارے میں کیں، اوپر حدیث کی روشنی میں دیکھ کر جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے یہ ہے کہ **امنوا** اور **عملوا الصلحت** کی مصداق وہی قومیں ہیں جو اس دنیا کی تمام باطل اور بے حقیقت باتوں کو یکسر چھوڑ کر صرف حق اور حقیقت کی طرف لگی ہیں، صبر اور استقلال ان کا خاصہ ہے، فطرت پر کامل ایمان و یقین کرنا ان کی ذہنی خصوصیت ہے، "توکل" ان کے یقین کا طغرائے امتیاز ہے، **خلسرین** یعنی گھاٹا کھانے والوں میں سے نہ ہونا ان کا دائمی طریق عمل ہے، جنت زمین کا بدرجہ اتم مالک ہونا حکم اور علم رکھنا، فضل خدا کی تلاش میں لگے رہنا، آخرت میں خدا سے دوبدو ملاقات کی کامل توقع رکھنا، فطرت کی کتاب منیر کو سامنے رکھ کر خدا کی ماہیت کو پیہم سمجھتے رہنا اور سب سے زیادہ یہ کہ چاند کی طرح آہستہ آہستہ بڑھ کر چودھویں رات کے چاند کی طرح مکمل ہوتے جانا بلکہ بالاخر پیدائش کے ایک ادنیٰ درجے سے لے کر اعلیٰ درجہ کی طرف چڑھتے جانا ان کا وہ دستورالعمل ہے جس سے ایک لحہ ان کو فرصت نہیں ملتی، یہی ہیجان ان کے دلوں کو ہر وقت گرمائے رکھتا ہے۔ اسی ہیجان کے باعث ایسی صاحب ایمان اور صاحب اعمال صالح قوموں کے چہروں سے خدا کے قانون اور خدا کی بنائی ہوئی فطرت کو تسلیم کر لینے کی تڑپ صاف نظر آتی ہے، ان کی حیثیت تمام دنیا کی قوموں میں ایک ممتاز حیثیت ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو ربانی اصطلاح میں سرور کائنات اور ختم رسل محمد علیہ اصلوۃ والسلام کے پیرو اور ان کی امت ہیں۔ آج کل کے مسلمان کو سوچنا چاہیئے کہ ختم رسل محمدؐ ان کو کب اپنی امت تسلیم کرے گا؟

اب اس تشریح کو پیش نظر رکھ کر (۲۳) کے مضمون پر غور کرو۔ اس میں خدا نے اپنے رسولؐ کو **ھدی** اور **دین الحق** (یعنی دین فطرت) دے کر بھیجنے کی واحد غرض یہ بیان کی ہے کہ وہ دین انسان کے تمام بنائے ہوئے دینوں پر غالب آ کر رہے۔ گویا یہ طریقہ جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو دیا عالمگیر ہو جائے اور نسل انسانی کی کسی قوم کو اس کے بغیر چارہ نہ رہے۔ پھر کہا ہے کہ اس بات کی نگرانی کے لئے کہ خدا کا بھیجا ہوا دین کیونکر عالمگیر ہو گا۔ خدا خود کافی ہے (دوسرے لفظوں میں یہ کہ اگر کوئی قوم اس دین کو اختیار نہ کرے گی تو خود سزا بھگتے گی) پھر دعویٰ کیا ہے کہ محمدؐ خدا کا بھیجا ہوا پیغامبر نسل انسانی کی طرف ہے اور جو لوگ اس کا ہم نوا ہو گئے ہیں وہ خدا کے قانون اور اس کے بنائے ہوئے صحیفہ فطرت سے منکر لوگوں کے حق میں اس قدر سخت ہیں کہ وہ ان کو دنیا سے نیست و نابود کر دینے کا عزم کر چکے ہیں، وہ آپس میں کامل طور پر متحد ہیں کیونکہ ان کی غرض دشمن کو تہس نہس کر دینا اور صرف دین فطرت کو قائم کرنا ہے۔ (یہی شروع شروع کے مسلمانوں نے قرنوں تک کیا اور ملک کے ملک آنکھ کی جھپک میں فتح کرتے گئے)۔ پھر کہا تو ان کو دیکھے گا کہ وہ صحیفہ فطرت کی "آیتوں" کو دیکھ کر "سجدے" اور "رکوع" کرتے ہیں (اس کے لئے دیکھو (۲۰) کا اسی طرح کا **خروا سجدا** والا مضمون جس میں لکھا ہے کہ جب ان کے سامنے وہ آیات آ جاتی ہیں تو لڑکھڑا کر گر پڑتے ہیں اور حمد رب کے "ترانے" گاتے ہیں اور "تسبیحیں" پڑھتے ہیں۔ وہ صحیفہ فطرت کو لاشے سمجھ کر اکڑتے نہیں، ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے اور وہ اپنے پروردگار کو سزا

کے خوف سے اور انعام کی طمع سے "بلاتے" ہیں وغیرہ وغیرہ۔ نیز دیکھو آیات (۳:۱۹۰-۱۹۱) **(ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار لایت لاولی الالباب○ الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبھم و یتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا)** کا مضمون جس میں پھر **یذکرون اللہ** یعنی "ذکر خدا" کی تشریح یہ کی ہے کہ وہ **یتفکرون فی خلق السموت والارض** یعنی صحیفہ فطرت پر غور و خوض اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے کرتے رہتے ہیں! اور بہ زبان حال پکار اٹھتے ہیں کہ خدایا! تو نے اس کارخانے کو باطل اور بے معنی نہیں بنایا' اس کے بنانے میں ضرور کوئی مقصد ہے' وغیرہ وغیرہ) پھر خدا کہتا ہے کہ تو ان محمدؐ کے پیروؤں کو دیکھے گا کہ وہ صحیفہ فطرت کی آیتوں کو دیکھ کر سجدے میں لڑکھڑا کر گر پڑتے ہیں اور ان کی ایک ہی دھن ہے کہ وہ اللہ سے تمام قوموں پر فضیلت اور برتری چاہتے ہیں: **(یبتغون فضلا من اللہ)** اور یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح خدا راضی ہو جائے کہ ہم محمدؐ کے دین کو لے کر اسی مقصد کی طرف جا رہے ہیں جو خدا کا مقصد ہے۔ پھر کہا ہے کہ ان لوگوں کی نشانی یہ ہے کہ ان کے چہروں سے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نقش ظاہر ہے۔ اس سے مولوی صاحبان کے پیشانیوں کے گٹے مراد لے لینا قرآن عظیم کی توہین ہے اور وہی اوپر کی حدیث والی بات ہوئی کہ قرآن کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک اس کا باطن ہے بلکہ مراد یہ کہ محمدؐ کے پیروؤں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے چہروں سے **(فی وجوھھم)** (نہ کہ ماتھوں سے جیساکہ مسلمان اپنے ماتھوں پر سجدوں کے نشان ڈال کر "مومن" بنا چاہتے ہیں!) ہاں ہاں! ان کے چہروں سے (یعنی ان کے حلیئے سے بلکہ ان کے روز و شب کے عمل سے) ہی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس صحیفہ فطرت کے دین کو اپنا راہنما ہمیشہ کے لئے تسلیم کر چکے ہیں۔

رسول خدا کے پیروؤں کی یہ نشانیاں بیان کرنے کے بعد خدا نے معاملے کو اور واضح کرنے کے لئے کہہ دیا کہ یہی ان لوگوں کی تصویر **(فالک مثلھم)** تورات میں ہے اور یہی انجیل میں۔ اس تشریح سے مفسروں اور مسلمانوں کے "پیشانیوں کے گٹوں" کا بھانڈا پھوٹ گیا کیونکہ تورات اور انجیل میں تو کہیں محمدیؐ نماز کے رکوع و سجود کا ذکر تک نہیں اور نہ ان کی نمازیں مسلمانوں کی نمازوں سے کسی رکن میں ملتی جلتی تھیں۔ خدا کے اس کہنے سے کہ محمد صلعم کے پیروؤں کے یہی وصف تورات اور انجیل میں لکھے ہیں' مراد یہ تھی کہ خدا کے دین کے علمبردار ہمیشہ سے اسی قطع کے چلے آئے ہیں' ان کا طغرائے امتیاز قانون خدا کو تسلیم کرنا ہے۔ خدا کی عظمت' صحیفہ فطرت کی عظمت' اللہ کے قانون کے اٹل ہونے کی عظمت ان کے ہر فعل سے نمایاں ہے' وہ رات دن اس دھن میں ہیں کہ وہ عمل کئے جائیں جن سے ابتغائے فضل ہو یعنی قوم فضیلت کے ایک درجے سے دوسرے درجے پر بڑھتی جائے' ایک ملک کو فتح کیا تو دوسرے ملک کو فتح کرنے کی فکر ہو۔ اگر خدا کا قانون یہ ہے کہ جان دو تو جان دے دی جائے۔ اگر ضرورت اس کی پڑ رہی ہے کہ سب مال قوم کی بہتری کے لئے قربان کر دیا جائے تو اس میں مضائقہ نہ ہو' اگر تقاضائے وقت یہ ہے کہ ہجرت کی جائے تو کر دی جائے' اگر قوم بلند اس طرح پر ہو سکتی ہے کہ بڑی بڑی ایجادیں کی جائیں تو حضرت سلیمان کی طرح ہوا کو مسخر کیا جائے' حضرت داؤدؑ کی طرح زرہیں بنائی جائیں یا اگر تقاضائے وقت اس طرح پر ہو کہ ایٹم بم بنایا جائے' یا چاند کی سرزمین اور دوسرے سیاروں تک پہنچا جائے تو یہ سب چیزیں کی جائیں کیونکہ یہ سب **دین الحق** ہے۔ دین محمدؐ ہے' دین خدا ہے! وغیرہ وغیرہ' مزا یہ ہے کہ دین محمدؐ اب تورات اور انجیل والوں نے بھی پھر اختیار کر لیا ہے اور محمدؐ کا نام لینے والے محمدیؐ اپنی پیشانیوں پر نماز کے نرے گٹے ڈال کر خدا کے دردناک عذابوں سے دوچار ہو رہے ہیں۔ محمدؐ کے دین کو اصلی طور پر غالب کرنے والے مدینہ' دمشق' جبل الطارق اور بغداد چھوڑ کر لندن اور نیویارک میں بیٹھے ہیں! آہ! یہ کیا دلخراش منظر ہے! کیا منظر ہے کہ مسلمانوں کے پاس صرف قرآن کے ورق رہ گئے ہیں اور وحی جو درحقیقت قوموں کے سینوں میں ہوا

Marfat.com

کرتی ہے انگریزوں اور امریکنوں کے ملک میں پہنچ چکی ہے۔ پھر آخر میں انہی دین محمدؐ کے علمبرداروں کے متعلق وہ حیرت انگیز تصویر پیش کر دی جو آج ہر زندہ قوم پر راست آتی ہے۔ کہا کہ محمدؐ کے پیرو ایک کھیتی کی طرح ہیں جس نے اپنی چھوٹی سی کونپل شروع شروع میں نکالی پھر وہ کونپل جھٹ پٹ مضبوط ہوتی گئی پھر موٹی ہو گئی' پھر یک لخت اپنی ڈنڈی پر جم کر کھڑی ہو گئی' پھر وہ اتنی تناور اور شاندار ہوئی کہ خود کھیتی باڑی کرنے والے حیران ہیں کہ اس قدر جلد سرو قد کیونکر ہوئی اور تم محمدؐ کے آج کل کے رسمی پیرو اپنی انگلیاں منہ میں لے لے کر مارے غصے کے کاٹ رہے ہو' پھر کہا کہ ایمان اور عمل صالح والی قوم کو خدا کا اس دنیا میں اجر عظیم کا وعدہ ہے اور یہ بھی وعدہ ہے کہ تھوڑی بہت غلطیاں جو ان سے ہوا کریں گی ان پر پردہ پوشی بھی کافی فیاضی سے ہوا کرے گی۔

الغرض رسمی مسلمان کے لئے زوال کے اس آخری مرحلے پر بھی سوچنے کا مقام ہے کہ قرآن کا ایمان اور عمل صالح کیا ہے۔ قرآن حکیم میں **افتومنون ببعض الکتب و تکفرون ببعض**ط (۸۵:۲) کا عام محاکمہ ہے۔ یعنی کیا تم قرآن کے ایک حصے پر ایمان لاؤ گے اور دوسرے حصے کے منکر ہو گئے اور ایسا کرنے والے کے لئے دنیا اور آخرت میں رسوائی لکھی ہے۔ اس لئے ایمان اور عمل صالح کے مفہوم کا فیصلہ جب تک تمام آیات پیش نظر نہ ہوں' ہرگز نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

باب پنجم

چند اہم قرآنی اصطلاحات اور ان کا اصلی مفہوم

(تذکرہ سے ماخوذ)

(ا) عبادت

یایها الذین امنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون○ و جاهدوا فی الله حق جهاده هواجتبکم و ما جعل علیکم فی الدین من حرج ملته ابیکم ابرهیم هو سمکم المسلمین من قبل و فی هذا لیکون الرسول شهیدا علیکم و تکونوا شهداء علی الناس فاقیموا الصلوة واتوا الزکوة واعتصموا بالله هو مولکم فنعم المولی و نعم النصیر○ (۲۲:۷۷-۷۸)

اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو! اپنے خدا کے حضور میں عملاً جھکتے رہو' (ارکعوا)' اس کے سب احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دو' (واسجدوا)' اس کے سچے غلام بنے رہو' (واعبدوا)' اور بھلے اور پسندیدہ خدا کاموں میں لگے رہو تاکہ تم بالآخر کامیاب ہو جاؤ اور اپنی مراد کو پہنچو۔ اور اعلائے خدا میں کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے تم ہی کو اس مطلب کے لئے دنیا جہان کی امتوں سے انتخاب فرمایا ہے۔ اور تم ہی وہ لوگ ہو جن پر (تمہارے اپنے زعم میں) خدا نے اعمال و فرائض کے متعلق کچھ ناروا سختی نہیں کی۔ یہی دستورالعمل تمہارے باپ' ابراہیمؑ کا تھا' اور اس خدا کی عملی غلامی' اور تسلیم کے نصاب عمل کو مدنظر رکھ کر ہی اس نے اس سے پہلے بھی تم جیسے حکمبردار اور کارکن آدمیوں کا نام "مسلم" رکھا تھا اور اب بھی تمہیں اسی نام سے پکارتا ہے۔ اور یہ سب اس لئے کہ رسول تو خدا کے آقائے نامدار ہونے کی تمہیں گواہی دیتے رہیں' اور تم تمام جہان کے سامنے اپنے اعمال کے ذریعے سے خدا کے وجود کی زندہ شہادت بنو۔ پس ان سب باتوں کو مدنظر رکھ کر نماز پر قائم رہو' ہماری بارگاہ عالیہ میں پنجوقتہ حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دو' اور ہمارے وجود کو دنیا پر ثابت کر دینے کی خاطر قربانی مال (الزکوۃ) بھی کیا کرو اور اللہ کو مضبوط پکڑے رہو! وہی تمہارا آقا ہے' پر کیا ہی اچھا آقا' اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

عبادت کے قرآنی معنی آج صدیوں کے انقلاب تخیل کے بعد قطعاً" مسخ ہو چکے ہیں۔ عامتہ الناس نے بلا استثنا اس کے معنی نماز پڑھنا لے لئے ہیں اور ہر شخص چند سجدے کر لینے سے اپنے آپ کو "عابد" قرار دیتا ہے۔ شارحین' واعظین' علماء' فقہاء' جہلا سب کا غالب خیال عبادت سے نماز یا تسبیح گردانی ہی ہے۔ اور اگر کوئی شخص ذرا زیادہ وسیع النظری سے کام لیتا ہے تو باقی ارکان اسلام کو بھی داخل عبادت کر دیتا ہے یا حد سے حد علی الحساب اور احساناً کہہ دیتا ہے کہ "خدا کے لئے اٹھنا اور بیٹھنا بھی شامل عبادت ہے۔" یہی نہیں بلکہ قریب قریب ہر مذہب کی لغت میں یہ اصطلاح صرف دعا یا نماز تک محدود ہو گئی ہے۔ پرانی الہامی کتابوں کے متعلق تحقیق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان کے الفاظ کے استقلال کی کوئی سند موجود نہیں اور ترجموں میں الہامی الفاظ کی صورت' روح اور مطلب سب بگڑ چکے ہیں مگر قرآن کریم کے اندر "عبادت" کا اصلی اور صحیح مفہوم اب تک موجود ہے بشرطیکہ اس کی آیات میں صحیح تدبر کیا

Marfat.com

جائے۔ ان آیات الٰہی میں جو زیر بحث ہیں' **ارکعوا**' اور **اسجدوا**' اور **اعبدوا**' کے تین الفاظ آئے ہیں اور اگر خدائے زمین و آسمان کا کلام ہر قسم کے حشو و زواید' بے نتیجہ تکرار' یا شاعرانہ فصاحت سے قطعاً" مبرا ہے' اور اس کا ایک جملہ' ایک لفظ' اور حرف بھی ادل بدل' پس و پیش' یا حذف نہیں کیا جا سکتا' تو اس نتیجہ پر پہنچنا کچھ مشکل نہیں کہ **ارکعوا**' اور **اسجدوا**' اور **اعبدوا**' کے الفاظ کے تین مختلف اور مستقل معانی ہیں جو شارع قرآن کے ذہن میں اس وقت تھے جب آیت وحی کی گئی۔ ان کو نماز کا رکوع و سجود سمجھ کر قریب المطالب یا مترادف المعانی قرار دینا یا زورِ بلاغت کا تکرار فرض کر لینا کلام خدا کی توہین ہے۔ نصِ قرآن کے رو سے سجدہ' اور عبادت' ایک کیفیت دل کی دو مختلف حالتیں ہیں اور اسی لئے بالالتزام علیحدہ بیان کی گئی ہیں۔ "سجود" کے معانی بھی قرآن کریم میں ماتھا رگڑنے یا سر جھکا دینے کے نہیں بلکہ اس سے مقصود کیفیت اطاعت اور صرف اطاعت ہے۔ اگرچہ ماتھا رگڑنا اس کا ایک جز ہو سکتا ہے۔ مطیع شخص ممکن ہے اپنی اطاعت کے جوش میں ماتھا بھی رگڑے مگر ہر رسمی ماتھا رگڑنے والا لازماً مطیع نہیں ہوتا۔

سورہ الرحمٰن میں ہے: **ولنجم والشجر یسجدان** (۶:۵۵)' "اور ستارے اور درخت سجدہ کر رہے ہیں۔" یعنی احکام خدا کی اطاعت میں مصروف ہیں۔ ظاہری سجدہ مراد نہیں اور نہ ہو رہا ہے۔

سورہ نحل میں ہے: **و للہ یسجد ما فی السموات و ما فی الارض من دابتہ** (۴۹:۱۶) "اور جو کچھ آسمان و زمین میں چلنے والی شے ہے خدا کے آگے سجدہ کر رہی ہے" یعنی اس کے قانون کی مطیع ہے۔ علی ہذا لقیاس (۱۵:۱۳) اور (۱۸:۲۲) میں یہی مضمون ہے۔ سورۂ ال عمران میں اہل کتاب کے متعلق کہا ہے: **یتلون ایت اللہ اناء لیل و ھم یسجدون** (۱۱۳:۳) "یعنی رات کے اوقات میں احکام خدا کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں" حالانکہ زمین پر ماتھا رگڑنا ان کا طریق نماز نہ تھا اور آج بھی نہیں۔ سورۂ اعراف کے اخیر میں ہے: **ان الذین عند ربک لا یستکبرون عن عبادتہ و یسجونہ و لہ یسجدون** (۲۰۶:۷) یہاں عبادت اور تسبیح اور سجدے کا وہی لغوی تکرار ہے' اور لفظوں میں تفریق کر دی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان کے یہ معانی نہیں ہو سکتے جو آج کل لوگوں نے ان الفاظ سے لے لئے ہیں۔ کیونکہ مذکور ان کا ہے جو اس روئے زمین پر نہیں اور عالم ارواح میں بس رہے ہیں۔ سورہ نجم میں ہے: **فاسجدوا للہ واعبدوا** (۶۲:۵۳) یہاں بھی سجدہ اور عبادت کو لفظوں میں الگ کر دیا ہے اگرچہ کیفیت وہی اطاعت ہی کا ہے۔ سجدے کا لفظ کلام الٰہی میں صرف دو جگہ ظاہری ماتھا رگڑنے کے معنی میں آیا ہے۔ ایک سورۂ نحل میں ملکہ سبا کے متعلق: **و وجدتھا و قومھا یسجدون للشمس من دون اللہ** (۲۴:۲۷) یعنی "وہ اور اس کی قوم خدا کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے تھے" اور دوسری سورۂ حم السجدہ میں: **لا تسجدو للشمس و لا للقمر والسجدوا للہ الذی خلقھن ان کنتم ایاہ تعبدون**○ (۳۷:۴۱) مگر ان دونوں موقعوں پر صرف ایک واقع لامر کا اظہار ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ یعنی لوگ سورج کے آگے ماتھا رگڑتے تھے یا یہ عبث فعل جو تم کرتے ہو نہ کیا کرو۔ آیہ ۴۱-۳۷ سے **فسجدوا** اور **تعبدون** کے الفاظ میں الگ ہونا بھی ظاہر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر تم فی الحقیقت خدا ہی کے غلام ہو (**ان کنتم ایاہ تعبدون**) تو اس ظاہری سجدے کو بھی جو شمس و قمر کے آگے کرتے ہو' چھوڑ دو کہ یہ بھی کیف عبودیت کے منافی ہے۔ یہ رسم بھی خدا کے آگے ہی کیا کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ گویا خدائے عزو جل کے نزدیک ملازمت ایک آقا کی اختیار کرنا اور سلام سلام دوسرے کو کرنا ایک لایعنی سی بات ہے۔

رکوع کا لفظ بھی جس کے معنی اصطلاحاً" آج نماز میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکنے کے ہیں' قرآن میں ان معنوں میں نہیں آیا۔ اس کا قرآنی مقصود بھی اطاعت اور تعمیل احکام الٰہی ہے۔ سورہ مائدہ میں ہے: **انما ولیکم واللہ و رسولہ والذین امنوا یقیمون الصلوۃ و یوتون**

Marfat.com

الزکوۃ و ھم راکعون (۵-۵۵) یعنی اے ایمان والو تمہارا دوست اور مددگار تو خدا ہی ہے (جو تمہیں قوت افزا احکام دے رہا ہے) اور اس کا رسول (جو تمہیں راہ راست پر لے جا رہا ہے)' اور باقی ایمان والے (جو عملاً ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں)' اور یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پر قائم رہتے ہیں اور قربانی مال کرتے ہیں اور قانون خدا کے آگے عملاً سر تسلیم خم کرتے ہیں (**وھم راکعون**)' یہ آخری الفاظ قافئے کی ضرورت کے لئے نہیں (معاذاللہ) بڑھا ہے اور نہ یہ ایک بے معنی تکرار ہے جو **الصلوۃ** کے بعد کر دی ہے اور جس میں رکوع لامحالہ شامل ہے بلکہ **راکعون** کے اصلی معنی بھی اطاعت احکام خدا ہی تھے یا کم از کم کلام الٰہی کی اصطلاح میں یہ تھے۔ "رکوع" بمعنی رکن نماز بعد میں لوگوں نے وضع کر لیا اور زبان زد عوام اس قدر ہوا کہ اصل معانی مسخ ہو گئے۔ اب انسانی لغت اس حقیقت کو منکشف کرنے سے عاجز ہے۔

یہی بات **واقیموالصلوۃ و اتوالزکوۃ وارکعوا مع الراکعین** (۲:۴۳) سے ظاہر ہے۔ یعنی "**الصلوۃ** پر قائم رہو اور **الزکوۃ** کو دیا کرو (اور سب سے اہم یہ امر کہ) قانون خدا کو تسلیم کرنے والوں کے ساتھ تم بھی سر تسلیم خم کرو۔" یہاں ضمناً یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اکثر شارحین کلام الٰہی نے "**ارکعوا مع الراکعین**" کے الفاظ سے باجماعت نماز کا حکم مستنبط کیا ہے اور اس لحاظ سے رکوع کے معنی اسلامی نماز کے متعارف رکن کے لئے ہیں۔ نماز کے باجماعت ادا کرنے کے وجوب و لزوم سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان الفاظ کو باجماعت نماز ادا کرنے کی سند گردانا حتماً ناروا ہے کیونکہ "رکوع" کا لفظ رکن نماز کے معنوں میں قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ چنانچہ حضرت مریمؑ کے بارے میں یہ آیت اس امر کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہے **یا مریم اقنتی لربک واسجدی والرکعی مع الراکعین** (۳-۴۳) یعنی "اے مریم! تم اپنے پروردگار کی کامل حکمبرداری کرتی رہو۔ اس کے احکام کے لئے سر تسلیم خم کرو (**واسجدی**) اور قانون خدا کو تسلیم کرنے والوں کے ساتھ تم بھی کامل طور پر مطیع بن جاؤ۔ حضرت مریمؑ کو یہاں پر نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ اسلامی رکوع یہودیوں یا عیسائیوں کا جزوِ نماز کبھی رہا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ عورتوں کے لئے نماز باجماعت ادا کرنا اسلام میں بھی فرض نہیں۔ اگرچہ رسول خداؐ کی امامت میں مستورات کا مردوں کے پیچھے صف باندھ کر نماز ادا کرنا مذکور ہے۔ اس آیہ شریفہ سے ہر نوع ظاہر ہے کہ "قنوت" "سجود" اور "رکوع" سے مراد احکامِ خدا کی تعمیل اور کیفیت اطاعت کا پیدا کرنا ہی ہے۔ اس کے ماسوا کچھ نہیں۔

تاہم جو شخص فی الحقیقت اطاعت گذار ہے اس کے لئے نماز اور تسبیح و مناجات الٰہی "عبادات" کو کیفیت دل اور رقت قلب کے ساتھ ادا کرنا اسی طرح طبعی ہے جس طرح کہ ایک غلام کا آقا کی شب و روز خدمت کے ساتھ ساتھ سلام کرنا یا احیاناً اس کی حمد و ستائش کرنا بھی ایک لازمی فعل ہے۔ بہرحال احکام خدا کی شبانہ روز تعمیل کرنا ہی سچی "عبادت" ہے اور اسی نقطہ نظر سے کسی کی "عبادت" کرنا فی الحقیقت اس کی ملازمت اور تعبد اختیار کرنا ہی ہے۔ اس کے ماسوا کچھ نہیں۔

سورۂ انبیاء کی آیت ۷۳ میں **اقام الصلوۃ** اور **ایتاء الزکوۃ** کے الفاظ کے بعد **و کانوا لنا عابدین** کے الفاظ ہیں۔ یہاں پر پھر عبادت اور **الصلوۃ** اور **الزکوۃ** کا لفظی تفرق ظاہر ہے۔ گویا "عبادت" وہ شے ہے جو نماز اور زکوٰۃ سے علیحدہ بلکہ بڑھ کر ہے اور یہ وہ عملی ملازمت اور وہ شبانہ روز چاکری ہے جس کے لئے کسی وقت یا مدت کا تعین نہیں۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ "عبادت" ایک غائبانہ تعمیل احکام ہے اور "**الصلوۃ**" اس غائبانہ خدمت کے جذبے کو متحرک رکھنے کے لئے بالمشافہ سلام اور حاضری ہے۔

و ما خلقت الجن والانس الا یعبدون (۵۱-۵۶) (اور اے لوگو! ہم نے اس کائنات فطرت کے جن و انس کو صرف اسی غرض سے

Marfat.com

پیدا کیا ہے کہ وہ ماسوا سے قطع نظر کر کے ہمارے ہی چاکر اور ہمارے ہی حکم بردار بنے رہیں) یہاں ظاہر ہے کہ "عبادت" کے معانی وہ نہیں ہو سکتے جو لوگوں نے بنا لئے ہیں۔ خدائے زمین و آسمان معاذاللہ اس بات کا محتاج نہیں کہ لوگ اس کی نمازیں پڑھتے اور خوشامد کرتے رہیں۔ بلکہ مقصود تعمیلِ احکام ہی ہے۔ یہی دنیا کا ہر حاکم اپنی رعیت سے چاہتا ہے۔ اگرچہ زمین و آسمان کا مالک اس صورت احتیاج سے بھی بے نیاز ہے۔ انسان سے تعمیلِ احکام کی آرزو رکھنا کچھ خواہشِ اختیار کے باعث نہیں' بلکہ انسان کی اپنی ہی بہتری کے لئے ہے۔ اس نقطہ نظر سے آیہ **و ما خلقت** سے مقصود یہی ہے کہ "ہم نے دنیا کے جن و انس کو پیدا ہی نہیں کیا مگر اس جبلت پر کہ وہ ہمارے احکام کی تعمیل میں لگے رہیں۔" یعنی ان کی فطرت اور طینت میں یہ بات پہلے سے رکھ دی ہے کہ ہمارے احکام (یعنی قانون فطرت) کی تعمیل کے بغیر ان کی اس دنیا میں دال نہیں گل سکتی۔ گویا جب وہ اطاعت سے منحرف ہوں گے سزا ان کو لامحالہ مل کر رہے گی۔ اور تکوینِ عالم کا اصل اصول ہی ملازمتِ قانونِ خدا یعنی "عبادت" ہے۔ یہ اصول ہر صاحب نظر کے لئے اس قدر اظہر من الشمس ہے کہ اس کو اور عیاں کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہر جگہ اسی پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ چھوٹے یا بڑے کسی امر میں جس وقت انسان نے قانون خدا کی متابعت یا مخالفت کی اسی وقت یا بدیر و زود اس کو اس کا نفع یا نقصان مل جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک رات ضرورت سے کم نیند کرنے کا مزا اگلے دن ہی درد سریا اور مرض کی صورت میں مل رہتا ہے۔

"توحید" اور "شرک" کی اصطلاحات کا ذکر اس کے بعد آ رہا ہے جس سے "عبادت" کا مفہوم مزید واضح ہو جائے گا۔

---☆☆☆○☆☆☆---

(۲) توحید

صاف صاف الفاظ میں قرآن کی توحید یہ ہے کہ دل کے اندر کسی ماسوا سے تعلق نہ رہے۔ کسی دنیاوی شے سے اس قدر اعتنا نہ بڑھے کہ غیر خدا کو خدا پر ترجیح دی جائے' قلب کے اندر اولاد کا بت نہ ہو' گھوڑوں اور مکانوں زمینوں اور بیویوں کے بت نہ ہوں۔ خدا کے مقابلہ میں باپ اور ماں کی' اقرباء اور اعزہ کی' پیر و فقیر' اولیاء و اصفیا کی محبت و ارادت کے بت نہ ہوں' حکام سے غرض مندی کے بت نہ ہوں' طمع و حرص کے بت نہ ہوں' نفس پسندی کا بت نہ ہو' تن آسانی کا بت نہ ہو' حبِ جاہ کا بت نہ ہو' الغرض شیطان کا کچھ غلبہ نہ ہو' کوئی شے سوائے خدا کے دل پر حکمران نہ رہے' کسی بت کے دل آسا اور آرام دہ حکم کو خدا کے سعی طلب اور صبر آزما حکموں پر ترجیح نہ دی جائے۔ یہ توحید ہے۔ یہی اصل ایمان ہے' یہی سچا موحد بننا ہے' **والذین امنوا اشد حب للہ (البقرہ)** جو شخص چوبیس گھنٹے اس توحید کو نباہ رہا ہے' ہر لحہ جو کچھ کر رہا ہے خدا کا کام کر رہا ہے' شیطان کی ملازمت نہیں کرتا' اس کی فوری اجرت اور نقد مزدوری کا خیال نہ کر کے خدا کے اخروی اجر کو' نہیں اس حاکمِ مطلق کے وعدہ کئے ہوئے نسیئے کو' اس کے وہ چند ادھار کو بہت سمجھ کر شیطان کی ابلہ فریب ترغیب پر نہیں چلتا' وہ اس چوبیس گھنٹے تک موحد ہے' مومن خدا ہے' منکر شیطان ہے۔ ملازمِ حاکم الحاکمین ہے' اللہ کا نوکر ہے' عبد ہے' عابد خدا ہے! جس وقت اس نے حکمِ خدا کو چھوڑ کر کوئی بت اپنے دل کے اندر پیدا کر لیا' کسی ماسوا کے حکم کو ترجیح دی' کوئی تن آسانی کا مکر بنا لیا' کسی فوری نفع کے پیچھے لگ گیا' اسی وقت سے اس کا ایمان ساقط ہے' اس کی توحید زائل ہے۔

آقا کی توحید یہی ہے کہ نوکر کسی ہمسائے کا کام نہ کرتا پھرے۔ کسی دشمن کا ملازم نہ بنے' جس سے امیدوارِ مزد ہو اسی کا حکم مانے

نہ یہ کہ منہ سے تو اس کا راگ الاپتا پھرے مگر کام غیروں کا کرے اور تنخواہ کے وقت آ حاضر ہو۔ اس کے ہاتھ پاؤں کی حرکت، اس کے گھر کی جھاڑ پونچھ، اس کے آقا کی اشیاء کو درست رکھنا، اس کی تگ و دو، دوڑ دھوپ وغیرہ وغیرہ سب اس بات کی حتمی شاہد ہیں کہ وہ "ایک" خواجہ کا ملازم ہے، **اشھد ان لا مولی الا ھو** کا مصداق ہے اس سے بڑھ کر اس آقا کی توحید کا قطعاً" کوئی ثبوت نہیں! ہاتھوں اور پیروں کے عمل سے گریز کرنا اور دل کے اندر ایک لاکھ بتوں کی انجمن لگائے رکھنا کوئی توحید نہیں۔ بلکہ ریاکاری اور مکاری ہے۔ نفس کو دھوکا دینا ہے۔ سچی توحید کا ثبوت اسی وقت ملتا ہے جب ہاتھ اور پاؤں **سعی و عمل** (۱) میں مصروف ہوتے ہیں، جب تن آسانی کے بت کو توڑ کر تگ و دو کی جاتی ہے، جب وراثتِ زمین کے نصب العین کو پیش نظر رکھ کر سب اعضاء وقفِ عمل ہو جاتے ہیں، جب نفس کے بت کو زیر کر کے نادار کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے، جب محبتِ مال کے بت کی پرواہ نہ کر کے خدا کی راہ میں **جہاد بالمال** (۲) ہوتا ہے، جب حب اولاد کے بت سے بے نیاز ہو کر حکم خدا سے سفر ہوتا ہے، جب مکانوں اور باغیچوں کے بتوں سے تعلق توڑ کر خدا کے اشارے پر **ہجرت** (۳) ہوا کرتی ہے، جب نفس پسندی کے بت کو توڑ کر **جہاد بالسیف** (۴) کیا جاتا ہے، جان کھچ کھچ کر حلق تک پہنچتی ہے اور خدا یاد آ جاتا ہے، جب کبر و نخوت کے دیو کو رام کر کے **امیر جماعت کی اطاعت** (۵) میں سر جھک جاتے ہیں، جب فرقہ پسندی کے طاغوت اور خودرائی کے دجال کو جنم میں جھونک کر لوگ متحد ہو جاتے ہیں، توحید کو عملاً مان کر **امت میں وحدت** (۶) اور یکسوئی ہو جاتی ہے، **یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء** (مائدہ) کا شیطانی وسوسہ **اللہ الف بینھم** (انفال) کے ربانی عمل سے بدل جاتا ہے، شرک کی پیدا کی ہوئی **تفریق توحید** (۷) کی پیدا کی ہوئی توحید سے بدل جاتی ہے اور جب اجتماعی طور پر قومی زندگی کے ہر پہلو مثلاً معاشرتی، معاشی، سیاسی، تعلیمی اور حربی وغیرہ کو صرف اور صرف آئین خدا کا پابند بنا لیا جاتا ہے۔

---☆☆☆○☆☆☆---

(۳) شرک

شرک کی تعریف از روئے قرآن بے حد جامع و مانع ہے۔

یہاں اجمالاً" وہ اعمال لکھے جاتے ہیں جن کے بغیر کسی مسلمان کا حقیقی مسلمان رہنا ناممکن ہے، اور وہ فوراً خدا کے نزدیک کافروں کی قطار میں شامل ہوتا ہے اور اس پر خدا کی انتہائی سزا واجب ہے۔

اول۔ سب "گناہوں" کی بخشش ہے لیکن "شرک" کی بخشش نہیں۔

(۱) **اللہ لا یغفرو ان یشرک بہ و یغفر مادون ذالک لمن یشاء و من یشرک باللہ فقد افتری اثما عظیما**○ (۴:۴۸)

بے شک اللہ اس کو معاف ہرگز نہیں کر سکتا (لفظی طور پر پردہ پوشی نہیں کر سکتا) کہ اس کے (حکم کے) ساتھ کسی (اور حاکموں) کو شریک کر کے کئی خداؤں کا ملازم بن جائے، اور اس کے سوا جو (گناہ) ہوں جس کو مناسب سمجھے، معاف کر دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اس نے بڑا بھاری گناہ (اپنے پلے) باندھا۔

(۲) **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذالک لمن یشاء و من یشرک باللہ فقد ضل ضلالا بعیدا**۔

(۴:۱۱۶)

بے شک اللہ اس کو معاف ہرگز نہیں کر سکتا کہ اس کے (حکم) کے ساتھ کسی اور (حاکم یعنی نفس یا کوئی اور بت) کو شریک کیا جائے۔ اور اس کے سوا جو (گناہ) ہوں جس کو مناسب سمجھے معاف کر دیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک (پیدا) کیا تو وہ بہت دور تک گمراہ ہو گیا۔

دوئم :- خواہشات نفسانی کی پرستش بھی شرک ہے اور اس کی بخشش نہیں۔

(۱) **افرء یت من اتخذا الٰھہ ھواہ واضلہ اللہ علی علم و ختم علی سمعہ و قلبہ و جعل علی بصرہ غشوۃ فمن یھدیہ من بعداللہ افلا تذکرون○ (۴۵:۲۳)**

تو کیا تو نے اس شخص پر غور کیا جس نے اپنی خواہش (نفسانی) کو اپنے خدا کے طور پر پکڑ لیا۔ (یعنی اس پر لٹو ہو گیا جیسا کہ خدا پر لٹو ہو جانا چاہئے تھا) اور خدا نے باوجود علم ہونے کے اس کو گمراہ کر دیا۔ گویا اس کے کانوں اور ذہن پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ تو (ایسی حالت میں) اللہ سے گزر کر کون اس کو راہ راست پر لائے گا۔ کیا تم اس سے عبرت نہیں پکڑتے؟

(۲) **ارء یت من اتخذ الٰھہ ھولہ افانت تکون علیہ و کیلا○ ام تحسب ان اکثر ھم یسمعون او یعقلون ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل سبیلا○ (۲۵:۴۳۔۴۴)**

تو کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا تو کیا ایسے شخص کی تو حمایت کرے گا' کیا تو سمجھتا ہے کہ ان میں اکثر کانوں سے سنتے ہیں یا (انسانوں کی طرح) بات کو سمجھتے ہیں؟ یہ تو نہیں ہیں مگر مویشیوں کی طرح (کہ اپنے نفسوں کا تابع رہ کر اور عیش و عشرت میں گذار کر رذیلوں اور غلاموں کی) زندگی بسر کرتے ہیں۔ بلکہ راستہ کے نقطہ نظر سے مویشیوں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

گویا از روئے قرآن جس شخص یا قوم نے آنکھ' کان اور ذہن ہوتے ہوئے اپنی خواہشات کو خدا بنا لیا وہ مشرک ہو گئی اور اس کی ہلاکت آخرت کو یقینی ہے۔

سوئم :- جس نے دین کے اندر فرقہ بندی اور پارٹی بازی کی وہ مشرک ہے اور اس کی بخشش نہیں:

(۱) **و لا تکونوا من المشرکین○ من الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا کل حزب بمالدیھم فرحون○ (۳۰:۳۲)**

اور (دیکھو ہرگز) مشرکوں میں سے نہ ہو جانا (اور یہ وہ لوگ ہیں) جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور الگ الگ گروہ بن گئے (اب) ہرگز وہ اس (نصب العین) سے خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔

(۲) **ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ و انا ربکم فاعبدون○ و تقطعوا امرھم منھم کل الینا راجعون○ (۲۱:۹۲۔۹۳)**

خبردار رہو کہ یہ تمہاری امت ایک امت واحدہ ہے اور میں تمہارا حاکم اعلیٰ ہوں تو میرے ہی ملازم بنے رہو۔ لیکن ان لوگوں نے (خدا کی ملازمت اختیار نہ کی اور) اپنے معاملے کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور سب کے سب (جوابدہی کے لئے) ہمارے پاس آنے والے ہیں۔

Marfat.com

(۳) و ان هذہ امتکم امتہ واحدۃ و انا ربکم فاتقون○ فتقطعوا امرھم بینھم زبراً کل حزب بمالدیھم فرحون ○ (۲۳:۵۲-۵۳)

اور دیکھو یہ تمہاری امت ایک امت واحدہ ہے اور میں تمہارا حاکم اعلیٰ ہوں تو مجھی سے ڈرتے رہو لیکن ان لوگوں نے (خوف خدا) کچھ نہ کیا اور (اپنے معاملے کو) آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے کٹ گئے۔ اب ہر گروہ اس (نصب العین) پر جو اس کے پاس ہے خوش ہے (اور تفرقے کے مزے لے رہا ہے)

الغرض قرآن عظیم کا شرک قطعی طور پر یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ کر کسی دوسرے خدا کے احکام کی تعمیل کی جائے' خواہ وہ خدا پتھر کا بت ہو یا انسان کے اندر کا نفس۔ مثلاً حکم خدا ہو کہ "فلاں حالات میں دشمن سے تلوار کی لڑائی کرو" لیکن بیوی بچے یا تن آسانی یا دولت کی کثرت اندر سے حکم دیں کہ "چپ بیٹھے رہو اور ابھی انتظار کرو" حکم خدا ہو کہ ملت میں کوئی فرقہ نہ پیدا ہو مگر مسلمان اپنے نفس کو مزا دینے کے لئے سنی اور شیعہ' حنفی اور شافعی' وہابی اور اہل حدیث یا اہل قرآن وغیرہ بن جائیں اور آپس میں گتھم گتھا ہوں۔ اس بناء پر ہر زندہ قوم کا دستورالعمل یہ ہے کہ اس کا نظری اور عملی طور پر خدا ایک ہو اور اس کے اکثر افراد کوئی ایسا عمل نہ کریں جس سے مجموعی طور پر قوم کمزور ہوتی ہو۔ گویا توحید فی العمل ہو۔ توحید کے قرآنی معنی یہ نہیں کہ خدا کو صرف منہ سے ایک کہا جائے بلکہ عملاً قوم کے اکثر افراد صرف اسی خدا کا حکم مانتے ہوں جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔

---☆☆☆○☆☆☆---

(۴) ایمان' ایماندار کی پہچان

و لا تھنوا و لا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین○ ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ و تلک الایام نداولھابین الناس ولیعلم اللہ الذین امنوا و یتخذ منکم شھداء واللہ لایحب الظلمین○ و لیمحص اللہ الذین امنوا و یمحق الکفرین○ ام حسبتم ان تدخلوا الجنتہ و لما یعلم اللہ الذین جاھد و امنکم و یعلم الصبرین ○ و لقد کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوہ فقد رایتموہ و انتم تنظرون○ (۳:۱۳۹-۱۴۳)

"تم بد دل نہ ہو اور غم نہ کھاؤ۔ اگر تم میں ایمان فی الواقعہ موجود ہے تو فتح مند تم ہی ہو گے۔ اگر تمہیں اس لڑائی میں شکست کا زخم لگا ہے تو اس سے پہلے فریق مخالف کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے اور یہ فتح و شکست کے دن تو ہم بقدر مناسب' کبھی ادھر اور کبھی ادھر پھیرتے ہی رہتے ہیں' اور یہ اس واسطے بھی کہ ہم جان لیں کہ خدا پر سچا ایمان رکھنے والا کون ہے' اور نیز اس لئے کہ اللہ تم میں سے اپنے سچے گواہوں کو منتخب کرے' ورنہ وہ کجے' ایمان والوں کو تو محبت ہی نہیں کرتا۔ اللہ اس طریق عمل سے ایمان والوں کو اپنے متعلق شک و شبہ کی میل کچیل سے نکھار دینا چاہتا ہے' اور پھر اپنے اصلی محب پیدا کر کے منکرین کے زور کو توڑ دینا اور تمہاری جماعت میں سے شائبہ شک و کفر کو دور کر دینا چاہتا ہے۔ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ (خدا کو منہ سے خدا کہہ کر) جنت جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی تک تو اللہ نے ان لوگوں کو جانچا ہی نہیں جو تم میں سے اس کی حمایت میں ثابت قدم ہو کر لڑنے والے' اور مصیبتوں کو برداشت کرنے والے ہیں اور تم تو موت کے آنے سے پہلے ہی (میری محبت کے جوش

Marfat.com

میں) مرنے کی آرزوئیں کیا کرتے تھے تو آج تم نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور پھر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے انتظار کر رہے ہو۔

آیت **و لا تهنوا و لا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین○** (۱۳۹:۳) سے ظاہر ہے کہ ایمان والی وہی قوم ہے جو اعلون' بن کر رہے۔ جنگ احد میں جس کا ذکر ان آیات میں ہو رہا ہے' مسلمان بھلے چنگے خاصی تعداد میں تھے' دشمن کی تعداد کچھ ایسی زیادہ نہ تھی جیسی کہ نسبتاً" غزوۂ بدر میں تھی۔ اس غزوے میں باوجودیکہ ایک مسلمان کے بالمقابل تین اہل مکہ لڑ رہے تھے مگر فتح مسلمانوں ہی کو نصیب ہوئی تھی' لیکن احد کے موقع پر بعض مسلمانوں نے ہمت ہار دی۔ ایک جماعت نے جس کو خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر متعین کیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں' مال غنیمت کے لالچ میں آ کر اپنا مورچہ چھوڑ دیا۔ اہل مکہ اسی مورچے پر پل پڑے اور دفعتاً" لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ پیغمبرؐ خدا چند رفیقوں کے ساتھ تن تنہا رہ گئے اور زخمی ہوئے۔ فرق مبارک پر چوٹ آئی' دانت ٹوٹ گیا' سب طرف مشہور ہو گیا کہ شہید ہو گئے' وغیرہ وغیرہ' خدائے عظیم فرماتا ہے کہ وہ تم ہی مٹھی بھر مسلمان تھے جنہوں نے بدر میں ایک جرار لشکر کو شکست فاش دی تھی اور اب یہ بے ہمتی دکھلائی کہ اپنے سپہ سالار کو چھوڑ کر چلتے بنے۔ تم بددل نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اگر تم میں ایمان فی الواقع موجود ہے تو فتح خود بخود تمہارے قدم آن کر چوم لے گی اور ہماری ذرہ پروری اور بے نیازی تو ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ جو قوم جس قدر سعی و عمل کرتی ہے اتنا ہی اجر ہم سے لامحالہ لے لیتی ہے۔ کسی کی بے جا رعایت کرنا ہمارا شیوہ نہیں اور اسی لئے اگر آج فتح اس قوم کے شامل حال ہے تو کل دوسرے کی قدم بوسی کر رہی ہے: **(و تلک الایام نداولها بین الناس)** ہمارا مقصود اس جنگ احد سے صرف اس بات کا دریافت کرنا (اور دریافت کرنا بھی کیا' صرف تمہیں ہی جتا دینا) تھا کہ تم میں سے حقیقی ایمان والے کون ہیں؟ کن کا ایمان ناقص ہے' کون ہمارے وجود کے سچے گواہ ہیں' کون ہمارے حاکم اعلیٰ ہونے کی آخری دم تک شہادت دیتے رہے' ہم کو آخری وقت تک آقا مان کر ہماری خدمت میں لگے رہے: **(و یعلم اللہ الذین اٰمنوا و یتخذ منکم شهداء)** اور بھگوڑوں اور کچے ایمان والوں کو تو خدا پسند ہی نہیں کرتا کیونکہ وہ تھوڑی سی تن آسانی کی خاطر اپنی قوم پر ظلم کر رہے ہیں' اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں: **(واللہ لا یحب الظلمین)** خدا صرف اتنا چاہتا تھا کہ سچے ایمان والوں کو چھانٹ کر الگ کر دے **(و لیمحص اللہ الذین امنوا)** اور منکروں اور دل میں خدا کو نہ ماننے والے منافقوں یعنی کافروں کو الگ کر دکھائے' ان کو بالآخر نیست و نابود کر دے۔ **(و یمحق لکفرین)** کی عبارت بالکل صاف ہے: **الجنته** اتنی آسانی سے نہیں ملتا جتنا تم سمجھے بیٹھے ہو' وہ تو صرف سعی و عمل کرنے والوں **(جاهدوا منکم)** اور استقلال والوں **(الصبرین)** کو ہی ملتا ہے۔ تم اس جنگ احد سے پہلے موت کی منتیں مانا کرتے تھے' شیخی میں آ کر کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کی "عبادت" میں جان تک دینے کے لئے تیار ہیں تو احد کے دن کیا موت آ گئی تھی کہ موت تمہارے سامنے تھی اور اس سے جی چرا کر بھاگے بھاگے پھرتے تھے!

ان آیات الٰہی میں ضمناً" ایمان کی تشریح ہو گئی کہ اس کا نتیجہ فتح قوم ہے۔ شہدا کے معنی معلوم ہو گئے۔ ظالمین کا پتہ لگ گیا کہ کچے ایمان والے لوگ ظالم ہیں۔ اور اسی لئے ہلاکت اور شکست کے اہل۔ "کفر" کی ایک حد تک وضاحت ہو گئی کہ میدان جنگ میں خدا کی لڑائیاں آخری دم تک استقلال سے نہ لڑنا کفر اور انکار خدا ہے۔ "صبر" کے مطالب صاف ہو گئے کہ وہ صرف استقلال ہی ہے۔ "جہاد" کی حقیقت کھل گئی کہ وہ صرف قتال بالسیف ہی ہے۔ جو لوگ جہاد کے معنی تسبیحوں پر زور دینے کے لیتے ہیں ان کے لئے یہ آیات از بس عبرت انگیز ہیں اور بالآخر یہ کہ "تمنائے موت" کے معنی سمجھ میں آ گئے کہ اس سے مراد لڑائی میں کٹ مرنے کے ہیں

Marfat.com

کہ یہی سب سے بڑی "عبادت" کسی آقائے نامدار کی ہو سکتی ہے۔ یہی ہر بادشاہ اپنے سپاہی سے چاہتا ہے اور اس کے عوض میں تمغے اور انعام' جاگیریں اور زمین تقسیم کر دیتا ہے۔ **تلک الایام نداولھا بین الناس**' کے خدائی الفاظ آج قوم کی مرثیہ خوانی کی مجالس اور مسلمانوں کی عام گفتگو کے ضمن میں اس بے دردی' سطحیت اور مکر سے استعمال ہوتے ہیں کہ غالباً کوئی دوسرے الفاظ نہ ہوئے ہوں گے۔ ہر مسلمان اپنی بے ہمتی' اپنی کام چوری' اپنے ناکارہ پن کو قرآن حکیم کے اس سیاق و سباق سے علیحدہ کئے ہوئے ٹکڑے کو جا و بے جا استعمال کرتا ہے اور اپنی نامرادی' اپنی شکست و ریخت' اپنی موت پسندی کا سارا الزام بے دھڑک خدا پر تھوپ دیتا ہے اور اس صریح افترا کے بعد ربِ زمین و آسمان کے غیض و غضب سے قطعاً" نہیں ڈرتا۔ حالانکہ ان آیات الٰہی یعنی ۳:۱۳۹۔۱۴۲ کے استدلال سے ظاہر ہے کہ مداولت ایام کا قطعی باعث سعی و عمل کی کمی ہی ہے اور لوگوں کے اپنے ہی کرتوت سے ہے۔ خدائے بے نیاز صرف اقوام کی سعی و عمل کا امتحان لیتا ہے اور بے رو و رعایت جس کی سعی زیادہ ہو اسی کو کامیاب کر دیتا ہے۔ قرآن میں جابجا **ان اللہ لا یظلم الناس شیئا و لکن الناس انفسھم یظلمون** ۱۰:۴۴ کا مضمون اس امر کی تائید میں ہے۔ یعنی خدا ساکنان زمین پر کسی حالت میں قطعاً" ظلم نہیں کرتا لیکن یہ لوگ ہی ہیں جو اپنی جانوں پر آپ ظلم روا رکھتے ہیں۔

---☆☆☆○☆☆☆---

(۵) اتقا یا تقویٰ

تقویٰ کی تشریح "پرہیزگاری" مناسب نہیں۔ اس کے اصل معانی قوم میں اتحادِ عمل' جان و مال کا ایثار' حقوق اللہ اور حقوق العباد کا لحاظ' اخلاق و کردار کی تعمیر اور ان کے برعکس اعمال سے بچتے رہنے کے ہیں۔ سورہ مریم کی آخری دو آیات ۹۷۔۹۸ ملاحظہ ہوں:

فانما یسرنہ بلسانک لتبشر بہ المتقین و تنذر بہ قوما لدا○ و کم اھلکنا قبلھم من قرن ھل تحس منھم من احد او تسمع لھم رکزا○ (۱۹:۹۷۔۹۸)

(اے پیغمبرؐ! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر محض اس لئے آسان کر دیا ہے کہ تم اس کے ذریعے سے خدا سے ڈرنے والوں کو خوش حالی کی خبر دو اور عرب کی جھگڑالو اور اکھڑ قوم کو عذاب خدا سے ڈراؤ اور ہم ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ کیا اب تم ان میں سے کسی کو بھی دیکھ رہے ہو یا ان کی بھنک تک بھی سنتے ہو؟)

آیہ ۱۹:۹۷ میں **تبشر** کے بالمقابل **تنذر** اور **متقین** کے بالمقابل **قوما لدا** کے الفاظ آئے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ خدا کی نظروں میں متقی قوم دراصل وہ ہے جو آپس میں جھگڑے پیدا نہ کرے اور متحد بن کر رہے۔ تقویٰ کی رائج الوقت تشریح یعنی پرہیزگاری اس لحاظ سے بے معنی اور بے نتیجہ ہے۔

اتقا کے ان معانی کی ایک جھلک سورۂ مومنون کی آیت ۵۲ میں صاف نظر آتی ہے۔ **و ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ و انا ربکم فاتقون** ○ (۲۳:۵۲) کسی آقا (رب) کا ڈر ہی ہے کہ اس کے غلام آپس میں نہ لڑیں اور نہ کوئی غیور حاکم باہمی جدال کو گوارا کر سکتا ہے۔ پس تقویٰ اور اتقا کی ایک اہم قرآنی شق اتحاد اور وحدت امت ہے۔ لہٰذا وہی قوم متقی ہے جو خوف خدا کے باعث متحد ہے۔

لا یستاذنک الذین یومنون باللہ والیوم الاخر ان یجاھدوا باموالھم و انفسھم واللہ علیم بالمتقین○ انما یستاذنک الذین لا

Marfat.com

یومنون باللہ ولیوم لاخر وارتابت قلوبھم فھم فی ریبھم یترددون○ (۹:۴۴-۴۵)

(اے پیغمبر! جو لوگ خدا پر ایمان لاتے ہیں اور روز آخرت محاسبے کا بھی ان کو یقین ہے وہ تو تم سے اس بات کی رخصت مانگتے نہیں کہ اپنے جان و مال سے شریک جہاد ہوں اور اللہ تو سچے تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہے۔ نہ شامل ہونے کے لئے لنگ عذر پیش کر کے تم سے خواہانِ اجازت وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ اور روزِ حساب کا یقین نہیں رکھتے۔ ان کے دل شک میں پڑے ہیں اور اسی شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

یہاں ایمان کی شرط جہاد بالمال والنفس ہے اور یہی شرط تقویٰ کی ہے۔ (**واللہ علیم بالمتقین**) گویا خدا جیسے حاکم اعلیٰ سے ڈرنے کے یہی معنی ہیں کہ اس کی راہ میں جان و مال سے دریغ نہ کیا جائے۔ آج یہی شیوہ ہر ملازم کا اپنے مشاہرہ دہ آقا سے ہے۔ وہ اگر جانباز سپاہی اور سچا غلام ہے تو اپنے حاکم سے ڈر کر اور اس کی حفاظت میں جان تک لڑا دے گا۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون○ **الذین امنوا و کانوا یتقون**○ **لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ ط لا تبدیل لکلمت اللہ ط ذلک ھوالفوز العظیم**○ (۱۰:۶۲-۶۴)

(لوگو! یاد رکھو کہ خدا کے سچے دوستوں کو نہ تو کسی قسم کا خوف ہے اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جو ایمان لائے اور مقام خدا سے ڈرتے رہے۔ انہیں اس دنیا میں بھی عافیت اور امن کی بشارت ہے اور آخرت میں بھی فلاح ہے۔ خدا کے وعدوں میں رد و بدل ہرگز نہیں اور یہ فلاح دارین تو بڑی بھاری کامیابی ہے)

یہاں صاف ظاہر ہے کہ متقی قوم کو جہاں آخرت میں کچھ باک نہیں وہاں اس کی دنیا بھی درست ہے۔ کوئی قوم جس کی دنیا درست نہیں، متقی ہونے کی مصداق نہیں ہو سکتی۔ اور چونکہ اتقا کے معنی صاف ہو چکے، اس لئے جو قوم متحد ہو کر رہے گی، مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرے گی، "صابروا" اور "رابطوا" پر عمل کرے گی، خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے وسائل کی تلاش میں رہے گی، **قوما لدا** نہ بنے گی، اس کی دنیا ہرنوع اور لامحالہ اچھی ہے اور وہی **لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون** کی بشارت کی سچی اہل ہے۔ اس کو یہاں پر بھی کسی دشمن کا ڈر نہیں اور آگے چل کر تو ابدالاباد تک امن ہے۔ ایسی قوم ہی اولیاء اللہ ہونے کی صحیح مصداق ہے۔ وہی خدا کی "دوست" ہے اور خدا اس کا دوست ہے۔ کیونکہ یہاں پر بھی سب نعمتیں دے رہا ہے اور آگے چل کر بھی بے حساب دے گا۔

و قیل للذین اتقوا ماذا انزل ربکم ط قالوا خیرا ط للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ ط و للدارالاخرۃ خیر ط و لنعم دارالمتقین○ (۱۶:۳۰)

اور ان لوگوں سے جنہوں نے مقام خدا کا سچا احساس کیا پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے اپنے ہاں سے تمہاری اس خدمت کے عوض میں کیا دیا تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا۔ جن لوگوں نے اچھی خدمت کی اور اپنے حسن عمل سے خدا کو خوش کر دیا ان کے لئے اس دنیا میں بھی بہتر سے بہتر نعمتیں ہیں اور آخرت کا گھر تو اس سے کہیں اچھا ہے اور تقویٰ کرنے والوں کا ٹھکانہ تو بہرحال نہایت ہی اچھا ہے۔

قل یعباد الذین امنوا اتقوا ربکم للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ ط و ارض اللہ واسعۃ ط انما یو فی الصبرون اجرھم بغیر حساب○ (۳۹:۱۰)

اے پیغمبر! ہماری طرف سے کہہ دو کہ اے ہمارے بندو! جو ہم پر ایمان لا چکے ہو، مقام خدا کا تقویٰ کرتے رہا

کرو۔ جنھوں نے ہم سے ڈر کر ہماری حمایت میں جان و مال کی پرواہ نہ کی ان کے لئے اس دنیا میں زمین کی بادشاہت کا بہترین اجر ہے اور خدا کی زمین تو بڑی وسیع ہے۔ بیشک مصیبت برداشت کرنے والوں کو ان کا عوض بے حساب دیا جائے گا۔

یہاں پر روئے زمین کی وسیع بادشاہت "متقی" قوم کے لئے وقف ہے۔ اور صاف فرما دیا ہے کہ دنیاوی انعامات اس قدر بے حساب ہیں کہ تمام کرۂ زمین کی ملکیت اس میں شامل ہے (وارض اللہ واسعتہ) یہی سچا حسنِ عمل ہی (للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنتہ) اور لامحالہ "صلاحِ عمل" کی بھی یہی تعریف ہے جس کی تلاش ہم کر رہے ہیں۔ ضمناً" اس آیت میں پھر بتلا دیا ہے کہ "صبر" یعنی مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا' اتقائے خدا کی ایک اہم شق ہے۔ (انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب)

یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون○ (۱۸:۵۹)

اے ایمان والو! قانون خدا سے ڈرتے رہا کرو اور تمہیں چاہئے کہ ہر شخص اس بات پر نظر کرتا رہے کہ اس نے آنے والے کل کے لئے کیا تیاری کی ہے اور آئندہ مصائب کے لئے کیا حفظِ نفس اور پیش بندی کی ہے۔ اور قانون خدا سے مکرر ڈرتے رہو۔ اللہ جو کچھ سعی و عمل کر رہے ہو اس سے بخوبی واقف ہے۔

اس آیتِ الٰہی میں پیش از وقت تیاری اور دوراندیشی کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے اور دشمن کے بالمقابل حفظ نفس کو اس قدر اہم قرار دیا ہے کہ دو دفعہ اتقوا اللہ کے الفاظ ایک آیت کے اندر آئے ہیں۔ اس تکرار سے مقصود لامحالہ یہ ہے کہ خدا کا قانون اٹل اور واجب الخوف ہے' وہ اسی قوم کو انعام کا مستحق قرار دیتا ہے جو بہرنوع اس کی اہل ہو' جس نے سعی و عمل سے اپنے آپ کو فتح و ظفر کا اہل ثابت کیا ہو' جس نے آنے والے کل کے لئے تیاری کی ہو (ما قدمت لغد) خدا کسی قوم کی کوئی بے جا رعایت مدنظر نہیں رکھتا' جس جس نے جتنا زاد راہ کل کے لئے جمع کیا ہے جس قدر تحفظ اس نے آنے والے مصائب کے برخلاف اختیار کیا ہے' اسی قدر اجر اس کو لامحالہ مل کر رہے گا۔ یہی بات ان اللہ خبیر بما تعملون' سے ظاہر ہے گویا خدا' عمل' اور صرف عمل کو چاہتا ہے اور اسی کو دیکھ کر فیصلے صادر کرتا ہے۔

نسیہ پسند اور آخرت کے شیدائی مسلمانوں نے "قدمت لغد" کے معنی "روز قیامت کی تیاری" کے لئے ہیں حالانکہ "غد" کے معنی کسی آنے والے کل کے ہیں اور مزا یہ ہے کہ اس پر "ال" تخصیصی بھی داخل نہیں کہ اس کے معنی خاص روز قیامت کے ہوں۔ جامع ترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ ۸۹۲ء) میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یدخر لغد" یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لئے کوئی ذخیرہ جمع نہ کرتے تھے۔" روایت کی صحت یا عدمِ صحت سے بحث نہیں' صرف "لغد" سے مطلب ہے جس کے معنی یہاں پر صاف آنے والے کل کے ہیں روز قیامت کے نہیں ہو سکتے۔ خود قرآن کریم میں چار موقعوں پر **غدا** کا لفظ استعمال ہوا ہے اور چاروں موقعے آنے والے کل کے معنی میں ہیں۔ سورۂ یوسف میں یوسف علیہ السلام کے متعلق ان کے بھائیوں کا قول ہے۔ **ارسلہ معنا غدا یرتع ویلعب وانا لہ لحافظون** (۱۲:۱۲) یعنی "ہمارے ساتھ کل یوسفؑ کو بھیج دو کہ کھائے پیئے اور کھیلے' اور ہم اس کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔" سورہ کہف میں ہے **ولا تقولن لشای انی فاعل ذالک غدا** (۱۸:۲۳) یعنی "کسی شے کی بابت یقینی طور پر مت کہو کہ میں اس کو ضرور بالضرور کل کر لوں گا۔" سورۂ لقمان کے اخیر میں ہے **وما تدری نفس ماذا تکسب غدا** (۳۱:۳۴) "اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا۔" علیٰ ہذا القیاس سورۂ قمر میں قوم ثمود کی تباہی کے متعلق ہے۔ **سیعلمون غدا**

من الکذاب الاشر (۲۶:۵۴) یعنی "یہ لوگ عنقریب کسی آنے والے کل کو دیکھ لیں گے کہ کون جھوٹا اور گستاخ ہے۔" تعجب ہے کہ اس شہادت کے ہوتے ہوئے "غد" کے معنی کس طرح قیامت کے ہو سکتے ہیں' اور کس بیدردی سے مسلمان آیات خدا کو توڑ مروڑ کر تحریف معنوی کے مجرم بنتے ہیں۔

و لکل امته اجل فاذاجاء اجلھم لا یستاخرون ساعته و لا یستقدمون○ یبنی ادم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم ایتی فمن اتقی و اصلح فلا خوف علیھم و لا ھم یحزنون○ (۷:۳۴-۳۵)

اور ہر ایک قوم کے صفحہ ہستی سے مٹنے کی ایک میعاد مقرر ہے۔ پھر جب اس کی تباہی کے اسباب مکمل ہو چکتے ہیں تو اس سے ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں' نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر اگر اس وقت کوئی عذر پیش کرے گا تو ہم کہیں گے کہ اے بنی آدم! ہم نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جب کبھی ہماری طرف سے تم ہی میں سے ہمارے قاصد تمہارے پاس پہنچیں اور ہمارے احکام تم پر واضح کر دیں تو جو قوم ہلاکت سے دامن بچا کر چلی اور جس نے اپنی حالت کی اصلاح کر لی ان کو اس دنیا میں کسی قسم کا خوف و خطر لاحق نہیں ہو گا۔

اتقائے الٰہی کے مفہوم کی کئی شقیں ظاہر ہو چکی ہیں: مثلاً امت واحدہ بننا (آیہ ۲۳-۵۲)' باہمی اتحاد قائم رکھنا (آیہ ۳-۲۰۰)' تفرقہ نہ پیدا کرنا (آیات ۳:۱۰۱-۱۰۳)' آئندہ مصائب کے لئے پیش از وقت تیاری کرنا اور حفظِ نفس کے لئے مستعد رہنا (آیہ ۵۹-۱۸)' وغیرہ وغیرہ سب اعمال "اتقا" میں داخل ہیں۔ جس قوم میں یہ خاصیتیں بدرجہ اتم موجود ہوں گی وہ از روئے قرآن **فمن اتقی**' کے مصداق ہے اور اس دنیا کے اندر **و لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون** کا مصداق بننا بھی اسی کا حصہ ہے۔

---☆☆☆○☆☆☆---

(۶) اتقا' المعروف' المنکر

یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقتہ و لا تموتن الا و انتم مسلمون○ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا و اذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا و کنتم علی شفاحفرة من النار فانقذکم منھا کذالک یبین اللہ لکم ایتہ لعلکم تھتدون○ و لتکن منکم امتہ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون○ و لا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء ھم البینت و اولئک لھم عذاب عظیم○ (۳:۱۰۲-۱۰۵)

اے ایمان والو! مقام خدا سے ڈرتے رہا کرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے' اس کے احکام کے آگے ہر دم سر تسلیم خم رکھو اور مرتے دم تک سر تا پا تسلیم بنے رہو اور سب ایک دوسرے سے گھل مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور تتر بتر ہرگز نہ ہو جانا اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے برخلاف عداوتیں اور کینے بھرے پڑے تھے' پھر خدا کو اپنا سچا آقا ماننے کے باعث اس نے تمہارے دل آپس میں جوڑ دیئے' پھر تم اس کی اس نعمت کے باعث بھائی بھائی بن گئے۔ تم اس سے پہلے اس قدر بکھر چکے تھے کہ گویا آگ کے گڑھے کے کنارے جا لگے تھے' پھر اس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح خدا اپنے احکام تم سے کھول

Marfat.com

کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ راست پر آ جاؤ اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہئے جو صرف اسی اتحاد (الخیر) کی دعوت دے' اسی عظیم القدر نیکی (المعروف) کی تلقین بالتخصیص کرتا رہے' اور تفرقے کی مکروہات (المنکر) سے باز رکھتا رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم اس دنیا میں کامیاب کریں گے۔ اور دیکھو ہم پھر کہے دیتے ہیں کہ ان جیسے نہ بن جانا جو ایک دوسرے سے بچھڑ گئے' اور جنہوں نے خدا کے کھلے کھلے احکام آئے پیچھے بھی آپس میں فرقہ آرائیاں اور اختلاف کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم دردناک عذاب دیں گے۔

ان آیات قرآنی کے مطالب نہایت قابل غور ہیں۔ اوپر سیاقِ کلام کو پیش نظر رکھ کر ایک مربوط ترجمہ کر دیا ہے مگر دو ایک باتیں خاص طور پر لائق ذکر ہیں جو یہاں بیان کر دی جاتی ہیں:

اولاً: **اعتصلم بحبل اللہ**' اور جماعت کے کامل اتحاد کو اتقائے خدا' پر محمول کیا گیا ہے۔ گویا کسی قوم کا بالاجماع قانونِ خدا (**حبل اللہ**) کو مضبوط پکڑے رکھنا اور آپس میں فرقہ بند نہ بننا ہی "اتقائے خدا" ہے۔ وہی قوم فی الحقیقت شدیدا لعقاب خدا کی اٹل سزاؤں سے ڈرتی ہے' وہی اس کی عالی مقامی اور طاقت انتقام سے خوفزدہ ہے جو آپس میں اختلاف پیدا کر کے اپنے آپ کو کمزور نہیں کرتی۔ کیونکہ فرقہ بندی کا اٹل نتیجہ شکست و ریخت ہے' اور یہ قانون اس قدر عالم آراء ہے کہ اس کا اطلاق ہرجا اور ہروقت ہو رہا ہے' کوئی امت یا گروہ اس کلئے سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ جب تک ایک حاکم اعلیٰ کا ڈر دل میں بس رہا ہے' رعیت کے افراد آپس میں لڑ بھڑ نہیں سکتے۔ جب تک کئی غلام ایک مقتدر آقا کی غلامی (عبادت) کر رہے ہیں ان کا ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہونا محال ہے۔

ثانیاً: ائتلاف قلوب کو نعمت خدا کہا گیا ہے اور **الف بین قلوبکم**' کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔ اگرچہ بادی النظرمیں اس جملے کے معنی یہی ہیں کہ "خدا نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت کی راہ و رسم پیدا کر دی۔" لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس ائتلاف کا واقع ہونا خدا کا کوئی غیبی' استبدادی یا تقدیری فعل نہ تھا جس پر آج کل کے مسلمان نہایت تندہی سے اعتقاد رکھتے ہیں اور بلا سعی و عمل اس کے پھرواقع ہونے کے منتظر رہتے ہیں' بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس ایک خدا کی عبودیت ہی تمہارے اتحاد کا باعث ہوئی۔ تم سب نے اس کو صحیح معنوں میں آقا اور حاکمِ اعلیٰ مان لیا اور پھراس کے سچے خوف و اتقا کے باعث تمہارے دل آپس میں جڑ گئے۔ گویا اتحاد کا واقع ہونا ایک مسبب الاسباب فعل تھا جس کا بالواسطہ محرک خدائے عظیم کا صحیح معنوں میں ڈر تھا۔

ثالثاً: باہمی تفریق اور اختلاف کو "**علی شفا حفرۃ من النار**" کہا گیا ہے۔ یعنی جس قوم میں باہمی عداوتیں اور کینے رونما ہیں وہ جہنم کے کنارے پر کھڑی ہے۔ یہاں پر فرقہ آرائی کو **النار** سے تعبیر کرنا از بس معنی خیز ہے۔ گویا اجتماعی ضعف اور عدم اتحاد ہی دنیا کا سب سے بڑا جہنم ہے۔ خوش اعتقاد مسلمانوں نے قرآن کے لفظ **النار** کو خالصتہ" اخروی جہنم سمجھا ہے۔ ان کے لئے یہ الفاظ نہایت غور طلب ہیں۔ لیکن ان آیات الٰہی میں سب سے زیادہ غور طلب آیت آیۂ **و لتکن منکم امتہ** (۳:۱۰۳) ہے۔ جو بات لائق دریافت ہے یہ ہے کہ **دعوۃ الی الخیر**' **امربالمعروف**' و **نہی عن المنکر** کا صحیح مفہوم کیا ہے' اور وہ کیا شے ہے جس کی تبلیغ و تلقین کے لئے ایک جماعت قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ادنیٰ سا تامل بھی ہرصاحب نظر کو اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ "**الخیر**" اور "**المعروف**" کا صحیح مفہوم اس آیت میں اصلاح و اتحاد اور صرف اتحاد ہی ہے' اور اسی نقطہ نظر سے ان الفاظ پر ال تخصیصی واقع ہوا ہے' اور چونکہ پیشتر اور بعد کی آیات میں اتحاد کی خوبیاں اور اختلاف کی برائیاں ظاہر کی گئی ہیں اور یہ آیت ان کے درمیان گھری ہوئی ہے اس لئے خدائے عظیم نے عالم اسلام کے لئے ایک ایسی جماعت بنانے کا حکم دیا ہے جو سب امت کو اتحاد کی دعوت بالتخصیص دیتی رہے' اور ان کو تفرقے

Marfat.com

کی مکروہات (المنکر) سے دمبدم باز رکھے۔ اس مطمع نظر کے ماسوا یا اس سے کم و بیش حتماً" اس آیت کا اور کچھ مطلب نہیں۔ کلام الٰہی کو مربوط اور مدلل یقین کرنے والوں کے لئے اس کے سوا کسی اور نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں۔

مسلمانان عالم اور شارحین قرآن نے اس آیت کا مفہوم قطعاً غلط سمجھا ہے' اور **الخیر و المعروف** کے معنی عام کر کے عالم اسلام کو ایک غلط اور مہمل' نامعلوم اور نامحدود رستے پر لے گئے ہیں۔ مطالب کی اس عام افراتفری میں چنانچہ آج یہ حالت ہو گئی ہے کہ اسلامی جماعت کے ہزار در ہزار گروہ **امر بالمعروف**' اور **نہی عن المنکر** کے ظاہری ادعا کی آڑ میں' ہر طرف پھیلے ہوئے خلق خدا کو دھوکہ دے رہے ہیں' اور کسی مستقل پیش نہاد نہ ہونے کے باعث ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہو کر اسلام کی رہی سہی قوت کو اور بھی منتشر کر رہے ہیں۔ ہر گروہ اپنے آپ کو داعی الی الخیر' کا خطاب دے کر جماعت میں تفریق و اشتات پیدا کر رہا ہے۔ سب کے سب اپنی اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کے باعث مختلف رستوں پر نہایت تکبر و تحکم سے جا رہے ہیں اور اپنے زعم میں خدا کے ایک اہم حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔ جو حیرت انگیز فرقہ بندیاں ان گروہوں کی متخالف اور متقابل تعلیم و تلقین سے پیدا ہو رہی ہیں' بجائے خود خدائے عظیم کے مقصدِ اصلاح و اتحاد' اور اس آیت کے منتہائے نظر کو باطل کر رہی ہیں۔ وہ اعتصام بحبل اللہ' اور **ائتلاف قلوب**' اور اخوانیت' جو امر بالمعروف' اور نہی عن المنکر' سے مطلوب تھی یک قلم مٹ رہی ہے۔ ہر گروہ اپنی اپنی دکان سجائے سر بازار بیٹھا ہے اور حتی الوسع چرب زبانی اور لفاظی سے کام لے کر سادہ لوح امت کے گاہکوں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔

اگر بنظر تعمق اس آیہ شریفہ کے مضمون کی طرف دیکھا جائے تو عیاں ہو جاتا ہے کہ ربِ کون و مکان تعالیٰ نے تمام عالم اسلام کے لئے صرف ایک گروہ اور ایک جماعت ہی کو دعوت الی الخیر' اور امر بالمعروف' کے لئے تجویز کیا ہے نہ دس بیس مختلف گروہوں کو جو **و لتکن منکم امتہ** کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پس لا محالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے عالم آراء ایسے یکتا اور منتخب گروہ کا مقصد بھی یہی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک کے مسلمانوں کے مابین اتحاد قائم رکھے' ان کو اعتصام خدا کی دعوت دے' ان کے اختلافات کو وقتاً" فوقتاً" دور کرتا رہے' ان میں فرقہ بندیاں نہ پیدا ہونے دے' سب دنیائے اسلام کو جبراً ایک مقصدِ وحید' ایک مطمع نظر اور ایک راہ عمل کی طرف لے جائے۔ وہ گروہ خود کسی مقتدر نظام کے ماتحت کام کر رہا ہو اور تمام مسلمانوں کا صحیح معنوں میں قائم مقام ہو۔ ایسا گروہ تاریخ شاہد ہے کہ قرن اول سے قطع نظر مسلمانوں نے آج تک نہیں بنایا اور امت مرحومہ اس آیہ کبریٰ کے خدائی مطالب کی تعمیل کرنے سے حتماً" قاصر رہی ہے۔

اس گروہ کے متعلق **و اولئک ھم المفلحون**' کا ارشاد ہے۔ "فلاح" کے معانی قرآن کریم میں دنیاوی کامرانی کے بھی ہیں۔ گویا خدا فرماتا ہے کہ یہی وہ گروہ ہے جو فلاحِ دارین حاصل کرے گا اور امت کو صحیح معنوں میں قوت دے گا۔ آگے چل کر فرقہ بند امت کے لئے **و اولئک لھم عذاب عظیم**' کہا گیا ہے۔ گویا یہ عذاب بھی دنیاوی ہی ہے جو ہر اختلاف زدہ امت کو دنیا میں ملتا ہے "اولئک" کا تکرار بھی لا محالہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف کا مفہوم دنیائے اسلام کو ایک مقصد و منتہا پر قائم و متحد رکھنا ہی ہے اور وہ پیش نہاد دنیوی قوت اور تمکن ہے اس کے ماسوا حتماً" کچھ نہیں ہے۔

لیکن اس تمام خارجی استدلال سے صرفِ نظر کر کے قرآن حکیم کے الفاظ میں داخلی غور و فکر بھی اس نتیجے کی طرف راغب کرتا ہے کہ **الخیر' المعروف**' اور المنکر' کے الٰہی مطالب وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ **الخیرات** کے صحیح مفہوم کے متعلق بحث الخیرات کے عنوان کے تحت آگے آ رہی ہے جس سے ظاہر ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ نے اتحاد کے اجتماعی حسن عمل کو لفظ **الخیر** سے یاد فرمایا ہے

Marfat.com

(**یدعون الی الخیر**)۔ **المعروف** اور **معروف** کے الفاظ بھی کلام الٰہی کے اندر بالالتزام دو شخصوں یا فریقوں کے درمیان مصالحت یا صورت اصلاح و اتحاد پیدا کرنے کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں خاوند اور عورت کے باہمی تعلقات کی کشیدگی کے بارے میں ہے: **و اذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فا مسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا** (۲:۲۳۱) ''اور جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو اور ان کی عدت پوری ہونے کو ہو تو یا طلاق کا ارادہ فسخ کر کے ان کو پوری صلح صفائی سے (**بمعروف**) پھر زوجیت میں رکھ لو' یا ان کو مصالحت سے رخصت کر دو اور دکھ دینے کی نیت سے ان کو نہ رکھو کہ بعد میں زیادتی کرو۔'' یہی مضمون اس آیت سے ذرا پہلے بھی ہے: **فامساک بمعروف او تسریح باحسان**ط (۲:۲۲۹) یعنی ''یا صلح صفائی کے ساتھ پھر زوجیت میں لے لینا یا خوش اسلوبی سے رخصت کر دینا۔'' ایک آیت پہلے پھر اسی مضمون کی تصریح ہے: **و بعولتھن احق بردھن فی ذالک ان ارادو اصلاحط و لھن مثل الذی علیھن بالمعروف** (۲:۲۲۸) یعنی ''اور اگر ان کے خاوند مصالحت کرنا چاہیں تو ان کو پورا حق ہے کہ اس اثناء میں اپنی عورتوں کو پھر اپنی زوجیت میں واپس لے لیں اور اس صورت میں جس طرح پر مصالحت اور صلح صفائی سے رہنا عورتوں پر لازم ہے (**علیھن بالمعروف**)۔ اسی طرح پر مردوں کی طرف سے عورتوں کے ساتھ (**لھن مثل الذی**) مصالحت کا سلوک کیا جانا بھی لازم ہے۔'' اسی رکوع میں مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے: **فلا تعضلو ھن ان ینکحن ازواجھن اذا ترا ضوا بینھم بالمعروف**ط (۲:۲۳۲) یعنی ''طلاق ہوئے پیچھے تم ان عورتوں کو منع نہ کرو کہ نئے خاوندوں سے نکاح کر لیں۔ اگر دو فریق آپس میں مصالحت اور اتحاد پر (**بالمعروف**) راضی ہو گئے ہوں۔'' آگے چل کر دودھ پلانے کی اجرت کے بارے میں ہے: **و علی المولود لہ رزقھن و کسوتھن بالمعروف**ط (۲: ۲۳۳) ''اور باپ پر لازم ہے کہ ایسی زیر تجویز مطلقہ ماؤں کو صلح صفائی کے ساتھ کھانا اور کپڑا دے۔'' اور اگر دایہ سے دودھ پلانے کا باہمی سمجھوتہ ہو جائے تو فرمایا ہے: **فلا جناح علیکم اذا اسلمتم ما اتیتم بالمعروف**ط (۲:۲۳۳) یعنی ''اس صورت میں دایہ سے دودھ پلوا لینے میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ جو کچھ ماؤں کو دینا کیا تھا صلح صفائی کے ساتھ دے دو۔'' رانڈ عورتوں کے دوسرے بیاہ کے بارے میں ہے: **فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف** (۲:۲۳۴)' ''پھر جب وہ اپنی مدت پوری کر چکیں تو نیک نیتی اور صلاح روی سے (**بالمعروف**) جو کچھ دوسرے بیاہ کے بارے میں اپنے دل میں ٹھان لیں اس کی پرسش تم وارثان سمیت سے کچھ نہیں اور اسی لئے تمہیں اس فعل سے واسطہ نہیں جو چاہیں ان کو کرنے دیں۔'' اس موقع پر **للمعروف**' سے مراد رانڈ عورت کا صلاح روی کے ساتھ دوسرا بیاہ کرنا ہے' نہ یہ کہ اٹھے اور وہ وطیرہ اختیار کرے جس سے خاندان کی ناموس برباد ہو اور خانگی فساد کی صورت پیدا ہو۔ گویا یہاں بھی مقصود اصلاح و اتحاد اور فساد کو مٹانا ہی ہے۔ شادی شدہ باکرہ عورتوں کو شب زفاف سے پیشتر طلاق دینے کے بارے میں ارشاد ہے کہ کچھ گناہ نہیں مگر ہاں ان کو بطور احسان کے کچھ دے دینا چاہئے: **علی الموسع قدرہ و علی المقتر قدرہ متاعا بالمعروف حقا علی المحسنین**○ (۲:۲۳۶)' ''مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق اور بے مقدور اپنی حیثیت کے موافق تم اس کو ایک نذرانہ سمجھو جس کی غرض و غایت یہ ہے کہ طلاق صلح صفائی کے ساتھ اور بغیر دنگے فساد کے طے پائے (**مناعا بالمعروف**) اور سچ تو یہ ہے کہ مصالحت سے چلنے والے اشخاص پر یہ نذرانہ تو ایک طرح کا حق ہے۔'' کچھ آگے چل کر مطلقہ عورتوں کے بارے میں بھی اسی قطع کا حکم ہے: **و للمطلقت متاع بالمعروف**ط **حقا علی المتقین**○ (۲:۲۴۱)' یعنی ''مطلقہ عورتوں کے لئے بھی کچھ نہ کچھ نذرانہ بطور احسان یا یادگار ہونا چاہئے تاکہ فریقین صلح صفائی کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوں' اور خدا سے صحیح معنوں میں ڈرنے والوں کے لئے تو یہ معمولی سی رواداری بطور ایک فرض کے ہے۔'' مطلب یہ ہے کہ جو شخص صحیح معنوں میں متقی ہے اس کا منتہائے نظر دنیا میں ہمیشہ یہی

Marfat.com

رہتا ہے کہ انتہائی معاملات میں بھی کم سے کم فساد پیدا ہو۔ طلاق وہ مکروہ شے ہے جو دو فریقوں کے درمیان ایک ناقابل برداشت شقاق کا باعث ہوتی ہے۔ اگر اس کا واقع ہونا بہر نوع ضروری ہو گیا ہے تو ایک صلح پسند آدمی پر فرض ہے کہ اس عورت کو جس کے ساتھ اس نے اتنی مدت صحبت کی ہے ایک معتدبہ رقم بطور نذرانے کے پیش کرے تاکہ مخالفت کے جذبات انتہا تک نہ پہنچنے پائیں۔ ازدواجی تعلقات کے منقطع ہونے پر فریقین ایک دوسرے کو کم از کم دشمن نہ سمجھیں' اور اسلامی جماعت کے اندر شکست انگیز تفریق پیدا نہ ہو۔

ناسمجھ اور کم عقل یتیموں کے سرپرستوں کو سورۂ نساء میں ہدایت ہے: **و قولوا لهم قولا معروفا** (۵:۴) یعنی "ان کے ساتھ صلح صفائی سے برتاؤ کرو۔" محتاج سرپرست کے بارے میں ہے: **و من کان فقیرا فلیاکل بالمعروف** (۶:۴) یعنی "اگر سرپرست کم مقدور ہو تو اس یتیم کے مال میں سے بقدر مناسب (**بالمعروف**) اپنے گذارے کے لئے لے لے۔" یہاں بقدر مناسب سے مراد یہ ہے کہ اس میں اس یتیم کی طرف نیکی' صلاح روی اور مصالحت کا خیال ہو' اس کو تباہ کرنے اور لوٹنے کی نیت نہ ہو' اس کے بارے میں عداوت اور مخالفت کے جذبات موجزن نہ ہوں۔ بیبیوں کے ساتھ سلوک کے بارے میں ہے: **و عاشروهن بالمعروف** (۱۹:۴) یعنی "ان کے ساتھ حسن سلوک سے رہو۔" لونڈیوں سے نکاح کرنے کے متعلق ہے: **و اتوهن اجورهن بالمعروف محصنت غیر مسفحت و لا متخذت اخدان** (۲۵:۴) یعنی "ان کو ان کی اس مستقل مصاحبت کے عوض میں ان کے مہر منصفانہ طور پر (**بالمعروف**) ادا کر دو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ گھریلو عورتیں بن کر رہیں' بدکاری ان کی غرض نہ ہو' اور نہ پوشیدہ طور پر یار رکھیں۔" یہاں "**المعروف**" سے مقصود حق مہر کا اس مقدار میں ادا کرنا ہے کہ فریقین میں رضامندی پیدا ہو جائے' گویا منتہائے نظر وہی اتحاد ہے۔

سورۂ نساء میں منافقین اسلام کے بارے میں ہے: **لا خیر فی کثیر من نجوٰهم الا من امر بصدقة او معروف او اصلاح بین الناس** (۱۱۴:۴)' "ان لوگوں کی اکثر سرگوشیوں اور خفیہ ریشہ دوانیوں میں متحد کرنے (خیر) یا صلح و صلاح کی صورت (خیر) بتانے کا تو نام نہیں' ان کا دار و مدار ہی نفاق پر ہے' البتہ وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہے جس نے اوروں کو ایثار مال کرنے کی ترغیب دی (**امر بصدقة**) مصالحت کا کوئی عنوان قائم کیا (**اومعروف**)' یا لوگوں کے درمیان میل ملاپ کا بیج بو دیا۔" یہاں صاف **معروف**' سے مقصود اتحاد برخلاف تفرقہ اور نفاق کے ہے جو منافقوں کی اصلی غایت ہوا کرتی ہے۔ سورۂ توبہ میں انہی منافقوں کی تعریف میں ہے: **المنفقون والمنفقت بعضهم من بعض یامرون بالمنکر و ینهون عن المعروف و یقبضون ایدیهم** (۶۷:۹)' یعنی "نفاق ڈالنے والے مرد اور نفاق ڈالنے والی عورتیں سب ایک ہی تھیلی کے بٹے ہیں' لوگوں کو نفاق (المنکر) کی ترغیب دیتے ہیں' اور مصالحت اور اتحاد (**المعروف**) سے باز رکھتے ہیں' اور یہی نہیں بلکہ ایثار مال کے موقع پر اپنی مٹھیاں بھینچ لیتے ہیں۔" یہاں پہلی دفعہ "**المنکر**" کا لفظ آیا ہے اور ہر صاحب نظر بطور خود دیکھ سکتا ہے کہ "**المعروف**" اور "**المنکر**" کا منتہائے نظر اس آیہ کریمہ میں بعینہ وہی ہے جو آیات زیر بحث یعنی (۱۰۴:۳-۱۰۵) میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اس نقطہ نظر کی تصدیق حیرت انگیز طور پر آئندہ آیتوں سے ہوتی ہے جو مومنوں کی تعریف میں آئی ہیں: **والمومنون والمومنت بعضهم اولیاء بعض یامرون بالمعروف و ینهون عن المنکر و یقیمون الصلوة و یوتون الزکوة و یطیعون الله و رسوله** (۷۱:۹)' "اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں ایک دوسرے کے صحیح معنوں میں دوست ہیں' وہ لوگوں کو باہمدگر متحد ہونے (**المعروف**) کی دعوت دیتے رہتے ہیں' اور نفاق (**المنکر**) کے مکروہ نتائج سے باز رکھنے کی سعی کرتے ہیں' اور **الصلوة**' کو قائم کرتے ہیں' اور حسب موقع ایثار مال کرتے' اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔" **الصلوة** کی اجتماعی حیثیت' **الزکوة** کے اجتماعی فوائد اور اطاعت خدا و رسول کی ماہیت اور سیاسی حکمتِ عملی پر بحث آئندہ اوراق میں آئے گی' لیکن سیاق مضمون سے عیاں ہے

Marfat.com

کہ **المعروف** کی دعوت فی الحقیقت اتحاد ہی کی دعوت ہے' اس کے سوا کچھ" اور اصلاً کچھ نہیں۔ **المنکر** کی الٰہی اصطلاح تفریق اور مخالفت کے معنوں میں ایک دو اور موقعوں پر استعمال ہوئی ہے جو یہاں لکھ دیئے جاتے ہیں۔ سورۂ حج میں ہے: **و اذا تتلی علیھم ایتنا بینت تعرف فی وجوہ الذین کفر والمنکر، یکادون یسطون بالذین یتلون علیھم ایاتنا،** (۲۲:۷۲) یعنی "اے پیغمبر! جب ان منکرین عرب کو ہمارے روشن اور نتیجہ خیز احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو تم ان لوگوں کے چہروں پر مخالفت اور نفاق کے آثار اس شدت سے دیکھتے ہو کہ گویا کوئی دم میں یہ لوگ ہمارے احکام سنانے والوں پر حملہ کر بیٹھیں گے۔" گویا **المنکر**' یہاں پر وہ قلبی انکار ہے جس کا نتیجہ تفریق اور اختلاف ہے۔ سورۂ عنکبوت میں حضرت لوط علیہ السلام کا قول اپنی قوم کے بارے میں ہے: **ائنکم لتاتون الرجال و تقطعون السبیل، و تاتون فی نادیکم المنکر،** (۲۹:۲۹)' یعنی "کیا تم لوگ عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو' شاہراہوں پر ڈاکے مارتے ہو' اور اپنی ٹولیوں میں دنگے مچاتے' اور ناچاقیاں پیدا کرتے ہو (**المنکر**)" مفسرین نے جو **المنکر**' سے مراد "بے حیائی کے کام" لیا ہے' محض بے سبب اور بے سند ہے۔ جب **تاتون الرجال** اور **تقطعون السبیل** کے الفاظ میں نوعیت جرم کی پوری تخصیص ہے تو **تاتون المنکر** میں بھی وہ تخصیص جاری رہنی چاہئے' اور وہ سوا اس کے نہیں جو اوپر بیان ہوئی۔ رہزنوں اور لواطت پرست غنڈوں کا شیوہ ہمیشہ سے یہی چلا آیا ہے کہ بات بات پر دنگا کھڑا کر دیتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے خلاف گروہ بن جاتے ہیں۔ یہی وہ جرم عظیم تھے جن کی پاداش میں قوم لوط کی تباہی ہوئی تھی۔ لواطت سے بڑھ کر کیا بے حیائی ہو گی جس کا ذکر **تاتون الرجال** بلکہ اس سے پیشتر کی آیت (۲۹:۲۸) میں **انکم لتاتون الفاحشۃ** کے الفاظ میں ہو چکا ہے۔ پھر یہ تین دفعہ ایک ہی شے کو بے سبب دھرانا کلام الٰہی کے شایان شان نہیں۔

الغرض جس نقطہ نظر اور درجہ تعمق سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی آیات کو دیکھا جائے' ہر صاحب نظر کو ان کا مطالعہ لا محالہ اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ کلام الٰہی کی قانونی زبان میں "**المعروف**" کی اصطلاح سے مراد اتحاد اور "**المنکر**" سے مقصود نفاق اور اختلاف ہی ہے۔ نیکی' اور برائی کے لغوی معانی جو شارحین قرآن نے ان دو اصطلاحوں کے لئے ہیں اس قدر غیر محدود اور بے نتیجہ ہیں کہ ان کے مان لینے کے بعد کسی ایک حکم خدا کے بارے میں مستقل نتائج پر پہنچنا ازبس دشوار ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم ساکنان زمین کے لئے خزینۂ علم و حکمت ہونے کے علاوہ ایک قانونِ عمل ہے اور قانونی کتاب کے سزاوار یہی ہے کہ اس کا کوئی قانون قیاس یا رائے یا تاویل کے تابع نہ ہو سکے' بلکہ ایک حکم کا صرف ایک ہی مطلب اور ایک ہی طریقِ عمل ہو اور بس' نہیں' بلکہ سب سے ضروری یہ امر کہ ہر متفرع المعانی اصطلاح کی آئینی تعریف خود اس کے اندر موجود ہو' اپنی وضع کی ہوئی مصطلحات کی شرح و بسط کے لئے اس کو کسی دوسری کتاب کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ بعینہ انہی معانی میں قرآن عظیم تمام انسانی لغات سے بے نیاز ہے۔ وہ اپنی سب مصطلحات کی آپ ہی تعریف کرتا ہے' آپ ہی اپنی لغت اور آپ ہی اپنی تشریح ہے' اس کے کسی ایک امر و نہی یا آیت کا صرف ایک ہی پیش نہاد' ایک ہی مقصود اور ایک ہی طرزِ عمل ہے۔ دستورِ خدا کے شارحین کا فرض ہے کہ وہ اس مقننِ اعظم کے واحد عندیے کو صاف اور روشن الفاظ میں واضح کر دیں کہ انتشارِ عمل کی گنجائش باقی نہ رہے' کوئی شخص یا گروہ مبہم تاویل کی بناء پر گریز کی سبیل نہ نکال سکے' مکروریا کی آڑ میں نہ چھپے' جہل کو عذر نہ بنا سکے۔ جو تفسیر اس اہم مقصود کو پیش نظر نہیں رکھتی وہ فی الحقیقت کلام خدا کی شرح نہیں۔ اس کا پیش نہا داشتاتِ عمل ہے' تفریقِ قوم اور تضعیفِ امت ہے۔ جب تک مطالب بین اور غیر مشکوک' واحد اور محدود نہ ہو جائیں کسی حکم کی تعمیل کرنا محال ہے' جب تک آقا کا صحیح عندیہ معلوم نہ ہو غلام کی تعمیل بے معنی ہے: **و انزلنا الیک الذکر لیتبین للناس ما نزل الیھم**

Marfat.com

(۴۴:۱۶) (اور اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نصیحت اس لئے اتاری ہے کہ تم لوگوں پر اچھی طرح عیاں ہو جائے کہ ان کے لئے کیا کیا احکام اترے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ خود سوچیں اور تدبر کر کے نئے مطالب دریافت کریں اور تطابق پیدا کریں۔) **المعروف**' اور **المنکر**' کے الفاظ کا جہاں جہاں استعمال قرآن کریم میں ہوا ہے وہاں الٰہی مقصود یہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ بہر نوع یہ تمام بحث و تمحیص اس دعوے کا مزید اور حتمی ثبوت ہے کہ قرآن حکیم اپنی اصطلاحات کی وضاحت میں تمام انسانی لغات سے بے نیاز ہے' نہیں بلکہ لغت اس کے مطالب کی تشریح کے لئے اکثر اوقات گمراہ کن ہے کیونکہ تغیر پذیر ہے اور **لا مبدل لکلمتہ** (۶:۱۱۶) کے تحت میں نہیں آسکتی۔

---☆☆☆○☆☆☆---

(۷) اطیعواللہ و اطیعوالرسول

یایھاالذین امنوا اطیعوا اللہ و رسولہ و لا تولوا عنہ و انتم تسمعون○ و لا تکونوا کالذین قالوا سمعنا و ھم لا یسمعون○ ان شرالدواب عنداللہ الصم البکم الذین لا یعقلون○ (۸:۲۰-۲۲)

اے ایمان والو! اللہ کے احکام مانو اور رسول کے بالشافہ احکام کی بھی بلا حیل و حجت تعمیل کیا کرو اور درانحالیکہ تم اس کا حکم سن رہے ہو (یعنی دیدۂ و دانستہ) اس سے سرتابی نہ کیا کرو۔ کیونکہ وہی تمہارا اولوالامر ہے اور نہ تم ان لوگوں کی مانند بنو جو منہ سے ہاں کہہ چھوڑتے ہیں اور پھر حکم کی تعمیل فوراً نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات وہ ڈھیٹ اور مچلے لوگ ہوتے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے خواہ ان کو کتنا ہی سمجھایا جائے اور اطاعت امیر کی لم سے بے خبر ہیں۔

یایھاالذین امنوا استجیبواللہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم ج واعلموا ان اللہ یحول بین المرء و قلبہ وانہ الیہ تحشرون○ واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ ج واعلمو ان اللہ شدید العقاب○ (۸:۲۴-۲۵)

اے ایمان والو! جب اللہ اور رسول تمہیں کسی ایسے کام کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی اور قوت بخشتا ہو (یعنی قتال اور متعلقہ فرائض) تو تم ان کے احکام کو بگوش دل سنو اور مستعدی سے ان کی تعمیل کرو۔ اور خوب سمجھ لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور جو کچھ ان کے درمیان بخت و پز ہوتی ہے' اس کو خوب جانتا ہے۔ یہ بھی جانتے رہو کہ تم ایک نہ ایک دن اسی کے حضور میں حاضر کئے جاؤ گے اور اس اجتماعی موت سے ڈرتے رہا کرو جو امیر جماعت کی حکم عدولیوں اور داخلی فتنہ و فساد سے بالآخر پیدا ہوتی ہے اور جو خاص کر انہی لوگوں پر نازل نہیں ہوگی جنہوں نے تم میں سے سرتابی کی ہے بلکہ تم سب اس کی زد میں آجاؤ گے اور جانے رہو کہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے۔

اطیعوااللہ و رسول' کا الٰہی مقصود مرورِ مدت اور نسیانِ درس کے باعث مسلمانانِ جہان کے ذہنوں سے اس قدر محو ہو گیا ہے کہ وہ آج اس انحطاط کے زمانے میں شرعی رسوم اور فقہی مسائل کی ایک نمائشی سی پابندی کو ہی اطاعت خدا اور رسول سمجھ کر اپنے آپ کو دین اسلام کے ایک اہم فریضے سے سبکدوش کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک صوم و صلوٰۃ وغیرہ وغیرہ ارکان دین کا شرعی التزام یا کتب احادیث کا

Marfat.com

مکتبی درس اور سطحی اتباع ہی اطاعت خدا اور رسول کا انتہائی مقصود ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسری شئے ان کے ذہنوں میں سماتی نظر نہیں آتی' کوئی الٰہی یا پیغمبری آواز آج ان کی خوابِ استراحت میں مخل نہیں' کوئی امیر لائقِ امتثال و استیجاب نہیں۔ ظاہر ہے کہ اطاعت خدا کا عملی منظر قرن اول میں کچھ ہی ہو' لیکن "اطاعت رسول" کا مقصود نبیؐ آخرالزمان کے عہد حیات میں اس کے بالمشافہ احکام کی تعمیل ہی تھا۔ آیات (۸:۲۰-۲۱) میں **و انتم تسمعون**' اور **قالوا سمعنا و هم لا یسمعون**' اور آیہ (۸:۲۴) میں **اذا دعا کم**' کی قید اس دعوت کی صریح تائید میں ہے۔ گویا رسول خدا کا کسی بات کو منہ سے کہنا اور صدر اسلام کے مومنوں کا بطیب خاطر اس حکم کی فوری تعمیل کرنا اور لنگ عذرات پیش نہ کرنا ہی "اطاعت رسول" تھا۔ صدر اسلام میں نہ کوئی حدیث کی کتابیں تھیں جن کی رسمی درس و تدریس اطاعت رسول کے مترادف تھی' نہ فقہی تصانیف تھیں جن کو عینک لگا کر پڑھ لینا اور پڑھ کر بادب تمام "بالائے طاق" رکھ دینا اتباع رسول کے ہم معنی تھا۔ جیسا کہ آج اکثر سہل پسند مسلمانوں کا شیوۂ اعتقاد ہے۔ قرن اول میں رسولؐ خدا مسلمانوں کے قائد اعظم اور سپہ سالار ہونے کی حیثیت میں وقتاً" فوقتاً" احکام نافذ کیا کرتے تھے جو مصالح وقت کے لحاظ سے مسلمانوں کے اجتماعی دفاع کے لئے ضروری تھے' عرب کے جس جس گوشے میں ان فرامین کی صدائیں پہنچتی تھیں لوگ لبیک لبیک کرتے حاضر ہو جاتے اور اپنا تن من دھن اس نیک سیرت سردارؐ کی خاطر قربان کر دیتے۔ یہ اطاعت رسول کا صحیح مفہوم تھا۔ رہا یہ امر کہ آج جبکہ رسولؐ خدا بذات خود مصلحت وقت کے مطابق حکم دینے کے لئے موجود نہیں تو "اطاعت رسول" کا بدل کیا ہو اور کس کے حکم کی تعمیل فرض ہے' یہ ایک علیحدہ اور اہم سوال ہے۔ آیہ (۸:۲۵) کے مطالب خاص طور پر قابلِ التفات ہیں جس میں عصیانِ خدا اور رسول کا نتیجہ وہ فتنہ عظیم قرار دیا گیا ہے جس کی لپیٹ میں بلا امتیاز احدے ساری کی ساری جماعت آ رہتی ہے۔ یہ فتنہ لا محالہ سیاسی شکست و ریخت اور اجتماعی بدنظمی ہی ہے جو امیر جماعت کی نافرمانی اور تشتت آراء سے ہر جا پیدا ہو جاتی ہے اور جو نظامِ کائنات کا اصل اصول ہے۔ اس نقطہ نظر سے "اطاعت رسول" اور "استجابت رسول" کے معانی اور بھی صاف ہو جاتے ہیں اور اسلامی جماعت کی رہنمائی کے لئے ہر وقت کسی ایسے امیر کا موجود ہونا لازم و ملزوم ہو جاتا ہے جو خدا و رسول کے احکام کی تابعداری حکما" کرائے اور حسب موقع امت کو شکست و ریخت سے بچائے **لما یحییکم** (۸:۲۴) کے الفاظ بھی اس دعوے کی حتمی تائید کرتے ہیں کہ یہ احیا اجتماعی اور سیاسی قوت کا حاصل کرنا ہی تھا۔

اب رہا یہ امر کہ **اطیعواللہ**' کا کیا مفہوم ہے اس کا جواب اعتقاداً اور نظریتہ" اگرچہ یہی رہا ہے کہ "جو کچھ کلام الٰہی کے اندر لکھا ہے اس کی پیروی کرنی اطاعت خدا ہے' مگر عملی مقام نظر سے یہ بات ناممکن العمل اس لئے ہے کہ قرآن حکیم ایسے احکام و قوانین کا مجموعہ ہے جن میں سے اکثر کی بیک وقت پیروی کرنی محال ہو جاتی ہے۔ ان میں بعض (مثلاً جہاد بالسیف اور ہجرت وغیرہ) ایسے اوامر ہیں جن کا نفاذ وقتی اور مقامی حال و احوال کو دیکھ کر ہوتا ہے اور جو لا محالہ کسی امیر کے ماتحت رہ کر ہی ہو سکتے ہیں۔ اس بناء پر بھی مسلمانوں کی امت کا کسی ایک اولوالامر کے اذن میں رہنا ازروئے قرآن ضروری ہے' مگر رسولؐ خدا کے عہدِ حیات میں "اطاعت خدا" سے مراد عملاً رسول خدا کے احکام کی تعمیل ہی تھی خواہ وہ احکام بالمشافہ اور مصلحتی تھے یا بذریعہ وحی خدا کے ہاں سے پہنچتے تھے۔ حتیٰ کہ سورت میں **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** (۴:۸۰) کہہ کر اطاعت خدا کو فی الحقیقت اطاعت رسول میں مدغم کر دیا ہے۔ گویا قرونِ اولیٰ کے عرب کو بارگاہ خداوندی سے حکم ہوتا ہے کہ جس شخص نے رسول خدا کے کہے کو بلا چون و چرا مانا اس نے فی الحقیقت خدا ہی کے کہے کو مانا۔ پس **اطیعواللہ**' کا مفہوم صدر اسلام میں اطاعت رسول ہی تھا۔ اس نقطے کی تائید **و لا تولوا عنہ** (۸:۲۰) اور **اذا دعاکم** (۸:۲۴) کی واحد غائب ضمیروں سے بھی ہوتی ہے۔

---☆☆☆○☆☆☆---

(۸) سیئہ و حسنہ

مصیبہ کی قرآنی اصطلاح کے معانی آج قریب قریب مسخ ہو چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی انسانی لغت اب اس کے خدائی مفہوم کو ادا نہیں کر سکتی۔ قرآن بذات خود اپنے معانی کا محافظ ہے اور اس نقطہ نظر سے انسانی لغات سے بے نیاز ہے۔ ایک اور قرآنی اصطلاح جو قریب قریب مصیبہ یعنی اجتماعی بدحالی کے معنوں میں استعمال ہوئی ہے سیئتہ ہے اور جس کی ضد حسنتہ ہے۔

(الف) سورۂ نساء میں ہے: **ما اصابک من حسنتہ فمن اللہ و ما اصابک من سیئتہ فمن نفسک** (۷۹:۴) یعنی "اے لوگو! جو بھلائی تم کو اس دنیا میں پہنچتی ہے وہ تمہارے خدا کے بتائے ہوئے راہ پر چلنے کی وجہ سے ہے اور جو سزا تم کو اس دنیا میں ملتی ہے وہ تمہارے اپنے کرتوت سے ہے۔" علی ہذا القیاس سورۂ شوریٰ میں ہے: **و ان تصبھم سیئتہ بما قدمت ایدیھم** (۴۸:۴۲) یعنی "اگر ان کو ان کے اپنے کرتوت سے کوئی برائی پہنچے۔" جس سے مقصود افراد امت کی غفلت کی وجہ سے اجتماعی سزا کا ملنا ہے۔ سورۂ اعراف میں اقوام کو سزا ملنے کے ابتدائی مراحل کے ذکر میں ہے: **ثم بدلنا مکان السیئتہ الحسنہ حتی عفوا** (۹۵:۷) "پھر ہم اس قوم کی ظاہری بدحالی کو خوشحالی اور فارغ البالی سے بدل دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ لوگ اس کے زعم میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔" اسی سورۂ میں آگے چل کر ہے: **و لقد اخذنا ال فرعون بالسنین و نقص من الثمرات لعلھم یذکرون فلما جاء تھم الحسنتہ قالوا لنا ھذہ و ان تصبھم سیئتہ یطیروا بموسی و من معہ** (۱۳۰:۷) "اور ہم نے تو فرعون کی قوم کو برسوں کی خشک سالیوں اور کمی پیداوار کی سزا اسی لئے دی تھی کہ وہ لوگ عبرت پکڑیں اور اپنی بداعمالیوں سے باز آئیں۔ پھر جب ان پر کوئی اجتماعی راحت نازل ہوتی تھی تو کہتے کہ خدا کی طرف سے خوشنودی مزاج کا یہ پروانہ ہمارے ہی نیک اعمال کی وجہ سے ہے اور اگر ان پر کوئی مجموعی آفت آتی تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کے بدافعال کا نتیجہ گردان کر ان کے سر تھوپتے۔" یہاں **نقص من الثمرت**' کے متذکرہ صدر معانی جس کا ذکر آگے آئے گا' کی تائید بھی ہو گئی اور سیئتہ' کے مطالب بھی صاف ہو گئے۔ سورۂ رعد میں ہے: **و یستعجلونک بالسیئتہ قبل الحسنتہ و قد خلت من قبلھم المثلت** (۶:۱۳) "اور اے پیغمبر! یہ لوگ تم سے خوشحالی اور اجتماعی عافیت مانگنے کی بجائے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ ان کو خوب معلوم ہے کہ ان سے پہلے ہمارے ہاں سے وہ وہ دردناک عذاب آئے ہیں کہ ان کی کہاوتیں چلی آتی ہیں۔" علی ہذا القیاس سورۂ نمل میں حضرت صالحؑ کا قول ہے: **قال یقوم لم تستعجلون بالسیئتہ قبل الحسنتہ لو لا تستغفرون اللہ لعلکم ترحمون**○ (۴۶:۲۷) یعنی "حضرت نے کہا کہ اے قوم! تم کیوں خوشحالی اور امن (**الحسنتہ**) کو چھوڑ کر ذل و مسکنت کے عذاب (**السیئتہ**) کے لئے جلدی مچا رہے ہو' تم کیوں خدائے ذوالجلال سے اپنی گذشتہ درماندگیوں پر پردہ پوشی کی درخواست (**یستغفرون**) نہیں کرتے تاکہ تم مستحق انعام و اکرام ہو جاؤ۔" یہاں بھی سیئتہ سے مراد صاف طور پر وہ اجتماعی بدحالی ہے جو احکام خدا کی عدم تعمیل کے باعث ہر قوم پر دفعتاً" یا رفتہ رفتہ نازل ہو جاتی ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے: **ان تمسسکم حسنتہ تسوھم و ان تصبکم سیئتہ تفرحوابھا** (۱۲۰:۳) یعنی "مسلمانو! اگر تم کو کوئی اجتماعی فائدہ پہنچتا ہے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تم پر کوئی قومی آفت نازل ہوتی ہے تو یہ منافق خوش ہو جاتے ہیں۔" یہاں سیئتہ کی کوئی دوسری تاویل غیر ممکن ہے اور مطالب بالالتزام وہی ہیں جو پہلے بیان ہوئے۔ سورۂ اعراف میں بنی اسرائیل کے بارے میں ہے: **و قطعنھم فی الارض امما منھم الصلحون و منھم دون ذالک و بلونھم بالحسنت والسیات لعلھم یرجعون**○ (۱۶۸:۷) "اور ہم نے بنی اسرائیل کو

Marfat.com

بالاخر گروہوں میں تقسیم کر کے سطح زمین پر پھیلا دیا' ان میں سے بعض امتیں صالح بنی رہیں (اور مدت مدید تک ہمارے انعاموں سے بہرہ ور ہوتی رہیں) اور بعض بہت جلد غیر صالح ہو گئیں (اور جلد صفحہ زمین سے محو کر دی گئیں) اور ہم نے ان غیر صالح امتوں کی آزمائش طرح طرح کی اجتماعی خوشحالیوں (الحسنات) اور قسم قسم کی جماعتی بدحالیوں (السیات) سے کی کہ شاید وہ انعاموں کے ملنے کی لم کو سمجھ کر اور سزاؤں کے آنے کی حقیقت کو پا کر ہمارے قانون کی طرف لوٹ آئیں (لعلهم يرجعون)" گویا یہاں مراد یہ ہے کہ جہاں کچھ مدت کے لئے راہ راست پر آ جاتے تھے تو ہم اپنی نعمتوں کا دروازہ یکسر کھول دیتے تھے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ انعام یکسر ہماری متابعت کی وجہ سے ملتا ہے اور جہاں ہمارے قانون سے سرکش ہو بیٹھتے تھے تو ان کو بدحال کر دیتے تھے کہ سمجھ لیں کہ یہ بدحالی ان کے اپنے کرتوت ہی سے ہے۔ سورہ زمر میں سیات کا یہی مفہوم ذرا اور بھی واضح طور پر ہے: **فاصابهم سيات ما كسبوا، والذين ظلموا من هو لاء سيصيبهم سيات ما كسبوا، و ما هم بمعجزين**○ (۳۹:۵۱) یعنی "تو ان لوگوں کو ان کی بداعمالی کے برے نتائج اجتماعی بدحالیوں (السیات) کی صورت میں پہنچے اور ان اہل مکہ میں سے بھی جو لوگ حدود سے تجاوز کر رہے ہیں (ظلموا) ان کو بھی ان کے اعمال کے برے نتائج قومی زبون حالی کی صورت میں عنقریب پہنچنے والے ہیں اور یہ لوگ ایسے طاقتور تو ہیں نہیں کہ ہم کو عاجز کر دیں۔" اس موقع سے ذرا پہلے سیات کو پھر اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے: **و بدالهم سيات ما كسبوا و حاق بهم ما كانوا به يستهزئون**○ (۳۹:۴۸) یعنی "پھر ان لوگوں کو اپنے کرتوت کے برے نتیجے اجتماعی شکست و ریخت (سیات) کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور جس سزا کو یہ لوگ ہنسی مخول میں سمجھ رہے تھے ان پر آ نازل ہوئی۔" یہاں بھی سیات سے مراد بصراحت تمام وہ فقر و افلاس' خوف کا ماحول اور ذل و مسکنت ہے جو اقوام عالم کو ان کی غفلتوں اور بداعمالیوں کی پاداش میں ملتا ہے۔ اس سے مقصود "گناہ" نہیں جس کا عملی مفہوم آج شرعی اصطلاح بن کر کچھ بے معنی سا ہو گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ ہود میں سیات کا یہ مفہوم اور بھی واضح ہے: **ولئن اذقنه نعماء بعد ضراء مسته ليقولن ذهب السيات عني** (۱۱:۱۰) یعنی "اگر انسان کو کسی تکلیف کے پہنچنے کے بعد ہم نعمائے الٰہی کا تھوڑا سا مزا چکھا دیں تو معاً" اپنے دل میں یقین کر لیتا ہے (لیقولن) کہ اب (ہمیشہ کے لئے) میری سب خستہ حالیاں مجھ سے دور ہو گئیں۔"

(ب) ان مثالوں سے قطع نظر قرآن حکیم میں **کسبوا السیات**' اور **عملوا السیات**' کے معنی خیز جملے بھی استعمال ہوئے ہیں جن کا صحیح مفہوم قوم کے افراد کا ان مجموعی "گناہوں" اور بداعمالیوں میں مبتلا ہونا ہے جس کا نتیجہ اجتماعی شکست و ریخت ہے۔ یہاں پر صرف دو مثالیں پیش کر دی جاتی ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے: **والذين كسبوا السيات جزاء سيئة بمثلها و ترهقهم ذلة** (۱۰:۲۷) یعنی "جس قوم نے بداعمالیاں کمائیں تو یاد رکھو کہ برے عمل کا ویسا ہی برا نتیجہ ہے' اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ اس قوم پر ذلت چھا رہی ہو گی۔ گویا ازروئے قرآن "سیات" وہ اجتماعی بداعمالیاں (مثلاً تفرقہ اندازی' بدنظمی' بددیانتی وغیرہ وغیرہ) ہیں جن کا نتیجہ قوم کی بدحالی ہے۔ رہی یہ بات کہ اس آیت میں اس دنیا کی جزا و ذلت کا ذکر ہے' آخرت کی سزا کا مذکور نہیں' سورۂ قصص کے آخری رکوع میں آخرت کی جزا و سزا کے بارے میں ہے: **من جاء بالحسنة فله خير منها و من جاء بالسيئة فلا يجزى الذين عملوا السيات الا ما كانوا يعملون**○ (۲۸:۸۴) یعنی "جس شخص نے اپنی جماعت کے حق میں ایک بھلائی کی تو اس کو اس بھلائی سے بہتر اجر دیا جائے گا اور جس نے اپنی قوم کو کوئی گزند پہنچایا تو بداعمالیاں کرنے والے لوگوں کو تو ان کے اعمال کے مطابق ہی سزا ملے گی۔" گویا **کسبوا السیات** کے قرآنی معانی قومی بدحالی کو اپنے ہاتھوں خریدنا اور **عملوا السیات** کا صحیح مفہوم اس بدحالی اور ذلت کے لئے عمل کرنا ہے جیساکہ آج قریب قریب ہر مسلمان اپنی قوم کے لئے اصالتاً" اور معناً" کر رہا ہے۔ ایک اسی قطع کی قرآنی اصطلاح **مکروا السیات**' ہے جو سورۂ نحل میں واقع ہوئی ہے: **افامن**

Marfat.com

الذین مکروالسیات ان یخسف اللہ بھم الارض او یاتیھم العذاب من حیث لا یشعرون○ (۴۵:۱۶) یعنی "تو کیا وہ لوگ جنہوں نے اس کارگاہ سعی و عمل میں بداعمالیوں اور غفلتوں کا جال بچھا رکھا ہے (**مکروالسیات**) فی الحقیقت اس امر سے بے خوف و خطر ہو گئے ہیں کہ خدا کسی دن ان کو زمین میں دھنسا مارے یا ان پر کوئی اور عذاب ادھر سے آ نازل ہو جدھر سے ان کو سان گمان تک نہ ہو۔" گویا **مکروالسیات** سے مراد اجتماعی غفلتوں کا پے در پے مجرم بننا' لیکن مکروریا سے یہ سمجھنا کہ دراصل کسی جرم کا ارتکاب نہیں ہو رہا' جیساکہ آج کل عالم اسلام میں ہر جگہ ہو رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن حکیم میں بعض اوقات **حسنتہ** اور **سیئتہ** کے الفاظ بادی النظر نیکیوں اور ذاتی برائیوں کے لئے مستعمل نظر آتے ہیں۔ معاشرتی خصوصیات سے بظاہر ان کا کچھ تعلق نظر نہیں آتا لیکن اگر بہ امعانِ نظر دیکھا جائے تو سیاق و سباق کلام سے عیاں ہو جائے گا کہ ان کا الٰہی مفہوم بھی اجتماعی ہی ہے۔ قرآن حکیم اپنے کسی امر و نہی میں اجتماعیت کے گرانقدر اصل اصول کو نظرانداز نہیں کرتا اور انہی اعمال کو حسنات یا سیات قرار دیتا ہے جن کی تہ میں اجتماعی ترقی یا تنزل کے جراثیم مخفی ہوں۔ نہیں بلکہ ازروئے قرآن **حسنتہ** انسان کا وہ انفرادی عمل ہے جو خالصتہ" اس ارادے کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے کہ اس کے کرنے میں اجتماعی فائدہ ہے اور علی ہذا القیاس **سیئتہ** وہ فعل ہے جس کا تعلل اور استمرار من حیث الجماعتہ نقصان دہ ہے اور اسی لئے اس کے عامل کی نیت اپنی جماعت کے بارے میں درست نہیں۔ اعمالِ کائنات کے ساتھ لازم و ملزوم ہونا اسلامی فلسفہ عمل کا وہ جزو لاینفک ہے جو ہر صاحب نظر پر ظاہر ہے۔ دنیا کی بیدار اقوام کے سب افراد ہمیشہ سے تمام حسنات اسی مستقل پیش نہاد کو سامنے رکھ کر کرتے آئے ہیں' اور یہی مطمع نظر جب رفتہ رفتہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو قوم میں بلا تحس نتائج **سیات** شروع ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ اکثر **حسنات** بھی **سیات** بن جاتی ہیں جیساکہ آج کل زکوٰۃ ہے کہ بے ہودہ اور منتشر طور پر خرچ کرنے سے مسلمانوں کو قوت دینے کی بجائے ان میں گداگروں کی جماعت پیدا کر کے ضعف پہنچا رہی ہے۔ **حسنتہ کی صحیح تعریف ازروئے قرآن یہ ہے کہ اس سے کسی مستقل اجتماعی زبون حالی (یعنی السیئتہ)** کا دفعیہ ہو۔ مثال کے طور پر اگر ایک قوم کے افراد دیانت داری کے اصول پر اس لئے عمل پیرا ہیں کہ بددیانتی سے ان کی تجارت کو فروغ نہیں ہو سکتا' ان کی دنیا میں ساکھ نہیں بیٹھ سکتی' ان کا کاروبار عالمگیر نہیں ہو سکتا' وغیرہ وغیرہ' تو وہ قوم بلاشبہ ایک **سیئتہ** کا دفعیہ ایک **حسنتہ** سے کر رہی ہے اور اسی لئے فطرت کے خزانہ عامرہ سے انعام پا رہی ہے۔ برخلاف اس کے جس قوم کا کوئی مستقل پیش نہاد نہیں رہا اور اس کے افراد فرداً فرداً نیک عمل بلانیت کر رہے ہیں یا سرے سے قوم کے بدانجام سے غافل ہو کر "بدیاں" کر رہے ہیں تو قرآن کی رو سے یہ حالت کچھ داخل حسنات نہیں۔ سورۂ رعد میں ہے:

> **والذین صبروا ابتغاء وجہ ربھم و اقاموا الصلوۃ و انفقوا مما رزقنھم سرا و علانیتہ و یدرءون بالحسنتہ السیئتہ اولئک لھم عقبی الدارہ** (۲۲:۱۳)
>
> لوگو! صاحب علم و نظر تو وہ لوگ ہیں **اولوالالباب** کا ترجمہ (آیہ ۱۹:۱۳) جو اپنے پروردگار کی خوشنودی کی خاطر استقلال کو اپنا دستور العمل بنا لیتے ہیں (**صبروا**) جو "**الصلوۃ**" کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے ایثار مال درپردہ اور علی الاعلان کرتے ہیں اور اپنی اجتماعی بدحالی کا دفعیہ مناسب اعمال کے ذریعے سے کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی دنیا یعنی دنیاوی معاشرت (**الدار**) کا انجام (**عقبی**) اچھا ہی اچھا ہے۔

اس آیہ کریمہ سے ظاہر ہے کہ "صبر" اقامت الصلوۃ' انفاق مال' ادفاع سیات' سب کے سب اجتماعی اعمال ہیں جن کا اجتماعی حالت

Marfat.com

کو درست کرنے کی نیت سے کئے جانا مقصود ہے۔ یہی مضمون قریب قریب سورۂ قصص (۲۸:۵۴) میں ہے اور وہاں بھی یہی مجموعی جدوجہد مراد ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہود کے سیاسی مدوجزر اور اجتماعی عروج و زوال کی توجیہہ کے بارے میں خدائی ارشاد ہے:

ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم و امددنکم باموال و بنین و جعلنکم اکثر نفیراo ان احسنتم احسنتم لانفسکم‌قف و ان اساتم فلھا (۱۷:۶-۷)

پھر اے بنی اسرائیل کے نافرمانبردار لوگو! ہم نے زبردست حکمرانوں پر حاکم بنا دینے کی سزا کے بعد دیکھو آیہ (۱۷:۱۵) تم کو ان پر غلبہ دے کر تمہیں باری دی' مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی' اور تم کو بڑے جتھے والے بنا دیا اور ہم نے بارِدگر تم پر عیاں کر دیا کہ اگر تم نے حسن عمل سے اپنی اجتماعی حالت درست کر لی **(اذا احسنتم)** تو اس کا فائدہ تمہی کو پہنچا **(احسنتم لانفسکم)** اور اگر اس سے پیشترتم نے برے عمل کر کے اپنے آپ کو غیر کا محکوم بنا لیا تھا **(ان اساء تم)** تو اس کا نقصان بھی تمہی کو ملا تھا **(فلھا)**۔

یہاں صاف طور پر ربِ زمین و آسمان کی لغت میں حسن عمل **(الحسنات)** سے مراد اجتماعی بیداری اور قومی احیاء کے وہ متعارف اعمال ہیں جن کا اٹل نتیجہ غلبۂ قوم ہے اور سوء عمل' **(السیات)** قومی اخلاق کا وہ انحطاطِ عمیم ہے جس کا نتیجہ محکومیت اور غلامی ہے۔ جن لوگوں نے حسن عمل سے مراد نہانخانوں میں بیٹھ کر تسبیحیں چلانا سمجھ رکھا ہے ان کے لئے یہ آیات از بس سبق آموز ہیں! بنی اسرائیل کی قوم نے اپنے ظالم حاکموں (نہیں بلکہ خدا کے سخت گیر اور بارعب بندوں' **عبادالنا اولی باس شدید** سے نجات' اعتکاف خانوں کے اندر تسبیحیں پھیر پھیر کر حاصل نہیں کی تھی' وہ لا محالہ تیغ و تفنگ لے کر باہر نکلے ہوں گے' ایمان کی اٹل قوتیں ان کے دلوں میں موجزن ہوئی ہوں گی' اتحاد' صبر' ایثار مال وغیرہ ان کا مذہبِ عمل بن گیا ہو گا پھر ربِ غفور و رحیم نے ان کے اس حسن عمل کو دیکھ کر ان کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے ہوں گے اور یہ بادشاہت کا حاصل ہونا ہی خوشنودی خدا کی علامت تھی! مال و اولاد کی کثرت **(امددنکم باموال و بنین)** اور ان کا جم غفیر ہو جانا **(و جعلنکم اکثر نفیرا)** بھی کچھ تسبیحوں کے زور سے نہ تھا' یہ سب افضالِ الٰہی عروسِ سلطنت کی وہ ادنیٰ کنیزیں ہیں جو ہاتھ باندھے ہوئے اس کے جلو میں ہر وقت حاضر رہتی ہیں اور ہر اس قوم کے گھر کا اجالا بن جاتی ہیں جس کی مہمانی عروسِ بادشاہت قبول کرے! جو قوم اس کارگاہ عمل میں اپنی بہتری کے لئے حتی الامکان ہاتھ پیر مار رہی ہے' جو سعی و عمل کی دوست ہے' آزاد اور زور آور ہے' جو **اولی باس شدید** ہے وہی **احسنتم** کی مصداق ہے' وہی قانون خدا کی پابند ہے' وہی خدا کی عملاً غلام ہے' وہی عبادت کا حق ادا کر رہی ہے' وہی **عبادا لنا** ہے۔ منکوں کو ہاتھ میں پھیر پھیر کر رواں کرنے سے خدا کی بندگی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے ملازم ہونا شرط ہے' کام کرنا شرط ہے' متفق اور متحد ہو کر ہاتھ پیر مارنا شرط ہے۔

(ج) **سیئتہ** اور **حسنتہ** کے متعلق متذکرۂ صدر بحث سے جو (الف) اور (ب) کے ماتحت ہوئی اس قدر ظاہر ہے کہ جہاں آیات مشمولہ (الف) میں ان اصطلاحوں سے مقصود اجتماعی بدحالی اور قومی خوشحالی ہے وہاں آیات مذکورہ (ب) میں ان سے مراد وہ اعمال ہیں جو اجتماعی بدحالی اور خوشحالی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں اور جن کا انجام بادشاہت اور تسلط فی الارض یا محکومیت اور غلامی ہے۔ اس نقطہ نظر سے کلامِ الٰہی میں جہاں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں وہاں مراد یہی طاقت اندوز یا شکست انگیز افعال ہیں۔ اس سے کمتر قطعاً" کچھ نہیں۔ سورۂ انعام کے آخری رکوع میں ہے: **من جاء بالحسنتہ فلہ عشر امثالھاج و من جاء بالسیئتہ فلا یجزی الا مثلھا و ھم لا یظلمونo** (۶:۱۶۰) یعنی "جو متنفس اس کارگاہِ سعی و عمل نے ایک حسنتہ کما لایا تو اس کو اس جیسی دس حسنات انعام میں ملیں گی اور جس نے اپنی جماعت کے حق

Marfat.com

میں کوئی شکست انگیز عمل کیا تو اس کو صرف اس قدر سزا ملے گی جس قدر اس نے شکست و ریخت کی تھی اور ان پر زیادتی تو کسی صورت میں نہ ہو گی۔" یہاں بادی النظر میں محا کہ عام معلوم ہوتا ہے اور خیال میں آتا ہے کہ کسی خاص "نیکی" کی تخصیص نہیں کی' لیکن اس سے پہلے کی آیت: **ان الذین فرقوا دینھم و کانو شیعا لست منھم فی شیٔ انما امرھم الی اللہ ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون**○ (۶:۱۵۹) یعنی "اے پیغمبر! جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے' تمہارا ان سے کچھ تعلق نہیں ہے' ان کا معاملہ خدا کے حوالے ہے' وہ خود ہی ان کو دردناک سزائیں دے گا اور اس وقت ان بداعمال کا نتیجہ موبمو بتلا دے گا جبکہ شکست و ریخت ان کے سروں پر چھا رہی ہو گی"" معاً" فیصلہ کر دیتی ہے کہ **حسنتہ** اور **سیئتہ** کے الفاظ بالتفصیل اسی اتحاد اور فرقہ بندی کے متعلق استعمال ہوئے ہیں جو ایک اجتماعی عمل ہے اور ایسے ہی دور رس اور نتیجہ خیز اجتماعی نیکیوں کے متعلق خدائے زمین و آسمان نے دس گنا ثواب مقرر کیا ہے۔ نہ یہ کہ اگر کسی راہ چلتے گداگر کو دو پیسے دے دیئے جائیں تو خدا سے بیس پیسوں کا امیدوار انسان ہو جائے۔ علیٰ ہذا القیاس سورۂ نمل کے اخیر میں **الحسنتہ** کو اس قدر جلیل القدر اور لائق الطاف و اکرام عمل قرار دیا گیا ہے کہ قیامت کی نفسا نفسی اور کسمپرسی کے دن اس ایک **الحسنتہ** کا عامل سب جزع و فزع سے امن میں ہو گا اور ایک **السیئتہ** کا کرنے والا اوندھے منہ جہنم میں دھکیل دیا جائے گا: **من جاء بالحسنتہ فلہ خیر منہاج و ھم من فزع یومئذا امنون**○ **و من جاء بالسیئتہ فکبت وجوھھم فی النارؕ ھل تجزون الا ماکنتم تعملون**○ (۲۷:۸۹۔۹۰) یعنی "جس متنفس نے قیامت کے دن **الحسنتہ** کو اپنی شفاعت میں پیش کیا تو اس کو اس کے عمل سے بہتر اجر دیا جائے گا اور ایسے لوگ اس دن قیامت کی تمام جزع و فزع سے امن میں ہوں گے اور جو **السیئتہ** کو اپنے ساتھ لایا تو ایسے لوگ اوندھے منہ دوزخ میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا یہ دردناک سزا تم لوگوں کو ماسوا تمہارے اعمال کے کسی اور جرم کی پاداش میں مل رہی ہے۔" ان آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ **الحسنتہ** کا معیار ازروئے قرآن کس قدر بلند ہے؟ آج لوگوں نے "نیکی" کا معیار اس قدر پست متصور کر لیا ہے کہ ادنیٰ سی اور بے نتیجہ نیکیاں کر کے دس گنا ثواب کے منتظر رہتے ہیں اور اس ناروا زعم میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہتے ہیں۔ قریب قریب یہی بات سورۃ المومن (۴۰:۴۰) میں ہے مگر اس کے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ قرآن حکیم کی کل کائنات میں صرف دو یا تین موقعے (۴۰:۴۲)' (۴۱:۳۴)' (۲۳:۹۶) ہیں جہاں بادی النظر میں **سیئتہ** یا **حسنتہ** کے الفاظ انفرادی معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔ ان موقعوں پر بھی ان قرآنی مصطلحات کا بلند معیار بدستور قائم ہے۔

اس تمام طول و طویل بحث و تمحیص سے جو ان اوراق میں **سیئتہ** اور **حسنتہ** کے الٰہی مفہوم کے متعلق ہوئی بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ **سیئتہ** کے معانی بھی **مصیبتہ** کی قرآنی اصطلاح کی مانند دنیاوی اور اجتماعی بدحالی کے ہیں۔ جو جو سزائیں اقوام عالم کو اس دنیا میں قانون خدا سے منحرف ہونے اور ذاتی غفلتوں کے تسلسل میں ملتی ہیں ان کے لئے قرآن نے لفظ **سیات** تجویز کیا ہے۔ اسی لحاظ سے جہاں جہاں قرآن میں "**نکفرعنھم سیاتھم**" یا "**لا کفرن عنھم سیاتھم**" وغیرہ کے الفاظ ہیں ان کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ "ہم ان کی تمام اجتماعی بدحالیوں اور خانہ بربادیوں کو دور کر دیں گے۔" نہ یہ کہ "ہم ان کے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔" جس کے معنی عملاً غیر محدود ہیں کیونکہ کسی شخص یا قوم کو پتہ نہیں لگ سکتا کہ اس کے گناہ' در حقیقت معاف ہوئے ہیں یا نہیں۔ اکثر شارحین قرآن نے ان الفاظ کا یہ بے معنی اور بے نتیجہ سا ترجمہ کر دیا ہے اور حقیقت سے دور جا پڑے ہیں۔

سیئتہ کے لفظ پر طول و طویل بحث آیۂ **انا للہ و انا الیہ راجعون**○ (۲:۱۵۶) میں آگے آ رہی ہے۔ وہاں آیہ (۳:۱۹۵) میں "**لا کفرن عنھم سیاتھم و لا دخلنھم جنت تجری من تحتھا الانھر**" کے الفاظ آئے ہیں اور **سیئتہ** کی تشریح نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ

مصیبتہ کی تشریح نہ کر دی جاتی۔ بہرنوع ظاہر ہے کہ اس آیت میں مراد یہ ہے کہ جن لوگوں اور قوموں نے میری راہ میں قتال کیا اور قتال کرتے کرتے ترک وطن پر مجبور ہوئے میں ان کی اجتماعی بدحالیوں کو دور کر دوں گا اور ان کو ایسے باغوں اور سرسبز زمینوں (جنت) کا بادشاہ بنا دوں گا جن کے تلے نہریں بہتی ہوں گی۔ ضمناً" یہاں "جنت" کے معانی کی بھی تشریح ہو گئی۔ جو شخص اس قتال میں بچے رہے ان کے لئے زمین کے جنات کی بادشاہت اور جو مارے گئے ان کے لئے آخرت کے باغ بہشت بھی "ثوابا من عنداللہ" کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ "من" کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ ثواب دنیاوی ہے اور سودا نقدا نقد۔ آخرت کا ادھار مقصود نہیں جیساکہ شارحین نے بالعموم فرض کر لیا ہے اور اس ناروا فرض کے باعث مسلمانوں کے آگے سے بادشاہت زمین کا وہ نصب العین اور بہترین انعام دور کر دیا ہے جس پر سعی و عمل کا تمام حصر تھا۔

---☆☆☆○☆☆☆---

(۹) امت واحدہ

و لو شاء اللہ لجعلکم امتہ واحدۃ و لکن یضل من یشاء و یھدی من یشاء و لتسئلن عما کنتم تعملون○
(۹۳:۱۶)

اگر اللہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا تو تم کو ایک امت بنا کر رکھتا اور تم میں کبھی کسی اہم امر کے متعلق اختلاف نہ پیدا ہوتا۔ لیکن جس کو گمراہی کا اہل سمجھتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو درخور ہدایت دیکھتا ہے ہدایت دے دیتا ہے لیکن لوگو! یاد رکھو کہ یہ سب تفرقہ جو تم بذات خود آپس میں پیدا کر رہے ہو اس کی بازپرس تم سے ضرور ہونی ہے۔

اس آیہ شریفہ میں امت واحدہ بن کر نہ رہنے کو بصراحت تمام ضلال کہا گیا ہے (**یضل من یشاء**) اور متفق و متحد بننے کو ہدایت سے تعبیر کیا ہے (**و یھدی من یشاء**) اور غیر مشکوک الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ تفریق و انتشار کی پرسش خدا کی جناب سے ضرور بالضرور ہو گی جیساکہ آج مسلمانان عالم کو ہو رہی ہے' مگر وہ نہیں سمجھتے۔ یہاں پر من پھر اجتماعی موصول ہے اور تمام قوم کے لئے آیا ہے۔ اتحاد کو بالالتزام (۱۳۷:۲)' (۲۱۳:۲)' (۱۹:۳-۲۰)' اور (۹۳:۱۶) میں "ہدایت" کے لفظ سے تعبیر کرنا قرآن حکیم کے حیرت انگیز استقلالِ مطالب اور بے مثال تطابق کا وہ بدیہی ثبوت ہے جو ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔

شاء کا استعمال اس آیت میں تین بار ہوا ہے اور اس دقیق المطلب اصطلاح کے متعارف مفہوم کو پیش نظر رکھ کر بادی النظر میں اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب خدائے عزوجل نے انسان کو ایک امت بنانا نہیں چاہا تو اس بے چارے کا اس میں کیا قصور ہے اور جب خدا اپنے حسب مرضی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور علی الحساب ہدایت دیتا ہے تو پھر ہم سے پرسش کیوں کرے گا اور اس فعل کو **کنتم تعملون** سے تعبیر کرنا ناروا ہے' یہ اعتراض بجائے خود اس امر کی روشن دلیل ہے کہ **شاء** کے وہ معنی قطعاً" نہیں ہیں جو عوام نے لئے ہیں۔ متذکرہ صدر آیات کو پیش نظر رکھ کر جو اختلاف پسندی انسان کے متعلق پیش ہوئی ہے' ظاہر ہے کہ انسان کے اعمال ہی اختلاف کا باعث ہوتے رہے ہیں' خدا کا منشا ہرگز نہ تھا کہ انسان مختلف الغرض اور منتشرالعمل ہو کر رہے لیکن خدائے عزوجل چونکہ **قادر علی کل شے** ہے اور اس کے بالمقابل انسان کا جزوی اختیار محض ہیچ ہے' اس لئے بلند مقام نظر سے یہ باہمی اختلاف بھی جو انسان نے اپنے اعمال

Marfat.com

کے باعث پیدا کیا ہے لامحالہ اس کی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے۔ اس کے دائرہ قانون و اقتدار سے باہر رہ کر نہیں ہوتا۔ منشائے الٰہی اور مشیت ایزدی کے درمیان یہ ایک باریک فرق ہے۔ لیکن قرآن حکیم میں خدائے عزوجل کے متعلق **شاء** کا استعمال جہاں کہیں ہوا ہے اسی اصول کو پیش نظر بیشتر ہوا ہے اور اس آیہ کریمہ میں تو **عما کنتم تعملون** کہہ کر انسانی ذمہ داری کو قطعاً" صاف کر دیا ہے۔ پس جب انسان ہی تمام اختلاف کا بانی ہے تو زیر بحث آیات کا ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر خدا اپنا منشا کرتا **(و لو شاء الله)** اگر وہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا اور تمہاری مرضی کو اپنے منشا میں دخیل نہ ہونے دیتا **(و لو شاء الله)** تو تم کو امت واحدہ بناتا اور روز قیامت تک یوں ہی بنائے رکھتا **(لجعلکم امۃ واحدۃ)** کیونکہ تم سب ایک ہی نوع کی مخلوق ہو اور واحدالاصل ہو (یہاں اللہ کے لفظ پر زور ہے) لیکن چونکہ اس نے تم اشرف الخلق اور ذی شعور انسانوں کو اپنے اعمال پر ایک بہت بڑی حد تک قدرت دے رکھی ہے اس لئے یہ اختلاف جو پیدا ہو رہا ہے تمہارے اپنے کرتوت سے ہے۔ اس صورت حال میں وہ خدائے عظیم بھی تمہارے اعمال کو دیکھ کر جس قوم کو نااہل قرار دیتا ہے' اپنی مشیت (یعنی قانون اور سنت اللہ) کی رو سے تفریق و شکست کی راہ ضلال دکھاتا ہے: **(ولکن یضل من یشاء)** اور جس کو بہمہ وجوہ اہل سمجھتا ہے اپنی مشیت کے اٹل زور سے اتحاد عمل کا راہ راست دکھاتا ہے: **(و یھدی من یشاء)** لیکن لوگو! یاد رکھو کہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اس کی پرسش ضرور ہو گی: **(و لتسئلن عما کنتم تعملون○)**"

خدائے خیر آفریں نے اپنی سب ادنیٰ حیوانی مخلوق کی ہر نوع کو جو انسان کی غیر مانند اپنے میں کچھ اختیار و ارادہ نہیں رکھتی اور جس کا ذاتی اقتدار منشائے خدا میں کچھ دخیل نہیں ہوتا' امت واحدہ ہی بنایا ہے' ان کے افراد کے مابین حتماً" کوئی اختلاف رونما نہیں ہوتا۔ وہ سب کے سب مختلف جماعتوں میں منقسم ہیں۔ لیکن آپس میں متحد اور متفق ہیں۔ پس یہ انسان کا اپنی نوع کے ساتھ تخالف و تبائن فی الحقیقت اس کی خودرائی اور صاحب اختیار و ارادہ ہونے کے باعث ہے ورنہ فطرت کا منشائے وحید کم از کم ایک نوع کے افراد میں اتحاد ہی اتحاد ہے۔

و لو شاء الله لجعلکم امۃ واحدۃ و لکن لیبلو کم فی ما اتکم فاستبقوا الخیرات الی الله مرجعکم جمیعا فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون○ (۴۸:۵)

اور تم اے ساکنان زمین! اگر خدا اپنی مرضی کرتا **(لو شاء الله)** اگر وہ اپنے حسب پسند کام کرتا **(لو شاء الله)** تو ضرور تم انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا سب کے سب متحدالخیال اور متفق الاعمال ہو جاتے اور تم میں کسی امر کے متعلق کوئی کشمکش پیدا ہی نہ ہوتی' لیکن یہ صورت اختلاف جواب تمہاری اپنی خودرائی' خدا سے برگشتگی اور ضلال کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اس لئے ہے کہ وہ خدائے عالیان تم سب مختلف شدہ امتوں کا امتحان ان اہلیتوں کے بارے میں لے جو اس نے تم کو دی ہیں **(لیبلو کم فی مااتکم)** تو اے انسانی امتو! تم بھی اس آزمائش میں پورے اترنے اور اس کشاکش عظیم میں فتح پانے کے لئے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعاموں کی طرف مسابقت کرو **(فاستبقوا الخیرات)** جانے رہو کہ تم سب نے خدا کی طرف لوٹنا اور اس کے حضور میں اپنے سعی و عمل کی جوابدہی کرنی ہے' پھر اس دن وہ انسانوں کا خالق خدا تم کو اس حقیقت حال سے آگاہ کر دے گا جس کے بارے میں تم آپس میں اختلاف پیدا کرتے تھے۔

اس آیہ کریمہ سے اور بھی واضح طور پر عیاں ہو جاتا ہے کہ اختلاف کا اصلی باعث خود انسان ہی ہے: **(بما کنتم فیہ تختلفون)** اور

Marfat.com

خدا کی عین مرضی یہ ہے کہ بنی نوع انسان متحد ہو کر رہے۔ **الخیرات**' کے صحیح مفہوم کی تشریح آگے آ رہی ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کا کسی امت کو اجتماعی انعاموں سے مشرف کرنا' اس بات کی علامت ہو کہ وہ امت مشیت ایزدی کے مطابق چل رہی ہے (مثال کے طور پر اگر وہ امت **امۃ واحدہ** بن کر رہتی ہے اور فرقہ بند نہیں بنتی تو لا محالہ خزانۂ خدا سے بادشاہت یا آزادی وغیرہ کا انعام پاتی ہے) اقوام عالم کے متعلق منشائے ایزدی ان کا سعی و عمل اور ایک دوسرے پر مسابقت ہی ہے۔ مسئلہ ارتقاء کو پیش نظر رکھ کر اس آیت کا مفہوم اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

و لو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ و لا یزالون مختلفین○ الا من رحم ربک○ ولذالک خلقهم و تمت کلمۃ ربک لاملئن جهنم من الجنۃ والناس اجمعین○ (۱۱:۱۱۸-۱۱۹)

اور اے پیغمبر! اگر تیرا پروردگار اپنے منشا کے مطابق کرتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا لیکن یہ لوگوں کی شقاوت ہے کہ وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف قائم کرتے رہتے ہیں اور متحد اور متفق العمل ہو کر تو وہی رہتے ہیں جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے۔ فی الحقیقت خدا نے انسانوں کو پیدا بھی اسی لئے کیا تھا کہ ایک امت بن کر رہیں' لیکن اگر یہ اختلاف نہ مٹا تو فرمودۂ خدا پورا ہو کر رہے گا کہ ہم کیا جن اور کیا انسان سب سے دوزخ کو ضرور بھر دیں گے اور نافرمانی احکام کا انتقام لے کر رہیں گے۔

جو حیرت انگیز اور موت افزاء معنوی تحریف کچھ مدت سے ان دو آیات جلیلہ کے مطالب میں بعض ناعاقبت اندیش مسلمانوں نے عمداً اور شرارتاً پیدا کر لی ہے' جس دیدہ دلیری اور ابلیسی مکر وریا سے وہ ان آیات الٰہی کو سند گردان کر اپنی موجودہ فرقہ بند اور شکست انگیز حالت کو "جبلت انسانی بلکہ مشیت ایزدی" پر محمول کر کے موت کی نیندیں لے رہے ہیں اور چار دانگ عالم سے ایک آواز اس تشریح کے برخلاف اٹھتی دکھائی نہیں دیتی' اس سے آج عالمِ اسلام کے فقدانِ فہم و فکر کا خوب پتہ چلتا ہے اور یہ امر مستحق ہو جاتا ہے کہ جب کسی امت کی اجتماعی موت قریب ہوتی ہے تو سمع و بصر اور قلب سلیم اس کے افراد سے خود بخود رخصت ہو جاتے ہیں اور **اذا جاء الحین لم یبق اذن و لا عین** کا سماں ہر طرف عملاً بندھ جاتا ہے۔ آج مسلمانوں نے **ولذالک خلقهم**' کا یہ مطلب سمجھ لیا ہے کہ انسان فطرتاً اور خلقاً" اختلاف پیدا کرنے پر مجبول و مجبور ہے اور **و لو شاء** کا محاکمہ اس کی تائید میں ہے اور اسی لئے مسلمانوں کی موجودہ حالت طبعاً" اور حکماً" لاعلاج ہے' بلکہ اختلاف پیدا کرنا اور امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے شکست و ریخت کے جہنم کی طرف گھسیٹنا ہی "رحمت" الٰہی کی علامت اور مشیت خدا کی تکمیل ہے۔ اس شرارت انگیز تعلیم کی تلقین آج ہر وظیفہ خور ملا اپنے ماتم افزاء حجرے میں بیٹھ کر کبر و تمکنت سے کر رہا ہے اور اپنے زعم میں ربِ زمین و آسمان کی ایک اہم ہدایت کی تبلیغ کر رہا ہے اور یہ سب نشر و تبلیغ صرف و نحو کے ان "خدا فرستادہ" قاعدوں کے تتبع میں ہو رہی ہے جن کے پیغمبر قطرب اور کسائی وغیرہم تھے اور جنھوں نے کبھی کہہ دیا ہو گا کہ **ذالک** اکثر اشارۂ قریب کے لئے آتا ہے اور اشارۂ بعید کے لئے **ذالک** کا لفظ وقف ہے۔ اس فرمانِ واجب الاذعان کی رو سے **ذالک** کا **مشار الیہ مختلفین** ہی ہو سکتا ہے **امۃ واحدۃ** نہیں ہو سکتا اور اسی لئے رب زمین و آسمان ان کے زعم میں اختلاف کا یکسر حامی ہے۔ یہ سب طرز استدلال ظاہر ہے کہ نہایت لغو اور شرمناک ہے اور کسی ذہن سلیم کے لئے قابل التفات نہیں۔ یہاں پر **الا من رحم ربک** کے الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اختلاف پیدا نہ کرنا اور امت واحدہ بنے رہنا رحمت خدا کی نشانی ہے اور **لذالک خلقهم** کا اشارہ قریبہ اسی رحمت مستتر کی طرف ہے۔ **و لا یزالون مختلفین** کے الفاظ کی طرف نہیں جو نسبتاً" دور جا پڑے ہیں۔ لیکن اتحاد کا

اسلامی تعلیم کا جزو اعظم ہونا چونکہ مسلمانوں کی موجودہ فرقہ بندیوں کا شدت سے مانع ہے اور آگے چل کر ایسی امت کے کل جن و انس کو جہنم میں بھر دینے کی دھمکی بھی دی گئی ہے اس لئے امت حاضرہ پر (جس کے لئے امت کے ناخداؤں کے زعم میں جہنم کی آگ مدت سے حرام ہو چکی ہے) اس کا اطلاق حتماً نہیں ہو سکتا۔ اس خوش اعتقادی کا نتیجہ بعض اوقات یہاں تک ظاہر ہوا ہے کہ لوگوں نے ولذالک خلقھم تک ایک مضمون سمجھا ہے اور لا ملئن جھنم من الجنتہ والناس اجمعین کو نیا مضمون فرض کر کے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر گئے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض حلقوں میں جہنم والے آخری جملے کو پہلے مضمون کے ساتھ ملا کر پڑھنا ناروا سمجھا گیا ہے اور دلیل یہ دی گئی ہے کہ جب اختلاف پیدا کرنے سے مشیت ایزدی کی تکمیل ہو رہی ہے اور یہی انسانی فطرت بھی ہے تو پھر اس میں انسان کا کوئی قصور نہیں اور جہنم کی سزا بھی اس قصور کے متعلق نہیں۔

اوپر ان آیات کے صحیح مطالب واضح کر دیئے گئے ہیں اور ہر صاحب نظر بطور خود سمجھ سکتا ہے کہ قرآن حکیم کس استقلال اور التزام سے جابجا اتحاد بنی نوع انسان کا حامی اور وحدتِ امت کا موید ہے اور تناقض اور اختلاف کے انسانی عیب سے کس قدر مبرا ہے۔ لیکن آیہ (۱۱:۱۱۹) کے آخری جملے کے متعلق تمت کلمت ربک کے معانی کی ضروری توضیح باقی ہے جو یہاں پر لکھ دی جاتی ہے۔

سورۂ اعراف میں شیطان کے انسانی اغوا کے متعلق یہ معنی خیز مکالمہ درج ہے۔ جس پر آج ہر جگہ حرف بحرف عمل ہوتا ہوا ہر صاحب نظر کو نظر آ رہا ہے:

قال فبما اغویتنی لا قعدن لھم صراطک المستقیم○ ثم لا تینھم من بین ایدیھم و من خلفھم و عن ایمانھم و عن شمائلھم ط و لا تجد اکثرھم شاکرین○ قال اخرج منھا مذ ء وما مدحورا لمن تبعک منھم لا ملئن جھنم منکم اجمعین○ (۷:۱۶-۱۸)

پھر شیطان ربِ زمین و آسمان کی جناب میں یوں گستاخی سے بولا کہ اے مالکِ کون و مکاں! جس طرح تو نے مجھے ناحق ناروا انسان کے مطیع ہو کر نہ رہنے اور اس کے آگے سجدہ نہ کرنے کے جرم میں جنت کے آرام دہ سبزہ زاروں سے نکالا ہے تو میں بھی بنی نوع انسان کی تاک میں تیرے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر بیٹھ رہوں گا' پھر ان کو اس صراط مستقیم سے بھٹکانے کی غرض سے طرح طرح کے لباس پہن کر اور قسما قسم کے مکروفریب کے جُبے اوڑھ کر آگے سے آؤں گا اور پیچھے سے جا ملوں گا' کبھی داہنی طرف سے آ ملوں گا' کبھی بائیں طرف سے آسلام کروں گا اور جس طرح بن پڑے گا سادہ لوح انسان کو بہکا کر رہوں گا اور اگر میرا تیر نشانے پر بیٹھ گیا تو انسانوں میں اکثر کو تو اپنا قدردان اور مطیع نہ پائے گا۔ شیطان کی اس انتہائی گستاخی پر خدائے عزوجل تمتما اٹھا اور فرمایا کہ باغ بہشت سے یکدم نکل باہر ہو اور سدا کے لئے ملعون اور مردود بنا رہو۔ لیکن بنی نوع انسان میں سے جس جس نے تیری پیروی کی ہو گی تو یہ میرا حتمی وعدہ ہے کہ میں بھی تم سے اور ان سب سے جہنم کو لبالب بھر دوں گا۔

شیطان کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں اور نہ اس پر کہ یہ مکالمہ کیوں کر ہوا اور کہاں پر ہوا لیکن ان آیات کے آخری جملے سے ظاہر ہے کہ تمت کلمت ربک والی آیت یعنی (۱۱:۱۱۹) میں اسی قول کی طرف اشارہ ہے۔ آیت (۲:۲۱۳) سے بھی ظاہر ہے کہ اتحاد امت ہی صراط مستقیم کی ایک اہم شق ہے۔ پس شیطان کا صراط مستقیم سے ورغلانا انسانوں کے درمیان نفاق پیدا کرنا ہی ہے اور اسی اختلاف کی سزا میں شیطان اور انسان دونوں کو جہنم میں بھر دینے کی دھمکی دی گئی ہے اور صاف فرمایا ہے کہ جو قوم اس طرح پر شیطان کی

Marfat.com

متابعت کرے گی اس پر یہ قول پورا ہو کر رہے گا۔ بہر نوع اس تمام استدلال کو پیش نظر رکھ کر یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ امت واحدہ بنے رہنا فطرت انسانی ہے اور منشاء الٰہی کے عین مطابق ہے' اختلاف کی سزا شکست و ریخت کا جہنم اس دنیا میں اور آخرت میں اس سے بدترین حالت ہے۔ اسلام تمام عالم کو توحید کے نصب العین پر متفق العمل کر کے امت واحدہ بنانے آیا تھا۔ فرقہ بندیاں پیدا کرنا اس کا مقصد ہرگز نہ تھا۔ سب انبیاء کو منجانب اللہ تسلیم کر لینا' سب الہامی کتابوں کا نفس موضوع ایک سمجھنا' ایک خدا کی ملازمت پر متفق العمل ہو جانا' ایک حاکم اعلیٰ کو ماننا اور اس کے سوا کسی دوسرے رب کے پیچھے لگ کر فرقہ بند نہ بننا اسلام کی اصلی تعلیم تھی۔ امت واحدہ بنے رہنا اس کا بتایا ہوا صراط مستقیم تھا۔ متحدالغرض اور متفق العمل رہنا اس کی ہدایت تھی۔ یہی "الھدیٰ" اور "دین الحق" کا صحیح مفہوم تھا۔ اسی فطرت کے عظیم الشان اصل اصول کو لے کر رسولؐ آیا تھا اور اسی کا نتیجہ لیظھرہ علی الدین کلہ تھا۔ اسی پر عمل کر کے قرنوں تک مسلمانانِ عالم غالب رہے۔ اسی پر آج سب مغرب چل کر غالب آ رہا ہے۔ یہی وہ دین فطرت کی ایک اہم شق ہے جس پر تمام عالم مجبول ہے۔ فطرت اللہ التی فطرالناس علیھا (۳۰:۳۰) اور اگر آج مسلمان اس سبق کو بھول کر ذلیل و خوار ہو رہے ہیں تو اس کی وجہ بھی اسی دین فطرت سے انحراف کے سوا حتماً کچھ نہیں۔

---☆☆☆○☆☆☆---

(۱۰) جنتہ/الجنتہ

الذین امنوا و ھاجروا و جاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم و انفسھم اعظم درجتہ عنداللہ و اولئک ھم الفائزون○ یبشرھم ربھم رحمتہ منہ و رضوان و جنت لھم فیھا نعیم مقیم○ خلدین فیھا ابدا ان اللہ عندہ اجر عظیم○ (۹:۲۰۔۲۲)

جو لوگ خدا کے خدا ہونے پر ایمان لے آئے اور جنھوں نے اللہ کی حمایت میں اپنے دیس چھوڑے اور اپنے مال و جان سے اس کی لڑائیاں لڑیں' ان کا اللہ کے ہاں سب سے بڑا درجہ ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو اس دنیا میں بھی فائزالمرام ہوں گے۔ ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور نیز ان باغوں (جنت) اور سرسبز زمینوں کی حکومت کی جن میں ان کو دائمی نعمتیں اور آسائشیں حاصل ہوں گی۔ وہ اس میں سدا سدا رہیں گے۔ اے لوگو! بے شک ایسے لوگوں کے لئے خدا کے پاس اجر عظیم ہے۔

جنت کا ترجمہ یہاں پر باغات اور سرسبز زمینیں کر دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں جنت اور الجنتہ دو مختلف اصطلاحیں ہیں جن کا مفہوم بھی لامحالہ مختلف ہونا چاہیے۔ قرآن کریم میں جنت کا لفظ کئی موقعوں پر بصراحت تمام زمینی باغات کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ رعد میں ہے: **و فی الارض قطع متجورت و جنت من اعناب زرع و نخیل** (۱۳:۴) "اور زمین میں پاس پاس کئی قطعے ہوتے ہیں اور انگور کے باغات اور کھیتی اور کھجور کے درخت۔" سورۃ ق میں ہے: **و نزلنا من السماء ماء مبرکا فانبتنا بہ جنت و حب الحصید○** (۵۰:۹) "اور ہم نے ہی آسمان سے برکت دینے والا مینہ اتارا پھر اس کے ذریعے سے باغ اگائے اور کھیتی کا اناج۔" سورۃ مومنون میں پھر اسی ماء مبارک کے بارے میں ہے: **فانشا نالکم بہ جنت من نخیل و اعناب** (۲۳:۱۹) یعنی "ہم نے اس پانی کے ذریعے سے تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغ اگائے۔" سورۃ یٰس میں علیٰ ہذا القیاس یہی مضمون ہے: **و جعلنا فیھا جنت من نخیل و اعناب و فجرنا فیھا من**

العیون○ (۲۶:۳۴) "اور ہم نے اس زمین میں کھجور اور انگور کے باغات پیدا کئے اور اس میں پانی کے چشمے بہائے۔" سورۂ انعام میں ہے: و ھوالذی انشاء جنت معروشت و غیر معروشت والنخل والزرع (۶:۱۴۱) "اور وہی قادر مطلق تو ہے جس نے باغ پیدا کئے جن میں سے بعض کی بیلیں منڈھے چڑھتی ہیں اور بعض سطح زمین پر رینگتی رہتی ہیں اور کھجور کے درخت اور کھیتی۔" اسی سورہ میں ہے: و جنت من اعناب والزیتون والرمان (۶:۹۹) "اور انگور اور زیتون اور انار کے باغات۔"

ان مثالوں کے علاوہ جن سے جنت کا زمینی باغات ہونا اظہر من الشمس ہے قرآن میں ایک اور قطع کی مثالیں موجود ہیں جن سے جنت کا مطلب بادشاہت زمین ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ الشعراء میں فرعون کو بادشاہت مصر سے محروم کرنے کے متعلق ہے: فاخرجنھم من جنت و عیون○ و کنوز و مقام کریم○ کذالک و اورثنھا بنی اسرائیل○ (۲۶:۵۷-۵۹) یعنی "پھر ہم نے فرعون کی قوم کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عزت کی جگہ سے نکال باہر کیا' ان کی عظمت یوں خاک میں ملا دی اور بالاخر بنی اسرائیل کو ان نعمت ہائے الٰہی کا وارث بنایا۔" سورۂ دخان میں پرانی فرعونیوں کی بابت ہے: کم ترکوا من جنت و عیون○ و زروع و مقام کریم○ و نعمۃ کانوا فیہا فکہین○ کذالک و اورثنھا قوما" اخرین○ (۴۴:۲۵-۲۸) یعنی "ان لوگوں کو کتنے ہی عالیشان باغات اور نہریں اور کھیتیاں اور عمدہ مقامات چھوڑنے پڑے اور کیسی کیسی آرام دہ نعمتوں کو خیرباد کہنا پڑا جن میں مزے اڑایا کرتے تھے۔ ہاں ان نااہلوں کی سزا یہی ہونی تھی اور ہم نے یہ بدلہ لیا کہ اس تمام ساز و سامان کا دوسروں کو وارث بنا دیا۔" سورۂ شعراء میں موت و شکست کو دعوت دینے والی قوم ثمود کے بارے میں ہے: اتترکون فی ماھھنا امنین○ فی جنت و عیون○ (۲۶:۱۴۷-۱۴۸) "تو کیا تم لوگ اس زعم باطل میں ہو کہ ان باغات اور نہروں میں بے روک ٹوک اور امن و امان سے چھوڑ دیئے جاؤ گے۔" اسی سورہ میں قوم عاد کی طرف خطاب ہے: واتقوا الذی امد کم بما تعلمون○ امد کم بانعام و بنین○ و جنت و عیون○ (۲۶:۱۳۲-۱۳۴) "اور لوگو! اس احکم الحاکمین کی سزا سے بچو اور اس سے خوف کھاؤ جس نے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جو تم کو خوب معلوم ہیں۔ تم کو مال مویشی اور اولاد کی کثرت سے مدد دی' باغوں اور نہروں کا تم کو حکمران کیا وغیرہ وغیرہ۔"

تعجب ہے کہ ان حیرت انگیز شہادتوں کے باوجود شارحین قرآن اور عام مسلمانوں نے جنت کے معانی آخرت کے جنت کے لئے ہیں اور بادشاہت زمین کے نصب العین کو جو اسلام اس دنیا پر لایا تھا' آنکھوں سے یکسر اچک لیا ہے مگر مسلمانوں کی نیت بدل جانے سے کلام الٰہی کے معانی نہیں بدل سکتے' وہ وہی ہیں جو قادر مطلق کے علم میں اس وقت تھے جس وقت قرآن حکیم وحی کیا گیا تھا' امت کے اتفاق اور مفسرین کے اجماع کا ان پر ہرگز کچھ اثر نہیں۔ آیات زیر بحث یعنی (۹:۲۰-۲۲) میں خلدین فیھا ابدا کے الفاظ بظاہر جنت کے ان معانی کے مخالف نظر آتے ہیں مگر جب مومن کی دنیا اور دین دونوں درست ہیں اور اخروی انعام دنیاوی نعمتوں کے تسلسل ہی میں ہے تو خلدین اور ابدا کے الفاظ نہ صرف موافق بلکہ نہایت موزوں ہیں ورنہ مطالب کے مبہم ہو جانے کا امکان ہے۔

----☆☆☆○☆☆☆----

(۱۱) غفر/استغفار

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذالک لمن یشاء و من یشرک باللہ فقد ضل ضللا بعیداہ (۴:۱۱۶)

بے شک اللہ اس بات سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ اس کے مقام و منصب میں کسی دوسرے کو شریک

طاعت اور شریک محبت کیا جاوے۔ اس کے ماسوا جو تقصیریں انسان کرے ان کو اگر مناسب سمجھے تو نظرانداز کر سکتا ہے اور جس شخص نے اپنی محبت میں غیراللہ کو شریک کیا وہ فی الحقیقت اپنی بہتری کے راہ راست سے بہت دور بھٹک گیا۔

غفر کے معانی دراصل پردہ پوشی کرنے کے ہیں۔ اسی سے مغفار یعنی زرہ کے ہے جس کے معنی محفوظ ہو جانے کے ہیں۔ لوگوں نے مجازاً "بخشش" کے لے لئے ہیں اور فرض کرلیا ہے کہ یہ تمام بخشش قیامت کے دن ہو گی۔ اس سے پہلے نہیں ہو سکتی اور علیٰ ہذالقیاس سزا بھی شرک کرنے والوں کو اسی دن ہو گی۔ مگر اس فرضی داستان کی کوئی سند نہیں۔ یغفر کا صیغہ حال اور مستقبل دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ بخشش اور سزا یا انعام اور عذاب کسی شخص یا قوم کو یوم آخرت سے پہلے نہ مل سکیں۔ بلکہ تعجب ہوتا ہے کہ جب گناہ اس قدر ناقابل معافی ہے تو سزا میں کیوں اتنی ڈھیل دے دی جائے کہ لکھو کھہا برس کا فرق پڑ جائے اور ہر شخص کو خواہ مخواہ شرک کرنے پر جرات ہو۔ دراصل یہ تمام ناروا اور بے سند تاویل "شرک" کے صحیح معانی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے اور جب آج مسلمان کے بنائے ہوئے اصطلاحی مشرکوں کو اس دنیا میں سزا کی بجائے پے در پے انعام مل رہے ہیں تو ان کے لئے روز قیامت کے متعلق یہ دل خوش کن داستان گھڑلینا بھی از بس ضروری ہو چکا ہے۔ گویا ان کے نزدیک خدا کی حکومت العیاذ باللہ' اس دنیا پر قائم نہیں اور وہ اگرچہ مشرکین سے بے حد ناراض ہے مگر ان کو معاً سزا دے دینا اس کے بس کی بات نہیں رہی۔

----☆☆☆○☆☆☆----

(۱۲) ظلم/فسق

و ما کان ربک مھلک القری حتہ یبعث فی امھا رسولاً یتلوا علیھم ایتنا ج و ما کنا مھلکی القری الا و اھلھا ظلمون○ (۵۹:۲۸)

اور اے پیغمبر! یہ تمہارے خدا کا دستور نہیں کہ وہ کسی بستی کو ہلاک کرے جب تک اس کے اہم اور مرجع خلق حصے میں اپنا پیغامبر نہ بھیج لے جو واضح طور پہ ہمارے احکام لوگوں کو سنا دے اور اس پر بھی ہم بستیوں کو تباہ نہیں کرتے جب تک ان کے رہنے والے مقررہ حدود سے تجاوز کر کے ہماری اصطلاح میں "ظالم" نہ ٹھہریں۔

قل ارء یتکم ان اتکم عذاب اللہ بغتہ اوجھرۃ ھل یھلک الا القوم الظلمون○ و ما نرسل المرسلین الا مبشرین و منذرین ج فمن امن و اصلح فلا خوف علیھم و لا ھم یحزنون○ (۶:۴۷-۴۸)

اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ کیا تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ اگر عذاب خدا تم پر ناگہاں یا آشکارا آئے تو سوائے ظالم قوم کے کوئی اور بھی ہلاک ہو گا اور پیغمبروں کو تو ہم اسی لئے بھیجتے ہیں کہ خوش حالی اور عذاب کی دونوں صورتیں پیش کر دیں۔ پھر اس کے بعد جو قوم ایمان لے آئی اور جنہوں نے اپنی حالت کی اصلاح کر لی ان کی زندگی بے خوف و خطر ہے۔

بلٰغ ج فھل یھلک الا القوم الفسقون○ (۳۵:۴۶) ۔

اے لوگو! یہ ایک اہم پیغام تھا جو ہم نے تم کو پہنچا دیا۔ تو کیا اس کے بعد فاسق قوم کے سوا اس دنیا میں کوئی اور

قوم بھی ہلاک ہو سکتی ہے؟ (یعنی وہی ہلاک ہوتی ہے جو ہماری اصطلاح میں "فاسق" ہے۔

جو مقصود ان آیات کے پیش کر دینے سے ہے یہ ہے کہ قرآن کی رو سے جو قوم صفحہ عالم سے مٹ رہی ہے' جس کا سیاسی اور اجتماعی اقتدار گھٹ رہا ہے' جو ہلاکت کے گڑھے میں گر رہی ہے' وہ شارع کائنات کی نظروں میں بلا لحاظ مذہب و ملت "ظالم" اور "فاسق" ہے۔ اجتماعی ہلاکت کا متعارف مفہوم یہی ہے کہ اس قوم کا سیاسی اقتدار سطح زمین سے محو ہو جائے' ورنہ کسی قوم کے تمام افراد کا لغوی معنوں میں ہلاک ہو جانا شرط نہیں اور نہ تاریخ اس کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اجتماعی ہلاکت کا لازمی نتیجہ اکثر اوقات یہی ہوا ہے کہ اس امت کے افراد بھی روئے زمین پر سے محو ہو گئے ہیں حتیٰ کہ ان کا ایک فرد بھی باقی نہیں رہا جیسا کہ آیہ ۹۸:۱۹ سے ظاہر ہے۔ مگر یہ ایک تدریجی عمل ہے جو سلب قوت کے صدیوں یا قرنوں بعد تک ہوتا رہتا ہے۔ مسئلہ بقائے اصلح کو پیش نظر رکھ کر آیہ (۴۸:۶) میں **"فمن امن و اصلح فلا خوف علیھم و لا ھم یحزنون"** کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔ انہی دو آیات یعنی (۶:۴۷-۴۸) سے ضمناً" یہ بھی ظاہر ہے کہ پیغمبران خدا کی بشارت اور تخویف کی نوعیت کسی قوم کی اجتماعی سلامتی یا اجتماعی ہلاکت ہی ہے۔ ان کی رسالت کا مدعا یہی ہوتا ہے کہ اقوام کو حفظ و بقاء کے رستے پر لے جائیں یا نافرمانبرداری کی صورت میں ہلاکت کا اٹل پیغام سنائیں۔

---☆☆☆○☆☆☆---

(۱۴) شکر

ان تقرضوا اللہ قرضا حسنا یضعفه لکم و یغفر لکم ط واللہ شکور حلیم○ (۱۷:۶۴)

اگر تم خدا کے لئے اپنے مال کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کر دو گے تو تمہارے ہی لئے وہ اس کو چند درچند کر دے گا۔ تمہارے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تو بڑا قدرشناس اور فراخ حوصلہ خدا ہے جو کسی کی اجرت روک کر نہیں رکھتا۔

اس آیہ کریمہ میں **"واللہ شکور حلیم"** کے الفاظ غور طلب ہیں۔ "شکر" کے معانی آج قطعاً" مسخ ہو چکے ہیں۔ ہر شخص دونوں ہاتھ اٹھا کر اس رسم کو ادا کر دیتا ہے اور چند الفاظ منہ سے بڑبڑا کر سمجھ لیتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہو گیا۔ حالانکہ عام انسانی تقابل میں کیفیت قلب کا وجود اور عملاً بہتر رویہ ہی سچا شکر ہے۔ جو شخص دل سے اپنے منعم کی عطا کی ہوئی نعمت کی قدر کرے وہی شاکر ہے اور منعم کا "شاکر" ہونا یہی ہے کہ وہ اپنے خادم کی خدمت کی دل سے قدر کرے (عرب اپنی زبان میں اس بکری کو "شاکرہ" کہا کرتے تھے جس کے تھن دودھ سے اس قدر بھر جائیں کہ ان سے دودھ ٹپکنے لگے) اس کیفیت قلب اور عملی رویے سے ظاہر ہے کہ کسی وقت کے تعین یا رسم کی پابندی ضروری نہیں بلکہ پیہم قدردانی کرنا ہی سچا شکر ہے۔ ایک شخص اگر خدا کی دی ہوئی نعمت کا صحیح استعمال کر رہا ہے' اس کو برقرار رکھنے کے لئے مسلسل سعی و عمل کرتا ہے' اس کے متمتع ہونے میں کفایت کو ہر وقت مدنظر رکھتا ہے اور دل سے خدا کی منعمیت کا مقر ہے' تو وہ صحیح معنوں میں "شاکر" ہے۔ خواہ وہ تمام عمر میں ایک بار بھی رسماً" ہاتھ نہ اٹھائے۔ برخلاف اس کے جو شخص خدا کی نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے' ان کو برقرار رکھنے کے لئے حتی الامکان کوشش نہیں کرتا' ان کو حقیر سمجھ کر پاؤں سے ٹھکرا دیتا ہے' کفایت کو پیش نظر نہیں رکھتا' یا ایک بیہودہ سا استغنا اختیار کر کے ان کی بے قدری کرتا ہے وہ اگر تمام عمر بھی ہاتھ اٹھائے رکھے اور منہ سے نعتیہ الفاظ بڑبڑاتا رہے تو شاکر کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ مسلمانان عالم نے آج "شکر" کا مفہوم اس قدر غلط سمجھ لیا ہے

کہ صرف الفاظ باقی رہ گئے ہیں اور خدائی مقصود باطل کر دیا ہے۔ "واللہ شکور حلیم" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ خدا بھی اپنے بندوں کا "شکر" ادا کر سکتا ہے مگر ہاتھ اٹھا کر نہیں بلکہ ان کی خدمات کی سچی قدردانی کرنے سے اور وقتاً" فوقتاً" ان کا صلہ دینے سے۔ گویا محسن کو عملاً صلہ ادا کرنا سچا "شکر" ہے۔

---☆☆☆○☆☆☆---

(۱۴) انا للہ و انا الیہ راجعون

ولنبلونکم بشی من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات و بشر الصابرین○ الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون○ اولئک علیھم صلوات من ربھم و رحمۃ و اولئک ھم المھتدون○ (۲:۱۵۵-۱۵۷)

اور ایمان والو! اس میں شک نہیں کہ ہم تم کو ذرا اچھی طرح (بشی ء) دشمن کا خوف دلا دلا کر، میدان جنگ میں بھوکوں مار مار کر، مال اور جانوروں میں کمی کر کر کے، پیداوار کا قحط ڈال کر (الثمرات) نتائج کو خلاف امید کر کر کے (نفس من...... الثمرت) آزما کر رہیں گے اور تمہارے ایمان کی قدر و قیمت اور سعی و عمل کی حد کا اندازہ لگائیں گے، لیکن اگر تم فی الحقیقت صاحب ایمان ہوئے تو تم بھی ان آزمائشوں میں پورے اتر کر رہو گے اور اپنے سعی و عمل کو ہرگز کم نہ ہونے دو گے اور اے محمدؐ! مصائب کا استقلال سے مقابلہ کرنے والوں کو ہماری خوشنودی اور کامیابی کی بشارت دے دو (**و بشر الصابرین**) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی اجتماعی مصیبت آ پڑتی ہے تو معاً" بول اٹھتے ہیں کہ ہم تو فی الحقیقت خدا ہی کے اطاعت گزار ہیں۔ (اناللہ) اسی کے بتائے ہوئے حکموں پر چلیں گے (**و انا الیہ راجعون**) اسی کی طرف اپنا تمام تر رجوع کر دیں گے (**و انا الیہ راجعون**) اور اپنے سعی و عمل سے خدا کو پھر خوش کر لیں گے۔ (یہ مصیبت جو ہمیں پہنچتی ہے لا محالہ ہماری سعی میں کسر کے باعث ہی ہے۔ (دیکھو قرآن کریم **و ما اصابک من سیئۃ فمن نفسک** (۴:۷۹) اور سعی و عمل کو دوبالا کر دینا ہی خدا کی طرف رجوع کرنا ہے)۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اپنے پروردگار کے بے شمار افضال ہیں، تحسین و آفرین کے نعرے (**صلوات**) ہیں، رحمت اور عنایت ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو مصائب کے دور کرنے کے متعلق صحیح راہ عمل مل چکی ہے، (**و اولئک ھم المھتدون**)

الصابرین کے لفظ سے ظاہر ہے کہ صابر وہی لوگ ہیں جو ہر اجتماعی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں، اس کے دور کرنے کے لئے ہمہ تن مستعد رہتے ہیں۔ نہ وہ جو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر اپنی بربادی کا تماشہ کرنے اور ٹس سے مس تک نہیں ہوتے۔ کبھی کبھار آہیں نکال کر یا عورتوں کی طرح آنسو بہا کر اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہیں کہ "صابر" ہیں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون کے الفاظ مسلمانان جہان جس حیرت انگیز نادانی، جہالت اور نافہمی سے نہ معلوم کتنی قرنوں سے کسی عزیز کی موت یا ادنیٰ سی ادنیٰ خانگی اذیت پر استعمال کرتے آئے ہیں اور اس محض زبانی "عبادت" کے صلے میں اپنے آپ کو رحمت خدا کا مستحق حقدار گنتے ہیں، اس سے کم از کم یہ مترشح ہوتا ہے کہ کلام الہٰی کا صحیح علم کس قدر جلد رسم و رواج کی لکیر میں پڑ کر بے اثر ہو گیا تھا اور

Marfat.com

آیات خدا کے مطالب ۔یقینیات کے بلند مرتبے سے گر کر ظن و اعتقاد کی ادنیٰ سطح پر کس سرعت سے پہنچ گئے تھے۔ اوپر کی عبارت میں ہم نے ان آیات (یعنی ۲:۱۵۵-۱۵۷) کا مربوط اور مسلسل ترجمہ کر دیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان میں سے نہ کسی خانگی مصیبت کا ذکر ہے اور نہ یہ ترغیب دی گئی ہے کہ جب تمہارا کوئی رشتہ دار مرجائے تو انا للہ کے الفاظ منہ سے بڑبڑاؤ' پھر جب کہ لوگے تو خدا کی طرف سے تم پر "صلوات" اتریں گی۔ رحمت رب نازل ہو گی اور تم ان الفاظ کے دہراتے ہی **"مھتدون"** یعنی ہدایت پانے والوں میں سے بن جاؤ گے (۲:۱۵۷)۔ یہ سب تشریح نہایت لچر اور شرمناک ہے۔ کوئی ذہنِ سلیم اس کو ایک لمحے کے لئے بھی قبول کرنے پر تیار نہیں۔ سیاقِ کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر صرف اجتماعی مصائب کا ذکر ہے جس کی تائید جمع کے صیغے سے ہوتی ہو۔ جو ان آیات میں برابر چلا جا رہا ہے۔ مصیبتہ جس کا ذکر آیہ (۲:۱۵۶) میں ہوا ہے لامحالہ وہ خوف کا ماحول ہے جو ہر شکست زدہ امت پر ہر آن حاوی رہتا ہے۔ **(بشی ء من الخوف)** وہ فقر و افلاس ہے جو محکومیت اور ضعف کی حالت میں غلام قوموں کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ **(والجوع و نقص من الاموال)** وہ قلت تعداد ہے جو دشمن کی اکثریت' ابہت اور ہجوم کے بالمقابل عجز و بے چارگی پیدا کر دیتی ہے۔ **(والانفس)** قہر خدا ہے جس سے امتیں قحط اور وبا' فاقوں اور بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں جس کے باعث دنیاوی انعام سب اچک لئے جاتے ہیں **(والثمرات)** دشمن ہر وقت تاک میں لگا رہتا ہے اور کمزور کی کمزوری کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ گویا یہاں پر بعینہ اس قطع کی مصیبت کا امتحان و ابتلا کا ذکر ہے جو **اعلون** نہ رہنے کے باعث قوموں پر طاری ہو جاتی ہے اور جس کا مصداق آج تمام عالم اسلام ہے۔ قرآن حکیم نے اس قلتِ تعداد اور ضعفِ قوت' اس خوفِ عدو اور بیم موت کی تصریح ایک دوسرے موقع پر بھی کی ہے جس میں بوضاحت تمام جتلا دیا ہے کہ کسی قوم کا آزاد ہونا اور دنیوی نعمتوں اور طیبات رزق سے متمتع ہونا ہی نصرت الٰہی ہے:

واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاوکم و ایدکم بنصرہ و رزقکم من الطیبت لعلکم تشکرون○ (۸:۲۶)

اور مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تم دنیا میں تعداد میں تھوڑے سے تھے' کمزور اور بے بس گنے جاتے تھے اور ہر آن اس خوف کے باعث سہمے رہتے تھے کہ دشمن تمہیں اچک نہ لے جائیں۔ پھر خدائے ذوالجلال نے (تمہارے اعمال کو پسند فرما کر) تم کو اپنی پناہ میں لے لیا' اپنی مدد سے تم کو قوی بنایا اور دشمن پر فتح دے کر عمدہ قسم کی دنیاوی نعمتیں بخشیں اور یہ سب اس لئے کہ تم قوت اور امن' نعمائے الٰہی اور تائیدِ خدا کی دل سے قدر کرو اور اس کے قوت انگیز احکام پر بدستور عمل کرتے رہو **(لعلکم تشکرون)**

ظاہر ہے کہ آیات انا للہ یعنی (۲:۱۵۵-۱۵۷) میں **"خوف"** یہی **یتخطفکم الناس** کا خوف ہے اور **نقص من الاموال والانفس** یہی قلیل اور مستضعف فی الارض ہونا ہے اور یہی وہ مصائب کبریٰ ہیں جن کا ابتلا مقصود ہے۔ کسی عزیز کا مرجانا **نقص من... الانفس'** نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں تعجب ہے کہ جہاں کسی شخص کی طبعی یا ناگہانی موت پر **انا للہ** کا غیر متعلق فقرہ نہایت التزام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے وہاں خوف اور بھوک اور نقصان مال کے موقع پر رواجاً" نہیں بولا جاتا۔ یہ دلیل بجائے خود اس امر کی شہادت ہے کہ اخلاف مسلمین نے کلمہ استرجاع **(الیہ راجعون)** کو قطعاً" غلط سمجھا ہے اور اس کے خدائی مفہوم سے یکسر الگ ہو گئے ہیں۔

لیکن اس استدلال سے قطع نظر ایک اور صورت نظر بھی ہے جو اس دعوے کی یکسر تغلیط کر دیتی ہے کہ کسی مسلمان کی طبعی یا ناگہانی موت وہ **مصیبتہ** ہے جس پر **انا للہ** کہنے کی ضرورت یا اجازت از روئے قرآن ثابت ہے۔ **مصیبتہ** کا لفظ کلام الٰہی کے اندر بالالتزام

اس خدائی انتقام یا اجتماعی سزا کے معنوں میں آیا ہے جو قومیں یا افراد اپنی غفلت یا نافرمانی کے باعث اپنے ہاتھوں مول لے لیتے ہیں۔ انفرادی اموات اس جدول میں داخل نہیں کیونکہ نیک و بد سب نے ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور ہر شخص کا مرنا از روئے سزا یا انتقام واقع نہیں ہوتا۔ اگرچہ ایک ملک میں عام وباء کا پھیل جانا یا طوفان سے بستیوں کا ہلاک ہو جانا مصیبتہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ نکتہ اس حیرت انگیز صحت اور تطابق کے ساتھ قرآن حکیم میں جابجا بیان ہوا ہے کہ مصیبتہ کے الحال مسخ شدہ معانی کی صحیح تصویر پیش کرنے کی غرض سے اس شہادت کا تمام و کمال یہاں پر لکھ دینا ضروری ہے۔

سورۂ آل عمران میں غزوۂ احد کے متعلق ہے:

اولما اصابتکم مصیبتہ قد اصبتم مثلیھا قلتم انی ھذا قل ھو من عند انفسکم ان اللہ علی کل شی ء قدیر○ و ما اصابکم یوم التقی الجمعن فباذن اللہ ولیعلم المومنین○ و لیعلم الذین نافقوا (۳: ۱۶۴-۱۶۶)

مسلمانو! تم بھی عجیب لوگ ہو کہ جب تم پر جنگ احد میں شکست کی مصیبت آ پڑی، حالانکہ تم ہی جنگ بدر میں دشمنوں پر اس سے دگنی مصیبت ڈال چکے تھے تو تمہارے چھکے چھوٹ گئے اور بے دل ہو کر لگے کہنے کہ ہیں! یہ آفت کہاں سے آ گئی۔ اے محمدؐ! ان سے کہہ دو کہ یہ مصیبت آئی تو تمہارے اپنے کئے سے آئی، اپنی نامردی اور بزدلی سے آئی اور خدا تو اس قدر باحوصلہ اور بے نیاز ہے کہ اپنے بندوں کے کسی گروہ پر بے جا رعایت نہیں کرتا **ان اللہ علی کل شی قدیر** اور اس پر بھی قادر ہے کہ تمہارے اعمال کو دیکھ کر تمہیں شکست دے اور یاد رکھو کہ جس دن مقام احد میں دونوں فریق بھڑ گئے اور تم کو شکست کی مصیبت پہنچی تو یہ بھی خدا ہی کے حکم سے تھا اور غرض یہ تھی کہ خدا ایمان والوں کو الگ معلوم کر لے اور ظاہری مسلمان بننے والوں لیکن دل میں نفاق رکھنے والون کو الگ پہچان لے۔

یہاں پر ظاہر ہے کہ قرآنی اصطلاح میں مصیبتہ وہ شے ہے جو اپنے ہی کرتوت سے آتی ہے اور بطور سزا کے ہے۔ سورۂ نساء میں ہے: **فکیف اذا اصابتھم مصیبتہ بما قدمت ایدیھم ثم جاء وک یحلفون باللہ ان اردنا الا احسانا و توفیقا○** (۴: ۶۲) یعنی "تو پھر ان منافقوں کی کیا ہی بری حالت ہو گی جب ان ہی کے اپنے کرتوت کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت نازل ہو تو تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے دوڑے آئیں کہ بخدا ہماری غرض تو یہی تھی کہ میل ملاپ اور اتحاد پیدا ہو۔" اسی سورۂ میں انہی منافقین کے متعلق ہے: **و ان منکم لمن لیبطئن ج فان اصابتکم مصیبتہ قال قد انعم اللہ علی اذ لم اکن معھم شھیدا○** (۴: ۷۲) یعنی "مسلمانو! تم میں ضرور ایسے لوگ بھی ہیں جو ارادہ کر بیٹھتے ہیں کہ ہم ضرور کسی نہ کسی طرح جہاد سے پیچھے ہٹے رہیں گے، پھر اگر لڑائی میں تم پر شکست کی مصیبت آ پڑتی ہے تو دل ہی دل میں کہتے ہیں خدا نے مجھ پر بڑا ہی احسان کیا جو میں ان لوگوں کے ساتھ لڑائی میں موجود نہ تھا۔" یہاں پر مصیبت صاف اجتماعی مصیبت ہے۔ سورۂ توبہ میں پھر انہی مسلمان نما منافقوں کے ذکر میں ہے: **ان تصبک حسنتہ تسو ھم ج و ان تصبک مصیبتہ یقولوا قد اخذنا امرنا من قبل و یتولوا وھم فرحون○** (۹: ۵۰) یعنی "اے محمدؐ! اگر تم کو جنگ میں فائدہ پہنچتا ہے یا غلبہ حاصل ہو رہتا ہے تو ان لوگوں کو برا لگتا ہے اور اگر تم پر شکست کی مصیبت آ نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا کام پہلے ہی سے ٹھیک ٹھاک کر لیا تھا اور تمہارے پاس سے اٹھ کر واپس جاتے ہیں تو ان کی باچھیں کھلی ہوتی ہیں۔" یہاں بھی مصیبت صاف لڑائی میں شکست کھانے کی مصیبت ہے۔ انفرادی مصیبت سے بحث نہیں۔ سورۂ قصص میں پھر "مصیبت" کو اپنے اعمال کی سزا کہا گیا ہے: **و لو لا تصیبھم مصیبتہ**

Marfat.com

بما قدمت ایدیھم (۴۷:۲۸) یعنی "اور یہ اتمام حجت اس لئے ہے کہ مبادا ان پر ان کے اپنے ہی کرتوتوں کے بدلے میں مصیبت نازل ہو..... سورۂ شوریٰ میں "مصیبت" کے مفہوم کو یہ کہہ کر قطعاً" عیاں کر دیا ہے کہ اقوام عالم پر کوئی مصیبت نہیں آتی مگر یہ کہ ان کے اپنے ہی کرتوت سے ہے اگرچہ خدا اکثر واماندگیوں پر گرفت نہیں کرتا: و ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم و یعفوا عن کثیرo (۳۰:۴۲)۔ سورۂ حدید میں اجتماعی مصیبت کے باعث نزول کو یہ کہہ کر اور بھی واضح کر دیا ہے کہ دنیا کی سب "مصیبتیں" نہایت سوچ بچار کے بعد نازل ہوتی ہیں:

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض و لا فی انفسکم الا فی کتب من قبل ان نبراھا ان ذالک علی اللہ یسیرo لکیلا تاسوا علی مافاتکم و لا تفرحوا بما اتکم واللہ لا یحب کل مختال فخورo (۵۷:۲۲-۲۳)

اے لوگو! جو جو مصیبتیں روئے زمین پر نازل ہوتی ہیں یا جو تمہارے اپنے ہاتھوں تم پر آتی ہیں' سب کی سب پیشتر اس کے کہ ہم ان کو پیدا کریں' ایک مسل میں درج ہوتی ہیں (جو علم الٰہی ہے) اس کے اندر اس "مصیبت" کے مالہ اور ما علیہ پر پوری بحث ہوتی ہے' اس کے سب وجوہ کامل طور پر بیان ہوتے ہیں' واقعات اور حالات سلسلہ وار قلمبند ہوتے ہیں) اور پھر کامل غور و خوض کے بعد اس مصیبت کے اجراء کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ (الا فی کتب من قبل ان نبراھا) اور لوگو! اس بادشاہِ کون و مکان کی حکومت اس قدر منظم' اس قدر قوی' اس قدر دقیقہ رس اور عادل ہے کہ یہ سب بظاہر ناممکن باتیں خدا کے لئے بے حد آسان ہیں اور اے ناعاقبت اندیش انسانو! تمہاری جزا و سزا میں یہ عظیم الشان اہتمام اس لئے مدنظر رکھا گیا ہے کہ تم لوگ جو شئے تمہارے ہاتھ سے چلی گئی ہے اس کو اپنی ہی بداعمالی کا نتیجہ سمجھو اور ناحق خدائی فیصلوں کو اٹا شا استبدای اور بے اصولے سمجھ کر اپنی قسمت پر پریشان نہ ہوتے پھرو (تاسوا علی مافاتکم) یا جو انعام تم کو دیا گیا ہے اس کو بلا سبب اور بے وجہ سمجھ کر اکڑے اکڑے پھرو اور سعی و عمل سے غافل ہو جاؤ اور جانے رہو کہ خدا اترانے والے' کام چور اور شیخی باز نکھٹو کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ "مصیبت" یہاں پر بھی وہ اجتماعی سزا ہے جو خدا قوموں کو ان کی مجموعی بداعمالیوں کے باعث نہایت غور و خوض کے بعد دیتا ہے۔ انفرادی اور خانگی مصائب اس میں شامل نہیں اور نہ کسی عزیز کی موت اس قانون کے ماتحت ہو سکتی ہے۔ قوموں کی پشتینی غفلتیں اور کام چوریاں ایک اقل قلیل مدت کے اندر خدا کے وبال کو دعوت دیتی ہیں' پھر جب ان کی بدکاریوں کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو پورے تامل کے بعد خدا کا اٹل حکم نافذ ہو جاتا ہے۔ جیساکہ سورۂ تغابن میں ہے: ماصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ (۱۱:۶۴) اور جس میں کافروں کے اجتماعی عذاب ہی کا ذکر ہوا ہے۔ تمام قرآن کے طول و عرض میں صرف ایک جگہ (یعنی سورۂ مائدہ میں) "مصیبت" کا لفظ انفرادی معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر وہاں پر موت کے لفظ سے اس کی تصریح کر کے متذکرہ صدر کلئے کو برقرار رکھا ہے: او اخران من غیر کم ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبۃ الموت (۱۰۶:۵) یعنی "اگر سفر میں ہو اور تم پر موت کی مصیبت آپڑے تو وصیت کرتے وقت کوئی دو غیر مسلم گواہ بھی پیدا کر لو تو کچھ مضائقہ نہیں"

الغرض مصیبتہ کی قرآنی اصطلاح کے متعلق اس تمام استدلال سے ظاہر ہے کہ آیات زیر بحث میں خدائے عظیم نے اس امر کی تلقین نہیں کی کہ جب تم پر کسی ہمسائے کا خوف طاری ہو یا غریب اور نادار ہو جاؤ یا کوئی عزیز مسلمان مرجائے یا تمہاری تجارت کا جہاز

Marfat.com

ڈوب جائے تو فوراً "انا للہ و انا الیہ راجعون" کا طلسمی منتر دہراؤ بلکہ یہ کہا ہے کہ اے مسلمانو! اس میں شک نہیں کہ ہم وقتاً فوقتاً تم کو تمہاری مجموعی بداعمالیوں اور غفلتوں کے باعث محکومیت' فقر و افلاس' بے چارگی اور شکست و ریخت کی مصیبتوں میں ڈالتے رہیں گے' لیکن اگر تم سچے معنوں میں مسلمان ہوئے تو تم اپنی آبائی غفلتوں اور ذاتی واماندگیوں کو خیرباد کہہ کر صبر و استقلال سے ان مصائب کا مقابلہ کرو گے اور اپنے سروں پر سے یہ آسمانی بلائیں ٹال کر رہو گے اور صحیح معنوں میں مستقل مزاج اور صابر لوگ تو وہی ہوتے ہیں جو مصیبت کو سر پر سوار دیکھ کر قانون خدا کی طرف از سر نو رجوع کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں (**قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون**) اور جان لیتے ہیں کہ یہ مصیبت ہمارے اپنے ہی کرتوت کی وجہ سے ہے اور خدا سے منحرف ہونے کا نتیجہ ہے۔ ہر سزا یافتہ مجرم یا عتاب زدہ ملازم اپنے آقا کو خوش کرنے کے لئے آئے دن بعینہٖ اسی قطع کا رجوع اختیار کرتا ہے۔ وہ سزا کے بعد پھر اپنے ناراض حاکم کے حکموں کی تعمیل شروع کر دیتا ہے' اس کے قانون کی طرف لوٹ آتا ہے' اپنی بداعمالیوں اور غفلتوں سے تائب ہو کر اس کی صحیح معنوں میں ملازمت اختیار کر لیتا ہے۔ نہ یہ کہ زبان سے کوئی فسون دہراتا پھرے اور آقا اس کی خوش الحانی پر فریفتہ ہو کر اس کو معاف کرے بلکہ شاباش بھی دے۔ **قال** کا لفظ قرآن حکیم میں ایسے موقعوں پر محض منہ سے کہنے کے معنوں میں نہیں آتا بلکہ اپنے قول کو فعل سے ثابت کرنا مراد ہوتا ہے۔ سورۂ حم السجدہ میں ہے: **ان اللذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکة** (۴۱:۳۰) یعنی "جن لوگوں نے خدا کو اپنا رب کہہ دیا' پھر استقامت سے اس قول پر جمے رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں۔" یہاں محض منہ سے کہنا ہرگز مراد نہیں بلکہ جن لوگوں نے از روئے عمل خدا کو اپنا حاکم اور رازق مان لیا' ان کا ذکر ہے۔

---☆☆☆○☆☆☆---

(۱۵) صلوات کے مفہوم کی تشریح

آیہ **انا للہ و انا الیہ راجعون** (۲:۱۵۶) کے مطالب کی صحیح تعین کے بعد جو غور طلب بات لائق شرح و بیان رہ جاتی ہے یہ ہے کہ آیہ (۲:۱۵۷) کے الفاظ **اولئک علیھم صلوات من ربھم** میں صلوات کا مفہوم بعینہٖ کیا ہے' نہیں بلکہ مروجہ طریقہ درود خوانی میں **اللھم صلی علی محمد** کے کیا معانی ہیں؟ اہل اسلام کی شرعی مجالس میں اور دوسرے موقعوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر درود بھیجنے کا طریقہ ابتدا سے رائج ہے' اس میں ہر مسلمان روز اول سے نہایت شد و مد سے حصہ لیتا چلا آیا ہے اور اس درود کا بار بار پڑھنا "داخل ثواب" سمجھتا ہے۔ صدر اسلام یا اس کے کچھ دیر بعد تک جب کہ نبی آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پڑھایا ہوا سبق ابھی تازہ ہی تھا اور اسلامی اوامر و نواہی کی حکمت بالغہ ہر مسلمان کے ذہن نشین اس قدر ہو گئی تھی کہ اس کی تعمیل کے لئے عندالضرورت ہزاروں میل چلنا بھی اس کے لئے ناگوار نہ تھا' ممکن ہے کہ کم و بیش ہر مسلمان "درود" پڑھتے وقت اس کے صحیح مفہوم سے واقف ہو بلکہ اس کو صحیح لہجے اور کیفیت دل کے ساتھ ادا کرتا ہو لیکن آج جبکہ مسلمانانِ عالم اسلام کا اکثر درس بھول گئے ہیں' "درود" کا صحیح مفہوم اور اس کا سچا کیف و حال ذہنوں سے نکل چکا ہے اور باقی ملفوظات شرعی کی طرح یہ عمل بھی محض رسمی اور بے نتیجہ رہ گیا ہے۔ آج جب کسی اوسط مسلمان کو "درود" کے متعلق سوال کیا جاتا ہے کہ وہ کیا ہے' کیوں ہے اور کس لئے بھیجا جاتا ہے' اس کی الٰہی حکمت کیا تھی؟ تو وہ آئیں بائیں شائیں کرتا نظر آتا ہے اور بالآخر جب تہ تک نہیں پہنچ سکتا تو سب ہتھیار ڈال کر کہہ دیتا ہے کہ خدا کے احکام میں عقل کو کچھ دخل نہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ طریق تخیل کسی حق طلب قوم کے لئے از بس مہلک ہے اور فقدان عمل کا راز بھی

اسی دم مزن اور لب کشا حالت کے قیام میں ہے۔ آیہ انا للہ و انا الیہ راجعون کی متذکرہ صدر توضیح کے بعد کم از کم یہ ظاہر ہے کہ خدا نے اپنی جناب سے ان لوگوں کو تحسین و آفرین کہنے کا وعدہ کیا ہے جو کسی اجتماعی مصیبت کو دفع کرنے کی غرض سے قانون خدا کی طرف لوٹ آتے ہیں اور ایسے ہی کارکن لوگوں کے بارے میں **اولئک علیھم صلوات من ربھم** کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ گویا **صلوات** سے مراد وہ شاباش اور تحسین و آفرین ہے جو کسی شخص کو کسی پسندیدہ کام کے سرانجام کرنے کے بعد دی جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں سرورؐ کائنات پر "صلوٰت" اور "سلام" بھیجنے کا حکم سورۂ احزاب کے ان الفاظ سے ظاہر ہے:

ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبیؕ یایھا الذین امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما○ (۵۶:۳۳)

لوگو! تم کس ناروا زعم میں ہو اور کیوں آئے دن نئے نئے بہتان باندھ کر اور خوابیدہ فتنے جگا جگا کر رسول خدا کو تنگ کرتے ہو حالانکہ اس جلیل القدر نبیؐ کی یہ شان و منزلت ہے کہ وہ زمین و آسمان کا مالک خدا اور اس کی عالم آراء قوتوں کے علم بردار فرشتے سب کے سب اس کی حیرت انگیز طاقتِ عمل' اس کی صحبت کے دیرپا اثر' اس کے انقلاب انگیز زورِ برداشت' اس کی مقلب القلوب روحانیت پر تحسین و آفرین کے نعرے لگاتے رہتے ہیں **(یصلون)** اور ہر دم اس کے خیرالوریٰ اور سید کائنات ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اپنے اس رہنمائے جلیل پر آفرین کے نعرے لگاؤ **(صلوا علیہ)** اس پر اپنی تمام امت کا سلام بھیجا کرو **(وسلموا تسلیما)** اس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دیا کرو **(وسلموا تسلیما)**۔

ملئکہ کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں' نہ اس پر کہ رسول خدا کا وہ کیا زورِ عمل تھا جس نے ایک عالم کو انگشت بدنداں کر دیا تھا' لیکن یہاں ظاہر ہے کہ نبیؐ پر درود بھیجنے سے مراد کیفِ دل کے ساتھ اس کے جلیل القدر کارناموں پر متحیر ہونا' اس کا نام برلب آنے پر تحسین و آفرین کے نعرے لگانا' اس کو زندہ باد (سلام) کہنا وغیرہ وغیرہ ہے جیساکہ آج ہر قوم اپنے رہنماؤں کے دیدار سے مشرف ہو کر کیا کرتی ہے۔ اس عقیدت کیشی کا نتیجہ اکثر یہی ہوا کرتا ہے کہ دل میں ان کاموں کی عظمت برقرار رہتی ہے اور ہر شخص کے دل میں کچھ نہ کچھ اس رہنما کے قدم بقدم چلنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔ یہی مقصود نبی کریمؐ پر "درود" بھیجنے سے تھا اور یہی اس کا ثواب (فائدہ) ہے مگر واحسرتاکہ یہ رسم بھی اب بے اثر ہو چکی ہے۔

رہی یہ بات کہ **صلوا** سے مقصود بعینہٖ یہ تھا جو اوپر بیان ہوا اور **صلوا** کا عمل صرف پیغمبر خدا ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر درخور تحسین شخص اس کا مستحق ہے اور اس زمانے میں تھا جب کہ قرآن وحی کیا جا رہا تھا۔ اس کا ثبوت سورۂ توبہ کی ایک آیت سے ہوتا ہے جس میں منافقین عرب پر درود بھیجنے کا حکم رسول خدا کو دیا گیا ہے:

خذ من اموالھم صدقتہ تطھر ھم و تزکیھم بھا و صل علیھمؕ ان صلواتک سکن لھم واللہ سمیع علیمؕ (۱۰۳:۹)

اے پیغمبر! ان مشرکین اور منافقین عرب سے ان کے مال میں سے کچھ شئے بطور "صدقہ" لے لیا کرو (کہ یہ "صدقہ" بادی النظر میں ان کی مزعومہ قلبی کیفیت کی تصدیق کرتا ہے۔ تم یہ طریقہ اختیار کر کے فی الحقیقت ان کے دلوں کو محبت ماسویٰ سے پاک صاف کر دو گے **(تطھر ھم)** اور ان کے نفسوں کو آلائشِ حبِ زر سے مبرا کر دو گے **(تزکیھم)** اور یہی نہیں بلکہ ان کا شکریہ ادا کرو **(صل علیھم)** ان کو اس ایثار مال کے عوض میں تحسین و آفرین کہو **(صلی علیھم)** ان کو دعائے خیر دو **(صلی علیھم)** کیونکہ تمہاری شاباش **(صلواتک)** ان کے لئے موجب

Marfat.com

اطمینان ہوتی ہے اور ان کو ان سے یہی اچھے کاموں کے کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور یوں تو خدا ہر شخص کے ظاہر و باطن کو سمجھنے والا اور دل کی کیفیات کو خوب جاننے والا ہے۔ اسی سورۂ میں جہاد سے جی چرانے والے منافقین کے بارے میں: **و لا تصل علی احد منھم مات ابدا** (۸۴:۹) ہے۔ یعنی "اگر اپنی موت مریں تو ان کو ہرگز شاباش نہ کہو۔" اور پھر آگے چل کر اعراب کے ایک طبقے کے بارے میں ہے: **و من الاعراب من یومن باللہ والیوم الاخر و یتخذ ماینفق قربت عنداللہ و صلوات الرسول ط الا انھا قربۃ لھم ط سید خلھم اللہ فی رحمتہ ان اللہ غفور رحیم** O (۹۹:۹)

اور لوگو! ان بدو اعراب میں سے ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جو خدا کو حاکم اعلیٰ مانتے ہیں اور اس کے حضور میں روز قیامت کو جواب دہی کرنے پر یقین کرتے ہیں اور جو ایثار مال وہ کرتے ہیں اس کو خدا کے تقرب اور رسول کی شاباش (**صلوات**) کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اے پیغمبر! ان کے ذہن نشین کر دو کہ یہ مال خرچ کرنا بے شک ان کے لئے باعث تقرب ہے اور اگر وہ اس طرح اپنی اجتماعی بہتری کے لئے مال خرچ کرتے رہے تو عنقریب خدا ان کو اپنی رحمت میں لے لے گا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ کارکن لوگوں کے حق میں گذشتہ واماندگیوں پر بڑا پردہ ڈالنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

یہاں صاف طور پر **صلوات** کا مطلب وہ شاباش اور دعائے خیر ہے جو رسول خدا ایسے مفید کارکنوں کو دیا کرتے تھے اور جو ان کے لئے باعث اطمینان ہوا کرتی تھی۔ سورۂ احزاب میں قرون اولیٰ کے کارکن اور شہدائے خدا مومنوں پر خدا اور اس کے فرشتوں کا درود بھیج کر **صلوات** کی حقیقت کو اور بھی عیاں کر دیا ہے:

ھو الذی یصلی علیکم و ملئکتہ لیخرجکم من الظلمت الی النور ط و کان بالمومنین رحیما O (۴۳:۳۳)

مسلمانو! اس رب ذوالمنن کے احسان و اکرام کی یہ شان ہے کہ وہ اور اس کی عالم آراء قوتوں کے علمبردار ملائکہ آج تم خستہ حال، اجل زدہ اور نابکار اہل عرب کو اپنی تمام مستعدی کے ساتھ تحسین و آفرین کہہ کہہ کر اس بات پر آمادہ کر رہے ہیں (**یصلی علیکم**) کہ تم کو جہالت، غفلت اور ناانجام شناسی کی ظلمتوں سے (**من الظلمت**) نکال کر علم و عمل اور حقیقت کی روشنی کی طرف (**الی النور**) نکال لائیں اور اس میں شک نہیں کہ وہ بادشاہ زمین و زمان باایمان لوگوں کے ساتھ بڑا ہی صاحبِ لطف و کرم رہا ہے۔" (**ملئکتہ** کی حقیقت اور ان کے درود کی کیفیت سے یہاں بحث نہیں لیکن ظاہر ہے کہ **یصلی علیکم** سے مراد یہاں پر وہ تحسین و آفرین ہے جو ایک صاحب رحم اور ہوشمند، ایک عادل اور محسن شخص کسی مصیبت زدہ اور غافل شخص کو اس نیت سے دیتا ہے کہ اس میں اپنے آپ کو اس تکلیف سے نجات حاصل کرنے کا صلہ اور استعداد پیدا ہو۔ مومنین عرب کے حق میں خدائے بے مثال کے اسی بے اندازہ رحم کو مدنظر رکھ کر اس سے پیشتر کی آیت میں فرمایا ہے: **یایھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا ط و سبحوہ بکرۃ و اصیلا ط** (۳۳: ۴۱-۴۲) یعنی "اے ایمان والو! خدا کا اپنے دل میں احساس کثرت سے کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح و تقدیس کرتے رہو" گویا ایسا محسن، ایسا رحیم، ایسا صاحبِ لطف و کرم خدا جو تم کو شاباش دے دے کر ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے اور تمہارے حوصلے بڑھا بڑھا کر تم کو حقیقت اور امن،

Marfat.com

تمکن فی الارض اور بقاء کی طرف لاتا ہے اسی کے شایاں ہے کہ ہر دم اس کا کھٹکا اور اس کی یاد دل میں لگی رہے)۔

ان تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ وہ شرعی ماحول جو لفظ صل علی کے گرداگرد پیدا ہو گیا ہے خود لوگوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ قرآن کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ قرآن حسبِ موقع عام مومنوں بلکہ منافقوں پر درود بھیجنے سے بھی نہیں جھجکتا! ضمناً" یہ بھی ثابت ہو گیا کہ **الصلوۃ** تحمید و تحسینِ رب العالمین ہے۔

اس تمام تصریح کے بعد ضمناً" اس عظیم الشان قرات کے صحیح مطالب بھی صاف ہو جاتے ہیں جو ہر مسلمان پانچ وقت خدائے جل شانہ کے حضور میں سلام پھیرنے سے پہلے بیٹھ کر کرتا ہے۔ یعنی **التحیات** اور **اللھم صلی علی محمد** اور **اللھم بارک علی محمد** کے مطالب آج فیصدی ایک متنفس بھی ان تینوں قراتوں کے مقاصد کی تہ تک نہیں پہنچتا اور علی الحساب بڑبڑا کر سلام پھیر دیتا ہے۔ **الصلوۃ** کے صحیح مقاصد سے یہاں بحث مقصود نہیں لیکن ظاہر ہے کہ نماز میں حضوریٔ دل نہ ہونے کا بڑا باعث اس کے صحیح مطالب کو نہ سمجھنا ہے۔ جب ایک شخص نہیں سمجھتا کہ وہ مخاطب کو کیا کہہ رہا ہے اور کس غرض و مطلب کے لئے کہہ رہا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ اس کو طوطے کی طرح پڑھ کر چھدا سا اتار دے اور بس۔ **التحیات** خدا کے حضور میں ہر مسلمانِ عالم اور عامل کا وہ خراج تحسین و آفرین ہے جو وہ نبی کریم کے حیرت انگیز اور جلیل القدر کارناموں کو ذہن میں لا کر دن میں پانچ وقت ادا کرتا ہے۔ وہ رب ذوالجلال کی جناب میں اطمینان سے بیٹھ کر سب سے پہلے اس آقائے ذوالمنن کی نعمتوں کا مقر ہوتا ہے (**التحیات للہ والصلوۃ والطیبات**) پھر اس رسولِ اعظم کے اعمال کو جس نے تیئیس برس کی اقل قلیل مدت میں ایک جاہل اور اجڈ قوم کا باوا آدم بدل کر ان کو روئے زمین کے اکثر حصے کا بادشاہ بنا دیا تھا' سراہتا ہے' اس پر رحمت اور برکت بھیجنے کی سفارش کرتا ہے' اس کو اعظم الناس سمجھتا ہے (**السلام علیک ایھا النبی و رحمتہ اللہ و برکاتہ**) پھر اپنے آپ کو اسی جلیل القدر راہنما کا ایک پیرو اور امتِ وسطیٰ کا ایک کارکن شمار کر کے اس شہداء علی الناس امت اور اس کے صالح العمل ارکان پر سلام بھیجتا ہے (**السلام علینا و علی عباداللہ الصالحین**) بعدازاں خود اپنے دن بھر کے کارناموں اور اعمال کو نہایت عاجزی سے خدائے زمین و آسمان کے حضور میں پیش کر کے اپنے آپ کے شاہد خدا ہونے اور اس رسول کے امتی ہونے کا مقر ہوتا ہے (**اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ**) اس کے بعد **اللھم صلی علی محمد** اور **بارک علی محمد** ہے۔ پھر خدا کے ساتھ کئی لمحوں کی حضوریٔ دل اور خلقِ خدا سے قطع تعلق کے بعد باشندگان زمین کو **السلام علیکم و رحمتہ** کا نعرہ دائیں بائیں ہے اور نہایت ادب سے اس کے حضور سے اٹھ جاتا ہے۔ یہ نماز ہے اگر اسی کیف دل کے ساتھ ادا ہو تو کچھ معنی رکھتی ہے' نتیجہ خیز ہے' ورنہ ایک بے اثر اور بے ثواب رسم ہے جس کو لاکھ بار کرنے سے کچھ نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ انسان جو چاہے فرض کر لے مگر اس کارخانۂ قدرت کے اندر وہی شئے نتیجہ خیز ہے جو واقع الامر ہے۔ فرض اور ظن کو اس کے اندر کچھ دخل نہیں۔

----☆☆☆○☆☆☆----

(۱۶) الخیرات

لکن الرسول والذین امنوا معہ جاھدوا باموالھم و انفسھم و اولئک لھم الخیرات ز و اولئک ھم المفلحون○

Marfat.com

اعداللہ لھم جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ذلک الفوز العظیم○ (۹:۸۸-۸۹)

لیکن رسول اور جو لوگ اس کی تائید میں ایمان لا کر اپنے مال و جان سے جہاد کرتے رہے یہی ہیں جن کو بہتر سے بہتر چیزیں دی جائیں گی اور یہی کامیاب لوگ ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں' وہ ان میں ایک مدت مدید تک رہیں گے اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے۔

اس آیہ شریفہ میں **الخیرات** کا لفظ استعمال ہوا ہے اور سیاقِ کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی "مومن" اور مجاہد بالمال والا نفس قوم کو اجتماعی خوشحالی کی بشارت دی گئی ہے: **(اولئک لھم الخیرات و اولئک ھم المفلحون)** شارحین نے جو **خیرات** سے مراد نیکیاں اور فلاح کا مطلب "اخروی نجات" لے لیا ہے بے معنی ہے' کیونکہ نیک عمل (یعنی جہاد و جان) کے بدلے "نیک عمل" ملنا کچھ معنی نہیں رکھتا اور "فلاح" بھی دنیوی اور اخروی دونوں مقصود ہے' صرف اخروی نہیں جو نظروں سے تاحال نہاں ہے اور اس قدر محرک سعی و عمل نہیں ہو سکتی جس قدر کہ فوری اجر۔ نہیں بلکہ اجتماعی فلاح کا حاصل ہو جانا یا اس کی جستجو میں اپنی جان اور مال کو قربان کر دینا ہی کسی متنفس کی اخروی نجات کا پیش خیمہ ہے اور یہی اس آئندہ اور ابدی نجات کے حاصل کرنے کا صحیح معیار ہے۔ یہاں لفظ **خیرات** کے معنی دنیا کی بہترین اشیاء اور نعمت ہائے الٰہی کے کئے ہیں۔ اس مفہوم کی تائید قرآن حکیم میں کئی موقعوں پر بالصراحت موجود ہے۔ سورۂ مومنون میں فرقہ بند' مشرک اور منتشرالاعمال قوموں کے بارے میں ہے: **ایحسبون انما نمدھم بہ من مال و بنین○ نسارع لھم فی الخیرات بل لا یشعرون○** (۲۳:۵۵-۵۶) "کیا یہ لوگ اس زعم میں ہیں کہ ہم جو فی الحال مال اور اولاد کی کثرت سے ان کی مدد کر رہے ہیں' اس سے یہ مترتب ہوتا ہے کہ ہم ان کو اچھی اچھی اشیاء **(الخیرات)** اور نعمت ہائے الٰہی **(الخیرات)** کے عطا کرنے میں جلد بازی کر رہے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ہم ان کو کچھ اپنے پاس سے دے نہیں رہے بلکہ اگلے دیئے ہوئے انعام ہی رفتہ رفتہ چھین رہے ہیں۔" آگے چل کر ایمان والی قوم کے بارے میں ہے: **اولئک یسارعون فی الخیرت و ھم لھا سبقون○** (۲۳:۶۱) "یہی وہ لوگ ہیں جو فی الحقیقت انعامات خدا **(الخیرت)** کے حاصل کرنے میں جلدی کر رہے ہیں (نہ کہ وہ لوگ جن کا ذکر اوپر ہوا (۲۳:۵۵-۵۶) اور یہی ان کو لپک لپک کر پکڑ رہے ہیں۔" ان دونوں موقعوں پر **الخیرت** کے کوئی دوسرے معانی ہو نہیں سکتے اور مراد صاف طور پر اجتماعی انعام ہیں' انفرادی نہیں۔ سورۂ مائدہ میں علی ہذا القیاس اختلاف کی برائیوں کے ضمن میں ہے:

و لوشاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ و لکن لیبلوکم فی ما اتکم فاستبقوا الخیرت الی اللہ مرجعکم جمیعا فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون○ (۵:۴۸)

اور اے ساکنان زمین! اگر خدا اپنی مرضی کرتا **(لو شاء اللہ)** تو ضرور تم انسانوں کو ایک امت بنا دیتا۔ لیکن یہ صورت اختلاف جو تم نے اپنی خودرائی اور خدا سے برگشتگی کے باعث پیدا کر لی ہے اس سے شارع کائنات کی غرض یہ ہے کہ وہ تم مختلف شدہ امتوں کا امتحان ان اہلیتوں اور نعمتوں کے بارے میں لے جو اس نے تم کو دیں **(لیبلوکم فی ما اتکم)** تو اے انسانی امتو! تم اپنے آپ کو اس آزمائش میں کامیاب ثابت کرنے کے لئے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعامات کی طرف لپکو **(فاستبقوا الخیرات)**۔ جانے رہو کہ تم سب نے ایک نہ ایک دن خدا کی طرف لوٹنا اور اس کے حضور میں اپنے سعی و عمل کی جواب دہی کرنی ہے۔ پھر اس دن وہ بنی نوع انسان کا خالق خدا تم کو اس حقیقت حال سے مطلع کر دے گا جس کے بارے میں تم آپس میں اختلاف پیدا کر کے ایک

دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہو گئے تھے۔

یہاں ادنیٰ تامل کے بعد صاف ظاہر ہے کہ **الخیرات** سے مراد یہاں پر وہ اجتماعی انعامات ہی ہیں جو اقوام عالم کو ان کے سعی و عمل کے بدلے میں خدا کی جناب سے ملتے ہیں اور انہی انعامات پر قبضہ کرنے کے لئے **استبقوا** کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ "نیکیوں کی طرف لپکنا" جیسا کہ اکثر شارحین نے سمجھ لیا ہے محض بے نتیجہ اور بے ربط ہے کیونکہ سعی و عمل کے متعلق تمام ترغیب و تحریص کسی مستقل انعام کو پیش نظر رکھ کر ہو سکتی ہے' سعی بے حاصل کو فی نفسہ مآل سعی سمجھنا محض ایک شاعرانہ تخیل ہے جس کی حقیقت ازروئے عمل کچھ نہیں۔ یہی مفہوم **الخیرات** کا سورۂ فاطر کی اس معنی خیز آیت میں ہے: **ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا ج فمنھم ظالم لنفسہ ج ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ ذلک ھوالفضل الکبیر**○ (۳۲:۳۵) یعنی "اے لوگو! پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے جس قوم کو اہل سمجھا (یعنی مسلمانانِ قرون اولیٰ) اس کو قانون خدا (الکتاب) کا وارث ٹھہرایا' تو ان (کی آئندہ نسلوں) میں سے کوئی امت ایسی ناخلف ہو گی کہ بداعمالیوں سے اپنے آپ کو ہلاک کرے گی (ظالم لنفسہ) اور کوئی ایسی بھی ہو گی کہ اپنے اوسط درجے کے سعی و عمل سے ہلاکت اور عروج کے بین بین رہے گی (مقتصد) اور کوئی ایسی بھی ہو گی جو اپنے انتہائی جہد و عمل سے خدائے عظیم کے عطا کردہ انعاموں کی طرف لپک لپک کر پہنچے گی (سابق بالخیرات) اور یہ آخری حالت کا قائم ہو جانا انتہائے فضل و کرم ہے۔"

یہاں **سابق بالخیرات** کے ساتھ **باذن اللہ** کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ وہ اجتماعی انعام خدا کے حکم سے ملیں گے' خدا کے حکم سے نیکیوں کی طرف لپکنا' کچھ بے معنی سا ہے اور یہاں استعارہ بظاہر اس حالت کو پیش نظر رکھ کر لیا گیا ہے جب منعم کسی انعام کی بخشش کے لئے اذن دیتا ہے اور منعم علیہ اس کے لینے آگے کو لپکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ کی بہشت کی حوروں کو لفظ "خیرات" سے یاد فرمانے کی وجہ بھی ان کی یہی انعامی حیثیت ہو جو اوپر بیان ہوئی۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے: **فیھن خیرات حسان**○ (۷۰:۵۵) یعنی "ان باغات کے اندر یہ عزیزالقدر انعاماتِ الٰہی یعنی خوبصورت بیبیاں ہوں گی۔"

خیرات کے اس مفہوم سے قطع نظر قرآن حکیم میں چند مواقع ایسے ہیں جہاں پر اس اصطلاح سے مراد (حسنات کے مفہوم کی طرح) وہ اعمال ہیں جن کا نتیجہ افضال و اکرام ہے:

> **و جعلنھم ایمۃ یھدون بامرنا و اوحینا الیھم فعل الخیرت و اقام الصوۃ و ایتاء الزکوۃ ج و کانوالنا عبدین**○ (۷۳:۲۱)
>
> اور لوگو! ہم نے اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کو بھی ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی طرح ان کی قوم کا پیشوا بنایا' وہ اپنی قوم کی رہنمائی ہمارے قانون کے ذریعے سے کرتے رہے اور ہم نے ان کی طرف مفید جماعت اور مصلح قوم کاموں (**الخیرات**) کے کرنے کی وحی بھیجی' ان کو حکم دیا کہ **الصلوۃ** کو قائم کریں' **الزکوۃ** کو دیتے رہیں اور وہ لوگ تو نماز گزار اور پابند زکوٰۃ ہی نہ تھے بلکہ فی الحقیقت ہمارے بندے اور غلام بن کر رہتے تھے۔

الصلوۃ اور **الزکوۃ** کی اجتماعی حیثیت سے یہاں بحث مقصود نہیں۔ تاہم سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر ان قومی اور اجتماعی اعمال کا ذکر ہو رہا ہے جن کا نتیجہ فلاحِ قوم ہے اور جو آئمۂ اقوام کا پیش نہاد ہمیشہ سے رہا ہے۔ گوشہ نشین بن کر اللہ اللہ جپنے کا یہاں مذکور نہیں۔ عامتہ الناس نے نیک بننے (یعنی **فعل الخیرات**) کو اکثر یہی سمجھ لیا ہے۔ بعینہ اسی قطع کے اعمال کا ذکر اسی سورۃ میں زکریا اور یحییٰ علیہم السلام کے بارے میں ہے: **انھم کانوا یسارعون فی الخیرات و یدعوننا رغبا و رھبا ط و کانوا لنا خاشعین**○ (۹۰:۲۱) یعنی

"ہم نے ان پر یہ احسان بدیں وجہ کئے کہ اس میں شک نہیں یہ لوگ مفیدِ قوم اور مصلحِ امت اعمال کی طرف لپک لپک کر پہنچتے تھے اور ہم کو اجتماعی انعام کی رغبت اور اجتماعی سزا کے خوف سے پکارا کرتے تھے اور اسی بیم و رجا کے باعث ہماری جناب میں سچا خضوع و خشوع کیا کرتے تھے۔" رغب و رہب اور خوف و امید کا کیفیت دل میں تبھی پیدا ہو سکتا ہے جب انعام دنیاوی ہو اور یہی خشوع کا سچا باعث اکثر ہوتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے ادنیٰ تامل بھی اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ یہاں بھی **الخیرات** سے مراد خدمت عباد ہے' تسبیح گردانی قطعاً" نہیں۔ سورۂ آل عمران میں جو خدائی محاکمہ بعض صالح العمل اہل کتاب کے بارے میں ہے اس مفہوم کا صریح طور پر موید ہے: **یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و یسارعون فی الخیرات و اولئک من الصالحین○ و ما یفعلوا من خیر فلن یکفروہ واللہ علیم بالمتقین○** (۳:۱۱۳-۱۱۴) یعنی "یہ یہود و نصاریٰ اس قدر باایمان لوگ ہیں کہ "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کی دعوت میں مصروف رہتے ہیں اور مفیدِ جماعت اعمال کی طرف لپک لپک کر پہنچتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو دراصل "صالح" کہلائے جانے کے مستحق ہیں اور یہ لوگ کوئی بھی مصلحِ قوم عمل (**من خیر**) کریں ایسا ہرگز نہ ہو گا کہ ان کے اس عمل کی قدر نہ کی جائے گی اور خدا تو اپنے قانون سے ڈرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔" یہاں "امربالمعروف" اور "نہی عن المنکر" "صالحین" "متقین" وغیرہ اصطلاحاتِ قرآنی کے صحیح مفہوم سے بحث نہیں لیکن ظاہر ہے کہ **الخیرات** سے مراد اجتماعی جدوجہد ہی ہے' اعتکافی عمل نہیں کیونکہ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت خانہ نشین رہ کر نہیں ہو سکتی اور **یسارعون فی الخیرات** کا عمل بھی اسی ضمن میں ہے۔ سورۂ بقرہ میں تحویل شدہ قبلہ کو مرکزِ امت گردانے کی بحث کے بعد الٰہی ارشاد ہے: **و لکل وجھتہ ھو مولیھا فاستبقوا الخیراتہ این ماتکونو ایات بکم اللہ جمیعاً ان اللہ علی کل شی قدیر○** (۲:۱۴۸) "اور مسلمانو! تمہیں یاد رہے کہ اس کارگاہِ اتحاد و اتفاق میں ہر قوم اور ہر امت اپنے لئے کوئی نہ کوئی سمتِ اتحاد تلاش کرتی ہے (**ولکل وجھتہ**) اور پھر جب وہ لوگ کسی ایک مرکز کو مقرر کر لیتے ہیں تو سب کے سب طبعاً" اس کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں (**ھو مولیھا**) تو اے مسلمانو! تم بھی اس کلئے کو پیش نظر رکھ کر قوت افزا اور طاقت اندوز اعمال کی طرف لپک لپک کر پہنچو (**فاستبقوا الخیرات**) اور تقرر قبلہ کے متعلق جو بات سب سے اہم اور نتیجہ خیز ہے یہ ہے کہ تم روئے زمین کے کسی گوشے میں ہو اور کسی طرح پر بکھرے ہوئے ہو خدا تم کو اس ترکیب سے مجتمع کر دیا کرے گا اور دوسری قوموں کے بالمقابل تمہارے مجموعی رعب و وقار کو برقرار رکھے گا' جانے رہو کہ خدا ہر شئے پر قادر ہے۔" **الخیرات** کا مفہوم یہاں پر اس قدر اظہر من الشمس ہے کہ اس کے لئے کسی مزید بحث کی ضرورت نہیں۔

الغرض ان تمام آیاتِ الٰہی کے غائر مطالعے کے بعد یہ مستنبط ہو جاتا ہے کہ **خیرات** کی جامع و مانع اصطلاح کا الٰہی مفہوم بھی **حسنات** کی طرح وہ اجتماعی انعامات ہیں جو منعمِ حقیقی اقوامِ عالم کو ان کے حسن عمل کے صلے میں عطا فرماتا ہے۔ جو اعمال ان انعامات ملنے کا پیش خیمہ ہیں وہ بھی ازروئے قرآن **الخیرات** میں داخل ہیں خواہ ان کی جزا اجتماعی انعام کی صورت میں عامل کی حینِ حیات میں ملے یا نہ ملے۔ اسلام کی رو سے سب سعی و عمل جماعت کی بہتری اور تقویت کے لئے ہے' جو عمل اس دنیا میں اس طرح نتیجہ خیز نہیں وہ داخل خیرات و حسنات نہیں' جو بہبودئ قوم کی نیت سے کیا نہیں گیا وہ داخل سعی و عمل ہرگز نہیں۔ انفرادی جدوجہد اور اجتماعی حسنِ عمل کا یہ وہ عالم انگیز فلسفہ تھا جس کی صحیح تعلیم نے قرون اولیٰ کی اسلامی جماعت کے ہر فرد میں اضطراب عمل اس حد تک پیدا کر دیا تھا کہ لوگ برسوں اور عمروں تک ایک امیر اور ایک نظام' ایک جماعت اور ایک مرکز کے ماتحت سرکف اور تیغ بر پھر پھر کر بھی اپنے آپ کو **استبقوا الخیرات** کا مصداق نہیں سمجھتے تھے اور آج جبکہ وہ نبوی اور الٰہی درس ذہنوں سے قطعاً" نکل چکا ہے' انحطاط عمل کی یہ حالت

ہے کہ کسی بھک منگے کو دو پیسے دے کر یا تسبیح پر چند بار نام خدا رٹ رٹ کر استبقوا الخیرات کے مصداق اور جنت کے حقدار بن بیٹھے ہیں، مگر ہوشمند نظروں میں آج نیکی کے اس پست تخیل کا نتیجہ عالم اسلام کے حق میں یہ پست کن ثابت ہوا ہے کہ جہاں قرون اولیٰ کے نیکوکار مسلمانوں کو روئے زمین کی بادشاہت انعام میں ملی تھی وہاں زمانہ حال کے نسیہ پسند تسبیح برداروں اور صالح العمل "پاکبازوں" کو مسکنت سب طرف سے یوں لبیک کہہ رہی ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا فاعتبروا یاولی الابصار○

---☆☆☆○☆☆☆---

(۱۷) القرآن، الکتاب المبین، ام الکتاب

والکتاب المبین○ انا جعلنہ قرانًا عربیًا لعلکم تعقلون○ و انہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم○ افنضرب عنکم الذکر صفحا ان کنتم قوما مسرفین○ (۴۳:۲-۵)

لوگو! کتاب مبین اس امر کی شاہد ہے کہ ہم نے کتاب خدا کو عربی زبان میں محض اس لئے کر دیا ہے کہ تم اس کے دستورالعمل کو بآسانی سمجھ لو اور یہی قرآن جس کو تمہارے سمجھنے کی خاطر عربی لباس پہنایا گیا ہے اس ام الکتب کا ایک حصہ ہے جو ہمارے ذہن میں ہے اور جو ایک متندر اور مخزنِ حکمت کتاب ہے تو کیا اس وجہ سے کہ تم لوگ اس کتاب کے حقیقی مقاصد نہ سمجھنے میں حد سے بڑھے جاتے ہو اور ہمارے مطلب کو نہیں پاتے، ہم اس کتاب کے مطالب کو تم سے سر تا سر اس طرح اچک لیں کہ تم خاک بھی نہ سمجھ سکو؟

تلک ایت الکتاب المبین○ انا انزلنہ قرانا عربیا لعلکم تعقلون○ (۱۲:۱-۲)

اے ساکنان زمین! یہ آیاتِ الٰہی اس جلیل القدر کتاب سے ماخوذ ہیں جو روشن اور واضح ہے اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے اس کتاب مبین کو اپنے ہاں سے عربی زبان کا لباس پہنا کر عربی اللسان قرآن اس لئے بنایا ہے کہ تم لوگ اس کے اسرار عالیہ کو سمجھ کر عقلمند بن جاؤ۔

"**الکتاب المبین**" کے معانی کے متعلق (۴۳:۲-۳) اور (۱۲:۱-۲) سے کم از کم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (۴۳:۲) میں کسی روشن اور بین کتاب کی شہادت پیش کی گئی ہے اور **جعلنہ** اور **انزلنہ** (۱۲:۲) کی ضمیر ہو کا مرجع بھی اسی "کتاب مبین" کی طرف ہے۔ گویا خدائے بے مثال نے کسی کتابِ مبین کو شاہد بنا کر یہ کہا ہے کہ ہم نے اس کتابِ مبین کو عربی زبان کا لباس پہنا کر عربی قرآن اس لئے بنا دیا ہے کہ تم عقلمند بن جاؤ۔ ان آیات الٰہی کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے بے حد غور و خوض درکار ہے لیکن علم طبقات الارض کی روشنی میں یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ "**الکتاب المبین**" دراصل صحیفہ فطرت ہی ہے اور اس کو مبین اس لئے کہا گیا ہے کہ ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ اگر اس مفہوم کو تسلیم کر لیا جائے تو آیات (۴۳:۲-۳) کے معانی صاف ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

(لوگو! یہ صحیفہ کائنات جو تمہاری نظروں کے سامنے روشن اور عیاں ہے، اس امر کی گواہی دے رہا ہے (**والکتاب المبین**) کہ ہم نے اس کارگاہ اکبر کے تمام پوشیدہ قانون کا ترجمہ سہل الفہم اور عربی اللسان قرآن میں اس لئے کر دیا ہے (**جعلنہ قرانا عربیا**) کہ تم اس کے راز دروں کو سمجھ کر ہوش مند بن جاؤ (**لعلکم تعقلون○**) گویا اسلام دینِ فطرت ہے اور قرآن کریم صحیفہ فطرت کے قانون کا لب لباب ہے۔)

حکمائے مغرب نے بھی جدید فطرت کو کتاب سے تشبیہ دی ہے اور اس کا حشل ایک کتاب کے معرفتِ خدا کے نکات اور معلوماتِ عالیہ سے پر ہونا تسلیم کیا ہے اور دراصل یہی وہ عظیم الشان کتاب ہے جو خدائے عظیم نے خود اپنے ہاتھوں سے مرتب کی ہے۔ اعمال خدا کے اسرار و حقائق کے متعلق اس سے روشن تر کتاب کا ملنا حتماً" غیر ممکن ہے بشرطیکہ اس کا صحیح مطالعہ ہو سکے۔ لیکن اس کا صحیح مطالعہ کرنا آسان کام نہیں۔

اس بات کو پایہ ثبوت تک پہنچانا کہ قرآن کا قانونِ عمل کس قدر صحیفہ فطرت کے قانون کا ہو بہو عکس ہے اور کیونکر **فطرالناس علیھا** (۳۰:۳۰) کا مصداق سورۂ حجر کی آیت ایک (۱۵:۱) **تلک ایت الکتاب و قران مبین** (یہ آیات الٰہی اس الکتاب کی ہیں جو قانون خدا ہے اور اس قرآن کی جو ہر طرح پر روشن اور واضح ہے) اور سورہ نمل (۲۷:۱) **تلک ایتہ القران و کتاب مبین** (یہ آیات الٰہی قرآن کریم کی ہیں اور اس کتاب کی جو واضح اور روشن ہے)' سے ثابت ہے۔ **القران** اور **الکتب مبین** (۲۷:۱) کے درمیان ظاہری شناخت قائم کر کے کتاب فطرت اور کتاب خدا کو ایک سمجھنے کا پر معنی اشارہ کیا گیا ہے لیکن اسی مطلب کی ایک اور آیت بھی غور طلب ہے جس میں خود قرآن ہی کو کتاب مبین کا لقب دیا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: **قدجاء کم من اللہ نور و کتاب مبین**○ (۵:۱۵) "لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے یہ قرآن کیا آیا ہے گویا نور اترا ہے اور کتاب مبین اتری ہے۔" گویا قرآن اور کتاب مبین (یعنی صحیفہ فطرت) ایک ہی شئے ہیں۔

الکتابَ المبین کے ان معانی کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ "ام الکتاب" کیا شئے ہے لیکن ادنیٰ سے تامل کے بعد یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ اگر "**الکتاب المبین**" صحیفہ فطرت کا وہ حصہ ہے جہاں تک انسان کے حواس ظاہری پہنچ سکتے ہیں تو "**ام الکتاب**" لا محالہ تمام کائنات ہے جس کا ایک عظیم تر حصہ انسان کے دست قدرت اور علم سے قطعاً" باہر ہے اور جس کا کامل علم لا محالہ اس ذات باری کو ہے جس نے اس کو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اسی لئے اس کو **لدینا** کہا گیا ہے اور چونکہ صحیفہ کائنات ہی تمام علم و حکمت کا مخزن ہے' اس لئے اس کو "**لعلی حکیم**" کا خطاب دیا گیا ہے۔ عوام کی زبان میں "**ام الکتاب**" کو مفسرین نے "لوح محفوظ" کہا ہے لیکن اگر بہ نظر عمیق دیکھا جائے تو یہ صحیفہ کائنات ہی وہ عظیم الشان کتاب ہے جو لاکھوں اور کروڑوں برس سے محفوظ ہے۔ اسی کے اندر خدا کا علم' اس کا قانون' اس کی حکمت چھپی پڑی ہے۔ وہ اس کے علاوہ کوئی بڑی لمبی چوڑی مجلد نہیں جو جہلا کی زبان میں ساتویں آسمان پر عرش خدا کے کنارے پر رکھی ہے اور جس کی لمبائی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے۔" اس نکتے کو پیش نظر رکھ کر آیہ (۴۳:۴) کے مطالب صاف ہو جاتے ہیں اور یہ **قرآن عظیم اس صحیفہ کائنات کے عالم آراء قانون کا ایک جز ہے** (**و انہ فی ام الکتب**) جو ہر وقت ہمارے پاس پڑا ہے (**لدینا**) اور جو ایک بڑے پائے کا قانون (**لعلی**) ہے اور حکمت سے پر ہے (**حکیم**)۔ جب دین اسلام کی رو سے خدائے عزو جل کے وجود کو انسان کی شکل و صورت سے قطعاً" کوئی مماثلت نہیں تو خدا کی بنائی ہوئی ام الکتاب بھی کاغذ کی بنی ہوئی انسانی کتابوں سے اصلاً" مختلف ہونی چاہئے۔

---☆☆☆○☆☆☆---

Marfat.com

باب ششم

خلاصہ کلام

(بلکہ قرآن حکیم کی تعلیم کا خلاصہ)

Marfat.com

زندہ قوموں کے افراد کے ذہنوں میں علم و خبر یا تشریحوں کے طومار نہیں ہوا کرتے' نہ ان کو قومی ترقی کی کشمکش میں بات بات پر کہیں سے کوئی سبق ملتا ہے' نہ ان کے ہاں ایسے خطیب اور لکچرار ہوتے ہیں جو دم بدم ان کو قومی ترقی کے اسرار سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ زندہ قوم کے ہر فرد یا اکثر افراد کے گرداگرد ایک ذہنی ماحول ہوتا ہے جس سے ہر شخص خود بخود واقف ہو جاتا ہے اور پھر ہر شخص جو کام کرتا ہے اسی ذہنی ماحول کی روشنی میں کرتا ہے۔ مثال کے طور پر زندہ قوموں میں بعض خصوصیتیں ایسی ہیں جو ہر ملک میں کم و بیش پائی جاتی ہیں۔ مثلاً عام احساس کہ لین دین میں پورا تول ہو اور تجارت میں بددیانتی نہ کی جائے کیونکہ قوم عام طور پر سمجھتی ہے کہ اس طرح ساکھ بنی رہتی ہے' وعدہ بہرحال پورا کیا جائے ورنہ اعتماد نہ رہنے سے قوم ذلیل ہوتی ہے' یا کم سے کم وعدے کئے جائیں تاکہ اکثر پورے ہوں' کپڑوں اور گھروں میں پرلے درجے کی صفائی ہو تاکہ قوم خوش پوش اور خوش باش نظر آئے اور اس کی عزت بڑھے' قومی عمارتیں نہایت خوبصورت اور بے عیب ہوں تاکہ ان سے قوم کا کیریکٹر نظر آئے اور نہ صرف دوسروں پر بلکہ خود قوم کے افراد پر اس کا عمدہ اثر ہو۔ کلام مہذب ہو' معاملات کھرے ہوں' آپس میں جھگڑے اور دشمنیاں کم سے کم ہوں' ایک دوسرے کی غیبت نہ ہو' دوسروں کے حالات کی کھوج نہ لگائی جائے' وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اس لئے کہ قوم کو عام احساس ہے کہ یہ باتیں "ہونی چاہئیں۔" قوم کا یہ اخلاق اور دوسری بیسیوں خصوصیات (مثلاً قومی مصیبت کے وقت ہر فرد کا قربانیِ جان و مال کے لئے تیار ہو جانا) جو ہر زندہ قوم میں پائی جاتی ہیں کسی وعظ و نصیحت کا نتیجہ نہیں ہوتیں' نہ اس لئے کہ وہاں کی پولیس زیادہ خبردار ہوتی ہے اور قوم سے نیکیاں بہ جبر اور بہ زورِ شمشیر کرواتی رہتی ہے بلکہ اس لئے کہ قوم کا ہر فرد ان خصوصیتوں کو اپنے گرد کے ماحول سے لیتا ہے اور اسی فضا میں پرورش پاتا جاتا ہے۔ کس طرح یہ خوبیاں پیدا ہوئیں اور کس نے پیدا کیں' کوئی شخص اس پر انگلی نہیں رکھ سکتا' مگر غالب یہ ہے کہ شروع میں چند لوگوں نے اس پر عمل کیا اور دیکھتے دیکھتے سب یکساں ہو گئے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو نیکی یا خوبی موافق ماحول میں پرورش اسی طرح پاتی ہے جس طرح کہ پودا موافق سرزمین میں پھولتا پھلتا ہے۔ نیکیوں یا خوبیوں کے لئے موافق ماحول اس وقت بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کا "نقدا نقد" فائدہ عوام پر ظاہر ہو جائے اگرچہ کوئی نیکی دنیا میں فوری فائدہ نہیں دیتی اور یہ بالعموم گناہ اور بدی کا خاصہ ہے کہ اس کی فوری اجرت یا لذت ذاتی فائدے کی صورت میں گناہ کرنے والے کو مل جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے اسی نکتے کو مدنظر رکھ کر دنیا کے تمام گناہوں کو اعمال عاجلہ (یعنی جلدی اجر دینے والے عمل) اور تمام نیکیوں کو اعمال آخرۃ (یعنی اخیر پر اجر دینے والے عمل کہا ہے)۔

اعمال آخرہ کے لئے زندہ قومیں اس وقت نہایت تندہی سے تیار ہوتی ہیں کہ ان کے اکثر افراد کے سامنے دنیا اور قانون فطرت کے موٹے موٹے اصول کچھ نہ کچھ واضح ہوں۔ ہر شخص پر تھوڑا بہت واضح ہو کہ دنیا میں خوشحالی یا بدحالی کس اصول اور قانون کے ماتحت آتی ہے' ہر شخص کو جو کچھ ملتا ہے اس کے سعی و عمل کے ماتحت ملتا ہے۔ قسمت' صبر اور توکل کے متعلق وہ مہلک تخیل نہ موجود ہوں جو مسلمانوں کے رہبروں نے زوال اسلام کے وقت سے پیدا کئے بلکہ قسمت کے معنی کسی شخص کا جائز حصہ' صبر کا مفہوم کامل استقلال اور توکل کے معنی اپنی انتہائی کوشش کر کے فیصلہ کے لئے خدا کو معاملہ اس حیثیت سے سپرد کر دینا کہ وہ یقیناً ہمارے عمل کا اجر کم نہ دے گا' کر کے اپنی زندگی کو ایک مسلسل تگ و دو کی زندگی بنایا جائے۔ نیکیوں کو کرنے کے لئے ایک عمدہ محرکِ مذہب کی سادہ اور قابل

Marfat.com

فہم تصویر دماغوں میں رکھنا بھی ہے تاکہ ہر شخص کا دماغ اپنے مذہب یا عقائد سے باطنی طور پر باغی نہ ہونے پائے اور اس کو یقین ہو کہ جس شے پر وہ عقیدہ رکھتا ہے وہ ایسی سیدھی اور صاف ہے کہ اس کے متعلق دماغ کسی الجھن میں نہیں پڑتا۔ مذہب کی جس قدر ستھری تصویر ذہنوں میں ہو اسی قدر آمادگی نیکیوں پر بڑھتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی قوموں میں ہیجانِ عمل معمول سے زیادہ اس وقت پیدا ہوا جب کہ پیغمبروں نے اپنا پیغام خود آ کر سیدھی سادھی اور یقین انگیز صورت میں دیا۔ مذہب جب بگڑ جاتے ہیں تو ذہنوں میں پراگندگی کے علاوہ ہاتھوں اور پیروں میں ایک عام جمود کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ قوم ہلاکت کے کنارے آ لگتی ہے۔ اس وقت قوم کو بیدار کرنے کے لئے کسی ایسے باخبر شخص کا آنا لازمی ہو جاتا ہے جو قوم کو نیا نصب العین دے اور نئی راہ پر چلا دے۔ مثال کے طور پر ازمنہ متوسطہ (یعنی مڈل ایجز) میں یورپ میں عقائد اس قدر خراب ہو گئے تھے کہ بات بات پر فالیں نکالی جاتی تھیں اور دو کوؤں کا گھر پر آ کر بیٹھ جانا بھی تمام کنبے کو خوفزدہ کر دیتا تھا۔ ایسی حالت میں مارٹن لوتھر اور فرانس بیکن یورپ میں پیدا ہوئے جنہوں نے عقائد کو زیادہ ستھرا کیا اور ظن و وہم کے بالمقابل علم اور عمل کی راہ پیدا کی۔ یہ دونوں شخص اسلام کی تعلیم سے سخت متاثر تھے اور اسی لئے اصلاح جلد پیدا کر سکے۔ اسی وقت سے یورپ میں نشاۃ ثانیہ شروع ہو گئی اور آج اس کی جو حالت ہے سب پر ظاہر ہے۔

مذہب میں انتہائی بگاڑ پیدا ہو جانے کا ردعمل کئی قوموں میں اس طرح پر ہوا ہے کہ وہ بالآخر "لامذہب" ہو جاتی ہیں اور مزا یہ ہے کہ انکار کی اس انتہائی حد پر آ کر ان میں ایک "نیا مذہب" پیدا ہو جاتا ہے جو اس خراب شدہ مذہب سے بہت زیادہ ستھرا ہوتا ہے۔ اس لامذہب کے نئے مذہب میں صحیفہ فطرت کی کئی سچائیاں خود بخود ذہنوں میں آ جاتی ہیں اور اس قوم کو نہال کر دیتی ہیں۔ لوگ اس بات سے تنگ آ کر کہ خدا کے متعلق خراب شدہ عقیدوں سے کیا جمود' تفرقہ اور تعطل پیدا ہو گیا ہے اور دنیاوی حالت کس قدر خراب ہو چکی ہے' خدا کے مخمصے سے ہی دست بردار ہو جاتے ہیں اور ان تمام چیزوں سے منکر ہو جاتے ہیں جنہوں نے تعطل پیدا کیا ہے۔

انسانی ذہنوں میں اس قسم کی تبدیلی کی ایک تازہ ترین مثال روس کی ہے جس نے خدا کے تخیل کو چھوڑ کر خدا کے قانون کے ایک چھوٹے سے حصے کو پکڑ لیا اور اتحادِ عمل کے زور پر نہ صرف چند برسوں میں ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا بلکہ دنیا کے ایک بڑے حصے کو اس نئے مذہب سے متاثر بھی کر گیا۔ قوموں کی اس طرح کی وقتی زندگیاں بے شک قوموں کو وقتی طور پر ہمیشہ سے اس لئے ابھارتی چلی آئی ہیں کہ قانونِ فطرت ہر قسم کے انسانی اور جذباتی تعصبات سے ہمیشہ سے بے نیاز رہا ہے۔ جس وقت اور جس قوم نے قانون فطرت کی کسی شق کو کسی رنگ میں لیا' فطرت نے بے نیازانہ طور پر اس قوم کو اس عمل کا بدلہ ضرور دیا۔ لیکن انسانی قوموں کی زندگی اور ان کا اس زمین پر خلود ہمہ تن اس پر منحصر نہیں کہ قانون فطرت کی کسی ایک یا زیادہ شقوں کو مشینی اور میکانیکی طور پر لے کر ان پر چندے عمل قائم رکھا جائے' انسانی قوموں میں "انسانیت" کا عنصر ہمیشہ سے قوموں کی ترقی کا ایک موثر عنصر رہا ہے اور جب تک قوم کے افراد کو کسی ایسی ڈگر پر نہ چلایا جائے جو افراد کے ذہن اور قلب کی دائمی تسکین کا باعث نہ ہو جائے' محض قانون فطرت کے کسی حصے کو میکانیکی طور پر چلا دینے سے قوموں میں خلود پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ روس کا پیدا کردہ نظام اپنی بنیادوں سے کھوکھلا ثابت ہو چکا ہے۔ اس میں ستر اسی برس کے اندر اندر ہی بنیادی کمزوری ظاہر ہو گئی اور نظام قائم نہ رہ سکا۔ انسانی قوموں میں انسانی عنصر کو نظرانداز کر دینا فطرت کے عالم آرا نظام کو غلط سمجھنے کے مترادف ہے اور یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں کے لائے ہوئے نظاموں میں باوجود اس کے کہ وہ ہزاروں برس سے چلے آ رہے ہیں ان نظاموں سے جو کم نظر مصلحین نے وقتی طور پر روئے زمین پر پیدا کئے نسبتاً" بہت زیادہ استحکام اور بہت عصبیت اب تک موجود ہے اور دنیا کا ایک سب سے بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ کس طرح مذہب کے پیدا کردہ تعصب یا اس کی پیدا

Marfat.com

کردہ عصبیت کو ہیئتِ انسانی سے دور کر کے کوئی ایسا مشترک مستحکم نظام پیدا کیا جائے جو اس غلط اور فرسودہ عصبیت سے بہتر نظام دنیا میں پیدا کرے اور انسان کو آئے دن کی جنگوں سے نجات دے۔

الغرض اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا میں قوموں کی ترقی کا سب سے بڑا گر افراد کے ذہنوں میں ایک غیر پیچیدہ اور سیدھے سادے دستورالعمل کا ہونا ہے جس کی بنیاد' خدا' مذہب' جماعت' عصبیت اور آخرت کے سیدھے سادے تخیل پر ہو اور اس میں دنیاوی اور دینی' فوری اور اخروی دونوں نفعے موجود ہوں۔ گوشت اور خون سے بنے ہوئے انسان کو چونکہ جسمانی موت سے بالاخر دوچار ہونا ہے اور اس کی فطری پیوستگی اس سے ہے کہ مرنے کے بعد اس کو کیا ہو گا اس لئے فطرت کے خشک اور بے حس قوانین سے اس کا پورا لگاؤ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ اس لگاؤ میں انسانی عقیدت اور امید کی چاشنی ہو۔ یہی وہ بات تھی جس کو اسلام نے بدرجہ اتم قائم کر کے مسلمانوں کی مختصر سی جماعت سے قرنوں تک وہ حیرت انگیز عمل کرائے جس نے اسلام کی ابتدائی تاریخ پر چار چاند لگا دیئے تھے۔

ان نکات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہاں پر انسانی عقیدت مندی کا وہ نقشہ پیش کیا جاتا ہے جو قرآن نے انسان کو اس وقت پیش کیا تھا جب کہ وہ دنیا میں انسان کے لئے آخری کلام بن کر آیا تھا۔ اس نقشہ کے نمایاں خدوخال نے عرب کی قوم میں وہ عزم اور عمل پیدا کر دیا کہ اس کے تگ و دو کی رفتار صدیوں تک نہ تھمی۔ ہر شخص اس سیدھے سادے نقشے سے جو ذہنوں میں تھا پا بہ رکاب ہو گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے بدوؤں کو جو کئی نقاط نظر سے بڑی خوبیوں کے مالک تھے' وہ سیدھا سادا یقین دیا جس کو دلوں میں لے کر وہ روئے زمین کے بڑے بڑے حصے کے مالک بن گئے۔ اس یقین میں پختگی اس لئے تھی کہ وہ پیچیدہ نہ تھا' اس کی بنیاد حق پر تھی' سمع و بصر اس حقیقت کو برائی العین سمجھ سکتے تھے' اس کو دل نشین کرنے کے لئے کسی درس و تدریس کی ضرورت نہ تھی اور سب سے اہم یہ امر کہ اس حقیقت کو ایسی قوم نے قبول کیا تھا جو خود سیدھی سادی زندگی کے عادی تھے اور فطرت کی اپنی سادگی نے ان کے ذہنوں کو پیچیدگی سے پاک صاف کر دیا تھا۔

ادھر قرآن کو چونکہ خدا کا آخری کلام بننا تھا' اس میں بالاخر ایک عالمگیر دستورالعمل بن جانے کی اہلیت ہونی ضروری تھی۔ اس لحاظ سے قرآن کی تعلیم سادہ ہونے کے باوجود انتہائی علم کی حامل روز اول سے رہی اور پہلے دن سے ہی اس نے عرب کے ذہنوں میں وہ حیرت انگیز روشنی پیدا کر دی کہ بے آب و گیاہ صحراؤں میں عمریں گذارنے والے عرب دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنتوں کے کامیاب محافظ بن گئے۔ مدنیت اور تمدن کو بدرجہ اتم قائم کرنے کے لئے وہ روشن حقیقتیں ان کے ذہنوں میں آ کر بس گئیں جن کو زوال یافتہ قوموں کے افراد مدت سے ان کے پیچیدہ ہو جانے کے باعث ذہنوں سے رد کر چکے تھے۔ وہ قرآن کی سادگی اور سادگی کے باوجود اس کی تکمیلیت کو لے کر اٹھے اور چشم زدن میں دنیا کو حیران کر گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس عقیدتمندی کی بنا زیادہ سے زیادہ تین بنیادی چیزوں پر مبنی تھی جس پر قرآن بار بار اپنے اوراق میں زور دے رہا ہے:

(اول) یہ کہ اس کارخانہ فطرت کا بنانے والا یقیناً کوئی وجود ہے جس کے حکم پر یہ تمام نظام چل رہا ہے۔

(دوئم) یہ کہ یہ صحیفہ فطرت اس دنیا میں واحد اور ہر نقطہ نظر سے مکمل حقیقت ہے جو فاطر زمین و آسمان کا واحد اور بے مثال کارنامہ ہے۔

(سوئم) یہ کہ انسان اس کارخانہ فطرت میں واحد ذمہ دار شخصیت ہے جس سے موت کے بعد اس کے سعی و

Marfat.com

عمل کا حساب انفرادی طور پر لیا جانا ہے اور موت سے پہلے اس نے اپنے سعی و عمل کا نقد اجر اجتماعی طور پر بلا کم و کاست ایک اٹل قانون کے مطابق لینا ہے اور اس پر لازم ہے کہ لے کر رہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام کے ابتدائی ماننے والوں میں یہ تین حقیقتیں مستحکم طور پر ذہن نشین ہو چکی تھیں۔ وہ سورج کی طرح ان حقیقتوں پر یقین رکھ کر نکلے تھے اور جب تک یہ حقیقتیں سورج کی طرح واضح رہیں وہ آگے بڑھتے گئے۔ انہی تین حقیقتوں کی بنیادوں پر ان کا تمام اسلام تھا اور انہی تینوں نگاہوں سے وہ باقی قرآن کو دیکھتے تھے۔ ان دنوں میں قرآن کا پڑھنا وڑھنا کچھ نہ تھا۔ نہ مدرسے تھے نہ شرحیں' نہ تفسیریں' نہ ملا' نہ شاعر' نہ کتابیں۔ جوں جوں کارخانۂ فطرت سے انعامات وعدوں کے مطابق ملتے گئے' ان کا عمل تیز ہوتا گیا اور عمل کے ساتھ ساتھ یقین بلکہ علم۔ اس سمع و بصر کے علم نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور علمی ترقیاں معاً" شروع ہو گئیں۔ صحیفہ فطرت کو واحد حقیقت یقین کرنے کے نظریے نے مسلمان کی آنکھیں حیرت انگیز طور پر کھول دیں۔ اگر تہ تک پہنچا جائے تو آج ہر زندہ قوم کے ذہنوں کی گہرائیوں میں یہی تینوں یقین موج زن ہیں۔ اور انہی یقینوں کی پختگی کے تناسب سے قومیں ایک درجے سے دوسرے درجے تک اوپر چڑھ رہی ہیں۔

یقین کی ستھراہٹ' اگر غور سے دیکھا جائے' بینش کے نئے دروازے انسان پر کھول دیتی ہے۔ اس لئے' قرآن حکیم نے انسانی دلوں پر ظنوں اور شکوک کی ہر شق کو صاف اور ستھرا کر دیا تاکہ کسی شے کو تسلیم کرنے میں ذہنی کوفت نہ ہو اور کسی مرحلے پر دین اسلام غلط یا دھوکہ نظر نہ آئے۔ قران حکیم نے اس معاملے میں یہاں تک احتیاط کی کہ عیسائی مذہب کے حضرت عیسیٰ کے متعلق ظنون واہیہ کو درست کیا۔ پہلے صحیفہ ہائے آسمانی کو عیاں طور پر محرف کہا کہ ان کی غلط شدہ تعلیم ذہنوں کو خراب نہ کر دے' آخرت کے متعلق تمام قیاسات کو غلط لکھا اور صاف کہہ دیا کہ اس کا علم صرف خدا کو ہے **قل انما علمها عند ربی** (۱۸۷:۷)۔ انسان کی غیب دانی کو قطعاً" غلط کہا: **قل انما الغیب للہ** (۲۰:۱۰) **ارباب من دون اللہ** جو خلقتِ خدا کو ورغلا کر اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں جہنم کی لکڑیاں کہا وغیرہ وغیرہ۔ الغرض خدا چاہتا تھا کہ اپنے اس آخری کلام میں نہ صرف یہ کہ پہلے پیغمبروں کے محرف شدہ پیغاموں کی وضاحت کر کے انسان کو پھر اپنے اصلی پیغام کی طرف لائے بلکہ اس آخری کلام میں انسان کے ذہنوں میں وہ لازوال ولولہ پیدا کر دے جو ابدالاباد تک اور جب تک یہ زمین و آسمان قائم ہیں' انسان کے لئے سعی و عمل کی ایک مستقل راہ کھول دے اور وہ راہ سیدھی اور بلا روک ٹوک انسان کو خدا تک لے جائے تاکہ اس کائنات کا منشا پورا ہو۔

قرآن حکیم کی تعلیم خصوصاً جو گزشتہ ابواب میں درج ہے' مختصر الفاظ میں عنوانوں کے تحت پھر لکھ دی جاتی ہے تاکہ کم سے کم وقت میں اس کا نچوڑ سامنے آ سکے۔

(ا) دین الحق

(ا) اب جب کہ انسان کی تقسیم نمودار ہو چکی ہے اور اس کی اپنی ضد اور بغاوت سے ہے' ہر صلاحیت پسند امت کا فرض ہے کہ وہ آپس میں داخلی فرقہ بندی پیدا نہ ہونے دے **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا** (۱۰۳:۳)۔ اندرونی طور پر کامل اخوت سے رہے اور باقی سب امتوں پر غالب آنے کی انتہائی سعی کرے۔ اس غلبہ کے لئے پھر قانونِ فطرت پر پورے طور سے کاربند ہونا ضروری ہے اور وہ دین فطرت صرف اسلام ہے جس کے بغیر کوئی دین قابل قبول نہ ہو گا۔ **و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ** (۸۵:۳)

(۲) غلبہ کا احساس دنیا کی ہر قوم میں کم و بیش موجود ہے اور جس قوم میں جس قدر یہ احساس عملاً موجود ہے اسی قدر وہ قوم دین الحق پر ہے جس قوم میں غلبہ کا احساس اور عمل نہیں رہا وہ قوم مایوس ہے اور ازروئے قران کافر ہے **اولئک یئسوا من رحمتی** (۲۳:۲۹)۔ دین الحق دین فطرت اس لئے ہے کہ فطرت برحق ہے' نیز اس لئے کہ دنیا کی ہر زندہ قوم اس پر فطرتاً کاربند ہے۔ سب انبیاء اسی دین الحق کو لائے تاکہ اپنی اپنی قوم کو غالب کر دیں۔ انبیاء کے بعد بھی ہر زندہ قوم غالب ہونے کی دھن میں لگی ہے اور وہ اس غلبہ کو حاصل کرنے کے لئے اپنی اپنی "ہدایت" اپنے اکابرین قوم سے حاصل کرتی رہتی ہے۔ "ہدایت" یا ھدی سے مراد وہ لائحہ عمل ہے جس پر چل کر قومیں باقی تمام اقوام پر غالب آنے کی سعی کر رہی ہیں۔ اس بارے میں ہر قوم کا اپنا اپنا طریقہ اور اپنی اپنی ھدی الگ ہے: **لکل جعلنا منکم شرعتہ و منہاجلا** (۴۸:۵) **ولکل وجھتہ ھو مولیھا** (۱۴۸:۲) لیکن قرآن کا دعویٰ ہے کہ صرف خدا کی دی ہوئی ہدایت صحیح معنوں میں ہدایت ہے اور وہی انسان کو بالآخر سب پر غلبہ دلا سکتی ہے: **قل ان ھدی اللہ ھوالھدے** (۱۲۰:۲' ۷۳:۳' ۷۱:۶)۔ اسی لئے خدا نے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے کی واحد غرض یہ بیان کی کہ اس کی دی ہوئی الھدی باقی سب دینوں پر غالب کر دے: **ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علے الدین کلہ** (۳۳:۹)

(۳) جس قوم کے پاس قرآن کا بتایا ہوا ایمان عملاً ہو گا وہی دنیا میں ہر وقت ہر جگہ غالب ہو گی خواہ وہ قوم لفظی طور پر قرآن کو مانتی ہو یا نہ مانتی ہو۔ اس غلبے کی شدت اسی قدر ہو گی جس قدر کہ ایمان اور عمل صالح کی شدت اس قوم میں باقی ہے یا قائم ہے۔ اس ایمان میں یہودی' نصاریٰ' صابئین' یا کسی دوسری قوم کی تخصیص نہیں۔

(۴) صحیفہ فطرت کے اندر لاتعداد احکام' ہدایات' اشارات ہر اس قوم کے لئے ہیں جو ایمان رکھتی ہے' علم رکھتی ہے' سمع رکھتی ہے' یقین رکھتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ علم کا ماخذ صرف سمع' بصر اور ذہن ہے' جو شے ان سے براہ راست اخذ نہیں ہوتی وہ ظن ہے اور انسان کے لئے ناقابل توجہ۔ انہی احکام' ہدایات اور اشارات میں کسی قوم کی انتہائی مادی ترقی کا راز مضمر ہے اور جو قومیں اس پر کاربند ہیں ان پر فاطرِ زمین و آسمان کا سلام ہے۔

(۵) جو قومیں غالب ہونے کی سعی میں لگی ہیں اور ایمان اور عمل صالح کی خصوصیتیں اپنے اندر بدرجہ اتم رکھتی ہیں ان کے لئے زمین کی بادشاہت جب تک زمین اور آسمان قائم ہیں' وقف ہے۔ صرف خدا کی ملازم صالح العمل قومیں زمین کی وارث ہو سکتی ہیں اور ہر ملازمِ خدا قوم کے لئے یہ بہت بڑا پیغام ہے: **ان فی ھذا البلغا لقوم عابدین**○ (۱۰۶:۲۱)

(۲) ھدے کا داخلی لائحہ عمل

(٦) قوم کو اجتماعی طور پر غالب کرنے کے لئے فطرت کے حسب ذیل دس اصول پر انتہائی عمل لازمی ہے (۱) عملی طور پر خدا کے حکموں کا ماننا (خواہ وہ حکم الکتب کے ہوں یا صحیفہ فطرت سے اخذ ہوں) اور فرمانبرداری میں کسی دوسرے حاکم (مثلاً نفس یا ذاتی خواہشات کے دیگر بت) کو شریک نہ کرنا (۲) قوم کا داخلی اتحاد (۳) اپنے امیر کی (جو باہمی مشورے سے کام کرے) کامل اطاعت (۴) وقت پر تلوار سے جہاد (۵) وقت پر مال سے جہاد (٦) ضرورت کے وقت ترک وطن اور ترک لذات (۷) صبر اور استقلال سے ہر کام کو تکمیل تک پہنچانا (۸) صحیفہ فطرت سے انتہائی علم حاصل کرتے رہنا (۹) مکارم اخلاق کا بدرجہ اتم حاصل ہونا (۱۰) آخرت پر ایمان رکھنا۔ جو قوم جس شدت سے ان فطری اصولوں پر عامل رہے گی' اسی شدت سے اس کا استحکام زمین پر ہو گا۔

Marfat.com

(۷) قوموں کو غلبے کا لائحہ عمل دینے سے غرض یہ ہے کہ **دین الحق** (جس کا دوسرا نام دین اسلام ہے) بنی نوع انسان پر دین فطرت ثابت ہو جائے تاکہ اس قوم کے غالب ہو جانے سے بنی نوع انسان میں وہ اتحاد پھر ہو جائے جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا تھا۔ پھر اس اتحاد کے بعد فطرت کو پیدا کرنے کا مقصد (یعنی لقائے رب کا مرحلہ) پورا ہو۔ اسی مقصد کے لئے اسلام نے سب اہل کتاب کو **تعالوا الی کلمتہ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ** (۶۴:۳) کی دعوت دی تھی یعنی "اے خدا کی بھیجی ہوئی کتابوں والو! اس مشترک بات پر تو آ جاؤ جو تمہارے ہمارے درمیان برابر ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی دوسرے حاکم کے ملازم نہ بنیں گے۔ جب تک مسلمان سب پر چھاتے گئے ان کا مقصد "مسلم" بن کر سب کو ایک کرنا تھا۔ بعد میں وہ بے شمار فرقوں میں بٹ کر ایمان و اتحاد کی نعمتوں سے محروم ہو گئے۔

(۳) ھدے کا عالمی لائحہ عمل

(۸) جو قوم باقی سب قوموں پر غالب آ کر رہے گی، وہ نری خونخوار قوم نہ ہو گی جو (مثلاً امریکہ یا روس کی طرح) باشندگان زمین کو (ایٹم بم وغیرہ سے) تہس نہس کر کے صرف اپنی چھوٹی سی قوم کا اقتدار قائم کرے گی اور پھر اقتدار قائم کرنے کے بعد اس وسیع اور ویران زمین میں "یوسف بے کارواں" ہو کر پھرے گی، بلکہ اس قوم میں دین فطرت (یعنی دین اسلام) بدرجہ اتم موجود ہو گا، اور ان سب خوبیوں کی مالک ہو گی جو خدا کسی "مسلم" قوم سے چاہتا ہے۔ غلبہ اگرچہ انفرادی طور پر ایک قوم کا دوسری قوم پر اکثر مقامی طور پر ہوتا رہتا ہے لیکن عالمگیر اور دائمی غلبہ صرف مکمل ایمان والی قوم کا باقی رہ سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر اس قوم کا جو ایمان اور اعمال صالح کی قوتوں کو اپنے اندر برقرار رکھنے کی سعی کرتی رہے: **انتم الاعلون ان کنتم مومنین**○ (۱۳۹:۳) ایمان والی قوم کا یہ ہر نوع سب پر غالب آ جانا سنتِ خدا (یعنی قانونِ فطرت) ہے۔ جس میں رد و بدل ممکن نہیں: **و لو قاتلکم الذین کفروا لو لوا الادبار ثم لا یجدون ولیا و لا نصیرا ○ سنتہ اللہ التی قد خلت من قبل ج ولن تجد لسنتہ اللہ تبدیلا** (۲۳:۴۸)

(۴) عالمی اخوت (نسلی تفریق کا حل)

(۹) عالمگیر غلبہ حاصل کرنے والی قوم میں سب سے پہلے یہ یقین ہونا لازم ہے کہ تمام بنی نوع انسان ایک نسل سے ہیں، وہ ایک ماں اور ایک باپ سے پیدا ہوئے اور اگر سطح زمین جغرافیائی یا اجتماعی لحاظ سے گروہوں میں بٹی ہوئی ہے تو صرف باہمی تعارف کے لئے: **یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم** (۱۳:۴۹)۔ جس قوم میں گورے اور کالے، مشرق اور مغرب، جرمن، عربی، عجمی ہونے کا تعصب باقی ہے اس کا کسی بڑی مدت تک عالمگیر غلبہ حاصل کر لینا محال ہے۔ قومی تعصبات اور صوبائی یا لسانی بنیادوں پر قوم کی اندرونی تقسیم کا تو ازروئے قرآن سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۱۰) روئے زمین پر غلبہ کے لئے لازم ہے کہ جو قوم اس کی مدعی ہے وہ روئے زمین کے تمام انسانوں کے ساتھ بلا لحاظ رنگ و نسل اخوت کے جذبات اپنے دلوں میں موجزن رکھے اور ان قوموں کو جو مغلوب ہو جائیں غلبہ تسلیم کر لینے کے بعد اپنی وسیع اخوت کے دائرے میں شامل کرے حتیٰ کہ ان کو اپنے اندر جذب کر لے و **ان تخالطو ھم فاخوانکم** (۲۲۰:۲)۔ مخالف قوم اگر غالب قوم کے

Marfat.com

ظاہری شعائر اختیار کر لے تو ان کو اپنا بھائی عملاً بنا لینا غلبہ کے لئے لازی ہے: **فان تابوا و اقاموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ فاخوانکم فی الدین ط و نفصل الایت لقوم یعلمون** (۹:۱۱) قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ یہ نکتہ اس قدر عظیم الحکمت ہے کہ صرف صاحب علم قوم اس کے علم تک پہنچ سکتی ہے۔

(۱۱) عالمگیر غلبے کے لئے لازم ہے کہ وہ قوم قانونِ فطرت کے منکروں پر انتہائی طور پر سخت اور آپس میں انتہائی طور پر رحم دل ہو۔ **اشداء علی الکفار رحماء بینھم** (۴۸:۲۹)۔ مخالف پر سختی اس پختہ عزم سے ہو کہ فطرت کا منشا بہرحال پورا ہو کر رہے اور ایک دشمن بھی روئے زمین پر باقی نہ رہے: **حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ** (۸:۳۹) منکرین اور منافقین کے خلاف تلوار کی لڑائی انتہائی شدید ہو۔ **یایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین و اغلظ علیھم** (۹:۷۳)۔ جنگی ہتھیاروں سے پوری تیاری دشمنوں کے خلاف کی جائے کہ یہ لوگ صرف قوم کے دشمن ہی نہیں بلکہ خدا کے دشمن اس لئے ہیں کہ انسان کے ایک امت ہونے کے خدائی مقصد کو پورا ہونے نہیں دیتے۔ **و اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدواللہ و عدوکم** (۸:۶۰)۔ آپس میں اخوت اس انتہائی درجہ کی ہو کہ اس کو ایمان اور عمل صالح کی بنیاد قرار دی جائے: **انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون○** (۴۹:۱۰)

(۱۲) غلبہ کی مدعی قوم کے لئے عالمی اخوت اور وفاداری قائم رکھنے کے لئے انتہائی طور پر لازم ہے کہ اس کی اخوت گھر سے شروع ہو، ایمانداری، سچائی، رحم، عدل، محبت الغرض سب مکارم اخلاق اس حد تک ہوں کہ دوسری قومیں ان کی نکوکاری اور راست روی سے متاثر ہو کر ان میں جوق در جوق شامل ہونے کے جذبات قائم کریں۔ **لیکون الرسول شھیدا علیکم و تکونوا شھدا علی الناس** (۲۲:۷۸)

(۵) (الف) مالی تفریق کا حل

(۱۳) کسی وسیع اور روز افزوں جماعت میں جو عالمگیر ہونے کے درپے ہو کر دائی اور اور تمامی غلبہ چاہتی ہے، داخلی اخوت قائم نہیں رہ سکتی جب تک کہ دولت کی تقسیم ناہموار ہو اور امیر و غریب کا فرق نمایاں رہے۔ اس نقطہ نظر سے اس قوم میں دولت کی ہموار تقسیم کا وہ بے پناہ نظام قائم ہونا لازی ہے جو جمع شدہ دولت کو کسی ایک شخص کے پاس رہنے نہ دے۔ حکومتِ وقت دولت کے ایک مستقل حصے کو ہر دم لیتی رہے اور اس کو لے کر کم دولت اشخاص کی بہبودی پر سرکاری طور پر اور خیرات کا احساس دیئے بغیر صرف کرتی جائے۔ **والعاملین علیھا** (۹:۶۰)۔ اسی لحاظ سے قرآن عظیم نے کہہ دیا کہ زکوۃ نہ دینے والے وہ انتہائی طور اپنی خواہشات نفسانی کو خدا بنا کر خدا کے احکام کو رد کرنے والے مشرک ہیں جو قوم کے انجام بد سے بے خبر ہیں۔ **و ویل للمشرکین الذین لا یوتون الزکوۃ و ھم بالاخرۃ ھم کافرون○** (۴۱:۶تا۷) اور دوسری جگہ کہا کہ سونے چاندی جمع کرنے والوں کو جہنم کی آگ ہے: **والذین یکنزون الذھب والفضۃ و لا ینفقو نھا فی سبیل اللہ فبشر ھم بعذاب الیم○** (۹:۳۴)۔ قرآن حکیم کا منشا صاف تھا کہ تمام دولت کی امیر و غریب میں مساوی تقسیم ہو۔ **واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق ج فما الذین فضلوا برادی رزقھم علی ما ملکت ایمانھم فھم فیہ سواء افبنعمۃ اللہ یجحدون○** (۱۶:۷۱) **ھل لکم مما ملکت ایمانکم من شرکاء فی ما رزقنکم فانتم فیہ سواء... کذالک نفصل الایت لقوم یعقلون○** (۳۰:۲۸) اور مزا یہ ہے کہ جتلا دیا کہ یہ نکتہ وہی قوم سمجھ سکتی ہے جو عقلمند ہو۔ ادھر دوسری جگہ انفاق مال کے متعلق قصہ ہی ختم کر دیا

Marfat.com

کہ جو کچھ تمہارے پاس بچ گیا ہے (حکومت کو) دے دو۔ یسئلونک ماذا ینفقون۔ قل العفوط (۲:۲۱۹) گویا زکوٰۃ کی چالیسویں حصہ کی حد بھی اسلام میں نہیں۔ دنیا میں اگر جماعت کو عالمگیر طور پر غالب کرنا ہے تو اسلام کے نزدیک سرمایہ داری سرے سے ختم ہونی چاہئے بلکہ اسلام ربا (یعنی بے اندازہ سود) کو بھی حرام قرار دیتا ہے تاکہ دولت بے حساب بڑھنے نہ پائے۔ حرم (اللہ) الربوا (۲:۲۷۵)

(۵) (ب) مالی تفریق کا حل

(فردی مساوات کے لئے الصلوۃ کا عمل)

(۱۴) (ا) ایک وسیع اور عالمگیر امت میں جس میں ہر قوم اور ہر ملک کے لوگ شامل ہوں' جو سطح ارض کے ہر براعظم پر اپنی اخوت اور مساوات کے باعث پھیل رہی ہو اور تمام دنیا پر چھا جانا اس کا منتہائے نظر ہو' امیر اور غریب کا سوال اس قدر ٹیڑھا ہے کہ نرے زکوٰۃ کا محصول لگا دینے سے اس کا پورا علاج نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ دینے والا جب تک صاحب نصاب ہے نمایاں طور پر شوکت اور جلال کا مالک ہے' اس کے محل اونچے ہی رہیں گے' اس کی ذاتی شان اس کی کمائی ہوئی دولت سے عیاں ہے' حکومت اگرچہ امیر اور غریب کا فرق کم کرنے کے لئے اس کی دولت کا ایک حصہ اس سے نامحسوس طور پر لے لے گی' مگر کوئی طاقت اس کو منع نہیں کر سکتی کہ اس کی جائز کمائی سے جس قدر وہ چاہے اپنے پر خرچ نہ کرے۔ چونکہ زکوٰۃ صرف بچت پر ہے یا "کم سے کم العفو" یعنی بچت کو دے دینا ہے اس لئے وہ اگر چاہے تو اپنی کمائی سے سونے کے محل بنا سکتا ہے اور کوئی شخص انصافاً اس کو مطعون نہیں کر سکتا کہ تو غرباء کے بالمقابل کیوں زیادہ شان سے رہتا ہے۔ حقِ ملکیت کا ہونا انسان کا وہ پہلا اور ابتدائی حق ہے جس کے بغیر انسان انسان نہیں رہ سکتا۔ زکوٰۃ کے عدیم المثال نظام میں خوبی یہ ہے کہ وہ کسی شخص کے حقِ ملکیت کو نہیں چھیڑتی' مالک کو پورا حق دیتی ہے کہ وہ (جائز اور مناسب حدود کے اندر) جو زیب و زینت اپنے لئے چاہتا ہے کھلے طور پر لے: **قل من حرم زینتہ اللہ التی اخرج لعبادہٖ والطیبت من الرزقط قل ھی للذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا خالصتہ یوم القیامتہط کذالک نفصل الایت لقوم یعلمونo قل انما حرم ربی الفواحش ماظھر منھا و ما بطن والاثم والبغی بغیر الحق و ان تشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا و ان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمونo و لکل امتہ اجل فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعتہ و لا یستقدمونo** (۷:۳۲۔۳۴)۔ قابل غور امر یہ ہے کہ زینتوں کے حلال ہونے کی حکمت کے متعلق خدا کے کلام نے عیاں طور پر جتلا دیا ہے کہ صرف صاحبِ علم قوم اس حکمت کی تفصیل تک پہنچ سکتی ہے اور وہی سمجھ سکتی ہے کہ قوموں کی اس دنیا میں قائم رہنے کی مدت کب ختم ہو جاتی ہے۔ صاف کہہ دیا کہ صرف فواحش یعنی کھلی یا خفیہ بدکاری حرام ہے باقی تمام دنیا کی زینتیں اور آرائشیں خواہ وہ کسی قسم کی ہوں پورے طور پر حلال ہیں بلکہ ایمان والوں کے لئے جو دنیا میں عالمگیر غلبہ چاہتے ہیں' یہ دنیاوی زینتیں تا روز قیامت خاص طور پر وقف ہیں۔ اسلام کے نزدیک قوم کے کثیر افراد جب تک انتہائی جاہ و جلال سے نہ رہیں وہ دوسروں پر کیا رعب ڈال سکتے ہیں۔ آج کل کا زوال شدہ مسلمان بے چارہ کیا جانے کہ اسلام کا حلال کیا اور حرام کیا ہے۔ وہ چیتھڑوں اور جوؤں میں رہتا ہے اور ادھر اس کے "دینی امام" سب حرکت چھوڑ کر باسی روٹیوں پر پل رہے ہیں' وہ کیوں نہ کہیں کہ ریشم پہننا حرام ہے' دنیا مردار ہے۔ انگور کے گچھوں تک نہ پہنچنے والی لومڑی ہمیشہ سے یہی کہتی چلی آئی ہے کہ انگور کھٹے ہیں۔ اسی اوپر والی سورۂ اعراف کی آیتوں کے عین پہلے تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے قرآن عظیم نے کہا تھا: **یا بنی ادم خذوا زینتکم عند کلِ مسجد و کلوا**

Marfat.com

واشربوا و لا تسرفوا ج انه لا یحب المسرفین○ (۷:۳۱)

(۲) الغرض زکوٰۃ کے عمل سے (خواہ چالیس برس کے اندر اندر حکومت ہر صاحب نصاب شخص سے اس کی پوری بچت نا محسوس طور پر لے لے) امیر اور غریب کا فرق صرف ایک حد تک کم ہو جاتا ہے' مٹتا نہیں۔ نہ اسلام کسی کے حق ملکیت پر قبضہ کرنے کے حق میں ہے۔ یہی وہ اصولی فرق اسلام اور کیمونزم میں ہے جس کے باعث کیمونزم اسلام کی گرد تک نہیں پہنچ سکتا اور جس میں کیمونزم کی جلد از جلد موت ہے بلکہ اس کی موت شروع ہو چکی ہے اور وہ چند اوپر کے آدمیوں کا غنڈہ پن' بلکہ یورپ اور امریکہ سے بڑھ کر بڑے پیمانہ پر سرمایہ داری کا ایک مکرو فریب بن کر رہ چکا ہے۔ کیمونزم دین اسلام کی ایک انتہائی مسخ شدہ صورت ہے اور اس کی لازوال حکمت کا ایک چھوٹا سا فقرہ' اس سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں۔

(۳) ان حالات میں کہ امیر اور غریب کا فرق ان عنوانوں سے جو بیان ہوئے مٹ نہیں سکتا اور نہ امیر اور غریب کے فرق کو مٹا کر تمام انسانوں کو مشین کی طرح ایک ہی سانچے میں ڈھلی ہوئی مورتیں بنا دینا کسی عنوان سے انسانی معاشرت کے مسئلے کو حل کر سکتا ہے (بلکہ تمام انسانوں کو ایک ہی حیثیت کے بنا دینا' ان کے مکانات اور طرز رہائش کو یکساں کر دینا' ان کو جبراً مزدور بنا دینا' مختلف نوعیت کے دماغوں میں کوئی فرق نہ کرنا' بہتر سے بہتر ذہن اور خوبی کے مالک انسان کو ادنیٰ سے ادنیٰ جاہلِ مطلق انسان کے برابر کر دینا جیساکہ کیمونزم میں ہے' انسانی معاشرت کے فطری تنوع اور رنگا رنگ ہونے کی فطری دلاویزی کے لئے زہر قاتل ہے اور انسان کو طبعاً" مرغوب نہیں) اس لئے اسلام نے دولت اور سرمایہ داری کی تیز دھار کی حدت کو کم کرنے کے لئے وہ موثر علاج تجویز کیا جو دنیا کی تمام سیاست کی ناف ہے اور جس کی حکمت تک دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی بیدار قوم اب تک نہیں پہنچ سکی۔ وہ سیاست یہ ہے کہ' عالمگیر غلبہ چاہنے والی قوم کا ہر فرد خواہ وہ امیر ہو یا غریب' بادشاہ ہو یا رعیت' دن میں ایک دفعہ نہیں پانچ دفعہ' ایک قطار میں کھڑا ہو کر فاطرِ زمین و آسمان کے' آگے' ایک مجاہد انسان کی قیادت میں اپنا ماتھا زمین پر رگڑے تاکہ امیر کی سب اکڑ دن میں پانچ دفعہ نکلتی رہے اور غریب کو حوصلہ ہو کہ امیر بھی اسی قطار میں کھڑا ہے۔ یہ اس لئے کہ امیر کا جمع کردہ سرمایہ انسانی ہیئت اجتماعی میں خواہ وہ زمین کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیلی ہوئی ہو' کوئی غیر معمولی خلل پیدا نہ کر سکے۔ آج کل کے یورپی اور امریکی سرمایہ دار اس قدر خونخوار انسان ہیں کہ وہ اپنے نفع کی خاطر ہر بیس پچیس سال کے بعد اپنے سرمایہ کے زور سے سیاسی حاکموں پر بے پناہ دباؤ ڈال کر عالمگیر جنگیں چھیڑ دیتے ہیں تاکہ لامحالہ ان کے نجی کارخانوں میں کام کثرت سے ہو اور وہ اربہا روپیہ کما سکیں۔ یہ سب اس لئے کہ ان کو ایک دو کروڑ انسانوں کے ہر لڑائی میں قتل ہو جانے کی کچھ پرواہ نہیں رہی اور وہ اپنی دولت کے بالمقابل انسانی جان کو کوئی قیمت نہیں دیتے۔ برعکس اس کے قرآن حکیم نے خدا کے بندوں کی تعریف یہ کی کہ رحمان کے بندے وہ ہیں جو اس زمین پر دھیمے دھیمے چلتے ہیں اور جب ناواقف انسان بھی ان کے سامنے آ جاتے ہیں تو سلام کرتے ہوئے جھک جاتے ہیں: **و عباد الرحمن الذین یمشون علی الارض هونا و اذا خاطبهم الجهلون قالوا سلما○ والذین یبیتون لربهم سجدا و قیاما○ والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جهنم ان عذابها کان غراما○ انها سائت مستقرا و مقاما○ والذین اذا انفقوا لم یسرفوا و لم یقتروا و کان بین ذالک قواما○** (۲۵:۶۳-۶۷) وغیرہ وغیرہ۔

(۴) الغرض سرمایہ کے پیدا کردہ کبر و غرور کو توڑ کر انسانوں میں اخوت کا جذبہ قائم کرنیوالی شے الزکوۃ کے علاوہ الصلوۃ بھی ہے جس کو دین اسلام نے انسان کی ذہنی تفریق کو مٹانے کے لئے جاری کیا تھا۔ اسی نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر کہا کہ اگر وہ لوگ جن کے ساتھ تمہاری جنگ و جدال بھی ہے پشیمان ہو کر زکوۃ دینے پر آمادہ ہو جائیں اور تمہارے ساتھ ایک صف میں کھڑے ہو کر الصلوۃ کو ادا

Marfat.com

کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ پھر کہا کہ یہ باریک نکتہ کہ الصلوۃ اور الزکوۃ سے کیونکر اخوت پیدا ہو جاتی ہے صرف وہی قوم سمجھ سکتی ہے جو صاحب علم ہو: **فان تابوا واقاموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ فاخوانکم فی الدین ط نفصل الایات لقوم یعلمون ○** (۹:۱۱)۔ الغرض یہی وہ **الصلوۃ** تھی جو قرون اولیٰ کے تقدم انگیز اور ہیجان خیز وقتوں میں اس طرح کی بے معنی اور بے نتیجہ نہ تھی جس بے معنی پن سے وہ آج چل رہی ہے اور بجائے **تنهی عن الفحشاء والمنکر** ہونے کے کبر و نخوت' معائب اخلاق' اور مکر و نفاق کی بدیاں پیدا کر رہی ہے۔ انسان کی ہیئت اجتماعی میں امیر و غریب کو ہر دم مساوی کرنے کا یہ عجیب و غریب نسخہ جو مرورِ مدت اور بے علم لوگوں کی ناشناسی کے باعث بیکار ہو کر رہ گیا ہے وہ نسخہ ہے جس کے بغیر امیر اور غریب کا فرق کسی عنوان سے دنیا میں مٹ نہیں سکتا اور جب تک کسی صاحبِ علم شخص کا بے پناہ علم اور محبت حضرت عمرؓ والے درے سے اس کو پھر درست نہ کرے' یہ نسخہ انسان کے حق میں کیمیا نہیں ہو سکتا۔ علامہ "حریم غیب" میں لکھتے ہیں :-

"ہے مری نگہ کہ دین اب وہ خراب ہو چکا ہے
کہ خدا تجھی ملے گا کہ رب حرم بدل دو!"

الغرض دین اسلام کی **الصلوۃ** اور قرآن کے بے پناہ حکم: **ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا ○** (۴:۳۶) **واللہ لا یحب کل مختال فخور ○** (۵۷:۲۳) کہ خدا مغرور اور اکڑبازوں کو پسند نہیں کرتا' بے شک ان زمانوں میں کہ دین اسلام عالمگیر ہو رہا تھا اور ایک ملک کے بعد دوسرا ملک' پے در پے مسلمانوں کے ہاتھوں میں آ رہے تھے' سرمایہ داری کی تیز دھار کو اس قدر کند کر دیا تھا کہ خواجہ اور بندہ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے بلکہ اسوۂ عمرؓ کی تقلید میں غلام اور آقا باری باری سواری اس وقت کیا کرتے تھے کہ بقول ابن بطوطہ "بغداد کے دریبہ کے بازار میں ایک عورت کی ہیروں کی دکان میں نو کروڑ روپے کا مال ہوتا تھا۔" لیکن وہ وقت **نور** اور علم کا تھا۔ اس وقت دین اسلام کا ہر نام لیوا صحیح معنوں میں **عالم** اور محمدؐ کی امت کا ہر **عالم** ایک روایت کے مطابق **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل**' بنی اسرائیل کے نبیوں کے برابر علم رکھتا تھا اور **الصلوۃ** کی ربانی حکمت دلوں پر چھا گئی تھی۔ وہ وہ وقت تھا کہ قرآن عظیم نے پکار پکار کر کہہ دیا کہ اے مسلمانو! اگر تم عالم آراء امت بننا چاہتے ہو تو جان لو کہ مومن فلاح پا گئے اور مومن وہ ہیں جو اپنی نماز میں خشوع و خضوع' عجز و نیاز کے کرشمے ظاہر کر کے اس امت کو بے پناہ طور پر مضبوط بنا رہے ہیں: **قد افلح المومنون ○ الذین هم فی صلاتهم خاشعون ○ والذین هم عن اللغو معرضون ○ والذین هم للزکوۃ فاعلون ○ والذین هم لفروجهم حافظون ○ الاعلی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین ○ فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک هم العادون ○ والذین هم لاماناتهم و عهدهم راعون ○ والذین هم علی صلوتهم یحافظون ○ اولئک هم الوارثون ○ الذین یرثون الفردوس ط هم فیها خالدون ○** (۲۳:۱-۱۱)

وہ وقت وارثین زمین بننے کا تھا' عالمگیر امت ہونے کا تھا' قوموں کی قوموں کو اپنی محبت اور انکساری' اور سب کو "خدا کے بندے" ہونے کی لپیٹ میں لینے کا تھا' اس لئے وہ نماز ہی کچھ اور تھی' اس کی ادا کچھ اور تھی' اس کا منشا کچھ اور تھا' ہر شخص نماز میں صحیفہ فطرت کے اس بلند مقصد کو زمین سے بلند ہو کر دیکھ رہا تھا' خدا سے قریب تر ہو کر دیکھ رہا تھا' خدا کے مقصد کو خدا کے پاس بیٹھ کر دیکھ رہا تھا' دیکھ رہا تھا کہ حسن کردار' مکارم اخلاق' عجز و انکسار' غریب اور امیر کے فرق مٹا دینے کے بغیر' نہیں اس زمین کی مٹی پر ماتھا ٹیکنے اور دن میں بار بار اس نفس کے غرور کو دل سے نکالنے کے بعد کوئی قوم عالمگیر غلبہ حاصل نہیں کر سکتی۔ انگریز ہندوستان میں تجارت کرنے آئے اور فاتح بن گئے' کس زور شور سے انہوں نے ہندوستان کو فتح کیا تھا' کس زور شور سے خدا نے مسلمانوں کو جب وہ نااہل

ہوتے گئے' کان سے پکڑ پکڑ کر نکالا' کس زور شور سے انگریز ان دنوں انتہائی خشوع و خضوع سے گرجاؤں میں جا کر خدا کے آگے جھکا کرتے تھے اور جو شخص ذرا سی زیادہ شراب پی لیتا تھا' اس کو گھٹنوں تک درخت کے ساتھ رسوں سے باندھ دیا کرتے تھے' جو زنا کرتا تھا' اس کو سخت ترین سزائیں دیتے تھے' وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب انگریزوں نے بادشاہت کے غرور میں آ کر ہندوستانیوں سے الگ بنگلوں میں رہنا شروع کیا' ان کو نفرت کی نظر سے دیکھ کر اپنے سے حقیر سمجھنے لگے تو خدا نے کس سرعت سے سو برس کے اندر اندر ان کو اس سرزمین سے نکال باہر کیا۔ تم طنزاً کہو گے کہ ان کی جگہ اب ہمارے پاکستانی حاکم آئے ہیں اور "خدا ان کے کردار سے بھی خوش ہے؟" یہ آگے چل کر فیصلہ ہو گا کہ خدا ان کی بدکرداری پر خوش ہے یا ان کو اولی باس شدید بنا کر تمہیں سزائیں دے رہا ہے اور سب کے لئے جہنم تیار کر رہا ہے لیکن بہرنوع ایک بات صاف ظاہر ہے کہ انگریز سو برس بھی نہ رہ سکے اور مغلیہ بادشاہوں نے انہی مفسد اور فتنہ پرداز چالیس کروڑ ہندوؤں پر قریباً چار سو برس حکومت ایسے طریقے پر کی کہ ہندوؤں کی ایک مخالف جماعت بھی کانگریس کی قسم کی پیدا نہ ہو سکی۔ مسلمانوں نے بادشاہ ہو کر ہندوؤں کے دوش بدوش انہی محلوں میں رہنا گوارا کیا جن میں وہ رہتے تھے' ان کی عورتوں سے شادیاں تک کیں' لکم دینکم ولی دین کے قرآنی اصول پر چل کر ان کے مذہب کو نہ چھیڑا۔ ان کی بودیاں اور دھوتیاں برقرار رکھ کر دس کروڑ مسلمان یہاں پیدا کر لئے۔ یہ اسی انکساری اور "نماز" کی برکت تھی کہ مسلمانوں کو ہندوستان کا فردوس ملا تھا: الذین یرثون الفردوس (۲۳:۱۱) اور اسی نماز کو بھول جانے کی وجہ سے وہ اس سرزمین سے نکال دیئے گئے اور اب ان کے لئے چیتھڑے اور جوئیں' بیماریاں اور آہیں' ظالم حکمران اور قتل عام' بھوک اور ننگ' سیلاب اور کربلا کے میدان ہیں' مسلمان کو اب بھی اس تمام سزا کے بعد جو صدیوں سے مل رہی ہے گنجائش ہے کہ وہ کم از کم یہ تو سوچے کہ قرآن کی اصلی تعلیم کیا تھی؟ اور یہ کہ زمین کا کچھ حصہ جو ان کے قبضہ میں ہے وہ اتحاد' قوت اور عمدہ اخلاق و کردار کی بنیاد پر ہی قائم رکھا جا سکتا ہے۔

(۶) عقائدی تفریق کا حل

(عام رواداری اور تالیف قلوب)

(۱۵) غریب اور امیر کے فرق کو حتی الوسع مٹانے کے بعد عالمگیر غلبہ والی قوم کے لئے سب سے بڑا مسئلہ مفتوح قوموں سے کامل رواداری کا مسئلہ ہے۔ عالمگیر امت بننے کا دعویٰ کرنے والی قومیں نری تلواروں سے ملکوں کو فتح نہیں کرتیں' خدا کی بنائی ہوئی اس کائنات میں صحیفہ فطرت کی نری "قانونی اور خشک آیتیں" اور احکام مثلاً "خوب زور آور بنو" "ہتھیار بناؤ" "بے پناہ قتل کر کے سب کو ختم کر دو" وغیرہ وغیرہ کام نہیں آتیں۔ ہلاکو اور چنگیز نے بے پناہ قتل عام کیا مگر عالمگیر نہ بن سکے' اس حساب سے فطرت کے نرے خشک احکام ہر جگہ کام نہیں آ سکتے کیونکہ فطرت سے اخذ کئے ہوئے احکام تمام کائنات کی مخلوق کے لئے عام ہیں اور ان میں انسان کے مخصوص اور لطیف جذبوں کا عنصر موجود نہیں۔ یہ شے صرف وہ رحمان و رحیم خدا وحی کی ھدی کے ذریعے سے دے سکتا ہے' یا انسان کو صدیوں کے تجربہ اور علم سے حاصل ہو سکتی ہے' یا خدا اور انسان کو پہچاننے والے انسانوں کے ذریعے سے ہی مل سکتی ہے۔ عالمگیر قوم ہونے کے لئے روادار ہونا انتہائی طور پر لازمی ہے۔ قرآن عظیم نے باقی اقوام کے ساتھ اس قدر رواداری اختیار کرنے کا حکم دیا کہ ہر قوم کے عبادت خانوں کے متعلق اقرار کیا کہ ان میں خدا کا ذکر کیا جاتا ہے اور منع کیا کہ ان کو ایک دوسرے پر فتح حاصل کرنے کی

Marfat.com

کشمکش میں گرایا جائے: **الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ و لو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع**
و بیع و صلوت و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا و لینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز○ (۲۲:۴۰)۔ یہ حکمت کہ کن
ہتھیاروں سے ایک امت عالمگیر امت ہو سکے اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ انسان کو دوسری قوموں کے بارے میں وہی فراخ دلی
اور وسیع النظری حاصل ہو جس کی تلقین قرآن عظیم نے کی۔ قران نے صاف اقرار کیا کہ صومعوں اور گرجاؤں میں بھی خدا ہی پکارا جاتا
ہے۔ قرآن نے زکوٰۃ کا ایک اہم حصہ دوسری قوموں سے تالیف قلوب کے لئے وقف کر دیا۔ **والمولفۃ قلوبھم** (۹:۶۰) واضح حکم دیا کہ
دوسری قوموں کے بتوں کو بھی گالی نہ دو کہ وہ تمہارے خدا کو گالی نہ دیں: **و لا تسبوالذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر**
علم (۶:۱۰۹) ضدی قوموں کو جو باوجود تمام رواداری کے عالمگیر اخوت میں شامل نہیں ہوتیں کہلوایا کہ تم ہماری طرف تو نہیں آتے' نہ
آؤ لیکن ہمارے تم سے مل جانے کی امید بھی چھوڑ دو۔ البتہ ہم تمہارے دین کو نہیں چھیڑیں گے: **لکم دینکم ولی دین** (۱۰۹:۱)

(۲) اس سے بڑھ کر جو عظیم الشان رواداری دین اسلام نے انسان کو عالمگیر غلبہ حاصل کرانے اور فطرت کا منشا پورا کرنے کے
لئے دی یہ تھی کہ علی الاعلان کہہ دیا کہ تمام انبیا ایک ہی پیغام لائے' وہ سب کے سب خدا کی طرف سے تھے۔ ہر فرقہ میں خدا کا کوئی
نہ کوئی پیغمبر آیا' ہر امت میں کوئی نہ کوئی نذیر خدا کی طرف سے پہنچا' سب پیغمبروں کی شان یکساں تھی' جو لوگ ایک پیغمبر اور دوسرے
پیغمبر کے درمیان فرق کرتے ہیں وہ گویا خدا اور پیغمبروں کے درمیان پھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں اور وہی دنیا میں سچے کافر ہیں: **اولئک ھم**
الکافرون حقا (۴:۱۵۱)۔ دین فطرت کی یہ بے مثال رواداری باوجود اس کے تھی کہ آج کسی ایک مذہب اور دوسرے مذہب میں ظاہری
طور پر کوئی یکسانیت نظر نہیں آتی۔ ایک مذہب نے خدا کا بیٹا بنایا ہوا ہے' دوسرا درختوں اور دریاؤں کو پوج رہا ہے' کسی نے پتھر کے بت
بنائے ہوئے ہیں' وغیرہ وغیرہ۔ اسلام کی غرض یہ تھی کہ انسان جیسی خودسر مخلوق میں کم سے کم ٹکراؤ پیدا ہو اور اس بدقسمت زمین پر
جس پر نسل آدم (باقی تمام خدا کی فطرت اور عادت کی صریحاً" خلاف ورزی کر کے) اپنی ہی نوع اور اپنی ہی جنس کے افراد کے لاکھوں
اور کروڑوں انسانوں کا خون آئے دن بہا رہی ہے' **اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء** (۲:۳۰) مذہب کی تفریق کے بارے میں
خوشگوار صورت پیدا ہو اور اتحاد عالم کا منظر جو خدا کا حقیقی منشا ہے' پیدا ہو۔ مسلمانوں نے تمام انبیاء کو یکساں سمجھنے میں' تاریخ شاہد ہے'
کہ ماسوا قرن اول کے (جب کہ تمام عرب مسلمان ہو گیا تھا) کوئی خصوصی سرگرمی اس کے بعد نہیں دکھلائی اگرچہ قرن اول کے بعد بھی
قوموں کی قومیں مسلمان ہوتی رہیں اور ہندوستان میں خواجہ معین الدین اجمیری" وغیرہم نے تبلیغ کے سلسلے میں ہندوؤں کے گیروے کپڑے
پہن کر اور ان کی بودوباش اختیار کر کے ہی ہندوستان میں اسلام کے لئے دروازے کھول دیئے اور لکھو کھا انسان انہی کے عہد میں
اسلام میں داخل ہو گئے لیکن اگر مسلمان فتح و ظفر کے ابتدائی سیلاب میں اس خاص رواداری کے بارے میں خاص طور پر کشادہ قلب
ہوتے اور وہ دوسری قوموں کا رنگ و روغن اختیار کر کے ان کے نبیوں کو اپنا سچا نبی صدق دل سے مان لیتے تو کیا عجب ہے کہ تمام دنیا
دائرہ اسلام میں اسی وقت داخل ہو جاتی۔

قرآن حکیم نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ تورات اور انجیل میں ہدایت اور نور ہے: **فیہ ھدی و نور** (۵:۴۶) یہاں تک کہہ دیا تھا
کہ تورات اور انجیل سے بڑھ کر کوئی ہدایت والی کتاب لاؤ: **قل فاتوا بکتب من عنداللہ ھو اھدی منھما** (۲۸:۴۹) رسول عربی سے یہاں
تک کہلوا دیا کہ مجھے بھی وہی کچھ کہا گیا جو پہلے رسولوں کو کہا گیا تھا: **ما یقال لک الا ما قد قیل للرسل من قبلک** (۴۱:۴۳) وغیرہ وغیرہ۔
لیکن ابتدائی مسلمانوں نے بھی مذہب کے بارے میں انسانی ضد کچھ نہ کچھ ضرور کی اور ان احکام پر پورے طور سے عامل نہ ہو سکے۔ اسی

لئے وہ عالم آرا امت نہ بن سکے۔

(۷) عالمی مرکز کا قیام

(۱۶) عالگیر غلبہ کی دعویدار امت کے لئے لازم ہے کہ اس کا ایک عالمی مرکز ہو تاکہ اقطار عالم کے سب مکین اس ایک مرکز کی طرف رجوع کریں اور اتحاد عالم کی عملی صورت پیدا ہو۔ اسی مقصد کے لئے قرآن نے بیت المقدس کے قبلہ سے ہٹا کر مسلمانوں کو مکہ کا نیا قبلہ اختیار کرنے کا حکم دیا اور صاف کہہ دیا کہ صرف بے وقوف لوگ ہی اعتراض کرتے ہیں کہ کیوں قبلہ بدلا گیا: **سیقول السفہاء ماولٰھم عن قبلتھم التی کانوا علیھا قل للہ المشرق والمغرب** (۱۴۲:۲) وہ اس کی حکمت ہی نہیں سمجھتے کہ اگرچہ مشرق اور مغرب دونوں خدا کے ہیں لیکن اس نئے قبلہ کے ساتھ کسی قوم کا دیرینہ تعصب وابستہ نہ ہو گا بلکہ وہ **واد غیر ذی زرع** (۳۷:۱۴) میں واقع ہے تاکہ اس تک پہنچنا صرف تکلیف بردار لوگوں کا خاصہ بن جائے اور قوم کی طاقت اور برداشت اور مجاہدانہ قوتوں میں اضافہ ہو۔ سب کا ایک **صبغتہ** ہو **من احسن من اللہ صبغتہ** (۱۳۸:۲) **یاتین من کل فج عمیق**○ (۲۷:۲۲) کا منظر ہر وقت لگا رہے پھر لوگ اس مرکز کو دنیا کی تمام ترقیوں کا گہوارہ بنا کر اس کو انسانی اتحاد کی زندہ تصویر ثابت کر دیں اور بنی نوع انسان کے ایک امت ہونے کے بارے میں جو جانکاہ مشکلات درپیش ہیں ان کا کچھ نہ کچھ حل اس ایک مرکز بنانے کی تجویز سے بھی ہو۔

(۸) موجودہ عالمی مشکلات کا حل

ا۔ علم کا حکم

(۱۷) متذکرہ صدر تمام تصریح و تشریح میں جو روئے زمین پر ایک غالب اور عالگیر امت کے قیام کے بارے میں کی گئی' دینِ فطرت کی اس **ھدیٰ** کو واضح کیا گیا تھا جو قرآن حکیم بہ حیثیت آخری کلام دنیا میں لے کر آیا۔ ہر صاحب نظر اس تشریح سے جو اوپر ہوئی' صاف اخذ کر سکتا ہے کہ روئے زمین کی بے شمار مختلف المزاج قوموں کی ایک غالب اور عالگیر امت کا قیام جو **لیظھرہ علی الدین کلہ** (۳۳:۹) کے الفاظ سے مقصود تھا' صرف اسی **ھدیٰ** سے ممکن ہے جو قرآن نے دی اور **قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ** (۱۲۰:۲) کے ربانی الفاظ قطعی طور پر حقیقت ہیں۔ مسلمانوں نے ابتدا میں اس **ھدیٰ** پر عمل کیا اور وہ چشم زدن میں عالگیر ہوتے گئے۔ اب بھی کہ مسلمان زوال کے انتہائی مرحلوں تک پہنچ چکا ہے اور وہ **ھدیٰ قطعاً**" فراموش کی جا چکی ہے' مسلمانوں کی امت میں عالگیر امت ہونے کے نشانات اور قوموں کے بالمقابل زیادہ ہیں اور وہ اگر اس **ھدیٰ** کو پھر پکڑ لیں تو پھر عالگیر ہو سکتے ہیں لیکن امریکہ اور انگلستان کی کیپٹلزم' روس اور چین کی کیونزم کے متعلق گمان کرنا کہ وہ تمام روئے زمین کو ایک اخوت میں جکڑ سکیں گے از بس محال ہے۔ جو امکان اس وقت ان طاقتوں کے رویے سے ظاہر ہے یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک کا عالگیر غلبہ ہو گیا تو وہ تمام باقی اقوام کو کچل کر رکھ دے گی لیکن عالگیر اخوت پیدا کر کے تمام انسانوں کو ایک حلقہ میں لانا کبھی گوارہ نہ کرے گی۔ با ایں ہمہ موجودہ حالات میں کہ بنی نوع انسان کے ایک امت بننے کے عنوان نظر نہیں آتے اور نہ موجودہ انسانی امتوں کے انداز اس قسم کے ہیں کہ وہ نسل' رنگ' جغرافیائی حدود' قومی عصبیت' تاریخی روایات' مذہبی تعصبات وغیرہ کے جھمیلوں سے نکل کر انسانی نوع کو کسی بلند افق نظر سے دیکھیں اور پست کن

Marfat.com

تعصبات سے بالاتر ہو کر روئے زمین کے باشندوں کا کوئی روشن مستقبل وضع کریں' قران عظیم قوموں کی باہمی کشمکش کا تہدیدی علاج یہ تجویز کرتا ہے کہ اگر انسان ایک امت نہ بنیں اور جس مقصد کے لئے ان کو پیدا کیا گیا پورا نہ ہوا تو نہ صرف یہ کہ جو امتیں غیر صالح ہوں گی وہ روئے زمین سے پے در پے مٹتی جائیں گی جیسا کہ پہلے سے دستور چلا آ رہا ہے بلکہ انسان کی کثیر آبادی کو اس آپس کے افتراق کی خونریز فضا میں کافی طور پر رکھ کر' فساد فی الارض کے محاکے کو اس قدر ہولناک بنا دیا جائے گا کہ انسانوں کی کثیر ترین مخلوق کو کسی جابر قوم کے ذریعے سے و لنبلونکم بشی من الخوف والجوع و نقص من الاموال (۲:۱۵۵) کے ماحول میں مبتلا کر کے غلامی' دکھ' افلاس' موت' بھوک' ننگ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ دنیا کی کثیر ترین آبادی میں خوف اور جنون کا یہ منظر سائنس کی نئی نئی ایجادوں اور ایٹم بم کے باعث اب پچھلے ساٹھ برس سے خاص طور پر پیدا ہو رہا ہے اور یورپ اور ایشیا کی کئی غیر صالح قوموں کے کمزور تر ہونے کے بعد ماضی قریب میں ایک دو طاقتیں اس لئے نمودار ہوئی ہیں کہ زمین کے مادی وسائل پر قبضہ کر کے باقی سب قوموں کو نیست و نابود کر دیں اور زمین کی اجارہ داری کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ یہ منظر ظاہر ہے کہ نوع انسانی کی نجات اور فلاح کا منظر نہیں اور نہ اس سے آفرینش کا مقصد پورا ہو سکتا ہے جو اس سے بہت بلند تر ہے کہ چند کروڑ انسانوں کی ایک مخلوق باقی کروڑ در کروڑ انسانوں کو اپنے مادی زور سے ہلاک کر دے اور یہ زمین قطعاً" بے آباد ہو جائے۔ امریکہ کے پچیس تیس کروڑ انسان اگر باقی زمین کے چار سو کروڑ انسانوں کو ہلاک یا کم تر کر کے اس زمین کی بادشاہت کی اجارہ داری لیں گے تو اولاً یہ زمین اس چھوٹی سی آبادی کے لئے غیر موزوں طور پر وسیع ہو جائے گی اور وہ کشمکش جو رزق کی تلاش کے باعث اس وقت قوموں میں جاری ہے اور جس کے باعث سے تمام ترقی ہے' قطعاً" ماند پڑ جائے گی۔ فاتح قوم کے لئے رزق کی فراوانی کے باعث کوئی کام کرنے کا باقی نہ رہے گا۔ روئے زمین کے مادی وسائل کی جستجو جو اس وقت زمین کے کونے کونے میں ہو رہی ہے اور جس سے فطرت کے نئے نئے حقائق روز بروز واضح ہو رہے ہیں صرف پچیس تیس کروڑ انسانوں کے باقی رہ جانے سے ختم ہو جائے گی اور نسلی تفوق کا نصب العین جو قوموں نے دین فطرت سے منحرف ہو کر اختیار کیا ہے بالاخر اس چھوٹی سی قوم کی بھی ہلاکت کا باعث ہو گا۔ اس کے برعکس دین اسلام یا دوسرے الفاظ میں دین فطرت تمام بنی نوع انسان کی مشترک اخوت چاہتا ہے اور نسلی تفوق کا قطعی طور پر دشمن ہے (ان اکرمکم عنداللہ اتقکم (۴۹:۱۳))

الغرض ان خطرناک حالات میں جو روئے زمین پر سرمایہ داری' مشینی ایجادات' لامذہبیت اور نسل' قومیت اور وطن کے نئے تراش کردہ بتوں کی پرستش سے اب پیدا ہوئے ہیں دینِ اسلام کا پیش کردہ علاج یہ ہے کہ بنی نوع انسان کے مختلف گروہوں میں حکومت کی بنیاد علم پر کر دی جائے' اور سرمایہ داری' قومی عصبیت' نسلی تفوق یا کسی دوسرے محرک کی پیدا کردہ سیاست کو قطعاً" ختم کر دیا جائے و کلا اتینا حکما و علما (۲۱:۷۹)۔ علم کا پیدا کیا ہوا حکم دین فطرت کے نزدیک صحیح حکم ہے۔ اس حکم کی بنیاد صحیفہ فطرت کے اس علم پر ہے کہ سب انسان برابر ہیں' کسی قوم کے اغنیا کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے سرمایہ کے زور سے غریبوں کی ووٹیں خریدیں' غریب کی ہر ملک میں بے پناہ اکثریت کے باوجود حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر غریب کو کچلتے رہیں' اور "جمہوریت" کا لفظی ڈھونگ رچا کر سرمایہ اور دولت کو انسان پر حکمران کر دیں۔ قرآن عظیم نے اسی رو سے کسی قوم کے امیر مقرر کرنے کا معیار صرف علم اور جسم قرار دیا۔ زادہ اللہ بسطتہ فی العلم والجسم (۲:۲۴۷) کو امارت کی صحیح بنیاد قرار دے کر یکسر فیصلہ کر دیا کہ دولت میں وسعت یعنی سرمایہ داری امارت کے لئے کوئی اہلیت نہیں: انی یکون لہ الملک علینا و نحن احق بالملک منہ و لم یوت سعتہ من المال (۲:۲۴۷)۔ الغرض ان حالات میں کہ دنیا کی کوئی ایک قوم باقی تمام اقوام پر مادی زور سے غالب آ کر روئے زمین کی اجارہ داری چاہتی ہے' دین فطرت کا اولین منشا یہ

Marfat.com

ہے کہ علم کی حکومت ہو اور چونکہ صحیفہ فطرت کا عالم فطرتاً غریب طبقے کا فرد ہوتا ہے' اسلام چاہتا ہے کہ سرمایہ داری کی حکومت کو فنا کرنے کے لئے بنی نوع انسان کے دو طبقے یعنی غریب اور امیر ہر ملک میں الگ کر دیئے جائیں اور چونکہ غریب کی اکثریت ہر ملک میں ہے' عالم کو ہر ملک میں حکمرانی کے لئے وقف کر دیا ہے۔

اسی نقطہ نظر سے مزدور طبقہ بھی دنیا میں حکمرانی کے لائق اس لئے نہیں کہ وہ بے علم ہے اور بے علم کو دنیا کی حکمرانی سپرد کر دینا خلاف فطرت ہے۔ ادھر اگر غور سے دیکھا جائے تو چونکہ دنیا کی کوئی مادی ترقی عالم کے علم کے بغیر نہیں ہو سکتی اور مزدور صرف عالم کی ایجادوں کو اپنے ہاتھوں کے زور سے اس کی ہدایت کے مطابق بنانے والا ہے اور سرمایہ دار صرف روپیہ خرچ کر کے ان ایجادوں کو وسیع پیانہ پر دنیا میں پھیلانے والا ہے' انسان کے ہاتھ اور انسان کا سرمایہ دونوں عالم کے علم کے ماتحت ہیں' عالم پر حاکم نہیں ہو سکتے۔ اسی نقطہ کو پیش نظر رکھ کر قرآن حکیم نے گزشتہ اقوام کے انبیاء حکمرانوں کو جو اپنے اپنے زمانوں میں صاحب علم تھے (باوجود اس کے کہ دوسری سلطنتوں سے بلائے ہوئے گرانڈیل مزدور ان کا صنعتی کام کیا کرتے تھے) **ذوالایدِ والبصر** کہا۔ گویا کہا کہ یہی انبیاء ہاتھوں والے بھی تھے اور بصیرت والے بھی۔ دوسرے لفظوں میں مزدوری بھی ان کی بصیرت کے تابع ہی تھی۔

القصہ روئے زمین کے موجودہ دکھ کو دور کرنے کے لئے دین فطرت کا صحیح نسخہ یہ ہے کہ تمام انسانی اقوام میں عالم کی حکومت قائم کی جائے اور مزدور اور سرمایہ داروں کو عالم کے حکم کے ماتحت کر دیا جائے۔ جب سب اقوام میں عالم حکمران ہوں گے' مزدور طبقہ ان کو غریب طبقے کا رکن سمجھ کر خود بخود اور بہ طیبِ خاطر اپنا حکمران منتخب کرے گا تو تمام دنیا کے عالم حکمرانوں کا واحد مقصد یہ ہو گا کہ بنی نوع انسان کی مجموعی بہبودی کے لئے زمین پر حکومت کی جائے' سیاسی مقاصد یا نسلی تفوق کو مدنظر رکھ کر دنیا کی قوموں کو آپس میں نہ لڑایا جائے۔ صحیفہ فطرت کے عالم کا منتہائے نظر صرف صحیفہ فطرت ہے' اس کی نگاہ ان پست تعصبوں سے بلند تر ہے جو انسان کی موجودہ زندگی کو جہنم بنا رہے ہیں' قرآن عظیم کے مشہور فیصلے **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءط** (۲۸:۳۵) کے مطابق صرف عالم ہی ہے جو خدا سے صحیح معنوں میں ڈرتا ہے۔ عالم ہی انبیاء کی طرح نہ یہودی ہے' نہ عیسائی' نہ محمدی اور وہ انسان کی سب سفلی ضدوں سے پاک ہے اس لئے اقوام کو موجودہ جہنم سے نکالنے کے لئے کوئی نسخہ سوائے قرآن عظیم کے نسخے کے باقی نہیں رہا کہ علم کی حکومت ہو اور دنیا کو ہر قسم کی سرمایہ داری کی لعنت سے پاک کیا جائے' نہیں بلکہ دنیا میں مغربی جمہوریت اور مشرقی کیونزم کی دونوں لعنتوں کو جو غریب انسانوں اور کمزور اقوام کو کچلنے اور ایک قوم کی اجارہ داری کو قائم کرنے کے ڈھکوسلے ہیں' غریبوں کے حلقے امیروں سے الگ کر کے منطقی طور پر کچل دیا جائے۔ غریب جس وقت امیر سے سیاسی طور پر الگ ہو گیا سرمایہ داری اور مزدوری کے دونوں مسئلے صحیح طور پر حل ہو جائیں گے۔ غریب اپنی کثرت تعداد کے باعث جمہوری اصول کے مطابق حکمران ہو گا۔ امیر غریب کو زور زر سے کچلنے کی بجائے اپنی قلت تعداد کو پیش نظر رکھ کر ہر دم اس سعی میں لگا رہے گا کہ امیروں کی تعداد غریبوں سے زیادہ ہو جائے تاکہ وہ اصولِ جمہوریت کے مطابق دنیا پر پھر حکمران ہو سکے۔ قرآن حکیم نے انسانوں کی فطری تقسیم صرف دو طبقوں میں کی ہے یعنی اغنیا کا طبقہ اور فقرا کا طبقہ اور منع کیا ہے کہ مال کی گردش صرف دولتمندوں میں ہو: **کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکمط** (۷:۵۹)

حکومت کا طبعی تعلق عالم سے اور اس کی طبعی نفرت سرمایہ سے اس لئے ہے کہ سرمایہ دار حاکم کے سامنے سونے چاندی (یعنی **یکنزون الذھب والفضۃ**) کی پرستش عجل ہے۔ عالم غریب طبقے سے ہے اور "غریب دل" بھی ہے کیونکہ اس کا دل اس کے علم اور وسعت نظر کے باعث بہبودی انسان کی طرف مائل ہے۔ اسی لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی انجیل میں کہا تھا کہ "مبارک ہیں

غریب دل لوگ کیونکہ زمین کی وراثت ان کی ہے" انسان جیسی ذی شعور مخلوق پر حکومت کرنے کے فرض کو دولتمندوں کے درندہ طبقے کے سپرد کر دینا' یا چند انسانوں کو یہ اختیار دے دینا کہ وہ اپنی رعیت کی تمام دولت کو جمع کر کے خود بڑے سرمایہ دار بن جائیں (جیساکہ کیمونزم میں ہے) فطرت کے خلاف وہ گناہ عظیم ہے کہ قرآن حکیم اس کو کسی معنوں میں برداشت نہیں کر سکتا۔ قرآن نے اس کا علاج طبعی طور پر یہ تجویز کیا ہے کہ تمام انسان بلا لحاظ دولت و رنگ و نسل برابر ہیں' وہ ایک قطار میں روزانہ کھڑے ہوں تاکہ ان کی برابری کا حس ہردم قائم رہے۔ اسی برابری کی وجہ سے حکومت اسی گروہ کی ہے جو اکثریت میں ہے اور وہ طبقہ غربا کا ہے اور چونکہ غربا میں سے سب سے زیادہ مناسب وہ لوگ ہیں جو صاحب علم ہیں اس لئے حکم یعنی حکومت کا فطری تعلق علم سے ہے' مال و دولت سے نہیں۔

(۹) علم کے ذریعے مسئلہ وحدت مذہب کا حل

(۱۸) مادی ترقیوں کے باعث جو آج کل اکناف زمین میں ہو رہی ہیں' مذاہبِ عالم کے اکثر واہی اور لایعنی عقائد کا اثر اگرچہ انسان کے دلوں پر کم ہو رہا ہے لیکن مذہب یا مذہب کی پیدا کی ہوئی عصبیت کا مجموعی تعصب اس تمام تنور کے باوجود قوموں میں کم ہوتا نظر نہیں آتا اور اس تعصب کا خصوصی اثر اب تک موجودہ سیاسی رہنماؤں پر بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ پچھلے زمانوں میں تھا۔ قومیں اب تک دوسری قوموں سے اکثر سیاسی معاملات "عیسائی" اور "مسلمان" "بدھ" اور "ہندو" ہونے کی حیثیت میں کرتی ہیں ا ور وہ وسعت نظر جو بنی نوع انسان کو کسی بلند نقطہ نظر سے دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے' اکثر معاملات میں غائب ہے۔ دین فطرت کا تقاضا ہے کہ سطح زمین کے تمام موجودہ مذاہب کے تعصب کو بالائے طاق رکھ کر ایسی فضا پیدا کی جائے جس میں روئے زمین کے انسانوں کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے۔ اسی تعصب کو عملاً نیست و نابود کرنے کے لئے دین فطرت کا اعلان ہے کہ تمام انبیاء کا پیغام ایک تھا مگر قوموں کا تعصب علمی تنور کے باوجود نہیں مٹا۔ اس تعصب کو مٹانے کے لئے بھی علم کی دنیا پر حکومت لازمی امر ہے۔ دنیا کے ہر ملک کے عالم حکمران ہی آپس میں بیٹھ کر عام اعلان کر سکتے ہیں کہ دنیا کی سب قوموں کے مذاہب ایک ہیں' ان میں کوئی بنیادی فرق نہیں' وہی قوموں کو اس مشترک یقین پر لا سکتے ہیں کہ سب پیغمبران دین ایک خدا کی طرف سے آئے تھے' ان کے مابین کوئی فرق نہیں' ان کو یکساں ماننا ہر فرد بشر پر لازم ہے' ان کی یکساں تعظیم و تکریم ہر قوم پر واجب ہے۔ یہ سب اس لئے کہ صرف عالمِ فطرت ہی وہ شخص ہے جس کو کسی خاص مذہب کا تعصب نہیں۔ وہ تمام انبیاء کو اپنے ہی گروہ کا ایک عضو سمجھتا ہے' **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** کا محاکمہ بھی صرف عالمان فطرت پر پورا اتر سکتا ہے۔ عالم ہی دل سے یقین کرتا ہے کہ انبیاء' اگر وہ درحقیقت خدا کے بھیجے ہوئے پیغامبر تھے' تو وہ ہرگز ہرگز انسان کی گروہ بندی کے لئے نہ آئے ہوں گے' ان کا واحد مقصد قانونِ فطرت کو ظاہر کرنا ہو گا۔ وہ صحیفۂ فطرت سے ہی اخذ کئے ہوئے کسی قانون کو بنی نوع انسان پر واضح کرنے کے لئے آئے ہوں گے اور انسانوں کو صحیح راستے پر لگانا ہی ان کا مطمع نظر ہو گا۔ الغرض موجودہ حالات میں صرف عالم کی حکومت ساکنان زمین کو ایک مذہب پر لا سکتی ہے اور مذاہب کا خطرناک حادثہ جس نے روئے زمین پر سب سے بڑی خونریزی انسان کی پوری تاریخ میں برملا کی ہے' روئے زمین پر سے ہمیشہ کے لئے ٹل سکتا ہے۔ انسان کی تاریخ میں یہ انقلاب کہ سب دنیا کے مذاہب نیست و نابود ہو جائیں اور صاحب علم حکمرانوں کے باہمی اتفاق سے دنیا کا ایک مذہب دین فطرت ہو جائے' دنیا کی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ لازماً ہو گا اور یہ وہ وقت ہو گا کہ بنی نوع انسان کئی ہزار سالوں کے فساد فی الارض کے بعد کہہ سکے گی کہ روئے زمین پر انسان کی پیدائش کا پہلا مرحلہ ختم ہوا اور اب انسان کو منشائے فطرت کو پورا کرنے کے لئے اگلا قدم اٹھانا

Marfat.com

چاہیے۔

انسان اس روئے زمین پر (بلکہ تمام کائنات میں) واحد ذمہ دار اور باشعور وجود ہے۔ وہی اس کائنات کے رنگ و روغن کو سمجھ سکتا ہے' وہی سمجھ سکتا ہے کہ کائنات کا رخ کیا ہے' وہ کس طرف جا رہی ہے اور انسان کو کس طرف لے جانا چاہتی ہے؟ دوسری کسی مخلوق سے اس قسم کی کوئی توقع رکھنا عبث ہے۔ ادھر اس نمایاں حیثیت کے باوجود انسان ابھی تک اس قدر پست خیالات میں پھنسا ہے کہ ان سے نکلنے کی کوئی ظاہرا امید نظر نہیں آتی۔ ان حالات میں انسان کی آخری امید علم کی حکومت ہے۔ حکومت کو سیاسی درندوں کے ہاتھ میں دے دینا کہ وہ عالمان فطرت کو اپنی گندی سیاست کا آلۂ کار بنائے رکھیں' ان لوگوں کو جنہوں نے ہزارہا برس سے دن رات ایک کر کے اپنی ایجادوں سے زمین کو دلہن کی طرح سجا دیا ہے' نہایت ادنیٰ تنخواہیں دے کر ملازم اور بے زبان بنائے رکھیں' وہ آشکارا بدمعاشی ہے کہ اس سے بڑی بدمعاشی اس روئے زمین پر موجود نہیں۔ ذی شعور انسان پر حکومت کرنے والا صرف ذی شعور انسانوں کا طبقہ ہو سکتا ہے اور قرآن حکیم میں علم کی حکم سے یہی وہ عظیم الشان ربانی حکمت ہے جس سے بڑھ کر حکمت اس روئے زمین پر موجود نہیں۔

(۱۰) علم کا میدانِ عمل تمام کائنات ہے

(۱۹) بنی نوع انسان کو لامحالہ واحد غالب امت بنانے کی غرض و غایت خدا کے نزدیک یہ معلوم دیتی ہے کہ انسان آپس کے باہمی فساد اور آئے دن کی خونی لڑائیوں سے ہٹ کر اپنی پیدائش کے اصلی مقصد کی طرف توجہ کرنے کے قابل ہو اور وہ اصلی مقصد دنیا کی واحد حقیقت یعنی صحیفہ فطرت کی ماہیت کی دریافت ہے۔ خود زمین کی وسعت اور بیکرانی اس قدر مسلم ہے کہ انسان کی چھوٹی سی مخلوق ابھی تک' علم کی اس حیران کن ترقی کے باوجود' اس چھوٹے سے کرے کے کونے کونے تک نہیں پہنچ سکی اور **انا جعلنا ما علی الارض زینتہ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملاO** (۱۸:۷) کا خدائی ارمان بھی ابھی تک انسان نے پورا نہیں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کی باہمی جنگوں کے سلسلے میں زمین کی بہت سی اشیاء کا علم انسان کو حاصل ہوتا رہا ہے اور قرآن نے خونریزی اور جہاد کو بھی قوموں کی حیات کا بڑا باعث **لک فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب** (۲:۱۷۹) کے الفاظ کہہ کر قرار دیا ہے' لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان لامحالہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ کروڑوں اور اربوں آسمانی کروں کی اس کائنات میں جو سب کی سب ناتلاش کردہ پڑی ہے اور جس کے متعلق ابھی تک یہ بھی تحقیق نہیں ہوا کہ ان میں کون سی مخلوق بس رہی ہے' انسان کا واحد باشعور مخلوق ہو کر صرف آپس میں لڑتے رہنا اور **یفسد فیھا** اور **یسفک الدماء** کا مصداق ہونا جیسا کہ ملائکہ نے انسان کے بارے میں طنزاً کہا تھا اور **و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک** کے بلند تر مقصد کا جو انہوں نے اپنے متعلق ظاہر کیا تھا' مصداق نہ ہونا' انسان کی پیدائش کا منشا نہیں ہو سکتا۔ جہاں زمین کے پیدا کرنے کا مقصد قرآن نے اس کی زینت اور آرائش رکھا ہے اور وہ بھی اس غرض سے کہ بنی نوع انسان کو آزمایا جائے کہ ان میں سے کون سب سے زیادہ حسن عمل کرتا ہے' وہاں آسمانوں اور زمین کی تمام کائنات کی پیدائش کا مقصد بھی اسی قرآن نے یہ رکھا ہے کہ انسانوں کی مخلوق کو یہ تمام کائنات ان کے حسن عمل کے عوض میں بطور انعام دی جائے: **لیجزی الذین اساء و بما عملوا و یجزی الذین احسنوا بالحسنیO** (۵۳:۳۱) یہ عظیم الشان معاملہ اس وقت انسانی فہم و فراست سے اس قدر بعید اور بالاتر ہے کہ انسان اپنی ان ممکنات کو دیکھ کر کہ وہ آسمانوں کی مخلوق پر بھی بالآخر قبضہ کر کے رہے گا' فی الحقیقت سٹ پٹا جاتا ہے۔ اس کے محدود ذہن میں ابھی تک

آ نہیں سکا کہ وہ کیونکر اور کن وسائل سے اس گوشت پوست والے جسم کے ساتھ جو وہ اب رکھتا ہے اور ان گھومنے والی مشینوں کے ساتھ جو اس وقت اسے میسر ہیں' ستاروں تک پہنچ سکتا ہے اور پھر وہاں پہنچ کر اپنی زندگی کو قائم رکھ سکتا ہے۔ اس کو اب تجربہ ہوا ہے کہ زمین سے صرف پانچ میل اوپر جا کر اس کی گوشت پوست کی زندگی بڑی مدت کے لئے محال ہو جاتی ہے۔ اس کو تجربہ ہوا ہے کہ بیس پچیس ہزار فٹ کی بلندی پر ہی اس کی نسوانی خواہشیں مٹ جاتی ہیں حتیٰ کہ اس کو زمینی خواہشات مثلاً تمباکو پینا یا شراب پینا یا فرضی قصوں کا مطالعہ کرنا وغیرہ کا میلان بھی چنداں نہیں رہتا اور وہ اپنے آپ کو ایک نئے عالم اجسام میں متصور کرتا ہے۔ جب یہ معاملہ صرف چند ہزار فٹ کی چڑھائی پر ہے تو لاکھوں بلکہ کروڑوں میل اوپر چڑھ کر جو انقلاب اس کی جسمی ہیئت میں ہونا لازمی ہے' ظاہر ہے۔

الغرض روئے زمین پر علم کی حکومت قائم کرنے کے بعد انسان کے سامنے دوسرا مسئلہ آسمانوں کی تسخیر کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کو علمی حدود کے اندر لانے کے لئے انسان کا موجودہ علم اس قدر ناقص ہے کہ اس پر بحث کرنا بھی چھوٹا منہ بڑی بات کے مترادف معلوم ہوتا ہے مگر قرآن حکیم بے دھڑک اور بے خوف و خطر اس امر کا دعویٰ کر رہا ہے کہ خدا نے آسمانوں اور زمین کی ہر شے انسان کے استعمال کے لئے مسخر کر رکھی ہے' نہیں بلکہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے اس لئے ہے کہ ایمان اور عملِ صالح والے انسانوں کو ان کے حسن عمل کے بدلے میں بطور انعام دے دیا جائے۔ دین فطرت کا یہ بلند بانگ دعویٰ حقیقت کے قریب اس قدر ہے کہ دنیا کی کوئی دوسری حقیقت اس سے زیادہ سچی دکھائی نہیں دیتی۔ یہ امر انتہائی طور پر غیر غالب ہے کہ صحیفہ فطرت جس کا زمینی حصہ آئے دن عالم فطرت کو وہ حیرت انگیز عجوبے دکھلا رہا ہے کہ انسان اپنی انگلیاں منہ میں لئے ہوئے ہے' اس صحیفہ فطرت کے لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں ستارے اور کرے بے کار ہوں' ان میں کوئی ایسی شے نہ ہو جو انسان (یا انسان سے بھی زیادہ افضل مخلوق) کے استعمال میں آ سکتی ہو' وہ صرف رات کو چمکنے اور انسان کی آنکھوں کو ٹھنڈک دینے کے لئے بنائے گئے ہوں' ان کا مقصد انسان کو صرف تماشا دکھانا ہو اور بس۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے انسان صرف اپنے عالم تخیل میں اندازہ لگا سکتا ہے کہ بہ حیثیت اشرف الخلق ہونے کے اس کے سامنے سعی و عمل کا کیا حیرت افزاء اور زہرہ گداز میدان ہے اور فطرت کا بتایا ہوا دین انسان کے لئے کس قدر بلند افق پیش کرتا ہے۔ نہیں بلکہ اگر بلند افق نظر سے دیکھا جائے تو ہر ہوشمند انسان اس نتیجے پر لامحالہ پہنچتا ہے کہ جب انسان کے سوا کوئی ذی شعور مخلوق اس دنیا میں نظر نہیں آتی اور فطرت کا صحیفہ انسان کی سمجھدار آنکھ کو روز بروز محو حیرت کر رہا ہے تو دنیا میں نہ صرف انبیاء کا لایا ہوا دین بلکہ منتہائے آفرینش کے متعلق دنیا کے تمام عالموں کی سوچی ہوئی رائے ماسوا اس کے ہو نہیں سکتی کہ یہ تمام ہنگامہ کائنات جس میں کروڑوں اور اربوں میل دور ستارے اور نہ صرف نظام شمسی بلکہ اس سے پرے کی بیکراں کائنات جس میں ہزاروں ستارے سورج سے ہزاروں گنا بڑے ہو کر اپنا اپنا الگ نظام بنائے ہوئے ہیں' صرف اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ انسان ان کو اپنے دست تصرف میں لا کر اس قدر بلند ہو جائے کہ وہ **فاطرالسموت والارض** کے قریب تر ہو۔ اس کے سوا انسان کا کسی اور فطری مذہب کا حال اس دنیا میں ہونا عقل و ادراک کے منافی ہے۔

(۱۱) علم کے ذریعے سے انسانی نجات

(۲۰) روئے زمین پر حکم یعنی حکومت کی علم سے پیوستگی نہ صرف یہ کہ دنیا کی تمام قوموں کو مشترک ترقی اور تقدم کی کشادہ راہوں پر لازماً لگا دے گی اور ساکنان زمین کو آپس کی کشکش کی ''الجھنوں سے نکال کر اس صراط مستقیم پر لے جائے گی جس پر چل کر

Marfat.com

علم کا عام طور پر بول بالا ہو گا بلکہ یقین ہوتا ہے کہ روئے زمین پر عالم کی عام حکومت کروڑ در کروڑ انسانوں کے سمع و بصر کو بھی صحیفہ فطرت کی طرف متوجہ کر دے گی اور عالم حکمران کا اولین مقصد یہ ہو گا کہ انسانوں کو آپس میں قتل کروانے اور زمین کی آبادی کم کرنے کی بجائے' زیادہ سے زیادہ انسانوں کا شغف صحیفہ فطرت سے کر دیا جائے تاکہ فطرت کے زیادہ سے زیادہ راز جلد از جلد کھل سکیں' باہمی اخوت اور مسامحت سے زمین کی آبادی بے اندازہ طور پر بڑھا دی جائے تاکہ باشندگان زمین میں آسمانوں کی نئی زمینوں پر قبضہ کرنے کی اجتماعی خواہش پیدا ہو۔ عالم فطرت ہی سمجھ سکتا ہے کہ روئے زمین پر کسی ایک چھوٹی سی قوم کا قبضہ باقی تمام اقوام کو چند قرنوں میں نیست و نابود کر دے گا۔ وہ ذہنی نقصان جو سیاسی طور پر کمزور قوموں کو نیست و نابود کرنے سے روئے زمین پر پیدا ہو گا' بنی نوع انسان کا مجموعی نقصان ہو گا۔ اس نقصان سے صحیفہ فطرت کی تلاش کا کام ماند پڑ جائے گا۔ زمین کو تنگ گذارنی کے باعث چھوڑ کر آسمان کے ارب در ارب کروں تک جانے کی ہوس ختم ہو جائے گی' نہیں بلکہ حکم کے بعد بنی نوع انسان کے ایک چھوٹے سے حصے میں یہ اعضائی جمود نسل انسانی کے ارتقاء کے راستے میں سنگ گراں ثابت ہو کر رہے گا۔ علم کی بنی نوع انسان پر لازوال بخششوں کو چند روپوں کے عوض خرید کر عالموں کو سیاسی درندوں کا غلام بنا دینا علم کی صریح توہین ہے۔ علم کی حکومت ہی بنی نوع انسان کو اس راہ پر لے جا سکتی ہے جس راہ پر چل کر انسان بہ حیثیت مجموعی صحیفہ فطرت کے عظیم الشان راز کو کھولنے کے لئے بین الاقوامی اور اجتماعی جدوجہد کر سکتا ہے۔ انسانوں کے انسانوں کو قتل کرنے کے اوزار ایجاد کرنے کی بجائے "صحیفہ فطرت سے جنگ کرنے" کے ہتھیار بنا سکتا ہے۔ گھومنے والی مشینیں بنانے کی بجائے جو انسان کو ایک انچ "فطرت کی روح" کی طرف نہیں لے جاتیں' جن کا واحد مقصد نفع اندوزی اور فراہمی سرمایہ ہے' جن کی بنیاد یونان کے تین ارضی بتوں یعنی نقطہ' خط مستقیم اور دائرہ پر ہے اور جو زمین سے چند میل اوپر "روح" کی آسمانی فضا میں جا کر بے کار ہو جاتی ہیں' ان "زندہ اشیاء" کا خالق بنا سکتا ہے جو انسان کو خدا سے قریب تر کرنے میں مدد دیں' فاطر زمین و آسمان کے نئے اوصاف نسل انسانی میں پیدا کریں' موجودہ ناقص علم سے ہٹا کر جس کی پیمائش' مساحت' شمار اور حساب کی تمام اکائیاں غیر فطری ہیں جو ہزارہا سال کی تحقیق و تدقیق کے باوجود اب تک یہ دریافت نہیں کر سکا کہ زندگی کیا شے ہے' جو یہ عظیم الشان عمل بھی سمجھ نہیں سکا کہ ایک ہی قسم کے خلیوں کا اجتماع و استعمار کیونکر اور کس قطع کے تعاون سے کس جاندار کے بدن کے مختلف حصوں میں بہ یک وقت دل' جگر' دماغ' آنکھ اور کان بن جانے کی کیفیت پیدا کر سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ علم کے متعلق فکر و تخیل کی وہ نئی راہیں کھول سکتا ہے' جو نئے ولولے سے صحیفہ فطرت کو مسخر کر سکیں اور انسان کو آج کل کی تخریبی ڈگر سے ہٹا کر کسی بالکل نئی تعمیری ڈگر پر چلا دیں۔

کسی گروہ کے ہاتھ میں حکومت کا ہونا ہی اس گروہ کے تخیل کو انسانوں کی کسی جماعت پر حاوی کر سکتا ہے۔ حکم کے بغیر کسی انسانی ہیئت اجتماعی میں اصلاح یا انقلابِ تخیل محال ہے۔ **ربی اغفرلی و ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی** (۳۸:۳۵) **رب ھب لی حکما والحقنی بالصلحین**○ (۲۶:۸۳) کی دعاؤں کا جو انبیاء نے کیں' یہی منتہا و مقصد تھا کہ وہ حکومت ہاتھ میں لے کر قوموں کو نئی راہوں پر چلانے کے قابل ہو جائیں۔ عالم کی دنیا پر حکومت ہی دنیا کو علم کی راہ پر لگا سکتی ہے اور یہی بنی نوع انسان کے کثیر ترین افراد کو سمع و بصر اور قلب کے صحیح استعمال سے علم کی راہ پر لگانا قوموں کی نبوت ہے۔ قوموں کی ترقی اور فضیلت کی اسی کیفیت کو قرآن حکیم نے **اولئک الذین اتینھم الکتب والحکم والنبوۃ** ج (۶:۸۹) کے انتہائی طور پر جامع اور مانع الفاظ میں ادا کیا تھا اور مقصد یہ تھا کہ حکم (یعنی حکومت) کے ذریعے سے بنی نوع انسان میں علم اس قدر عام ہو جائے کہ قوموں کی قومیں نبوت (یعنی **سمع و بصر** اور **قلب** کے استعمال

سے انتہائی باخبری) کے درجے تک پہنچتی جائیں اور انسانی نسل کا کثیر ترین حصہ اس عذاب جہنم سے بالاخر بچ جائے جس کے متعلق خدائے عالمیان نے انتہائی وضاحت اور تعمد سے اشارہ سورۃ الاعراف کے حسب ذیل الفاظ میں کیا تھا اور جن الفاظ کو بار بار پڑھ کر قرآن حکیم کا طالب العلم بار بار حیران ہو جاتا ہے کہ خدا نے جن و انس کی تمام مخلوق کو صرف اس جرم میں کہ ان کو کان دیئے گئے مگر وہ صحیح معنوں میں سنتے نہیں' آنکھیں دیں مگر وہ صحیح معنوں میں دیکھتے نہیں' ذہن دیا مگر وہ صحیح معنوں میں سمجھتے نہیں' کیوں ابدالاباد تک جہنم کو بھر دینے کا پورا عزم ظاہر کیا اور بار بار کہا کہ میرا یہ قول پورا ہو کر رہے گا بلکہ **مایبدل القول لدی و ما انا بظلام للعبید**○ (۲۹:۵۰) کہہ کر بتلا دیا کہ میں اپنے قول کو بہرحال پورا کر کے رہتا ہوں! اور میں انسان کو جو سزائیں دیتا ہوں ظلم سے نہیں بلکہ عدل و انصاف سے دیا کرتا ہوں۔ سورۃ الاعراف کے یہ الفاظ اس سے پہلے بھی آ چکے ہیں۔ اور اب پھر غور و خوض کے لئے یہاں دہرائے جاتے ہیں۔ دیکھو (۱۵) (الف) **و لقد ذراء نا لجهنم کثیرا من الجن والانس ملے لهم قلوب لا یفقهون بها و لهم اعین لا یبصرون بها و لهم اذان لا یسمعون بها اولئک کالانعام بل هم اضل اولئک هم الغافلون**○ (۱۷۹:۷) (ترجمہ کے لئے دیکھو صفحہ ۳۸)۔ ہر صاحب نظر جس قدر غور کرے گا لامحالہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ صحیفہ فطرت کو پورے غور و خوض سے نہ دیکھ کر خدا تک نہ پہنچنے کا جرم ہی وہ عظیم الشان جرم ہو سکتا ہے جس کی سزا پوری بنی نوع انسان کو جہنم میں جھونک دینے کی ہو سکتی ہے اس سے کمتر جرم پر یہ سزا ناممکن ہے۔

(۱۴) اقوام کی نبوت اور صحیفہ فطرت کے ذریعے سے خدا کی تلاش

(۲۱) اقوام کو نبوت (باخبری) کے بلند درجے تک پہنچانے سے قران حکیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان باہمی خونریزی اور فساد کے پست تخیل سے نکل کر صحیفہ فطرت کی تسخیر و تلاش کے بلند درجے تک پہنچے۔ اس منزل پر پہنچ کر انسانی آنکھیں جو عدم بصیرت کے باعث اب تک نہایت ادنیٰ نصب العینوں پر لگی ہیں اور بین الاقوامی سطح پر آپس کے نہایت خسیس جھگڑوں میں پھنسی ہیں' بلند تر ہو کر صحیفہ فطرت کے "جھگڑے" میں لگیں جو اس کائنات کا سب سے بڑا "جھگڑا" ہے' جس جھگڑے کو انسان نے ابھی تک یہ کہہ کر ٹالا ہے کہ صحیفہ فطرت کے راز کا کھوج لگانا انسان کے بس کی بات نہیں' جس کی بابت انسان کا تخیل' آنکھیں ہو ہوا کر' اس شرمناک طور پر پست ہے کہ وہ خدا کو صرف "ہاتھ جوڑنے" "سجدہ کرنے" اور "پوجنے" کی شے سمجھتا ہے اور باوجودیکہ خدا نے خود کہہ دیا ہے کہ میں نے انسان میں اپنی روح پھونک دی' یا از روئے انجیل کہا کہ "خدا نے انسان کو اپنی تصویر پر پیدا کیا" باوجودیکہ خدا نے نہایت فراخدلی سے اس وقت کہ انسان **لم یکن شیاء مذکورا**○ (۱:۷۶) تھا' اعلان کر دیا کہ انسان اس زمین پر میرا خلیفہ اور قائم مقام ہے' انسان نے کوئی اجتماعی کوشش اس بارے میں نہیں کی کہ صحیفہ فطرت کے ذریعے سے خدا کو تلاش کیا جائے۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اس قدر مکمل اور کار برآر کر دیا جائے کہ ہم خدا کو معلوم کر سکیں۔ اس کو عیاں طور پر محسوس کریں' اس کو پا سکیں۔ خدا کی طرح **سمیع و بصیر** ہو کر خدا کی طرح **جبار و قہار** ہو کر اس روئے زمین پر وہ بے اندازہ ایجادیں' وہ دنگ کر دینے والی مخلوقِ خدا پیدا کریں کہ خدا معاذ اللہ بے اختیار ہو کر پردے سے باہر نکل کھڑا ہو! جس بے پناہ طور پر اس نے تحسین و آفرین کے نعرے آج سے کئی ہزار برس پہلے انبیاء کے چھوٹے چھوٹے اعمال پر (جن کی کوئی حقیقت آج کل کی ایجادوں کے بالمقابل نہیں) لگائے ہیں اور ان پر اپنا سلام بھیجا ہے' اس سے کئی ہزار گنا زیادہ بے پناہ ولولے سے وہ پردہ سے نکل کر ماہرین فطرت کو **سلام علیکم طبتم** (۷۳:۳۹) کے الفاظ کہہ کر مصافحہ کرے اور تخلیق کائنات کا مقصد پورا ہو۔ لقائے رب کی یہ وہ ہنگامہ خیز منزل ہے جو بنی نوع انسان کی نجات کی فی الحقیقت آخری منزل ہے۔

(۱۳) علم کی حکومت سے اقوام عالم میں نبوت کا ہیجان

(۲۲) دنیا کی حکومت صحیفہ فطرت کے ان ماہرین کے ہاتھ میں دے دینا جنہوں نے اس زمین کی ہر شے کو جو اس کے کونے کونے میں بے کار پڑی تھی' زمین کی زینت اور زیور بنا دیا ہے' عدل و انصاف کا پہلا تقاضا ہے۔ یہی مردانِ حق اپنی نکوکاری اور سادہ بلکہ غریبانہ زندگی سے جو ہر متلاشی حقیقت کے ساتھ لازم و ملزوم ہے' دنیا کو قسط و عدل کی راہ پر لگا سکتے ہیں' اس رو کو دریافت کر سکتے ہیں جس رو پر فطرت انسان کو چلانے کی خواہاں ہے۔ نسل انسانی کو مجتمع اور متحد الغرض کر کے اس میں وہ نبوت اور باخبری پیدا کر سکتے ہیں جس سے بنی نوع انسان کا مجموعی ارتقاء کسی اعلیٰ مخلوق یعنی خلق جدید تک ہوتا جائے۔ فطرت کی حیوانی جنسیں ایک جنس سے دوسری جنس تک ارتقاء بحیثیت مجموعی ہی کرتی رہی ہیں۔ اگر غیر مفصلی مخلوق کی کسی جنس نے (یعنی اس مخلوق نے جس میں ریڑھ کی ہڈی نہ تھی) لاکھوں یا کروڑہا برسوں پہلے کشمکش حیات کے عظیم الشان معمل میں ہزارہا یا لاکھوں برس کی مسلسل جدوجہد کے بعد مچھلی کی مفصلی مخلوق کی طرف ارتقاء کیا تھا تو پوری جنس نے یہ بہ حیثیت مجموعی کیا تھا۔ پوری جنس کی جنس کشمکشِ حیات کی ایک جانکاہ منزل پر ناگزیر "سمجھ" رہی ہوگی کہ اس جنس کے ہر فرد کے جسم کے اوپر کے حصے میں کوئی ٹھوس مگر جسم کو ہر طرف آسانی سے موڑنے والی ہڈیاں ہوں جو جسم کو پیٹ کے بل رینگوانے کی بجائے اس میں اپنے آپ کو "کھڑا" ہونے کی اہلیت پیدا کر دیں۔ کشمکش حیات کے زہرہ گداز عمل نے اس نوع کو ضرور سبق دیا ہوگا کہ جب تک جسم میں کسی سخت ڈھانچے پر کھڑا ہونے کے سامان پیدا نہ ہوں' پیٹ کے بل رینگ رینگ کر اپنے آپ کو قائم رکھنا اور اس خوراک کی تلاش کرنا جو کوسوں دور ہے' محال ہے۔ اس عام احساس سے جو تمام نوع میں ہوا ہوگا فطرت نے رینگنے والے جانوروں کی "کمر" پر آہستہ آہستہ "سختی" پیدا کی ہوگی اور یہ "سختی" ہزارہا برس کی مزید تگ و دو اور "باطنی احساس" سے ہڈیوں میں بدل گئی۔ ریڑھ کی ہڈیاں پیدا ہوتے ہی دوسرا احساس مچھلیوں کو یہ ہوا ہوگا کہ جب ہم پانی کی تہ سے "اٹھنے" کے قابل ہو گئے ہیں تو اب ہمارے پاس دو پر بھی ہونے چاہئیں تاکہ ہم پانی میں حرکت کر کے اپنی خوراک آسانی سے ڈھونڈ سکیں۔ پھر یہی مچھلی کے دو پر آگے چل کر دو پاؤں ہو گئے اور جب کشمکش حیات کی جانکاہ منزلوں میں دو پاؤں کا ہونا خوراک کی تلاش کے لئے ناکافی نظر آیا تو یہی چار پاؤں بنتے گئے اور بالآخر مزید بہتری کے لئے یہی کشمکش چار پاؤں میں سے دو اگلے پاؤں کو ہاتھوں میں تبدیل کرنے پر منتج ہوئی اور یوں اعضا کی تقویم پوری ہوئی۔

الغرض اگر غور سے دیکھا جائے تو نسل انسانی کا انسان سے بہتر مخلوق کی طرف ارتقاء بھی اسی "مجموعی احساس" سے ہو سکتا ہے جو سب حیوانی اجناس میں روز آفرینش سے اب تک ہوتا چلا آیا ہے اور یہی "مجموعی احساس" انسانی اقوام کی "نبوت" ہے۔ یہی وہ بڑی باخبری ہے جس سے انسان کی آئندہ ضروریات کے مطابق اس کے موجودہ اعضا میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔ انسانی اقوام جب تک آپس کی کشمکش میں لگ کر ایک دوسرے کو قتل کرنے میں لگی ہیں وہ مجموعی احساس پیدا نہیں ہو سکتا جو جنسوں کو دوسری جنسوں میں تبدیل ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔ مثلاً جب تک نسل انسانی کو یہاں اس زمین کے خزانے کافی ہیں' انسان کو کیا پڑی ہے کہ وہ بہ حیثیت مجموعی اس زمین سے نکل کر خدا کی بنائی ہوئی دوسری زمینوں پر جو آسمان میں ہیں قبضہ کرے۔ نہیں بلکہ اس خواہش کے ابھرنے کے دوران میں ہی کہ سطح زمین انسانی ضروریات کے لئے ناکافی ہے تمام نسل انسانی کے جسموں کے اعضا میں وہ تبدیلی آہستہ آہستہ ہوتی جانی چاہئے جو ان کے فاضل حصے کو جو زمین پر اپنی زندگی برقرار نہیں رکھ سکتا' زمین سے باہر کسی دوسرے ستارے تک

Marfat.com

(بذریعہ مشین یا کسی اور طرح) اڑ کر پہنچنے کی اہلیت پیدا کردے۔ صحیفہ فطرت کے عالموں نے قرنوں کی جدوجہد کے بعد زمین سے صرف پانچ میل اوپر کوہ ایورسٹ کی چوٹی پر چڑھ کر جب اس کو سر کیا تو ان کو محسوس ہوا کہ اس چھوٹی سی بلندی پر جا کر ہی انسان کے بعض سفلی محسوسات ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ان لوگوں کو محسوس ہوا ہے کہ عورت سے ہم بستری کی خواہش اوپر جا کر کالعدم ہو جاتی ہے' سگریٹ پینے کی خواہش ماند پڑ جاتی ہے' انسانی اعضا مثلاً ہاتھ پاؤں اس آب و ہوا کو برداشت نہیں کر سکتے اور ان پر کہر کی وجہ سے شدید زخم ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پس جب انسان بہ حیثیت مجموعی اپنی خوراک یا ضروریات زندگی کی تلاش میں زمین سے اوپر جایا کرے گا تو نہ معلوم کیا انقلابات اس کے اعضا میں اس وقت تک ہو جائیں گے تاکہ وہ اس کا اہل بن سکے۔ یہ نکتہ صرف ان ماہرین فطرت پر واضح ہو سکتا ہے جنہوں نے طبقات زمین میں ہزاروں اجناس حیوانی میں حیرت انگیز اعضائی انقلاب ایک طبقے سے دوسرے طبقے تک چڑھتے ہوئے بہ چشم خود دیکھے ہیں۔ زمانہ حال میں خلا نوردی کے تجربات ایسے تمام امکانات کو حقیقت کا روپ بلا شک و شبہ دے رہے ہیں۔

(۱۴) علم کی حکومت سے انسانی ارتقاء

(۲۲۳) الغرض نوعی یا جنسی ارتقاء کسی مخلوق میں بغیر کسی اشد شدید ضرورت کے پیدا نہیں ہو سکتا اور جب تک پوری نوع یا کم از کم اس کی کوئی اعلیٰ ترین جنس اس ارتقاء کی ضرورت کو شدید طور پر محسوس نہ کرے' اعضائی انقلاب کا واقع ہونا محال ہے۔ سطح زمین پر انسانی ارتقاء کی منزل اسی وقت نمودار ہو سکتی ہے کہ ساکنان زمین سب سے پہلے آپس کے مذہبی' نسلی' مقامی اور جغرافیائی جھگڑوں سے جو ہزاروں سالوں سے زمین پر خون کی ندیاں بہا رہے ہیں' دست بردار ہو جائیں۔ نسل انسانی پہلے زمانے کے انبیا کی وجہ سے پیدا شدہ تفریق سے عقیدتاً اور عملاً آزاد ہو جائے' روئے زمین پر صرف ایک امت ہو' نوع انسانی کا واحد منتہا صحیفہ فطرت کی تلاش ہو جو اس کائنات میں واحد حقیقت ہے' نہیں بلکہ منتہا یہ ہو کہ انسان آپس کی باہمی جنگوں اور فساد فی الارض سے ہٹ کر وہ عظیم الشان اور ہولناک ہتھیار صحیفہ فطرت سے جنگ کرنے اور اس کو مسخر کرنے کے تیار کرے جو فطرت کے راز کو یکسر کھول کر انسان کو خدا سے بہت قریب کر دیں اور کائنات کا یہ ہنگامہ عظمیٰ بالآخر اس مرحلہ پر آ کر ختم ہو کہ کائنات کی آفرینش کا مقصد پورا ہو گیا اور انسان کے خدا تک پہنچنے کی منزل طے ہو گئی۔

یہ عظیم الشان عمل ظاہر ہے کہ علم کی حکومت' اور علم کی حکومت کے بعد اقوام عالم کی انتہائی نبوت کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ انسانی اقوام میں نبوت کے وہ انداز بھر دینا جن سے انسان کا تن خدا کی تلاش میں اسی طرح گداز ہو جائے جس طرح پر کہ عرب کے آخری نبیؐ علیہ الصلوۃ والسلام کا تن آسمانوں کی طرف چڑھنے کے لئے معراج کی شب کو ہوا تھا' یا ان پر وہ کیف لے آنا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر زمین و آسمان کی ملکوت دکھلا دینے کے بعد طاری ہوا تھا۔ **کذالک نری ابراہیم ملکوت السموت والارض (۶:۷۵)** موجودہ درندگی کے عالم میں جو انسان نے اختیار کی ہے' محال ہے۔ اس درندگی میں سوائے اس کے کہ انسان نفس کی ادنیٰ شہوتوں کی طرف متوجہ ہو کر عالمگیر خونریزیاں کرے اور آفرینش کے مقصد سے قطعی طور پر غافل ہو جائے اور کچھ امید رکھنا عبث ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کی روز اول سے درندگی اس زمین پر کشمکش حیات کی وجہ سے ہے اور ہر قوم دوسری قوم کی زمین کو اس لئے چھیننا چاہتی ہے کہ اس کے لئے اس کے اپنے ملک میں وہ پوری طرح محفوظ نہیں رہی لیکن یہ سب منظر غیر فطری اس لئے ہے کہ سفلی حیوانی امتوں میں

Marfat.com

اعضا اور شکل و صورت کی مماثلت ہوتے ہوئے کسی "بدترین" جنس حیوانی نے بھی اپنی جنس کے افراد کے ساتھ مقاتلہ نہیں کیا' ہر جنس اپنی جنس کے افراد کے ساتھ عام طور پر نہ صرف کامل مصالحت سے رہی ہے بلکہ تلاشِ رزق کے معاملے میں ایک جنس کے گروہ نے اپنی جنس کے دوسرے گروہ کے ساتھ مساحت روا رکھی ہے اور نوبت اس تلک نہیں پہنچی کہ وہ ایک دوسرے کو کاٹ کھائیں۔ یہ وطیرہ بڑے سے بڑے درندہ حیوانوں نے بھی تنگ گذرانی کی کسی منزل پر اختیار نہیں کیا بلکہ تنگئ معیشت کا فطرت میں عام طور پر یہ نتیجہ ہوا ہے کہ وہ تمام کی تمام جنس عام بھوک کے باعث آہستہ آہستہ چھوٹے جسم کی مخلوق بن کر بالاخر اس روئے زمین پر (افریقہ کے قصیرالجسم ہاتھی کی طرح) کمیاب ہوگئی ہے یا الجدیدۃ الوسطی کے خوفناک طور پر بڑے بڑے حرزونوں کی طرح قطعی طور پر ناپید ہوگئی۔ اس میں شک نہیں کہ انسانی مقاتلوں کے سلسلے میں جو زمین پر ہوتے رہے ہیں' ایک قوم نے دوسری قوم کو اکثر اوقات اس قدر کچل دیا ہے کہ وہ ساری کی ساری یاکلون کما تاکل الانعام (۴۷:۱۲) یعنی مویشیوں کی زندگی بسر کرنے' یا کونوا قردۃ خاسئین (۲:۶۵) یعنی صرف انسان نما بندر بن جانے تک ہو کر رہ گئے ہیں لیکن یہ انقلاب مظلوم قوموں میں اعضائی انقلاب یا خلق جدید کی حد تک نہیں پہنچا اور تاریخ انسان کی یہ داستانیں یا قرآن حکیم میں یہ حکایتیں صرف تمثیلی ہیں۔ اس لحاظ سے اگر غور سے دیکھا جائے تو انسانی جنس تمام روئے زمین پر رنگ' نسل' مذہب مقام وغیرہ کے تمام اختلافات کے باوجود ایک ہے اور فطرت کا منشا اس تمام جنس کے بارے میں صرف ایک ہی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک امت بن کر رہے' زمین پر جو تمام جنس کی مشترک وراثت ہے' کامل مصالحت سے رہے' اس زمین کی تمام اشیاء کو جو اس کے استعمال کے لئے ہیں مشترک طور پر اور باہمی مصالحت سے استعمال کرے' اغنیا اور فقرا میں جہاں تک ممکن ہو دولت کی مساوات پیدا کر دی جائے' انسانی افراد کی خواہ وہ امیر ہوں یا غریب ذہنی مساوات سے انسانی آبادی روئے زمین پر کثرت سے ہو جائے اور زمین کی ہر غذائی شے انسان کے مصرف میں پورے طور پر آ چکی ہو' انسان یا تو کمی غذا کے باعث اس قدر مجبور و مقہور ہو جائے کہ اپنی نااہلی کے باعث آہستہ آہستہ پست قد یا قصیرالجسم ہوتا جائے حتیٰ کہ نابود ہو جائے یا اپنے سمع و بصر کے زور سے اتنا طاقتور ہوتا جائے کہ اس چھوٹی سی زمین سے باہر نکل کر آسمانوں کی زمینوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے اور اسی قبضہ کرنے کی کوششوں میں ہی اپنی حرکتوں' اپنی بود و باش' اپنے طریقہ ہائے رہائش' اپنے اعضائے جسمانی میں اس طور پر انقلاب پیدا کرتا جائے کہ وہ بہ حیثیت مجموعی اپنے سے زیادہ اعلیٰ ترین جسم کی طرف ارتقاء کرے۔ قران عظیم میں ہے و ما لکم لا ترجون للہ وقاراہ ج وقد خلقکم اطوارا○ (۷۱:۱۳-۱۴) یعنی جب تم انسانوں کا ارتقاء نہایت ادنیٰ درجے کے حیوانوں سے شروع کر کے احسن الخلق انسان تک کیا ہے تو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے اور زیادہ عزت کی امید نہیں رکھتے۔ ایک دوسری جگہ ہے فلا اقسم بالشفق○ والیل و ما و سق○ والقمر اذاتسق ○ لترکبن طبقا عن طبق○ فما لھم لا یومنون○ و اذا قری علیھم القران لا یسجدون○ (۸۴:۱۶-۲۱) یعنی انسان کا ایک درجہ سے دوسرے درجے تک چڑھنا چاند کی طرح مکمل ہو گا اور کیا ہو گیا ہے انسان کو کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتا اور جب قرآن کی عظیم الشان حقیقتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ لڑکھڑا کر سجدے میں نہیں گرتا۔

(۱۵) طریقِ پیدائشِ انسان میں انقلاب وارتقا

(۴۴) اعضائی انقلاب کے سلسلے میں قرآن حکیم نے انسان کی پیدائش کے بارے میں بار بار اس کی توجہ اس طرف دلائی ہے کہ وہ منی کے ناپاک پانی سے پیدا کیا گیا' کہا گیا کہ اس کو اپنی پیدائش پر شرم نہیں آتی اور باوجود اس کے کہ اس کی اصل اس قدر ذلیل

ہے' وہ خدا کا کھلا دشمن ہے **فاذاھو خصیم مبین**○(۳۶:۷۷)۔ "کھلا دشمن" ہونے کے یہ معنی ہیں کہ انسان خدا کے قانون کو خاطر میں نہیں لاتا اور سخت ترین نافرمانیاں کرتا رہتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ آیتیں باریک مگر مضبوط اشارہ اس طرف ہوں کہ جب انسان خدا سے "کھلی دوستی" کی طرف آ جائے گا اور نہ صرف یہ کہ اس کے قانون کا ہمہ تن پابند ہو گا بلکہ خدا کو تلاش کرنے کی جدوجہد میں اس سے دوستانہ ملاقات کا آرزو مند ہوتا جائے گا تو اس کی یہ ذلیل طور پر پیدائش بھی ختم کر دی جائے گی۔

انسان کی مرد اور عورت کے جسم کے پلید ترین حصوں سے پیدائش اگرچہ سفلی حیوانات کی طرف سے کروڑوں برس پرانا ورثہ ہے مگر اس انسان کے لئے جو صحیفہ کائنات کی بلند ترین حقیقتوں کو اپنی جدوجہد سے تلاش کرنے کے بعد فاطر زمین و آسمان کے عرش تک پہنچنے کا خواہاں ہے فی الحقیقت باعث شرم ہے۔ انسان کے لئے فی الحقیقت یہ امر باعث ننگ ہے کہ **نفخت فیہ من روحی** اور **انی جاعل فی الارض خلیفتہ** کا مصداق ہو کر حیوانات کی طرح پیدا ہو۔ اس راستے سے پیدا ہو جس راستے سے جسم کا تمام ردکردہ فضلہ نکلتا ہو' اس کی پیدائش اور نمو جسم کے اس حصے میں ہو جہاں جسم کی تمام آلائش جمع ہوتی ہے' اس حصے میں اس کا مسکن ہو جس حصے کو انسان اس کی گندگی کی وجہ سے چھپائے پھرتا ہے' جس حصے کو ننگا کرنے سے اس کا وقار جاتا ہو' وغیرہ وغیرہ قرآن حکیم کا بار بار اس نکتے کی طرف رجوع کرنا اور ساتھ ہی اپنے متعلق اپنی بے مثال کبریائی کو ظاہر کرنے کے لئے **لم یلد ولم یولد** (۱۱۲:۳) کہنا' یعنی یہ کہنا کہ خدا وہ بے مثال و بے ہمتا اور ہمیشہ رہنے والا **اللہ الصمد** اور **لم یکن لہ' کفوا احد**○ (۱۱۲:۴) ہے کہ نہ وہ توالد و تناسل کے ذریعے سے پیدا کرتا ہے اور نہ خود اس ذلیل طرح سے پیدا ہوا ہے۔ علامہ" لکھتے ہیں کہ صاف اس طرف اشارہ ہے کہ اگر انسان کو خدا تک پہنچنا ہے تو آگے چل کر اس کو اس طریق پیدائش سے مستغنی ہونا پڑے گا۔ وہ خدا سے دو بدو ملاقات کا تبھی اہل ہو سکتا ہے کہ خدا کی طرح سمیع و بصیر ہوتے ہوئے اس کی طرح **لم یلد و لم یولد** کا مصداق بھی ہو۔ انسان کے طریق پیدائش کی طرف قرآن حکیم کے یہ بار بار اشارے لازم ہے کہ کسی عظیم الشان حکمت کے حامل ہوں' ان کو بے معنی سمجھنا یا شاعری کہہ کر ٹال دینا میرے نزدیک قرآن عظیم کی روح کو نہ سمجھنا ہے' لیکن میرے نزدیک ان سے بدرجہا واضح تر الفاظ میں سورۂ طارق میں خدا نے آسمان اور اس کے عظیم الشان مناظر کو گواہ بنا کر یا بعض کی نظروں میں ان کی قسم کھا کر' انسان کی پیدائش کے متعلق لرزہ خیز انکشاف کیا ہے جو انتہائی طور پر قابل غور ہے۔

فلینظر الانسان مما خلق○ خلق من ماء دافق○ یخرج من بین الصلب والترائب○ انہ علی رجعہ لقادر○ (۸۶:۵-۸)

پس انسان کو چاہیئے کہ اس پر غور کرے کہ وہ کس شے سے پیدا ہوا۔ وہ اچھلنے والے پانی سے پیدا ہوا جو پیٹھ اور پسلیوں میں سے نکلتا ہے۔ بے شک اور بالضرور انسان اس پانی کو واپس کر دینے پر قادر ہے۔

آگے چل کر اس عظیم الشان حقیقت کے متعلق **انہ لقول فصل**○ **وما ھو بالھزل** (۸۶:۱۳-۱۴) کے الفاظ ہیں' یعنی جو کہا گیا وہ ایک فیصلہ کن قول ہے اور ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے۔ اس لئے مجھے مفسرین قرآن کی تمام تشریحوں کے باوجود جو انہوں نے سورۂ طارق کی کی ہیں' سنجیدہ طور پر شک پڑتا ہے کہ **انہ علی رجعہ لقادر** کے معنی وہی ہیں جو میں نے کئے اور مراد یہ ہے کہ انسان کو سوچنا چاہئے کہ اس کی ادنیٰ حیوانوں کے طریق پر ایک "اچھلتے ہوئے پانی سے (جو انتہائی طور پر ناپاک ہے) پیدائش انتہائی طور پر باعث شرم ہے اور چونکہ قطرۂ منی کے ذریعے سے پیدائش تمام سفلی مخلوق کا خاصہ ہے' انسان اگر مناسب جدوجہد کرے گا تو ضرور ہے کہ وہ اس امر پر قادر ہو جائے کہ اس گندے پانی سے پیدائش کو حیوانات کی طرف ہی لوٹا دے اور خود اس سے آزاد ہو جائے۔ پھر کہا کہ کئی بڑی بڑی قسمیں کھا کر جو

Marfat.com

یہ بات کہی گئی کہ انسان اپنی پیدائش پر غور کرے' تو یہ بات کہ وہ اس "پانی کی واپسی" پر پورے طور پر قادر ہے ایک فیصلہ کن قول ہے محض بکواس نہیں بشرطیکہ انسان اس سعی و عمل کی طرف اپنے آپ کو ہمہ تن لگا دے جو اس کو اس ذلیل پیدائش سے آزاد کرا سکتا ہے۔

اگر ان آیات کے یہی معنی ہیں جو بیان کئے گئے ہیں تو لامحالہ قرآن عظیم نے انسان کے سامنے اس کے آئندہ اعضائی انقلاب کے متعلق عجوبات کا ایک نیا دفتر کھول دیا ہے جو مسئلہ ارتقا کی جان ہے اور جس کی روح کو سمجھ کر انسان اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس کا اس بیکراں کائنات میں جو کروڑوں سال سے ہے اور جو ہزاروں سال سے حضرت انسان کو محو حیرت کر رہی ہے' مآل اور معاد کیا ہے۔ میرے نزدیک اگر انسان فی الحقیقت اس کا مصداق ہے کہ اس میں خدا کی روح پھونک دی گئی ہے اور وہ "خدا کی تصویر" ہے تو جس جسم میں خدائی روح پھونکی گئی ہے اور جس جسم کو آگے چل کر خلیفہ خدا ہونے کا اہل بننا ہے' بلکہ جس جسم نے تمام کائنات کے کونے کونے پر حاوی ہو کر بالآخر فاطر زمین و آسمان سے دو بدو ملاقات کرنی ہے' اس جسم کی یہ ہیئت کذائی' اس کی یہ پلید ذہنی' اس کی یہ نفسانی شہوتیں' اس کا صبح سے شام تک عورتوں سے عشق' اس کا ہم بستری کے وقت گندگی سے کھیل' اس کے جسم کے اندرونی حصوں میں ہر وقت شہوت کی آگ' اس کی ہر دوسری خوبصورت عورت پر نظر' الغرض یہ تمام حیوانی سلسلہ جو اس کے تمام ربانی کردار کے باوجود اس کے ساتھ نطفہ منی کی حدت کی وجہ سے لگا ہے اور جو ہر دم اس کو یاد دلائے رکھتا ہے کہ وہ علو کردار کی انتہائی بلندیوں پر بھی حیوان ہی ہے انسان کو شرم دلاتا ہے کہ اس کا موجودہ جسم اس کا اہل نہیں کہ وہ وہاں کے ماحول کو برداشت کر سکے۔ تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ صرف پانچ میل کی ایورسٹ کی چوٹی پر چڑھ کر زن و مرد کی شہوت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ پانچ میل بلند نہیں ہو سکتا جب تک اس کے بدن پر کئی غلاف ایسے نہ ڈالے جائیں جن سے وہ ہوا کے دباؤ کا مقابلہ کر سکے' دل کی حرکت کو صحیح رفتار پر رکھنے کے لئے ہی کئی طرح کے علمی اوزار بدن کے ساتھ لگانے پڑتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ انسان کے بدن اور اعضا کی اگر یہی صورت پانچ میل کی بلندی پر ہے تو کروڑوں اور اربوں میل کی بلندی پر نہ معلوم اس کے جسم کا کیا حشر ہو گا۔" (اب چاند پر پہنچ جانے کے بعد تو ان تصورات کی قطعی طور پر تصدیق ہو چکی ہے)۔

(۶) انسان کے اعضائی ارتقا کے متعلق تین واقعاتِ قرآنی

(۲۵) نسل انسانی کو اس کی پیدائش کے ابتدائی مرحلوں میں ہدایت دینے والے انبیا کے متعلق یہ کہنا کہ ان کا دعویٰ کہ وہ خدا کی طرف سے پیغام لے کر آئے تھے' نرا دھوکہ تھا' اب کسی صاحب نظر کے نزدیک قابل تسلیم نہیں رہا۔ اب قابل یقین امر یہ ہے کہ انبیا اور علی الخصوص وہ مشہور انبیا جن کی امتیں ابھی تک روئے زمین پر باقی ہیں بے شک ان انتہائی طور پر باخبر انسانوں میں سے تھے جنہوں نے انسانی معاشرے کے صحیح اصول ہمیشہ کے لئے وضع کئے' انہوں نے اس حیوان نما انسان کو جس کی زندگی آفرینش کے ابتدائی زمانوں میں درندوں سے بدتر تھی' باہم مل کر رہنے کے صحیح طریقے سکھلائے' عقل و ہوش اور فہم و ادراک کے عطیات ربانی کے باعث جو خود سری اور خود رائی' ظلومیت اور جہولیت' تشدد اور نفسانیت انسان میں پیدا ہو گئی تھی اور جن کے باعث انسان روز اول سے انسان کے خلاف' فطرت کے تمام معمول کو برطرف کر کے' برسرپیکار رہا اور ایک دوسرے کا گلا کاٹتا رہا' انبیا نے اس تمام فساد فی الارض کو صحیح طور پر روکا' عقل و ادراک کی امانت کو جس کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں نے قبول کرنے سے انکار کیا تھا اور صرف ظلوم و جہول انسان

Marfat.com

نے اٹھا لیا تھا' انبیا نے اس حیرت انگیز باخبری سے انسان کے لئے بابرکت بنا دیا ہے کہ ہر صاحب نظر کی عقل ان کے لائے ہوئے یا بنائے ہوئے قوانین پر دنگ ہے۔ کمتر حیوانوں میں ہر شخص جانتا ہے کہ تلاش خوراک وغیرہ کے بارے میں کوئی اخلاق یا معاشری قوانین موجود نہیں ہیں۔ حیوان جہاں سے اور جس طرح میسر ہو اپنی مناسب خوراک خزانہ فطرت سے بہرنوع وصول کر لیتا ہے اوردیانت داری اور بد دیانتی کا سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن ہر شخص آج اندازہ لگا سکتا ہے کہ اگر "گناہ" کا ابتدائی احساس ابتدائی انسان کو نہ دیا جاتا تو انسانی معاشرہ آج کس محشر انگیز فتنہ میں مبتلا ہوتا۔ خدا کے ہونے کا یقین اگر انسان کو شروع سے نہ ہوتا تو انسان کس قصاب خانہ زمین پر بستا۔ چوری' قتل' زنا' خیانت' دھوکہ' جھوٹ' وغیرہ وغیرہ کے خلاف تعزیری عمل کو رواج نہ دیا جاتا تو انسانی زندگی کس قدر تاریک ہو جاتی۔ اس نقطہ نظر سے جہالت کے ان تاریک زمانوں میں انبیا فی الحقیقت معمولی انسان ہرگز نہ تھے اور جس دروں بینی' صداقت اور "صحیح خبر" سے انہوں نے انسانی زندگی کو بہتری اور بہبودی کی راہوں پر لگایا سچ مچ حیرت انگیز ہے۔ لیکن انبیا کی فضیلت یہیں پر بس نہیں ہوتی بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کارخانہ فطرت کو اس سے بھی بہت بلند نظر سے دیکھ رہے تھے اور ان کی مدت العمر کی سب سے بڑی دھن یہ تھی کہ اس کار گاہِ جہاں کے پیدا کرنے والے تک اپنے روحانی سعی و عمل اور بصیرتی جدوجہد سے پہنچ کر اس تمام ہنگامے کی جو آنکھوں کے سامنے نظر آ رہا ہے' کنہ و ماہیت دریافت کریں اور نسل انسانی کو خدا سے ملا دیں۔

انبیا کا نسل انسانی پر حیرت انگیز اثر جو آج تک اس شدت سے نمایاں ہے' ہر صاحب نظر کو اس امر پر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ ان کی صادقیت اور تبحرِ علم و عمل کو کھلے دل سے تسلیم کرے' ان کے بتائے ہوئے علم اور نبا کو انسانی معاشری علم کی بنیاد یقین کرے۔ وہ اختلاف اور افتراق جو ان کے مختلف انسانی گروہوں میں نمودار ہونے کی وجہ سے زمین پر پیدا ہو گیا ہے بے شک درد ناک بلکہ تاریخ انسانی کا سب سے زیادہ ہولناک حادثہ ہے لیکن یہ سب کچھ انسان کی اپنی بغاوت' خودرائی اور ضد کا منصوبہ ہے' انبیا اس گناہ عظیم کے مجرم ہرگز نہ تھے۔ ان کے ارادوں کی عظمت اس امر کی گواہ ہے کہ وہ انسان کو "صحیح راہ" پر چلانے کے بارے میں کامیاب انسان تھے۔

اس تمہید کے بعد اس کیف و حال کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہو سکتا ہے جو انبیا کے ذہنوں میں صحیفہ فطرت کی چیستاں کے متعلق مدۃ العمر رہا ہو گا۔ قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کا آسمان و زمین کی ملکوت' کو دیکھنے کا واقعہ (**کذالک نری ابراہیم ملکوت السموت والارض** (۷۵:۶) حضرت موسیؑ کا کوہ طور پر "خدا سے ہمکلام" ہونے کا واقعہ' (**وکلم اللہ موسی تکلیما** (۱۶۴:۴)' **خرموسی صعقاج** (۱۴۳:۷) اور رسول خدا صلعم کا "معراج" کا واقعہ (**اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی برکنا حولہ لنریہ من ایتنا** (۱:۱۷) تینوں خرق عادت واقعات معلوم ہوتے ہیں اور تینوں کا بیان قرآن حکیم میں نہایت مختصر الفاظ میں ہے۔ ان واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں مخصوص کیف و حال میں ہوئے ہوں گے اور ان واقعات کے دوران میں ضرور کوئی نہ کوئی اعضائی' جسمانی انقلاب ان انبیا کے بدنوں میں اس وجہ سے پیدا ہوا ہو گا کہ آسمانوں پر جا کر دیکھنے کے دونوں واقعات موجودہ جسموں سے نہیں ہو سکتے تھے اور خدا سے ہمکلامی کا واقعہ اگرچہ بے ہوشی کی حالت میں ہوا تھا مگر وہاں بھی **لنریک من ایتنا الکبری**○ (۲۳:۲۰) کے الفاظ موجود ہیں۔ پس یہ تینوں واقعات (اگر یہ نرا دھوکہ نہ تھے) اس امر کی دلیل بلکہ اس امر کی طرف اشارہ ہیں کہ اقوام کی نبوت کے مرحلے پر جو نسل انسانی کی تگ و دو کے ضمن میں ایک نہ ایک دن آنے والا ہے' انسان کا آسمانوں پر جا کر اس کی ملکوت کو "بچشم خود" ملاحظہ کرنا اٹل ہے۔ انبیا اگر اپنے روحانی زور علم سے اس امر پر قادر ہو گئے تھے کہ خدا کی ملکوت کو بہ چشم خود **لنریہ من ایتنا** اور (**کذالک نری ابراہیم** کے الفاظ اس کیفیت پر دلالت کرتے ہیں) دیکھیں تو انسان کی پوری نسل کو بھی یہ واقعہ ایک نہ ایک دن پیش آنے والا ہے

اور اس کا بھی ایک نہ ایک دن رسول خدا کی طرح سمیع و بصیر ہو جانا (انہ ھوا لسمیع البصیر○) (۱:۱۷) اٹل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھنے اور اس سے ہمکلامی کا واقعہ قرآن حکیم میں انتہائی عمیق و بلیغ الفاظ میں ہے اور اس کے کیف و حال کو پہنچنا غیر روحانی انسان کے لئے از بس مشکل ہے لیکن وہاں بھی لن ترانی (۱۴۳:۷) کے الفاظ کے باوجود لنریک من ایتنا الکبری○ (۲۳:۲۰) (یعنی تاکہ ہم تم کو اپنی بڑی بڑی نشانیاں ان آنکھوں سے دکھلا دیں) کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ بھی انسانی بصیرت کا ایک عظیم الشان مرحلہ تھا جو اس نبی کو اپنی بصیرتی جدوجہد کے سلسلے میں ملا۔ اسی بصیرتی جدوجہد کے ایک مرحلے پر حضرت موسیٰؑ کو کوئی "آگ" محسوس ہوئی ہو گی جس کے متعلق انہوں نے کہا کہ شاید اسی "آگ" سے مجھے کوئی "ہدایت" کا راستہ مل جائے (اذرا نارا لقال لاھلہ امکثوا انی انست نارا لعلی اتیکم منہا بقبس او اجد علے النار ھدی○ (۱۰:۲۰)۔ الغرض یہ تینوں واقعے انسان کی بصیرت کی تاریخ میں عظیم الشان اشارے اس امر کی طرف ہیں کہ انسان کی آنکھیں عام حالات میں اگرچہ صحیفہ فطرت کی صرف محدود اشیا کو دیکھ سکتی ہیں مگر ہزار اشیا فطرت میں ایسی ہیں جن کو انسان صرف اپنے جسم کو خاص کیف و حال میں محسوس کر سکتا ہے۔ اس خاص بصیرت کی زندہ مثال آج کل روشنی کی بے شمار شعاعیں ہیں جن کا علم انسان کو اس کی موجودہ آنکھ سے اس لئے حاصل نہیں ہوا کہ ان کی طول موج (ویو لینگتھ) انسان کے پردہ چشم کو متاثر نہیں کرتی مگر وہ اپنے انعکاسی عمل (ریڈیو ایکٹویٹی) سے جو وہ دوسری اشیا پر کرتی ہیں، اپنے وجود کا بین ثبوت دیتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں سماعت اور بصیرت کی انتہا آج علمی ترقی کے اس زمانے میں یہاں تک ہو چکی ہے کہ انسان ہزاروں میل کی آوازیں اور کروڑوں میل دور سے نکلی ہوئی شعاعیں اپنے علمی آلات کے ذریعے سے قید کر کے اپنے کانوں اور آنکھوں تک پہنچا سکتا ہے، وہاں سماعت اور بصیرت کے اور بالاتر مراحل بھی ہیں جن کا تعلق انسان کے قلب یعنی ذہنی کیفیت تن کو اس قدر گداز کر دے کہ اس میں اعضائی انقلاب ایسے طریقے سے واقع ہو کہ آنکھ اس شے کو دیکھ سکے جو معمولی آنکھ نہیں دیکھ سکتی اور کان اس شے کو سن سکے جو معمولی کان سن نہیں سکتے۔ حضرت موسیٰؑ کی خدا سے ہمکلامی کا واقعہ آنکھ اور کان کا اسی قبیل کا واقعہ معلوم ہوتا ہے اور اگر انبیا کو اپنی انتہائی بصیرت سے یہ مرحلہ نصیب ہو گیا تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ عالم فطرت کو اور اس کے بعد اقوام کی نبوت کے سلسلے میں نسل انسانی کو بہ حیثیت مجموعی یہ مرحلہ بالآخر نصیب ہو کر نہ رہے۔ انسان میں اگر ازروئے قرآن "خدا کی روح" پھونک دی گئی ہے تو "خدا کی روح" کا پہلا تقاضا ہے کہ وہ "خدا سے ملنے" کی سبیل نکالے۔ ابھی تک انسانی علم کی غیر فطری بنیادیں جو اس کو زیادہ سے زیادہ گھومنے والی مشینوں تک لے گئی ہیں، اس امر کی ضامن نظر نہیں آتیں کہ وہ ان مشینوں کے ذریعے اس زمین سے کسی بڑے فاصلے تک پرواز کر سکے لیکن جب اس نے اپنے علم کی بنیادیں فطری اکائیوں پر استوار کر کے اس زمین پر زندگی کے راز کو دریافت کر لیا اور خود بے جان مشینوں کا خالق ہونے کی بجائے صحیح معنوں میں زندہ اشیاء کا خالق بن گیا، تو اس کی فطرت میں "خدا کی روح" کا پہلا انکشاف عملی طور پر ہو گا اور انبیا کی طرح اس کی بصیرت کا یہ مرحلہ اس کو آسمانی کروں تک کسی ایسے اعضائی انقلاب کے ساتھ لے جائے گا جس میں اس کی بنائی ہوئی گھومنے والی مشینوں کا دخل تک نہ ہو۔ یہ مشینیں اس وقت کسی ناقص اور غیر فطری علم کی پرانی یادگار کے طور پر رہ جائیں، موجودہ علم ریاضی جس سے وہ فطرت کی تقدیر و تخمین کے اندازے علم حساب کے ایک دو چار اور علم جبر و مقابلہ کے الف اور بے سے بنائی ہوئی مساواتوں کے ذریعے سے کرتا ہے اور خود کو انسان کے اپنے وضع کئے ہوئے علموں کا ماہر یقین کرتا ہے، سب کا سب مضحکہ انگیز نظر آئے، اس پر صحیفہ فطرت کے متعلق ایک نئے اور "خدائی علم" کا طلوع ہو اور کاغذ پر اور قلم سے لکھی ہوئی کتابوں کی بجائے وہ "کتاب فطرت" کا مطالعہ "خدائی آنکھ" سے کرے اور نہال ہو جائے! علامہؒ لکھتے ہیں :-

"میرے یقین میں قرآن حکیم جیسی بلند کتاب میں پرانے زمانے کے انبیا کی بصیرت کے متعلق یہ بلند اشارے جو انسانی فہم و ادراک سے بالاتر نظر آتے ہیں' قرآن حکیم کو قصوں اور افسانوں کی کتاب نہیں بناتے بلکہ انسان پر نبوت یعنی کمال باخبری کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں اور صاف اشارہ اس امر کی طرف ہیں کہ انبیا وہ لوگ تھے جو اپنے اپنے زمانے میں اپنی کمال بصیرت کے باعث **نفخت فیه من روحی** اور **جاعل فی الارض خلیفه** کے صحیح مصداق اپنے زمانے کے معیار علم کے مطابق بنے اور چونکہ یہ فضیلت تمام نسل انسانی پر عائد ہے' تمام نسل انسانی بھی اسی فضیلت تک پہنچ سکتی ہے بشرطیکہ وہ تمام کی تمام نبوت کے درجے تک پہنچ جائے!"

(۱۷) طریق پیدائش انسان میں اعضائی انقلاب کا قرآنی واقعہ۔

(۴۶) انسان کے جسم میں اعضائی انقلاب کے موضوع کے متعلق ایک اور عظیم الشان واقعہ حضرت مریمؑ کے بطن سے حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا واقعہ ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے۔ اس واقعہ کے متعلق مذہبی جذبات کچھ ہی کیوں نہ ہوں مگر علمی نقطہ نظر سے جو نتائج پیدائشِ انسان کے بارے میں قرآن کے استدلال سے واضح ہوتے ہیں نسل انسانی کے لئے ایک اہم اشارہ ہیں۔ مرد اور عورت کی شرمگاہوں کی حفاظت کے متعلق قرآن حکیم میں چار جگہ پر واضح طور پر تاکید ہے کہ یہ حفاظت ہر مرد اور عورت پر فرض ہے (دیکھو ۲۳:۵' ۲۴:۳۰' ۳۳:۳۵' ۷۰:۲۹)۔ ایک قانونی کتاب میں زنا نہ کرنے کے متعلق یہ تاکیدیں لازمی تھیں اور **فاطر السموت والارض** کے بارے میں جس نے انسان کا سلسلہ توالد و تناسل خود قائم کیا' "شرمگاہ" کا لفظ استعمال کرنا بھی کچھ معیوب نظر نہیں آتا لیکن دنیا کے ایک بڑے عظیم الشان نبی کی عظیم المرتبت والدہ حضرت مریم بنت عمران علیہ السلام کی شرمگاہ کا خاص طور پر ذکر کر کے ان کے متعلق دو بار خاص الخاص طور پر یہ کہنا کہ حضرت مریمؑ نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور کسی مرد کو پاس پھٹکنے نہ دیا خالی از علت نہیں ہو سکتا۔ سورۂ انبیا میں بہت سے انبیا کے عمدہ اعمال کو انتہائی طور پر سراہنے کے بعد ہے۔ **والتی احصنت فرجها فنفخنا فیها من روحنا و جعلنها وابنها اية للعلمين**○ (۲۱:۹۱) یعنی اور "اس (عظیم الشان) عورت کا ذکر کرنا مجھے بھلا معلوم دیتا ہے) جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی' پھر ہم نے اس عورت میں اپنی روح پھونک (کر اس کو بغیر مرد کے نطفے کے رحم میں داخل ہونے کے اس قابل بنا دیا کہ اس کے پیٹ میں حضرت عیسیٰؑ کا حمل ٹھہر جائے' اور جب وہ حمل ٹھہر گیا اور حضرت عیسیٰؑ پیدا ہو گئے) تو پھر ہم نے مریمؑ اور اس کے بیٹے دونوں کو تمام دنیا کے لئے (عجوبہ روزگار) نشانی بنا دیا۔" مریمؑ اور ان کے بیٹے کو تمام کائنات کے لئے ایک "یادگار نشانی بنا دینا" صرف اسی عجیب و غریب واقعے سے ہو سکتا ہے کہ حضرت مریم کو بغیر خاوند کے نطفے کے حمل ٹھہر گیا تھا اور حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے' اور کسی وجہ سے ہرگز نہیں ہو سکتا یہی نکتہ سورۂ مومنون میں ہے۔ **و جعلنا ابن مریم و امه اية** (۲۳:۵۰)' اگرچہ یہاں شرمگاہ کی حفاظت کا ذکر نہیں۔ تیسری جگہ سورۂ تحریم میں ہے۔ **ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجها فنفخنا فیه من روحنا وصدقت بکلمت ربها و کتبه وکانت من القنتین**○ (۶۶:۱۲) یعنی "اور (ایک قابل ستائش عورت جو خدا کی فرمانبردار عورت تھی) مریم بنت عمران تھی جس نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا۔ پھر ہم نے اس کی شرمگاہ میں اپنی روح پھونک دی (اور بغیر مرد کے نطفے کے اس کے پیٹ میں حمل ٹھہرا دیا) اور وہ وہ عورت تھی جس نے اپنے پروردگار کے کہے ہوئے کلمات پر (والہانہ) عمل کر کے ان کو سچ کر دکھایا تھا اور وہ انتہائی طور پر اطاعت کرنے والی عورتوں میں سے تھی۔" یہاں جو بات قابل غور ہے یہ ہے کہ سورۂ انبیا میں **فنفخت فیها من روحنا** اور سورۂ تحریم میں **فنفخنا فیه من روحنا** کے الفاظ ہیں۔ اول الذکر میں خدائی روح کو حضرت مریم میں (یعنی ان کے تمام جسم کے اندر) اور موخرالذکر میں

Marfat.com

خدائی روح کو حضرت مریم کی شرمگاہ میں (کیونکہ فرج کا لفظ مذکر ہے اور اسی لئے ہ کی مذکر ضمیر استعمال کی گئی ہے) پھونکنے کا ذکر ہے۔
ان سے بڑھ کر قابل توجہ بات ف کا حرف ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کو چونکہ مریم علیہا السلام نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تھی اور کسی مرد کو نزدیک پھٹکنے نہ دیا تھا اس لئے اس مشکل کے علاج کے طور پر خدا نے حضرت عیسیٰ کو ان کے پیٹ سے بن باپ کے نطفے کے پیدا کرنے کے لئے اپنی روح حضرت مریم کے جسم یا ان کی شرمگاہ میں پھونک دی۔ ادھر چونکہ **نفخت فیہ من روحی** ۱۵:۲۹' ۳۸:۷۲ بعینہ یہی الفاظ انسان کی پیدائش کے متعلق بھی استعمال کئے گئے ہیں اور ان کا صریح مفہوم یہ ہے کہ انسان کو اس کا اہل بنا دیا گیا ہے کہ وہ خدا کی خاصیتوں کا حامل ہو کر خدا کا مماثل بنے اور اپنی لازوال اہلیتوں کو اپنی جدوجہد اور علم حقائق الاشیا سے اوجِ کمال تک پہنچائے اس لئے **نفخت فیہ من روحی** کے ربانی عمل سے' جو انسان کی نسل اور مریم علیہا السلام دونوں پر یکساں ہوا' ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے' وہ یہ کہ جس طرح اس روح ربی کو حضرت مریم کے جسم میں پھونک دینے سے وہ مرد کی ہم بستری سے بے نیاز ہو گئی تھیں اسی طرح انسان بھی اپنے ارتقا کے آخری مرحلوں میں جب کہ وہ خدا کا مماثل بنتا جائے گا' کسی ایسے اعضائی انقلاب کا حامل ہو کر رہے گا جس اعضائی انقلاب کے باعث اس کو حاجت ہی نہ رہے گی کہ وہ اپنی پیدائش مرد اور عورت کی مجامعت سے کرے اور یہ مرحلہ وہ ہو گا کہ وہ نطفہ منی کے رسوا کن طریق پیدائش سے نکل کر کسی ایسے باعزت طریق پیدائش کی طرف آئے گا جو مریم علیہا السلام کو خدا کے حضور سے ارزانی ہوا تھا! علامہ مشرقیؒ مزید لکھتے ہیں :۔

میری نگاہ میں ایک جلیل القدر اور پاکیزہ عورت کے متعلق ایسے رسوا کن الفاظ کا استعمال کرنا جیسے کہ قرآن حکیم نے کئے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کی پیدائش کو باقی تمام انبیا کی پیدائش سے مختلف کر کے ان کو تمام دنیا میں ہمیشہ کے لئے انگشت نما کرا دینا (بلکہ یہودیوں سے طعنے دلوانا کہ معاذاللہ' حضرت مریم نے زنا کیا ہو گا) بہ جز اس علت کے نہیں ہو سکتا کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ' حضرت عیسیٰؑ اور رسول خدا صلعم کو آسمانوں تک جانے کا اشارہ دینا تھا' اس طرح حضرت عیسیٰ کو بن باپ کے جنوا کر انسان کو اشارہ اس امر کا دینا تھا کہ انسان کے آئندہ ارتقاؤں کے مرحلوں میں جو **نفخت فیہ من روحی** سے متعلق ہوں گے) ایک مرحلہ ضرور ایسا آنے والا ہے کہ وہ نطفہ منی کی پلید پیدائش سے آزاد ہو کر رہے گا اور اس ارتقا کے ضمن میں اس کے اعضا کے اندر وہ عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گا کہ اس کے یہ تمام ہاتھ پاؤں دل اور جگر' آلات تناسل وغیرہ' الغرض اس کا تمام ڈھانچا اس طرح بدل کر رہے گا جس طرح کہ سفلی حیوانوں سے کروڑہا سالوں میں ترقی کر کے اس کا موجودہ ڈھانچہ قطعی طور پر بدل کر رہا ہے' اور وہ ڈھانچہ آئندہ چل کر "خدا کے ڈھانچے" کے لگ بھگ ہو گا جس کا تصور بھی ابھی انسان کے ذہن میں نہیں آ سکتا۔ ایک ایسے قرآن میں جو **فلن تجد لسنتہ اللہ تبدیلاہ ولن تجد لسنتہ اللہ تحویلا** (۳۵:۴۳) پکار کر کہتا ہے اور کہتا ہے کہ قانونِ خدا میں ہرگز تبدیلی نہیں ہو سکتی اور جس کی تعلیم کی تمام تر بنیاد صحیفہ فطرت ہے' انبیا کے "آسمان پر جانے" اور حضرت عیسیٰؑ کے "بن باپ" پیدا ہونے کے یہ چاروں واقعات کھلے طور پر بیان ہونا جو آج خرقِ عادت اور خلافِ فطرت نظر آتے ہیں کسی اور توجیہ سے ہرگز نہیں ہو سکتے! فتدبر۔

میرے نزدیک یہی باعث ہے کہ قرآن حکیم نے اور جلیل القدر انبیا کو چھوڑ کر صرف عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق **انما المسیح عیسے بن مریم رسول للہ و کلمتہ القہا الی مریم و روح منہ۔** (۴:۱۷۱) کے الفاظ استعمال کئے یعنی مسیح عیسیٰ جو مریم کا بیٹا تھا (خدا نہیں تھا جیسا کہ تم لوگ اس کے بن باپ پیدا ہونے سے گمان کر رہے ہو بلکہ) وہ صرف خدا کا بھیجا ہوا ایک پیغامبر تھا اور اسی کا ایک کلمتہ کو خدا نے مریم کی طرف ڈال دیا تھا اور وہ (وہی) روح تھا (جو مریم کے جسم میں) خدا میں سے (خود

Marfat.com

ڈالی گئی) تھی۔ الغرض اس تکلف اور آورد سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح منہ کے انوکھے الفاظ سے یاد کرنا اور پھر تاکید سے کہنا کہ خدا ایک ہے انما اللہ الہ واحد (۱۷۱:۴)' وہ اس سے بلند تر ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو (جیسا کہ تم خدا کی روح کو مریم کے جسم میں ڈالنے کی وجہ سے سمجھ رہے ہو) سبحانہ ان یکون لہ ولد (۱۷۱:۴) یا کہنا کہ مت کہو کہ خدا تین ہیں (وہ تو وہی ایک ہی ہے) لا تقولوا ثلثۃ (۱۷۱:۴)۔ الغرض یہ تمام قرآنی اشارات جو صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے مخصوص ہیں اور کسی دوسرے نبی کے بارے میں استعمال نہیں کیے گئے اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ نفخت فیہ من روحی کا ربانی عمل انسانی ارتقا کا ایک عظیم الشان مرحلہ ہے جو آج سے ہزاروں یا لاکھوں برس بعد ضرور منصۂ شہود پر آ کر رہے گا۔ اور اسی طرح فطرت کا ایک جز ہو گا جس طرح کہ فطرت کی اور حقیقتیں آج کل ہیں۔ اگر ہزارہا مزید سالوں کی جدوجہد کے بعد نسلِ انسان صحیفہ فطرت کے علم کے زور سے اسی طرح سمیع و بصیر ہوتی گئی' اگر انسان نے آگے چل کر علم فطرت کی بنیادیں فطری طور پر استوار کر لیں اور وہ فی الحقیقت نفخت فیہ من روحی کا پورا مصداق بنتا گیا تو اس پر ایک مرحلہ ضرور بالضرور آنے والا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی طرح بن باپ کے پیدا ہوا کرے گا۔ اس مرحلہ پر آ کر مرد اور عورت کی تفریق ختم ہو جائے گی (جیسا کہ ابتدائی قسم کے خوردبینی حیوانات میں آفرینش کے ابتدائی مراحل میں تھی) وہ اس وقت آسمانوں کے لاتعداد کروں تک دوڑ لگانے کے قابل ہو گی۔ یہ ہاتھ' یہ پاؤں' یہ دل' یہ جگر' یہ گردے' یہ ذہن کان آنکھ سب کے سب کسی ایسے مناسب تر اعضا میں تبدیل ہو جائیں گے جو اس کو موجودہ گوشت پوست والے انسانوں سے بالکل مختلف پیدائش (یعنی خلقا اخر) کا انسان بنا دیں گے اور اس زمین پر بلکہ اس تمام کائنات میں کسی ایسی خلق جدید کا ظہور ہو گا جو اپنی خاصیات میں خدا کا مماثل ہو تا کہ کسی ایک آخری مرحلہ پر فاطرِ زمین و آسمان تعالیٰ اس سے مساویانہ سطح پر ملاقات کرنے کے لئے تیار ہو جائے!

(۱۸) مسئلہ ملاقات رب اور انجام کائنات

(۲۷) الغرض بنی نوع انسان کی نبوت کے اس مرحلے پر جو بیان ہوا انسان کا کسی انتہائی طور پر اعلیٰ مخلوق میں منتقل ہو جانا اٹل ہے۔ یہ منزل بہت ممکن ہے کہ نیم جسمانی اور نیم روحانی یا صرف روح کی منزل ہو۔ بہت ممکن ہے کہ ارتقا کی آخری منزلوں میں جسم کی پلیدی انسان سے قطعی طور پر علیحدہ ہو چکی ہو اور انسان میں مرد اور عورت کی تمیز بالکل غائب ہو جائے۔ انسان صرف روح کا ایک مفغہ رہ جائے جو زمین سے کروڑوں میل دور اپنی نئی سمع و بصر سے اسرارِ خدا کی تلاش میں محو ہو' اس کو معرفت خدا بڑی حد تک ہو چکی ہو' ایک بھید کے بعد دوسرا بھید یک بیک کھلتا جائے' روز بروز صحیفہ فطرت کے عظیم الشان اسرار اس طور پر اس نئی مخلوق پر کھلیں کہ خدا کی پہچان میں ادنیٰ کسر باقی نہ رہے اور معاذ اللہ خدا خود حیران ہو جائے کہ یہ ظالم انسان کہاں تک پہنچ گیا! اور جب فاطر السموات والارض تعالیٰ کی یہ حیرانی تحسین و آفرین میں بدل جائے تو انسان کا یہ روحانی ڈھانچہ خدا کی روح سے کچھ اس طرح ملاقی ہو کہ کائنات کے ایک گوشے سے لے کر دوسرے گوشے تک ایک تہلکہ انگیز زلزلہ پیدا ہو جائے جس زلزلے میں یہ تمام کائنات اس بنا پر ختم ہو کہ موجودات کی پیدائش کا مقصد ختم ہو چکا اور انسان کی روح اپنے پیدا کرنے والے خدا سے مل کر ایک ہو گئی! خدائے عالمیان کی حضرت موسیٰؑ سے کوہ طور پر ملاقات کا ایک منظر قرآن عظیم نے حسب ذیل الفاظ میں ادا کیا ہے' جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر آفرینش کے آخری مرحلوں میں یہ ملاقات حضرت انسان کی خدا سے ہو گئی تو اس کائنات پر کیا انقلاب اور کیا تباہی ہو کر رہے گی۔ سورۂ اعراف میں ہے۔

فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسی صعقا (۱۴۳:۷) .

Marfat.com

تو جب پروردگار عالم نے اپنا جلوہ پہاڑ پر دکھلایا تو اس پہاڑ کے پرزے اڑ گئے اور موسیٰؑ لڑکھڑا کر گر پڑا!

(۱۹) انجام کائنات کی طرف اقدام اور انسان کا آئندہ عمل!

علامہؒ لکھتے ہیں :-

(۲۸) انجام کائنات کے متعلق میرے یہ وہ حسابی نظریات ہیں جو قرآن حکیم کے گہرے مطالعے اور کائنات فطرت پر مجموعی غور و فکر کے بعد مجھے ارزانی ہوئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ نظریات وہ ہیں جن پر انسان کی آئندہ ترقی کی تمام بنیاد ہے۔ ان نظریات کو منطقی طور پر صحیح سمجھنے اور ملاقات رب کا سچا ولولہ پیدا کرنے کے بغیر نسل انسانی تقدم اور ترقی کی کسی بڑی منزل تک ہرگز نہیں پہنچ سکتی!

بنی نوع انسان کا فرض ہے کہ قرآن حکیم کی اس تعلیم سے سبق لے اور ابھی کہ وقت ہے سمجھ لے کہ بہ حیثیت مجموعی انسان کا اس کائنات کے بارے میں کیا فرض ہے۔

اس وقت لازمی ہے کہ روئے زمین کے ہر ملک میں وہ مردان حق پیدا ہو جائیں جو جمہوریت کے موجود مکرو فریب کو بدل کر اکثریت کی حکومت آبادی کے تناسب سے قائم کریں۔ غریب طبقے کی حکومت قائم کرنے کے بعد حاکم ہونے کا معیار علم اور جسم قائم کریں۔ علم کی حکومت قائم کرنے کے بعد اتحاد عالم کے مسئلے کی طرف رجوع کریں، تمام نسلی، مذہبی، وجاہتی، جغرافیائی تفریق کو خیرباد کہہ کر ساکنان زمین کا متہا بنی نوع انسان میں اتحاد اور صحیفہ فطرت کی مکمل تفتیش و تلاش قائم کریں۔ صاف لفظوں میں اعلان کر دیں کہ اس کائنات میں صحیفہ فطرت کے ماسوا کوئی حقیقت نہیں اور اس حقیقت کی تہہ تک پہنچنا انسان کا واحد فرض ہے۔ اس تفتیش و تلاش کے متہا کو نتیجہ خیز کرنے کے لئے موجودہ ناقص "علم" کی نئی بنیادیں قائم کریں۔ صحیفہ فطرت کے عالموں کا ایک مستقل گروہ علم کے نئے بنیادی ارکان وضع کرے، صحیفہ فطرت کو صحیح بنیادوں پر تلاش کرنے کے لئے صحیفہ فطرت کی پیائش اور دریافت کی نئی اکائیاں وضع کی جائیں۔ علم کا رخ اکثر اس طرف ہو کہ دریافت کیا جائے کہ زندگی کیا ہے، زمین سے باہر کی سرزمین کی تسخیر کیونکر ہو سکتی ہے۔ بنی نوع انسان کی صحیفہ فطرت کی دریافت کے متعلق ذمہ داریاں انسان کو سمجھائی جائیں اور انسان کے قلب میں اس امر کا سچا اور روحانی احساس پیدا کیا جائے کہ صحیفہ فطرت کی چیستان کو حل کرنے سے ہی فاطرِ زمین و آسمان سے ملاقات ہو سکتی ہے اور یہی سب سے بڑی ذمہ داری ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کا تمام تر بوجھ انسان پر ہے۔

سرمایہ داری، حیوانیت، درندہ پن اور ذہنی جہالت کا جو دور اس وقت بنی نوع انسان پر گذر رہا ہے، وہ سیاہ دور ہے جس میں نسل انسانی ماسوا اس کے کہ وہ اپنے آپ کو دکھ اور بربادی کے جہنم میں لبالب جھونک دے، کسی اور مآل تک نہیں پہنچ سکتی۔ اگر یہ ہوا تو ممکن ہے کہ بنی نوع انسان، من حیث النوع، تمام کی تمام مٹ جائے اور فاطرِ زمین و آسمان کی مشیت، اس لئے کہ کائنات کا راز انسان سے کھل نہ سکا اور وہ اس عظیم الشان امتحان میں ناکام ہو گیا، کسی نئی مخلوق کو اس زمین پر لا کر بسا دے جو انسان سے بہتر، زیادہ ہوش مند، زیادہ معاملہ فہم اور اس کائنات کو زیادہ سمجھنے والی ہو۔ اس قسم کی دھمکی قرآن حکیم میں چودہ سو برس پہلے سے موجود ہے۔

یا ایها الناس انتم الفقراء الی الله و الله هوا الغنی الحمید○ ان یشا یذهبکم ویات بخلق جدید○ وما ذالک علی الله بعزیز○ (۳۵:۱۵-۱۷)

Marfat.com

اے انسانو! تم (ہر حالت میں) فاطر زمین و آسمان کے محتاج ہو اور اللہ تو بالکل بے نیاز اور سزا وار حمد ہے۔ وہ اگر مناسب سمجھے گا تو تم سب کو اچک لے جائے گا اور کسی نئی (اور ترقی یافتہ) پیدائش کو لا بسائے گا اور (یاد رکھو کہ) یہ (تبدیلی پیدا کرنا) اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

Marfat.com

باب ہفتم

مسلمانوں کو ایک طاقتور قوم پھر بنا دینے کے امکانات کا جائزہ اور لائحہ عمل

(علامہ مشرقیؒ کی تصنیف اشارات سے ماخوذ)

(ا) مسلمانوں میں سچائی قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہے

ہماری سرزمین میں ایسے ہوشمند لوگ بھی موجود ہیں جو نمود اور دکھلاوے یا شور و شر اور اشتہار سے متنفر ہیں۔ ان کی تیز اور عیب بین نظریں ہر اس شخص کو پہچان لیتی ہیں جس میں خود غرض اور دکھلاوا ذرا سا بھی ہو۔ کوئی شے ان کے ہاں پنپ نہیں سکتی جب تک اس میں سرتاپا سچائی' بے نفسی اور اول سے آخر تک راستی نہ ہو۔ مسلمان کا راہ نما کم از کم قول میں' صرف خدائے زمین و آسماں ہے اور وہ ہر طرح کامل ہے۔ اس لئے خواہ مسلمان کی اپنی ذات میں لاکھ عیب ہوں' اس کی کمزوریاں سورج کی طرح ظاہر ہوں لیکن وہ اس بات کو غیرتاً گوارا نہیں کر سکتا کہ اس شخص میں جو اس کو راہ دکھلانے کا دعوے دار ہو' اپنے یا کوئی بھی عیب دیکھے' وہ اس کو فوراً نیچے گرا کر اپنے برابر کرلیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عجیب و غریب قوم میں مصلح اور رہ نما بلکہ بڑے آدمی بھی کم پیدا ہوئے ہیں یا جو پیدا ہوئے ہیں ان کی جیسی عزت اور قومیں کر سکتی تھیں نہ ہو سکی۔ حضرت عمرؓ ' صلاح الدین ایوبیؒ ' محمود غزنویؒ ' اورنگ زیبؒ کی مسلمانوں میں وہ عزت نہیں جو اور قوموں میں اسکندر' نپولین بلکہ ہینیبل کی ہے۔ بہرحال اس قوم کے مزاج سے آشنا لوگ یقین رکھتے ہیں کہ مسلمان اور باتوں میں کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں مگر ان میں باقی اقوام کے مقابلہ میں سچائی کو قبول کرنے کی بہتر صلاحیت موجود ہے۔

(۲) مسلمان مردہ قوم نہیں

ہوشمندوں کے ایک خاص طبقہ کے احساسات سے قطع نظر عمومی احساس تو ہر حال یہی ہے کہ مسلمانوں کی خرابیوں' ان کے مکمل اور اچانک زوال' ان کی اخلاقی کمزوریوں' ان کے اپنوں سے حسد اور رنجشوں' ان کی فرعون مزاجیوں' ان کی فرقہ بندیوں' ان کی خود غرضیوں اور نفس پسندیوں' ان کی بیکاریوں اور بدمعاشیوں کی وجہ سے آہوں اور چیخوں کا ایک دریا سینوں میں امڈتا ہے۔ کوئی تدبیر کارگر ہوتی نظر نہیں آتی' پوری قوم تو درکنار دس شخص بھی ایک بات پر نہیں جمتے' ہر ایک اپنے تکبر میں فرعون بے سامان ہے' ہر ایک کی اپنی رائے ہے' جس بات کو لے بیٹھا ہے اس پر اڑا ہے۔ ایک کو ایک سے حسد ہے' ایک کو ایک پر بدگمانی ہے۔ بڑے ہونے کا تکبر ہے' عالم ہونے کا کبر ہے' تعلیم صفر ہے مگر علیت کا کبر ہے' سپاہ ندارد مگر لیڈری کا کبر ہے' طاقت ذرا بھر نہیں مگر خدا پر طعن ہے! عوام کے خیال میں اب مسلمانوں میں ایک ادنیٰ سی خوبی بھی باقی نہیں رہی۔ اس میں شک نہیں کہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد سید علیہ الرحمتہ کے وقت سے مسلمانوں کے ایک طبقہ میں یہ احساس غلطی سے عام ہوگیا ہے کہ ہم مردہ ہیں' ہر شخص اب اس مرثیہ خوانی میں اوروں سے آگے بڑھنا اور قوم کو برا کہہ کر سچ مچ برا بنانا چاہتا ہے لیکن سید اور ان کے رفقاء ہرگز اس بات کے معتقد نہ تھے کہ وہ قوم کے آخری لمحوں کی نوحہ خوانی کر رہے ہیں۔ وہ صرف صورت حالات کو بدلنا چاہتے تھے بلکہ قوم کو نئے اور ناگزیر حالات کی صورت پر

ناچار لانا چاہتے تھے۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں عرب قوم کی سیاہ سے سیاہ تصویر جو آج شاعرانہ رنگ میں لکھنے والے اکثر اسلامی مورخ پیش کرتے ہیں اگر فی الحقیقت صحیح ہوتی اور وہ قوم سچ مچ مردہ ہوتی تو حیرت ہے کہ قرآن میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تنبیہہ کے باوجود کہ "تو مردوں کو زندہ نہیں کر سکتا" قوم تھوڑی ہی مدت میں آفتاب بن کر کیوں چمکی۔ عرب کا قرآنی ہدایت کو چند برسوں میں ہی قبول کر لینا اس امر کی دلیل ہے کہ عرب مردہ نہ تھے اور جس میں دوا قبول کر لینے کی اہلیت ہے وہ مرا نہیں۔ دوسری بات کہ مسلمانوں کے ہاں سچے' بے نفس اور فی الحقیقت بڑے آدمی کے سوا کسی کی دال نہیں گلتی تو یہ بھی کوئی قابل ملامت بات نہیں بلکہ مستقل خوبی ہے۔ اس سے مسلمانوں کے نظری اخلاق کے اعلیٰ معیار کا پتہ لگتا ہے۔ نپولین اور اسکندر جن کو تاریخ میں اعظم کہا جاتا ہے' ان کی عظمت انہی کی ذات تک محدود تھی' ان کے حیرت انگیز کارنامے آنکھ کی جھپک میں ملیا میٹ ہو گئے' انہوں نے قوم اور جماعت کو بڑا نہیں بنایا' نہ ان کے کارناموں کا کوئی اثر بعد میں باقی رہا۔ لیکن عمرؓ نے اسلام کو عالمگیر کر دیا۔ محمود غزنویؒ کی اولوالعزمی نے ہمیشہ کے لئے ہندوستان کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دیئے۔ اکبرؒ نے مسلمانوں کی حکومت مدت تک مضبوط کر دی' اورنگ زیبؒ نے گرتی ہوئی سلطنت کی چھت دیر تک تھام لی۔ اسلام کے کسی مشہور اور مانے ہوئے شخص کو لو اور اسی رتبے اور درجے کا شخص کسی دوسری قوم میں لو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اسلام کے اندر اس شخص کی جو اسلام اور قوم کے لئے نہیں یا جو محض اپنی ذات کے لئے ہے' کچھ گنجائش نہیں۔

کپلنگ اور ٹیگور گیت اور کہانیاں لکھ لکھ کر مشہور سے مشہور مصنف اور دولتمند بن سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کے اندر الف لیلہ کے مصنف محمود الوراق اصفہانی کے نام یاد رکھنے کی بھی خواہش نہیں۔ بائرن عورتوں سے عشق بازی کرنے اور شراب سے بھرے ہوئے فحش گیت لکھنے سے ایک بڑا اور چوٹی کا شاعر بن سکتا ہے مگر وہ بیسیوں اور کوڑیوں مسلمان شاعر جنہوں نے بائرن سے بہتر اور فحش تر عشق بازی کی اور جن کے دیوان کا ایک ایک بیت بائرن کے سستے عشق کو شرماتا رہے گا' کہاں گئے؟ کیا خالدؓ' مسلمؒ اور طارقؒ کے مقابلے میں انگلستان اور یورپ کا بڑے سے بڑا فاتح ایک لمحہ کے لئے ٹھہر سکتا ہے' یا ٹھوس نتائج اور تعمیری طاقت کے لحاظ سے اس گئے گزرے زمانے میں بھی مصطفیٰ کمال' رضا خاں' ابن سعود' امان اللہ' نادر خاں' محمد علی جناح اور علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی سے بہتر نامہ اعمال کوئی بتلا سکتا ہے۔ مگر مسلمان ان سے بھی پورے طور پر خوش نہیں اور کسی نہ کسی بہانے ان سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ نہیں' اورنگ زیبؒ اور ناصر محمودؒ ہندوستان کے مطلق بادشاہ تھے' ان پر اس آسمان کی چھت کے نیچے کوئی انسان حکمران نہ تھا' دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں کسی ایک بادشاہ کی مثال ہرگز موجود نہیں جس نے تخت پر بیٹھ کر تمام عمر پیٹ کے لئے مزدوری کی ہو مگر یہ بے مثال انسان قرآن لکھ لکھ کر اور ٹوپیاں کاڑھ کاڑھ کر نفس کو پالتے رہے۔ اس جاں گداز صبر اور خوف خدا کے باوجود مسلمانوں کے ہاں اورنگ زیبؒ صرف اورنگ زیب اور ناصر الدینؒ صرف ناصر الدین ہی ہے۔ اور قوموں میں ہوتے تو نہ جانے آج کیا بنے ہوتے! مسلمان بڑی سے بڑی خدمت لینے کے بعد بھی اپنے راہ نما کا بت تراش کر اپنے پاس نہیں رکھتا۔ اس کے نزدیک جو شخص قوم کی خدمت کر رہا ہے وہ دراصل خدا سے اجرت لے رہا ہے اور خدا کا نوکر ہے اور اگر کوئی شخص خدا کا نہیں' خدا اس میں نہیں' یا بندوں سے اجرت مانگتا ہے تو مسلمانوں کے نزدیک وہ کسی کا نہیں۔ خدا رب العالمین ہے' مسلمان چاہتا ہے کہ اس کا سردار اور رہنما رب القوم ہو۔ وہ آپ ایک ہزار بتوں کی پرستش آج کر رہا ہو' اولاد کا غلام ہو' دولت کا بندہ ہو' گناہوں میں پھنسا ہو مگر اس بدبختی کے باوجود وہ چاہتا ہے کہ اس کو رستہ دکھلانے والا بالکل بے عیب ہو۔ پیر اور سجادہ نشین مسلمانوں کے اندر اگر چند لمحوں کے لئے اپنے گرد رونق لگاتے رہے ہیں

Marfat.com

تو صرف خدا کے زور پر اور اس لئے کہ خلقت کو خیال تھا کہ وہ خدا اور قوم کے ہیں۔ اس کے ماسوا مسلمانوں نے روز اول سے اپنے بڑے سے بڑے آدمیوں کو تقدس اور عزت کا وہ درجہ ہرگز نہیں دیا جو اور آدم پرست قومیں اپنے معمولی راہنماؤں کو بلا تامل دے دیتی ہیں۔ الغرض مسلمانوں میں سچے' بے نفس اور باخدا شخص کا گزارہ ہے۔ جو شخص قوم کو آلہ کار بنا کر اپنی غرض حاصل کرنا چاہتا ہے' یا اس کو کوئی ذاتی نفع پیش نظر ہے مسلمان اس کو کبھی قبول نہیں کر سکتے۔ اور بے غرض انسان چونکہ کم ملتے ہیں اس لئے مسلمانوں کی اپنے برے یا بھلے رہنماؤں سے عام بے رخی بھی اسی اصلی اور بے لاگ توحید کا ایک منظر ہے جو کبھی ان میں بج بج تھی اور آج بالکل نہیں پائی جاتی۔ تاہم اس شخص کو جو ان کی راہنمائی کا دعویٰ کر رہا ہے تنقید کی نظر سے دیکھنا' اس پر بجا نکتہ چینی کرنے کا حق رکھنا یا سختی سے امتحان لے کر اس کو ماننا وہ قومی اخلاق ہے جو مسلمانوں میں قدیمی ہے اور بے شک عمدہ خاصیت ہے اور یہ اس لئے ہے کہ مسلمان خدا کے سوا کسی گوشت پوست کو اس وقت تک نہیں مانتے جب تک اس میں خدا نہ دیکھ لیں۔ وہ مذہبا" بلکہ ازروئے عادت آدم پرست نہیں۔ دنیادار یا غرض مند شخص مسلمانوں سے صرف اسی قدر لے سکتا ہے جو دنیاوی اجرت کو پیش نظر رکھ کر اس کا حق ہے اور وہ بھی اور قوموں کے بالمقابل بہت کم ہے۔ مسلمانوں کی یہ سختی ان چھوٹے موٹے اور بے حقیقت رہنماؤں کے لئے بھی یکسر موت کا پیغام ہے' جو ہر قوم میں اپنی اغراض حاصل کرنے کے لئے گندم نما جو فروشی کرتے رہتے ہیں اور بڑا بننے کی خاطر قوم کو کھلونا بناتے ہیں۔ اگر مسلمان آج اپنے رہنماؤں کا ساتھ نہیں دیتے تو اس لئے کہ بہت سے حقیقی معنوں میں سچے نہیں۔ رہنما سچے اور بے لاگ ہوں تو قوم ان کی کیوں قدر نہ کرے۔

(۳) رہنما پیدا کرنے کی ذمہ داری قوم پر ہے

بہرحال رہنماؤں میں کسر اس لئے ہے کہ قوم درست نہیں اور قوم اس لئے درست نہیں ہوتی کہ رہنما خراب ہیں۔ یہ دونوں محاکے اگرچہ ظاہر میں مل کر ایک معما معلوم ہوتے ہیں مگر حرف بحرف درست ہیں۔ یہ سب اس لئے کہ قوم کا رہنما کہیں آسمان سے نہیں اترتا بلکہ انہیں میں کا ایک ہوتا ہے۔ البتہ وہ اس دعوے کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے کہ مجھ میں ان تمام لوگوں کو سفر کی تکلیفوں سے گزار کر منزل مقصود تک پہنچانے کی لیاقت موجود ہے۔ ایسے شخص کے لئے لازم ہے کہ اپنے اندر سفر کی تکلیفوں کو بدرجہ اولیٰ برداشت کرنے کی قوت ثابت کر دے' بعینہ وہ تحمل اور استقلال اس میں ہو جو اوروں میں ہر لحظہ دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ قربانی اور فرمانبرداری کئی گنا ہو جس کا قوم کے ایک ایک فرد سے امیدوار ہے' وہ حرکت اور نظم و نسق اپنے میں پیدا کرے جس کو دوسروں میں پیدا کرنے کی آرزو رکھتا ہے۔ وہ نری سچائی' تندہی اور دھن لگی ہو کہ پہاڑ پانی بن کر بہہ جائیں۔ ولایت میں محلات بنا کر اور وطن کے محلات میں آرام کرسیوں پر بیٹھ بیٹھ کر امت کو ہلاکت کے "پل صراط" پر سے گزارنے اور منزل پر پہنچانے کی توقع عبث ہے۔ جو رہنما رستے کی تکلیفوں سے خود آشنا نہیں اس کے لئے دوسروں کو منزل تک پہنچانا عملاً ممکن نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ جب قوم میں بذات خود یہ تمام چیزیں نہ صرف موجود بلکہ بہتوں میں موجود نہ ہوں ایک لاکھ برس کا ہاتھ پر ہاتھ دھر کر انتظار بھی صحیح رہنما کو پیدا نہیں کر سکتا۔ قوم خود اپنے رہنما کو اپنے اندر سے بناتی ہے۔ صدہا بلکہ ہزارہا بہتر ہستیوں میں سے ایک بہترین ہستی کا انتخاب کرتی ہے اور وہی رہنما پھر قوم کو بنا دیتا ہے۔ دنیا کی تمام گزشتہ تاریخ میں یہ بات اس قدر روشن اور واضح ہے کہ داناؤں نے قوم میں صلاحیت کا موجود ہونا اور رہنما کا پیدا ہونا ایک ہی شے قرار دیا ہے' حتیٰ کہ اب یہ بھی ایک فیصلہ شدہ بات ہے کہ مسلمانوں میں اگر مہدیؑ کا آنا ضروری ہے تو مہدیؑ بھی یقیناً اس وقت

Marfat.com

پیدا ہو گا جب کہ قوم کے اندر ایسے عظیم الشان رہنما کو پیدا کرنے کی کامل صلاحیت موجود ہو گی۔ عام تخیل کہ مہدیؑ کا اس وقت ظہور ہو گا جب کہ اسلامی امت ہلاکت کے کنارے آ لگی ہو گی' اس میں تمام صلاحیتیں مٹ جائیں گی اور "قیامت" قریب ہو گی قوم کے بے سمجھ لوگوں کی بنائی ہوئی بات ہے۔ مہدیؑ کو دعوت دینے کے لئے قوم کا منہ بھی مہدیؑ جیسا ہونا چاہئے۔

عرب قوم میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور اس لئے ہوا کہ اس قوم میں پوری صلاحیت موجود تھی۔ بعض اسلامی مورخوں نے شاعری کے رنگ میں جو سیاہ تصویر اس زمانے کی کھینچی ہے وہ اگر عقید تمندانہ اور مذہب سے محبت کے باعث نہ بھی ہو تو یک طرفہ ضرور ہے۔ بلند پایہ کے مورخ مثلاً طبری' ابن جریر' ابن خلدون وغیرھم نے بلکہ بعض متکلمین نے بھی جہاں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ عرب طرح طرح کی سیاہ کاریوں میں مبتلا تھے' ان کی قوم میں بعض بداخلاقیاں بدرجہ نہایت پہنچ چکی تھیں' ان کی معاشرت میں بعض خطرناک بیماریاں گھر کر گئی تھیں' وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں انتہائی ترقی کے اوصاف بدرجہ کمال موجود تھے۔ خود قبائل کی داخلی حکومت کی روایتوں نے شخصی زندگی کو اس قدر مقید بلکہ منظم کر دیا تھا کہ رسم و رواج کی پابندی اور سردار کی اطاعت بدو عرب کا نمایاں وصف تھا۔ ان کی آزادی کی روح' ان کی بے دھڑک بہادری' ان کا اپنوں پر فخر' ان کی عورتوں کی حمایت' ان کا قومی غرور' ان کی تکلیف برداشت کرنے کی ان تھک قابلیت' ان کی صحرائی زندگی' ان کی سادہ معاشرت یا ان کی زود اثر طبیعت' ان کا فقر و افلاس' بلکہ ان کی آپس میں انمٹ لڑائیاں اور فساد بھی اس بات کے شاہد تھے کہ قوم میں وہ اوصاف قطعاً موجود ہیں جو صحیح استعمال سے بلند کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ مکہ ان کی مذہبی روایات اور معتقدات کا مرکز پہلے سے تھا' قوم کے اکثر سرداروں نے اپنی برائیوں کو صحیح طور پر محسوس کرنا شروع کر دیا تھا' بڑے بڑے سربر آوردہ لوگوں کا پتھر کے بتوں کو شک کی نظروں سے دیکھنا اس امر کا ثبوت تھا کہ عام اصلاح کی ہوا پیدا ہو گئی تھی' خدا کا تخیل پیغمبرؐ اسلام سے پہلے قطعاً موجود تھا' ابوبکرؓ جیسے باعمل اور بارسوخ شخص بتوں کو چھوڑ کر خدا کی طرف کھلم کھلا آ چکے تھے' ایک آسمانی رہنما کے آنے کی ضرورت ہر طرف محسوس ہو رہی تھی۔ پیروں' راہبوں اور علماء دین کا اثر لوگوں کی ان سے عقیدت اور محبت کا جادو روز بروز ٹوٹتا جاتا تھا۔ الغرض یہ وہ حالت تھی کہ اندھیرے کی سیاہی کے اندر روشنی کی کرنیں بے گمان طور پر نکل رہی تھیں اور انہی کرنوں کی اس سیاہ بادل میں موجودگی ایک ایسے آفتاب کا پتہ دے رہی تھی جو بعد میں عالمتاب بن کر چمکا۔ مسلمانوں کے اندر یہ غلط تخیل کہ عرب قوم میں ایک وصف' ایک خاصیت' ایک اہلیت باقی نہیں رہی تھی' قرآن اور ہادیؐ اسلام کا مجرد ان میں آنا تھا کہ سب کایا پلٹ گئی' مردے قبروں سے نکل کر زندہ ہو گئے اور کسریٰ کے آتش کدوں کے منارے گر گئے' وغیرہ وغیرہ۔ دراصل اس فطرت اور قانون خدا کو غلط سمجھنا ہے جس کی رو سے ہر واقعہ اور حادثہ ہر حالت میں اپنے اسباب کے ساتھ منطقی طور پر وابستہ ہے۔ عرب قوم کا قرآنی ہدایت کو قبول کر کے تمدن کے آسمان پر چند برسوں میں چڑھ جانا بذات خود اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ اس قوم کے اندر ہدایت کے آب حیات کو جذب کرنے کی اہلیت باقی تھی۔ نہیں' وہ اہلیت اس قدر کامل اور بے مثال تھی کہ اس نے نہ صرف ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ خالدؓ مسلمؓ اور طارقؒ جیسے بے مثال شخصوں کو چند دنوں کے اندر پیدا کیا بلکہ ایسے اولوالعزم اور بے مثال نبیؐ کے ظاہر ہونے کا باعث ہوئی جس نے اپنے زورِ عمل سے دوسری نااہل قوموں کی آئندہ تاریخ کی ہیئت بدل دی۔ اس میں شک نہیں کہ پیغمبرؐ خدا کا ارادہ اصلاح کے سوا کچھ نہ تھا اور عرب کفر و نفاق کے پتلے اس قدر تھے کہ قرآن نے ان کو حدودِ خدا جاننے کا نااہل قرار دیا تھا' لیکن قرآن حکیم کی دھمکیاں کہ تم کافر ہو' تمہارے لئے جہنم ہے' تمہاری جڑ کاٹ کر رکھ دی جائے گی' تم آگ میں اوندھے منہ الٹا دیئے جاؤ گے' تم پر دوسری قوم لا کر بٹھا دی جائے گی' وغیرہ وغیرہ صرف اس لئے تھیں کہ ان کی سوئی ہوئی اہلیتوں اور بے کار

Marfat.com

وصفوں کو بیدار کیا جائے۔ صحیح رہنما کے اپنے قوم میں نشو و نما کی مثال بعینہٖ درخت اور زمین کی ہے۔ نااہل قوم میں رہنما کا پیدا ہو کر سرسبز ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ شور زمین میں درخت کا اُگنا محال ہے۔ علم نباتات کے ماہر کے نزدیک درخت اپنی خوراک کا معقول حصہ زمین کے علاوہ آفتاب اور ہوا سے لیتا ہے۔ رہنما کو بھی آسمان سے وحی اور ماحول سے مدد ملتی ہے لیکن اگر قوم میں رہنما کو قبول کرنے کی اہلیت موجود نہ ہو تو شور زمین کے ہوتے ہوئے صرف آفتاب کی کرنیں اور ہوا کے مفردات اس درخت کو سرسبز نہیں کر سکتے۔ یہی نہیں بلکہ آفتاب اور ہوا کا کام فی الحقیقت درخت کے بلند ہونے کے وقت شروع ہوتا ہے۔ بیج کی سوئی کو کھڑا کر کے پودے کو بڑا کرنا صرف نرم اور مناسب زمین کا کام ہے۔

(۴) صحیح رہنما پیدا کرنے کا واحد طریقہ "اصلاح نفس" ہے

اگرچہ یہ نتیجہ درست ہے کہ صحیح رہنما پیدا کرنے کی ذمہ دار قوم ہے نیز یہ کہ قوم خود رہنما کو بناتی ہے تو اس صورت میں کہ نظام موجود نہیں اور قوم تسبیح کے دانوں کی طرح بکھری ہوئی ہے بلکہ ہر شخص اس کو اپنی طرف کھینچ کر نیا اختلاف اور نئی پریشانی پیدا کرنا چاہتا ہے، صحیح رہنما کا انتخاب کیونکر ممکن ہے یا کم از کم ہر شخص فرداً فرداً کیا کرے کہ صحیح رہنما خود بخود ظاہر ہو۔ بے شک مسلمان کی زمین نمی کو قبول کر سکتی ہے مگر نہایت سخت ہے تو اس نفسانفسی اور قیامت میں رہنما کا انتخاب کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ نہایت اہم سوال ہے جس کا جواب لازمی طور پر تلاش کرنا ہو گا۔

یہ تاثر کہ مسلمانوں کی زمین اگرچہ نمی قبول کر سکتی ہے مگر سخت ہے اور درخت پیدا کرنے کی اہل نہیں، درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی زمین عظیم الشان اور آسمان سے باتیں کرنے والا درخت پیدا کر سکتی ہے جو نمی کو قبول کرنے کے باوجود سخت رہے۔ دلدل اور لیپ دار کیچڑ میں آپ نے کہیں شاہ بلوط، پیپل اور سپیدے نہ دیکھے ہوں گے، وہاں اکثر جو ہو سکتا ہے خود رو جنگل اور بوٹیاں ہی ہیں جن میں قیام نہیں۔ بہرحال اس تشبیہ سے قطع نظر مسلمانوں کے اندر اس وقت ایک بڑی اور عظیم الشان قوم پھر بننے کی جو صلاحیتیں موجود ہیں بلکہ اصلاح کا جو موافق ماحول ان میں تقریباً ایک صدی کے ناگوار حادثوں اور لگاتار شکستوں کے باعث خود بخود پیدا ہو گیا ہے، اس قدر حوصلہ افزا ہے کہ اس سے بہتر صورت آج کسی دوسری قوم میں موجود نہیں۔ دوسری طرف صحیح رہنما پیدا کرنے کی ذمہ داری بے شک مسلمانوں پر ہی عاید ہوتی ہے اور اس صورت میں کہ قوم اپنے موجودہ رہنماؤں سے مایوس ہے اور اختلاف بڑھ رہا ہے، صحیح رہنما پیدا کرنے کی واحد ترکیب یہ ہے کہ قوم کا ہر درد مند شخص، فرداً فرداً سب سے قطع نظر کر کے اور سب کو چھوڑ کر، اپنے نفس کی اصلاح شروع کر دے۔ یہی سچا اور اصلی اسلام ہے۔ رہنما خود اسی قوم کا اصلاح یافتہ ایک فرد ہو گا۔ قدرت اس کو ہزاروں بلکہ لاکھوں ہستیوں میں سے خود انتخاب کرے گی، وہ منتخب ہو کر لاکھوں اور کروڑوں پر حکمران ہو گا اور کروڑوں اس کے اشارے پر چلیں گے۔ پس جب تک عمدگی اور اصلاح، جب تک تکلیف اٹھانے، مطیع بننے اور اشاروں پر چلنے کی قابلیت لاکھوں اور کروڑوں میں موجود نہ ہو، قدرت کے لئے ایک ایسے عظیم الشان رہنما کا انتخاب کرنا محال ہے۔ بڑے بڑے محلات میں صوفوں پر بیٹھ کر منتخب ہونے والا رہنما لامحالہ کمزور، بے بس اور یک طرفہ ہو گا، اس کو قوم کا وہی حصہ منتخب کرے گا جو صوفوں پر بیٹھنے کے لائق ہے۔ اس کی قوت انہیں صوفوں تک محدود ہو گی جو اس کے گرد جمع ہوں گے۔ اس کا انتخاب بھی وہی لوگ کریں گے جو رہنما کے انتظار میں اپنی اصلاح کے خیال سے کوسوں دور ہوں گے، وہ آپ اپنی اصلاح سے اسی قدر بلکہ شاید زیادہ دور ہو گا جس قدر کہ وہ لوگ جنہوں نے اس کی دنیاوی حیثیت

Marfat.com

یا وجاہت کو دیکھ کر اس کو سردار بنایا ہے۔ وہ قوم کی زمین اور قوم کی پرورش سے پیدا نہیں ہوا اور نہ قوم اس کو اپنا کہہ سکتی ہے اور اگر ایسے دس رہنما دس مختلف جگہوں پر ظاہر ہوں تو ان کا آپس میں لڑ مر کر قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا لازمی امر ہے۔ ایسے رہنما کی مثال ایک خوبصورت پھولدار پودے کی ہے جو سجاوٹ کے لئے زمین سے الگ گملے میں لگا ہے۔ زیبائش اور آرائش کا کام بے گماں اس سے نکل سکتا ہے مگر سایہ دار پھل والے اور سربفلک درخت کی بات اس میں ہرگز نہیں۔

مسلمانوں کی قوم میں بڑی سے بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ہر شخص کسرنفسی سے یہ فرض کر لیتا ہے کہ اس کا مصلح اور رہنما بننا محال ہے اور اس لئے اپنی تمام اصلاح کسی آنے والے خیالی رہنما کے سپرد کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ رہتا ہے یا اپنے نفس کے اندر بڑی سے بڑی اصلاح کرنے کے بغیر فرض کر لیتا ہے کہ میں ہی وہ رہنما ہوں جس کا انتظار ہے اور بالآخر جب قوم اس کو رد کر دیتی ہے اور مراد پوری ہوتی نظر نہیں آتی تو جھلا کر کوستا ہے یا اوروں سے الجھ کر قوم کو ٹکرا دیتا ہے۔ بے عملی اور عمل کی یہ دونوں صورتیں غلط ہیں۔ رہنما بننا اور کروڑوں پر حکمران ہونا کسی شخص کے اپنے بس کی بات نہیں اور جس نے اپنے نفس کی اصلاح کی تیاری کر لی وہ کچھ بھی ہو اور آگے چل کر رہنما نہ بھی بنے مگر قوم کی بہتری بلکہ بادشاہی کی بنیاد اس نے ضرور رکھ دی۔ نہیں بلکہ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے لیڈر اکثر وہی ہوئے جن کے رہنما بننے کا کسی کو سان گمان تک نہ تھا۔ وہ بجلی کی طرح سیاہی سے نکلے اور بادل کی طرح سب پر گھر گئے۔

بہرنوع اس حالت میں یہ واحد علاج کہ قوم کا ہر شخص فرداً فرداً آرائشی رہنماؤں اور موجودہ حرکتوں سے قطع تعلق کر کے اپنے نفس کی اصلاح شروع کر دے آسانی علاج ہے۔ اس کے اندر وحدت اور یگانگت کا راز صاف دکھائی دیتا ہے۔ خودرو جنگل اور نشو و نما روکنے والی بوٹیوں کو اکھیڑ کر زمین کو رشک چمن بنانا اسی طرح پر ہو سکتا ہے۔ اس طرح قوم کو یکسوئی اور اتفاق کا سبق دے کر عظیم الشان مہدی کی آمد کے لئے زمین تیار ہو سکے گی۔ ہر شخص نیکی اور نیک خیالی کی زندہ تصویر بن کر قوم کو قوت کے آسمان تک پہنچا دے گا۔ ہر فرد میں زندگی کی نئی روح ہو گی۔ کسی کی کسی سے دشمنی نہ ہو گی۔ ہر طرف سے سلام سلام کی آواز آئے گی۔ سب آزار اور دکھ کا یک دم خاتمہ ہو گا۔ سعدی علیہ رحمت نے قوم کی اسی حالت کو بہشت کہا ہے۔ (بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را باکسے کارے نباشد)

(۵) مسلمانوں میں زوال کا عام احساس اور اصلاح کی عام تڑپ موجود ہے

ہرچند کہ مسلمانوں میں مذہبی فرقہ بندی اور سیاسی گروہ بندی انتہائی حدوں کو چھو رہی ہے تاہم عوام میں بلکہ ان خاص مسلمانوں میں جو خوب پڑھے لکھے ہیں، ان جھگڑوں اور فرقہ بندیوں سے سچی نفرت اور ایسی حرکتوں سے قطع تعلق کرنے کی سچی تڑپ عام ہے۔ بہتوں کے دل اس آئے دن کے جھگڑوں اور قوم کی روز بروز کی کمزوری کو دیکھ کر از خود بجھ چکے ہیں مگر چونکہ ان کے سامنے کوئی مستقل تجویز موجود نہیں وہ اسی طرح فرقہ بندی کی رو میں مرضی کے بغیر بہے جا رہے ہیں۔ لیکن یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ جس وقت نفس کی اصلاح شروع ہو جائے گی لوگ جوق در جوق اس میں شامل ہوتے جائیں گے۔ موت اور شکست و ریخت کے تھپیڑوں نے بڑوں سے لے کر چھوٹوں اور امیر سے لے کر غریب کے دل میں اتحاد و یک جہتی کی تمنائیں پیدا کر دی ہیں۔ اب صرف کسی بندۂ خدا کی آواز کی کسر ہے۔ وہ اکثر یہ کہتے ہیں کہ کوئی بندۂ خدا نظر نہیں آتا جس کے پیچھے آنکھیں بند کر کے اپنی جان کو ہلاک کر کے قوم کو زندہ کرنے کا باعث بنیں۔ زوال کا یہ عام اور عالمگیر احساس اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ عروج اور غلبہ کی طرف پھر آنکھیں لگی ہیں۔ ایسی بے قراری

Marfat.com

اور تڑپ میں یہ کہنا کہ مسلمان موقع پر اکٹھے نہ ہو سکیں گے مایوسی کی انتہا ہے بلکہ ممکن نہیں! یہ آپس کی گالی گلوچ' یہ ایک دوسرے کو صلواتیں' یہ جان توڑ دشمنیاں' یہ علیحدہ علیحدہ پارٹیاں اور ہر پارٹی میں ایک دوسرے کو گرانے کی پرکاریاں صرف اس لئے ہیں کہ تمام سربر آوردہ لوگ جو اپنے اپنے فریق کی رہنمائی کر رہے ہیں اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو سب کے سب برابر کے سپاہی ہیں۔ ہر ایک میں ایک نہ ایک گن' ایک نہ ایک فضیلت' کوئی نہ کوئی ہنر' قابلیت' اہلیت' امتیاز قطعاً" موجود ہے۔ وہ سب کے سب مل کر پہاڑ کو ڈھا سکتے ہیں' سمندر چیر سکتے ہیں' اور سب یک دل ہو جائیں تو نہ جانیں کیا کر سکیں۔ نہیں' سپاہ قطعاً" موجود ہے' دشمن سے لڑائی کی سچی روح موجود ہے' فتح و نصرت کے حوصلے موجود ہیں' جان دینے کی امنگیں اور اسلام کی راہ میں مرجانے کی تمنا موجود ہے' مال کی قربانی موجود ہے' تن من دھن سب حاضر ہے' ہاں سپاہ تیار موجود ہے مگر سپاہ کا جرنیل موجود نہیں۔ مجوز اور مدبر کی جگہ خالی پڑی ہے۔ سپاہ اور جرنیل جیسے تیسے بھی ہیں اگر نفس کی اصلاح شروع کر دیں تو بیڑا پار ہے۔ اس وقت تو اگر ایک اینٹ اٹھاتا ہے تو دوسرا پتھر لے کر تیار ہو جاتا ہے۔ اگر اینٹ لگنے پر خوش ہو جاتا تو نہ جانے کس قدر بڑا اور بارعب بن جاتا۔ خموشی دین اسلام کا بڑا جز ہے۔ قرآن میں بہشت کی تعریف لھم فیھا سلام یعنی اس میں خاموشی اور امن ہو گا۔ ہادیٔ اسلام نے مسلمانوں کو خموشی کے لئے بار بار کہا' صحابہ اکرامؓ اور پہلے مسلمان اس کی مشق کرتے رہے۔ انگریز قوم نے اپنی خاموشی سے ہندوستانیوں پر وہ رعب بٹھایا کہ ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ ہندوؤں کے ایک بڑے رہنما (گاندھی) نے خموشی کے لئے ایک دن مقرر کر کے کروڑہا خلق خدا پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔ داناؤں نے گفتگو کو روپہلی اور خموشی کو سنہری کہا ہے۔ خاموشی اختیار کر کے متحد ہو جانا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ مختلف جماعتوں' پارٹیوں اور تنظیموں کے سربراہ اگر اس سنہری اصول کو تسلیم کر کے متحد بلکہ ایک ہو جائیں تو بیڑا پار ہے۔

(۶) موجودہ رہنما اور ان کو کیا کرنا چاہئے

ایسی بھی مثالیں موجود ہیں جہاں قومی رہنماؤں نے قوم اور اسلام کی خدمت میں اپنی سب دولت پیش کی' امیر سے نادار ہو گئے' دردناک مشقتیں جھیلیں' قومی روپیہ ہضم کرنا تو درکنار ہمیشہ اپنی گرہ سے خرچ کرتے رہے لیکن قوم کو کولہو کے بیل کی طرح وہیں کا وہیں پایا اور آپ بھی وہیں کے وہیں تھے۔ الغرض دردمند کارکن اور سچے مسلمان کثرت سے موجود ہیں مگر کام کرنے' بڑا بننے اور قوم کو بڑا بنانے کا سلیقہ ہرگز نہیں۔ یہ کارکن تھے کارکن رہ کر کسی ایک کو سردار منتخب کر لیتے اور گرہ سے پیسہ خرچ کرنے کے بغیر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیتے تو آج بیڑا پار تھا۔ بعض اور ہیں جن کی مالی قربانیاں شاید اس قدر نہ ہوں مگر ان کی قابلیت' علمیت' طاقتِ قلم' طاقتِ زبان سب فرداً فرداً بے مثال ہیں۔ تاہم رہنمائی کے انہی جھمیلوں میں پڑ کر نہ اپنی ذات کو نفع نہ قوم کو فائدہ ہے۔ الغرض جس قوم میں درد اس قدر' درد والے اس قدر' کارکن اس قدر' سپاہی اس قدر' جانباز' زرباز بلکہ پاکباز اس قدر موجود ہوں اس کو نابکار اور بدبخت کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ ان میں صرف اصلاح نفس کی کسر ہے۔ صرف اس کی کسر ہے کہ اپنے دلوں کے اندر خدا کو کوتوال بنا کر بٹھا لیں۔ اس مالک زمین و آسمان کا وہ ڈر پیدا کریں کہ سرکش گردنیں نیچی ہو جائیں۔ نفس کو عین آمنے سامنے کر کے حوصلے سے دل نرم کر دیں۔ دل نرم کر کے بے دھڑک سر جوڑ دیں اور آنسوؤں کی ارغوانی قطار سینے سے آنکھ کے پردے تک باندھ کر اس شیطانی گندگی کو دھو ڈالیں جو دلوں سے چڑھ چڑھ کر دلوں کو میلی کر چکی ہے۔ گو بے بسی میں رونا مردوں کا شیوا نہیں مگر اس طرح کا رونا کئی بیماریوں کی حتمی دوا ہے۔ اس سے دلوں پر سے برسوں کی جمی ہوئی میل دھل جاتی ہے۔ اس سے ٹوٹے حوصلے بلکہ دل پھر جڑ جاتے ہیں۔ اس سے

Marfat.com

شیطان کے پیدا کئے ہوئے غرض اور حسد کے بت ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ رونا جس میں دل اچھل اچھل کر حلق کو آئے' جس میں اسلام کی محبت کا اقرار اور مسلمان سے الجھنے کی سچی شرم ہو' جس کے اندر ندامت کی بے دھڑک پیش قدمی اور شرمندگی کا بے خطر گلے ملنا موجود ہو' وہ آسمان کے فرشتوں اور جنت کے قدسیوں کا رونا ہے۔ بزدلوں کا رونا ہرگز نہیں۔ رونا اور رو رو کر شیطان کو باہر نکالنا' ابلیس کی پتھرائی ہوئی دلوں کی زمین کو آنسوؤں سے نرم کرنا طبیعت میں وہ نکھار اور بدن میں وہ تیاری اور بھڑک پیدا کر دیتا ہے کہ سات سمندروں کے پانی اور سات اقلیم کے دریا نہیں کر سکتے۔ مسلمان کا خدا ایک ہے' رسول ایک ہے' قرآن ایک ہے' دنیا پر غلبے نہیں' دنیا کو اپنے خلق کے زور سے مطیع کرنے کا نصب العین ایک ہے' بھائی بھائی ہونے کا دعویٰ ایک ہے' خدا کی طرف لوٹ کر جانے اور اللہ سے ملاقات کا یقین ایک ہے۔ رنگ' نسل' قومیت' ذات' گوت کا فرق صفر ہے' نہیں جب دلوں کی گہرائیوں کے اندر یہ بات مسلم ہے کہ مسلمان مسلمان نہیں جب تک وہی پہلا زور حاصل کر کے کبریائی کا ڈنکا ہر طرف نہ بجا لے اور کبریائی کے باوجود اللہ کی زمین پر اس خاکساری سے اور دھیما دھیما چلے کہ بڑے سے بڑے تندخو کی گردنیں جھک جائیں تو پھر یہ آپس میں سرکشی اور سرزوری کیا ہے۔ یہ ذرا ذرا بات پر رنجش اور بدحواسی کیوں ہے۔ تاریخ کا ایک ایک ورق اس امر کا گواہ ہے کہ اسلام پچکا مگر لگاتار پھر ابھرتا رہا' اس نے بار بار لچک قبول کی مگر وہ اچھلا کہ پہلے سے دو قدم آگے تھا۔ مسلمانوں کے بہترین دماغوں اور رہنماؤں نے اپنے حسن تدبیر اور اتحاد عمل سے اس چودہ سو برس کے اندر اسلام کی وہ خدمتیں کیں کہ تاریخ دان حیران ہے۔ وہ سب طرف سے رکے مگر پانی کی طرح چھوٹے چھوٹے سے سوراخ سے نکل کر پھر دریا بنتے رہے۔ جب اسلام کے اندر یہ لچک' یہ روانی' یہ ابھار' یہ چڑھاؤ چودہ سو برس سے برابر چلا آ رہا ہے تو آج مسلمانوں کی سرداروں کی آپس میں کشمکش کچھ ٹھیک نہیں۔ اپنی گزشتہ تاریخ سے ہنسی کرنا ہے' اپنے آپ کو نااہل بلکہ ناخلف ثابت کرنا ہے۔ جب دل کے اندر تڑپ ایک ہے' جب قبلہ کا نام بلند کرنے کے لئے قبلہ نما کی بے چینی ہر دل میں ہے تو مقناطیس کی سوئی کی طرح سب کا یکسو ہو جانا عقلی نتیجہ ہے۔ جو دماغ اس منطق کو نہیں سمجھا اس کی سمجھ میں کسر ضرور ہے۔ رونما الگ الگ رہیں تو آگ کے یہ انگارے کیا شعلہ پیدا کر سکیں گے' انگاروں کا سر جوڑ دینا اور آسمان سے ہوا کا چلنا ہی بدبختی کے دن کچھ پھیر سکتا ہے۔ دلوں کو نرم کرنا' سینوں کو کھول دینا' اللہ کے خوف سے اپنے آپ کو گرا دینا' اس بادشاہِ زمین و آسمان کے ڈر سے اپنی پگڑی اتار کر گلے میں ڈال لینا اور دو دو کا آپس میں مل کر آنسوؤں کا بے محابا تار باندھ دینا اصلاحِ نفس کی پہلی منزل ہے' مردی اور مردانگی کی طرف پہلا قدم ہے' شیطان سے لڑائی اور خدا سے دوستی کی پہلی تیاری ہے۔ شیطان دلوں کے اندر پتھر سے زیادہ سخت بت بنانے اور دلوں کی زمینوں کو پتھرا دینے میں وہ شاہکار اور ابلہ فریب معمار ہے کہ قرآن کریم نے کفر کی حالت کا نقشہ کھینچ کر کہا ہے کہ پتھر بھی ایسے ہوا کرتے ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جن سے چشموں کے چشمے پانی کے پھوٹ بہتے ہیں مگر شیطان کے پتھرائے ہوئے کافر دلوں سے عاجزی' ان کا اللہ کے ڈر سے اپنے آپ کو گرا دینا' ان سے آنسوؤں کا پھوٹ بہنا ممکن نہیں۔ یہ وہ آیت (۲:۷۴) ہے جس کا ہر مسلمان کو علم ہے اور قرآن کے عین شروع میں ہے۔ اس کے دو معنی ہو نہیں سکتے اور اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ پس رہنماؤں کو چاہئے کہ بلند مقاموں سے اپنے آپ کو گرا کر اور عاجز ہو کر چشموں کی طرح پتھر بھی ہو تو پھوٹ بہو' مالک زمین و آسمان سے ڈر کر اپنے مغرور نفسوں کو گرا دو' بڑائی چھوڑ کر آپس میں مل جاؤ۔ سپہ سالاری کا وہم بر طرف کر کے سب کے سب سپاہی اور مجاہد بن کر صلح کر لو۔ خدا کی کبریائی کے آگے کسی کو بڑائی ہرگز نہیں۔ اسلام کے لئے یہ ایک بڑا نازک وقت ہے' ہوش کرو گے تو آگے کی طرح اب بھی سنبھل جاؤ گے۔ تم سب مل کر اس قدر قوی ہو کہ اگر کسی طرف راہ نہ رہے تو بھی ایک سوئی کے ناکے سے در

Marfat.com

بہا سکتے ہو۔ یاد رکھو کہ اسلام کسی وقت عاجز اور آج تک کسی سے ہٹا نہیں ہوا۔ یہ کلنک کا ٹیکہ تمہیں نہ لگے کہ چودہ سو برس میں صرف تم ہی نہ سنبھال سکے۔ اس لئے اپنے اپنے بتوں کو چھوڑ کر صرف اصلاحِ نفس کی طرف لگ جاؤ' بلا لحاظ فرقہ سب مسلمانوں کو اصلاحِ نفس کی طرف متوجہ کرو' تم میں سے وہی سچا رہنما اور جرنیل ہو گا جو سب سے بڑی اصلاح اپنے اندر پیدا کرے گا۔ اس وقت نہ ایک فرقہ درست ہے نہ دوسرا ٹھیک ہے۔ نہ مذہب کو اڑا کر قومیت کا یک طرفہ خیال پیدا کرنا درست ہے۔ کمزور اور زور آور کی لڑائی بھی مشکل ہے اور طاقتور سے بھیک مانگ کر گزارہ کرنا بھی مردوں کا کام نہیں۔ طاقت کے بغیر غلبہ حاصل کرنے کا خیال خام ہے۔ اس لئے صرف طاقت پیدا کرو' صرف اپنی اصلاح کرو' صرف اتحاد کرو' باقی کام خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔ گیارہ کروڑ مسلمانوں کے اندر زوال کا حس عام ہے۔ ان کو فرقہ بندی' پارٹی بازی اور کمزوری سے جو پیدا ہو گئی ہے عام بیزاری ہے۔ اب سے پہلے پیروں اور مولویوں نے دین کے نام پر امت کے سینکڑوں ٹکڑے لمبائی کی طرف سے کئے تھے۔ اب تم سیاست کی بنا پر اس مرحوم قوم کے چوڑائی کی طرف سے ٹکڑے مت کرو۔ بلکہ ہر مسلمان پر دین اور سیاست' یا مذہب اور طاقت کو ایک ثابت کر کے پہلے ٹکڑوں کو پھر جوڑ دو۔ یاد رکھو کہ قوت کا نصب العین دکھا کر قوم کا اتحاد ممکن ہے' کمزوری اور شکست دکھلا کر ہرگز ممکن نہیں۔ قوم تمہیں اپنا سردار تبھی ماننے کے لئے تیار ہو گی جب اس کی قوت تمہارے طرز عمل سے دس گنا بڑھتی جائے گی' ان کی رہی سہی طاقت کو اور توڑ کر سرداری منوانا صاف ناسمجھی ہے۔ غور کرو کہ نری سرداری فی نفسہ کچھ شے نہیں' نہ شہرت بذات خود پائیدار ہو سکتی ہے جب تک کہ نتائج پائیدار نہ ہوں' سردار بننے اور رہنمائی کرنے میں اگر کچھ رغبت ہے تو اس لئے کہ قوم طاقتور بن جائے' اس کی قوتیں ایک مرکز پر ہوں۔ اس میں سخت محنت کی بنا پر ملکی پیداوار بڑھانے کی بے مثال اہلیت ہو' اس میں مقابلہ اور لڑائی کی طاقت پیدا ہو' طاقت سے مکمل آزادی اور آزادی سے غلبہ دین حاصل ہو' مکمل آزادی اور غلبہ کے بعد اگر کچھ اپنی ذات کو بھی نفع حاصل ہو جائے تو دوسری بات ہے لیکن اس سے پہلے کسی وہمی فائدے اور موہوم ہڈی پر لڑنا اور لڑ مر کر اس فائدے کو اور موہوم کر دینا صریحاً" ہوشمندی کے خلاف ہے۔

(۷) دردمند مسلمانوں میں اصلاح نفس کیونکر شروع ہو

پس اس صورت میں کہ مسلمانوں کو اپنی درستی کا عام حس ہے' رہنماؤں میں درد ہے' بلکہ ان میں یقیناً اکثر ایسے ہیں جو قوم کی خدمت میں بڑی قربانیاں کر چکے ہیں' رہنماؤں اور قوم دونوں کے لئے کھلا راستہ ہے۔ ان کی آپس کی اس الجھن میں جو پیدا ہو چکی ہے اور جو قوم کے لئے زہر ہلاہل سے بدتر ہے دردمند رہنما کے لئے اسکے سوا کوئی سبیل نہیں کہ سب سے پہلے صرف اس چھوٹے سے محلے' قصبے یا شہر میں جہاں وہ رہتا ہے اصلاحِ نفس کا کام بے خطر شروع کر دے' آپ خدمت کر کے اوروں کو باہمی ہمدردی پر آمادہ کرے' فاروق اعظمؓ کی طرح امیرالمومنین اور بادشاہ اسلام ہو کر "مشک" کندھے پر لادے' حاجت مند عورتوں' یتیم بچوں اور بے کس لوگوں کے گھروں کی خدمت روزانہ کر کے ہر طرف سے سلام سلام کرتا گزر جائے' عاجز بنے' زمین پر دھیما دھیما چلے' نظریں نیچی ہوں' کلام شیریں ہو' ہر ایک سے مساوات ہو' الغرض خلق ہو' خدمتِ خلق ہو' خالق کا خوف ہو۔ ایک ہزار برس کے لیکچروں اور جلسوں یا چندوں اور اشتہاروں سے پیدا کی ہوئی قوت اس طرح پر ایک ہزار گھنٹوں میں اس محلہ یا شہر میں پیدا ہو سکتی ہے اور اپنی گرہ سے ایک پیسہ خرچ کرنے کے بغیر اور جس شخص نے سب سے زیادہ اخلاقی جرات اور مسابقت قوم کی اس بنیاد کو مضبوط کرنے میں دکھلائی وہ بازی لے گیا' وہی اس محلے یا شہر کا نہیں' عام قوم کا سردار ہے' وہی سید ہے' وہی سیدالقوم ہے' امیرالمومنین ہے' بادشاہ اسلام ہے۔ اگر ایک

Marfat.com

سو شخص بھی اس قسم کے ایک سو مختلف جگہوں میں پیدا ہو جائیں اور ان میں قوت کی انتہائی بلندیوں کے پہنچنے تک صرف اسلام کا درد اور خدا کا ڈر موجود رہے تو مسلمانوں کا بیڑا پار ہے۔ جو عزت اور احترام قوم کے دلوں میں عبدالستار ایدھی کا ہے' کسی کا نہیں۔ بے درد اور سرکش رہنماؤں کی ٹولیاں اس طرز عمل سے آنکھ کی جھپک میں ویران ہو جائیں گی۔ ایک شخص ان صوفوں پر بیٹھنے والوں اور نرے حکم چلانے والے رہنماؤں کا چاہنے والا نہ رہے گا۔ سب جوق در جوق اس "مشک" اٹھانے والے عاجز امیر کے پیچھے پروانہ کی طرح دوڑیں گے۔ سب اس عاجزوں اور بے کسوں کے دستگیر نوکر کو سردار مانیں گے۔ رہنماؤں کو مسلمانوں میں اصلاح پیدا کرنے کے لئے صرف درویش صفت ہونا بکار ہے۔ آپس کی لڑائیوں سے کمزور ہوئی ہوئی بے مرشد قوم کو متحد' منظم اور قوی بنائے بغیر سیاست کی طرف لے جانا اسی قدر مہلک ہے جس قدر کہ دل کی دھڑکن کے بیمار کو طاقت حاصل کرانے کے خیال سے چڑھائی پر چلانا خطرناک ہے۔ سیاست بذات خود صرف قوت کا دوسرا نام ہے۔ سیاست اور حقوق کو زور سے لینا ایک شے ہے اور جو قوم زور آور ہے اس کے لئے آگے چل کر خود بخود سیاسی بن جانا طبعی امر ہے۔ پس قوم کو طاقتور اور متحد بنانا سب سے بڑی بلکہ سب سے کھری سیاست ہے۔ دوسرا جز یہ ہے کہ رہنما اپنے ہاتھ سے ان انجمنوں اور پارٹیوں کو توڑ ڈالیں یا ان سے علیحدہ ہو جائیں جو فساد کا باعث ہیں' ان بتوں کو خود توڑیں جنہوں نے اپنی اپنی الگ عبادت سے قوم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ تخریب کے بغیر نئی تعمیر مشکل ہے اور جس معمار میں اپنی بنائی ہوئی دیوار کو ٹیڑھا اور خطرناک دیکھ کر اپنے ہاتھ سے ڈھا دینے کا حوصلہ نہیں' اس کی نیت اس مکان کے بسنے والوں کے حق میں پرلے درجے کی بری ہے۔ ایسی دیوار کو گرا دینا سب سے بڑی نیکی ہے۔ معمار کی محنت دیکھ کر کھڑے رہنا انجام ناشناسی کی انتہا ہے۔ سیاست میں سلامتی سے چلنا قوم کی صحت کی دلیل ہے۔ پس رہنما کی پہلی فکر قوم کی انتہائی صحت اور اتحاد ہونا چاہئے۔ جس رہنما کو یہ فکر نہیں' وہ رہنما ہرگز نہیں' محافظ ہرگز نہیں' نیک نیت ہرگز نہیں' ناخدا ہرگز نہیں۔

(۸) مسلمانوں کو اصلاح نفس کی طرف کس طرح راغب کیا جائے

اصلاح نفس کی تحریک لامحالہ ایک دینی تحریک ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو وہی رسولِ خدا صلعم کے زمانے کے پکے اور سچے بے خوف و بے ریا مسلمان بنانا ہے' خدا کی راہ میں اسی طرح جان دینے والے مجاہد تیار کرنا ہے جو توپ سے لڑ جانے کی ہمت رکھنے کے باوجود حلیلہ کی اس زمین پر دھیمے دھیمے چلیں اور اپنے خلق کے زور سے دنیا کو مطیع کریں۔ گویا قرآن اور اسلام کو پھر زندہ کرنا ہے اور خداوند عالم اور دین خدا سے رغبت پانچ چھ فیصد سے زیادہ کی نہیں تو اس صورت میں کیا چاشنی اور کیا مزیدار شے ہو جو مسلمان کو اس تحریک کی طرف ذوق و شوق سے خودبخود متوجہ کر سکے۔ اِن میں دلیل اور منطق سے واضح ہو جائے کہ یہی ٹھیک رستہ ہے۔ ان کے دلوں کے اندر یہ حس پیدا ہو کہ اصلاح نفس ہماری بہتری کا واحد علاج ہے' ہماری اول اور آخری سیاست ہے' ہماری آئندہ بہتری کا پیش خیمہ ہے' ہمیں طاقتور بنانے کا واحد اوزار ہے۔ لیکن یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ تیرہ سو سال کے بگڑے ہوئے مسلمان کیونکر "اصلاح نفس" کی پھیکی اور بے سری آواز سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ تیرہ سو برس کے سوئے ہوئے کیونکر یک دم جاگ اٹھیں گے۔ ان صورتوں کو جگانے کے لئے اسرافیل کے صور کی ضرورت ہے۔ نبیوں کے معجزوں کی ضرورت ہے اور اگر یہ نہیں تو کم از کم اصلاح نفس کی حرکت کے اندر خود بخود اس قدر کشش اور اس قدر زور ہونا چاہئے کہ اس کو چلانے کے لئے کسی قم باذنی کی ضرورت نہ پڑے۔

صرف پانچ چھ فیصد طبقہ جو عموماً کسانوں' مزدوروں اور دستکاروں پر مشتمل ہے اور درمیانی طبقہ کا ایسا حصہ جس کا ذہن قرآن کے

Marfat.com

مطالعہ نے قدرے صاف کر دیا ہو اہے ایسے لوگوں سے اصلاح نفس کی تحریک شروع کرنے کی کوشش بار آور ہو سکتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا پیشہ صرف حلال روزی ہے' نور کے تڑکے اٹھتے ہیں اور خدا کا نام لے کر اپنے کام میں لگ جاتے ہیں' ہاتھ اور پاؤں کا کام کرتے ہیں' مرد ہو یا عورت تمام دن ان کو اس دستکاری کے سوا کوئی غرض نہیں جس کے بل پر تمام گھر کو روٹی نصیب ہوتی ہے' ان کے بچے بھی بعینہ اسی انداز پر پرورش پاتے ہیں۔ ان کو صرف اپنے ہاتھ پاؤں پر فخر ہے' بھیک مانگنے میں عار ہے۔ منہ میں صرف خدا اور رسولؐ کا نام ہے۔ پسینوں پر پسینے آتے ہیں مگر یہ مرد میدان اپنی ہٹ پر اڑے ہیں۔ کوئی انہیں دین کے بارے میں یا قومی وقار بڑھانے کے لئے پیار اور معقول انداز میں سمجھائے تو فوراً مان جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو کوئی اس طرح بتلانے والا نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سچ مچ مسلمانوں کی امت کی جان ہیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں کے عمل کو دیکھ کر سہارا ہوتا ہے کہ قوم مردہ نہیں ہوئی۔ ان کی غریبی اور غریبی کے باوجود بے مثال جسمانی صبر اور تحمل کو دیکھ کر شک پڑتا ہے کہ یہ کیونکر جیتے ہیں' ان میں طاقتِ عمل کہاں سے آتی ہے' یہ اس قدر مطمئن اور خوش بخوش کیونکر ہیں' ان میں خدا کی اس قدر بے توجہی کے باوجود خدا سے عقیدت کیونکر ہے۔ مسجدیں سربسر انہیں سے آباد ہیں۔ اللہ اکبر کے زندہ نعرے انہی کے ہیں۔ نبیؐ پر درود ہو تو گمان ہوتا ہے کہ درد سے تحسین کر رہے ہیں۔ عید' عاشورہ' شب برات' ختم' میلاد' سب انہیں کے ہیں۔ اماموں کی روٹیاں اور فقیروں کا آٹا انہیں کا ہے۔ صبح کی اذان کی سریلی آواز انہی کی ہے۔ ان کی نہ کسی فرقہ بندی پر بحث ہے' نہ آیات پر جھگڑا ہے۔ سیدھی سادی نماز پڑھ لیتے ہیں اور تسلی ہے کہ مسلمان ہیں بلکہ مولوی کا جنت کا وعدہ بھی ہے۔ آفریدیوں' مہمندوں' وزیریوں' بلکہ مصریوں' عربوں اور فلسطینیوں میں اس قسم کے مسلمان کثرت سے ہیں۔ لیکن مولویانہ مذہب کی جو شدت پاکستان اور ہندوستان میں ہے کہیں نہیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبی اپنی امت کے لئے خدا سے خود مانگی تھی۔ باقی امتوں نے دولت پسند کی تھی۔ کس قدر تھرا دینے والا عقیدہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو امت کو بادشاہ بنا کر گئے تھے اور ہزار برس تک امت بادشاہ ہی رہی۔ شاید سوچتے ہوں کہ غریبی میں ایمان قائم رکھنے کا خوبصورت طریقہ ہے۔ کسی مولوی نے سمجھا ہو گا کہ ان کو دولتمند بنانا تو بس کی بات نہیں رہی' پھر غیروں کی دولت دیکھ کر دین کی محبت کیوں چھوڑیں۔ "الفقر فخری" کی حدیث تو ہے ہی' تاویل کر لیں اور جنت کا وعدہ دے کر ان کو غریبی میں مگن کر دیں۔ الغرض یہ ان کی عقیدت اور یہ ان کا مذہب ہے۔ پیشہ ان کا اکثر زراعت ہے' سپاہ گری ہے' ان میں دستکاری اور ہنر کا زور ہے۔ انہیں اپنی ہمت' محنت اور دست و بازو پر بھروسہ ہے۔ وہ پیشے ان کے ہاتھ میں کم ہیں جس میں صرف ادھر لینا اور ادھر دینا ہے۔ دکان پر جم کر بیٹھنا' پیسہ پیسہ جوڑنے' ہاتھ پر ہاتھ دھر کر گاہک کا منتظر رہنے اور خوشامد کی باتوں سے دل موہ لینے کی طرف ان کا میلان کم ہے۔ مسلمانوں نے یہ پیشے بادشاہت کے زوال کے بعد حالات سے مجبور ہو کر ہرگز قبول نہیں کئے جیسا کہ عام غلط فہمی ہے۔ مسلمانوں کا یہ خوبصورت اخلاق نہایت قدیمی ہے' اسلام کی تعلیم سے پیدا ہوا۔ نبیؐ کے اسوۂ حسنہ اور علماء دین کی تبلیغ سے قوم کی رگ رگ میں رچ گیا۔ کسی سیدھے سادے مسلمان سے پوچھ لیجئے کہہ دے گا ہمارے پیارے نبیؐ نے بیلچہ اٹھایا تھا۔ ہمارے پیارے نبیؐ نے چکی پیسی تھی۔ ہمارے رسولؐ نے مزدوری اور تجارت کی تھی۔ بادشاہت کے عین عروج کے وقت بھی مسلمانوں میں فرید الدین عطارؒ' عمادالدین کاتبؒ' محمود الوراقؒ' عمر خیامؒ کثرت سے موجود تھے۔ وہ ان پیشوں پر فخر کرتے تھے۔ بلکہ بادشاہِ وقت خود ٹوپیاں کاڑھ کر اور قرآن لکھ کر ان پیشوں کی شاہانہ تربیت کرتے تھے۔ قرآن کریم میں اس الٰہی ارشاد کی زبردست حکمت کے اندر کہ "ہم نے آسمانوں کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم بڑی طاقت کے مالک ہیں۔" (۵۱:۴۷-۴۸) میں جو باریک نکتہ مسلمانوں کی ہدایت کے لئے چودہ سو برس سے پیش نظر رہا ہے یہ ہے کہ انہوں نے بادشاہت کی کسی

Marfat.com

منزل پر بھی صنعت اور حرفت کو نہیں چھوڑا' انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنانے اور اشیاء کو خود پیدا کرنے میں طاقت کا صحیح راز سمجھا' بڑے سے بڑے سرمایہ دار اور ملک التجار ہونے کے باوجود بڑے سے بڑے صناع خود بنے رہے۔

اصل یہ ہے کہ مسلمان ابھی جسم کے اندر سے مردہ نہیں ہوئے' حیات کے آثار باطن میں ہیں' مردہ اس وقت ہوں گے جب مغربی تعلیم و تہذیب اور الیکٹرونک میڈیا کے ذریعے سے دین داری اور مذہبی حس بری طرح متاثر ہو گی اور دوسروں کی دولت کو دیکھ کر محنت اور جفاکشی چھوڑ بیٹھیں گے۔ لیکن ابھی گنجائش باقی ہے۔ ان کا محنت و جفاکشی کے معمول کے باوجود غریب رہتے ہوئے خدا پر کامل توکل قائم کئے رکھنا حوصلہ افزا امر ہے۔ "الفقر فخری" کی مشہور حدیث میں یہی عظیم الشان حکمت ہے' اسی کا دوسرا نام توحید ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ بعض ہولناک بیماریوں میں مبتلا ہیں' بعض دردناک نقص ضرور ہیں۔ اس لئے مردوں کی سی کیفیت ہے۔ لیکن پھر بھی جب کبھی دین کے نام پر کوئی تحریک اٹھی تو انہی مزدوروں اور پیشہ وروں نے مذہب کی وجہ سے سیاست میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ ان کی تیز نگاہیں مذہب کی ہر تحریک میں سیاست کو پہلے دیکھتی ہیں۔ بلکہ خالص سیاسی حرکتوں میں بھی ان کا قدم تیز تیز ہے۔ الغرض مسلمانوں کی صلاحیتیں روز روشن کی طرح واضح ہیں' ان کے اندر قوم کو پھر بڑا بنا دینے کے سامان موجود ہیں۔ ایک بڑے حصے کے اندر مذہبی حس موجود ہے' صنعت اور حرفت ہے' بے مثال محنت اور شجاعت ہے' غریبی کے باوجود ایثار مال بھی ہے' وقت اور موقع پر سیاست بھی ہے' جانی قربانی بھی ہے۔ دین کو بڑا بنانے کے لئے وطن سے ہجرت بھی ہے۔ لیکن یہ حرکتیں اکثر بے کار اس لئے گئیں کہ قوم میں اصلاحِ نفس نہ تھی' اصلاحِ نفس سے بنا ہوا مذہب نہ تھا' اصلاحِ نفس والا جہاد' نہ تھا' اصلاحِ نفس والی سیاست نہ تھی' اصلاحِ نفس کے پیدا کئے ہوئے کارکن نہ تھے' اصلاح کا پیدا کیا ہوا رہنما نہ تھا۔ اصلاحِ نفس سے نکلا ہوا اتحاد نہ تھا' ایک امیر کی اطاعت نہ تھی' ایک مرکز سے بستگی نہ تھی' ایک بات پر اجماع نہ تھا' اصلاحِ نفس کا بنایا ہوا نظم و نسق نہ تھا' نظم و نسق کا پیدا کیا ہوا استقلال نہ تھا' رہنماؤں کے دل پاک نہ تھے' پرزے سب موجود تھے مگر ہر پرزہ مشین کی اصلاح کئے بغیر خود چلنا چاہتا تھا۔ یہ آلائشیں جب تک دل میں ہوں خدا اس دل میں آباد ہونا کب گوارا کر سکتا ہے اور دل میں بیٹھ کر فتح دینے والا خدا فتح کب دے سکتا ہے۔ پس جس قوم میں مذہب اور سیاست دونوں موجود ہوں اور دونوں کے زندہ ہونے کے باوجود ہر طرف گھاٹا نظر آئے' دونوں کے ہوتے ہی قوم الٹی کمزور نظر آئے' اس کی سیاست سے اور قومیں فائدہ اٹھائیں' اس کے مذہب سے سربسر نقصان ہوتا نظر آئے' جس قوم میں انتہائی غریبی کے باوجود' مالی ایثار کرنے کے باوجود کچھ بنتا نظر نہ آتا ہو' خدا بگڑا نظر آئے' لاشوں کے پشتے دیکھ کر رحیم نہ بنے' معصوموں کو مہاجر دیکھ کر کرم نہ کرے' پسینوں میں تربتر دیکھ کر فضل نہ کرے' پیٹ پر پتھر دیکھ کر نرم نہ ہو' بھوکوں کو اور بھوکا کرتا جائے' دولت والوں کو اور دولت دیتا جائے' ایسی قوم کے لئے اصلاحِ نفس کی تحریک کے اندر دلچسپی وہ ہے جو کسی بڑے سے بڑے تماشے میں ہرگز نہیں' صرف مذہب کے ٹیڑھے سرے کو موڑ کر درست کر دینا ہے' صرف سیاست کی مڑی ہوئی دھار کو ذرا سیدھا کرنا ہے۔ یہ ہو گیا تو نتیجوں کو دیکھ کر مسلمان خود بخود کھنچے آئیں گے' خدا کو راضی دیکھ کر آپ دوڑیں گے۔ مذہب اور سیاست دونوں درست ہو جائیں تو کیا کہنا ہے۔ وہ شے جس میں خدا خوش اور دنیا بھی درست ہو کس قدر مزیدار ہو گی۔ مسلمان کو کسی بھی کھاتے کی فکر نہیں' اس کا پیٹ ہی اس کا روزانہ بھی کھاتہ ہے' اسی کے اندر اس کی کمائی کا سب حساب کتاب موجود ہے۔ اسے مذہب سے لگاؤ ہے اور مذہب کے صدقے میں ہی سب سیاست ہے۔ وہ پہلے ہی قربانی اور تکلیف کا پتلا ہے اور اصلاحِ نفس کی تحریک میں اس کے لئے کوئی نئی قربانی اور بڑی تکلیف نہیں۔ پس مذہب کی صحیح منطق جس وقت مسلمان نے سمجھ لی اور یقین ہو گیا کہ اسی میں خدا راضی ہے اور اسی میں دنیا بھی درست ہے'

Marfat.com

اسی وقت اللہ اکبر کہتا ہوا میدان میں کود پڑے گا' ایسی تکلیف میں پلی ہوئی اور سرفروش قوم کو کیا ضرورت ہے کہ اور دلچسپی ڈھونڈتی پھرے۔ رہنما لامحالہ قوم کا ایک جز ہیں اور مسلمانوں کے اندر جو احساسِ تکلیف برداری کا مادہ اور اضطراب اس وقت موجود ہے اس کا عکس ان میں ضرور ہونا چاہئے۔

اگر باوجود ان باتوں کے قوم ان سے بدظن ہے تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں صحیح نشر و اشاعت اور اخباروں کے کارکنوں میں قوم کو بڑا بنانے کی سیاست موجود نہیں۔ اخبارات کے مالک اشتہاری دوا فروشوں کی طرح صرف اپنے اخبار کی نکاسی کو بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ ایڈیٹروں' کالم نویسوں اور رپورٹروں وغیرہ کی تنخواہیں بہت قلیل ہوتی ہیں اور اس کے باوجود مالکوں کا رویہ نامناسب ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جو سیاست اور قومی عظمت یہ اخبار پیدا کر سکتے ہیں ظاہر ہے۔ ایڈیٹر کو قوم کی آئندہ عظمت بنانے والا اور مختار کار سمجھ کر مالک اگر ان سے سلوک کرے تو ان کے دماغ روٹی کے فکر سے کیوں خالی نہ ہوں' ان میں صحیح سیاست کیوں پیدا نہ ہو' قومی اچھائیوں کا کیوں اشتہار نہ ہو۔ شخصی اور انفرادی برائیوں سے کیوں درگزر نہ ہو۔ ایڈیٹر اور حکومت کے وزیراعظم کا مقام دراصل ایک ہی ہے۔ اگرچہ ان کے عمل کے میدان مختلف بلکہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ وزیراعظم عوام کے بالمقابل حکومت کا وکیل ہے تو ایڈیٹر حکومت کے مقابلے میں عوام کی وکالت کے لئے ہے۔ دونوں کی پالیسی اور طرز عمل ایک ہے۔ وزیراعظم حکومت کے افعال کو خوش آئند الفاظ میں پیش کر کے حکومت کی طاقت اور عوام پروری کا خیال لوگوں پر بٹھائے رکھتا ہے' جو خامیاں یا غلطیاں حکومت میں ہوں' ان پر حتی الوسع پردہ ڈالتا ہے اور کسی رنگ میں حکومت کی ہوا اکھڑنے نہیں دیتا۔ ایڈیٹر کا مقام بھی اپنی قوم کے حق میں یہی ہونا چاہئے۔ قوم کی عزت' شرف اور طاقت کی ہوا بنی رہے تو قوم بن سکتی ہے۔ مذاق' ضد اور حسد کے طور پر اپنے ہی گھر کا مضحکہ اڑاتے رہنا قومی وقار کو کھو دیتا ہے۔ اس مقام اور اس تدبیر کو حاصل کرنے کے لئے بڑا وزن' بڑی ثقاہت بلکہ بڑا دماغ درکار ہے اور یہی وجہ ہے کہ یورپ میں ایڈیٹروں کے وزیراعظم بننے کی مثالیں کثرت سے ہیں۔ اسی تدبیر اور دور اندیشی کے باعث ایڈیٹر کے ایک ظاہرا عمدہ سے عمدہ مضمون شائع نہ کرنے کی "ناشائستہ حکمت" اور "بخل" پر مضمون نویس ہمیشہ سے روتے رہے ہیں۔ اخبار کے ایڈیٹر کو قوم اور حکومت کا بڑا نباض ہونا چاہئے۔ بعینہ وہی شے اس کے کالموں میں نکلے جس سے حکومت مرعوب ہو کر جھکے اور قوم مضطرب ہو کر بڑھے۔ مالکوں کی فکر آمدنی بڑھانے پر مرکوز رہتی ہے۔ وہ پوچھتے رہتے ہیں سنسنی خیز مضامین کیوں کم ہو رہے ہیں۔ کمزور اور بے مذاق قوم میں اخبار کو دکان بنانا بڑا خطرناک پیشہ ہے بلکہ قوم کی تمام آئندہ سیاسی کمزوری کا راز اس میں مضمر ہے۔ بڑی بڑی قوموں میں جب جب اخبارات اول مرتبہ جاری ہوئے' ان لوگوں سے ہوئے جو مصلح اور ریفارمر تھے۔ ان کو دکانداری کا خیال کبھی نہ تھا۔ وہ جو کچھ اپنے خریداروں کو کہہ گئے پتھر پر نقش رہا۔ اسی سے قوم سدھر گئی۔ الغرض مالک اور ایڈیٹر دونوں اس طرف دھیان کریں تو خوشگوار ہوا جلد یقیناً پیدا ہو سکتی ہے۔

(۹) اصل اسلام کیا ہے اور مسلمانوں کو کس تعلیم سے زوال ہوا

(اصلاحِ نفس کی بنا توحیدِ خالص ہے)

اطمینان' یقین اور ایمان ایک شے ہیں اور یہی دراصل دنیا کے تمام سعی و عمل کے محرک ہیں۔ کوئی شخص کسی امر کے متعلق دس

Marfat.com

قدم چلنا گوارا نہیں کرتا جب تک کہ اس دس قدم چلنے کی منطق کا یقین نہ ہو اور اگر منطق واضح نہ ہو تو حرکت محال یا کم از کم سعی بے حاصل ہے۔ مسلمانوں کو جب تک خدا اور قرآن کی تعلیم کے متعلق منطقی یقین تھا وہ حرکت اور صحیح حرکت میں رہے' نتائج سے مالا مال رہے اور خدا خوش رہا۔ جب خدا اور قرآن کا علم نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ساکن ہو گئے لیکن اب جو کچھ بھی روایتی ورد سے اور قانون خدا کو سمجھنے کے بغیر کر رہے ہیں اندھیرے میں بھٹکنا اور اپنی قوتوں کو ضائع کرنا ہے۔ اسلام کے مذہب کا سرا توحید تھا' لا الہ الا اللہ تھا' اللہ کو ایک جاننا تھا اور مذہب کی بیخ و بنیاد' بلکہ جیسا کہ آگے چل کر خود بخود واضح ہو جائے گا تمام کائنات کی بہتری کی بنیاد "اعبدااللہ" کے دو مختصر الفاظ تھے۔ ان الفاظ کے معنی یہ تھے کہ "اللہ کی عبادت کرو" اور یہ لفظی معنی آج کل بھی ہیں۔ "عبادت" کے معنی غلام بننا اور "عبد" کے معنی غلام کے ہیں۔ غلامی اور نوکری ایک شے ہیں بلکہ غلامی میں نوکری سے کئی درجے زیادہ بندش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہوش مند عالموں نے عبادت کے معنی کسی زمانے میں "بندگی" رکھے تھے اور مقصود یہ تھا کہ ان سے اپنے آقا کے ساتھ "بستگی" اور اس کی لگاتار "نوکری" کا اظہار ہوتا رہے۔ الغرض اعبدواللہ کے الفاظ کا مفہوم یہ تھا کہ خدا کے غلام بن جاؤ' اس کی چوبیس گھنٹے کی ملازمت اختیار کرو اور جس طرح ایک نوکر اپنی خواہشوں اور ضرورتوں کو اپنے مالک کی مرضی کے بالمقابل فنا کر دیتا ہے اور کسی دوسرے آقا کے حکموں کی پروا نہ کر کے اسی کا بندہ بنا رہتا ہے اسی طرح کی نوکری اس آقائے نامدار کی اختیار کرنا "اعبدواللہ" کے صحیح معنی تھے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بار بار کہا تھا کہ اگر تم اس طرح پر میری غلامی کرو گے تو تم کو اس دنیا میں بڑی دیر تک قائم اور خوش حال رکھوں گا' قوت اور نعمت کا موسلادھار مینہ تم پر ہردم برستا رہے گا' تم کو بے حد مالا مال کر دوں گا' تمہاری آبادی اور اولاد کی کثرت ہو گی' تمہارے لئے سرسبز ملکوں کی بادشاہت اور دریاؤں پر حکومت ہو گی۔ تمہارے واسطے دنیا کی بہترین نعمتیں اور متاع حسنہ ہو گا۔ میری وسیع زمین کی بادشاہت ہو گی۔ زمین کے وارث اور بادشاہ بننا چاہتے ہو تو میرے بندے بنو' میری نوکری اختیار کرو' میری غلامی میں رہو' میرے سوا کسی کا حکم نہ مانو' نفس کے حکموں کو نہ مانو' شیطان کے حکموں کو نہ مانو' غیرِ خدا کے حکموں کو نہ مانو' ماسوا کے حکموں پر نہ چلو' مجھے ایک مانو' ایک جانو اور ایک کہو۔ کسی دوسری شے کے حکموں کو نہ ماننا ہی مجھے ایک کہنے' ایک ماننے اور ایک جاننے کے برابر ہے۔ یہی توحید ہے' یہی لا الہ الا ہو کا صحیح مطلب ہے۔ یہ آیتیں قرآن میں صاف لکھی ہیں' ہر شخص جو تلاوت کرتا ہے ان کو روزانہ پڑھتا ہے اور بغیر سوچے سمجھے گزر جاتا ہے۔ الغرض یہ وہ قانون تھا جو انسان کے بنانے والے خدا نے اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق کو دیا تھا اور ایسے ہی قانون کو دینا اصولاً اور انصافاً اس کا حق بھی تھا۔ جب سب شے اور ساری کائنات اسی کی بنائی ہوئی ہے اور کسی دوسرے کو اس بنانے میں ذرہ بھر دخل نہیں تو بنانے والے کا صاف حق ہے کہ مخلوق کی بنیاد اپنی ہی تابعداری پر رکھے' کسی دوسری شے کو اپنی مخلوق پر حاکم نہ بننے دے' صاف کہے کہ جس قوم نے میرے سوا کسی دوسرے کا حکم مانا اس کو غرق کر دوں گا' ان سے سب نعمتیں چھین لوں گا' ان کو ذلت اور مسکنت دوں گا' ان کو غریب اور خستہ حال کر دوں گا' ان سے بادشاہت چھین لوں گا' وغیرہ وغیرہ۔ بہتری کی بنیاد اپنی اطاعت پر رکھنی تھی تو لازم تھا کہ بربادی کی بنیاد غیر کی اطاعت پر رکھتا اور اپنی اطاعت کا انعام اس قدر بے مثال تھا تو لازم تھا کہ اپنی اطاعت کو بے حد مشکل اور غیر دلچسپ اور غیر کی اطاعت کو نہایت آسان بلکہ دلفریب کر دیتا۔ الغرض ادھر یہ قانون دیا اور ادھر اس بے نیاز خدا نے انسان کا امتحان لینے کی خاطر ہزارہا دل لبھانے والے حاکم اور خوبصورت آقا اس دنیا کے اندر آپ بنا کر اپنے مقابل کھلے چھوڑ دیئے اور خود پس پردہ چھپ کر بیٹھ رہا کہ اپنے ہونے میں بھی لاکھ شک پیدا ہوں۔ سب سے پہلے خود انسان کے اندر بڑا شیطان نفس امارہ لگا دیا جو ہر لحظہ الٹے اور نہایت آرام دہ حکم دیتا رہے' شہوتوں اور لذتوں کی طرف رغبت دلائے' بدیاں کرواتا

رہے اور تن کے آرام کو سب حکموں پر ترجیح دے کر انسان کی صحت' طاقت' ہمت اور شجاعت کی بیخ اکھیڑ دے۔ پھر دوسری قطع کے بت مثلاً خوبصورت بیٹے' نیک سیرت بیٹیاں' نازنین بیویاں' عمدہ مکان' اونچے محل' مال' دولت' اسباب' کاریں' باغیچے' بنگلے' تنخواہیں' زمینیں' پیر' فقیر' اولیاء' امیر' کبیر' حاکم وغیرہ وغیرہ پیدا کر دیئے کہ اپنا اپنا آرام دہ اور دل پسند حکم دے کر انسان کی تمام قوتوں کو بے کار اور خالق سے پورے طور پر برگشتہ کر دیں۔ اپنی غلامی ہر وقت کرا کر اللہ کی نوکری اور عبادت کے لئے ایک لمحہ نہ چھوڑیں۔

الغرض اس "اعبدواللہ" کے قانون کی تعمیل کے بدلے میں خدا کی طرف سے مسلمانوں کو دنیا کی تمام نعمتوں اور بادشاہت زمین کا وعدہ تھا' وہاں اس صحیح راہ اور اس صراط مستقیم سے جس کی تعریف سورۂ فاتحہ میں **ایاک نعبد** اور **صراط الذین انعمت علیھم**' کے الفاظ میں تھی ورغلانے کے سامان قدم قدم پر تھے۔ پیغمبر آخر الزمانؐ نے عرب کو اللہ کی غلامی اور اس کے انعام میں زمین کی بادشاہت کا راز دلنشیں کرنے کے لئے **ومالی لا اعبدالذی فطرنی** کہہ کر اعلان کر دیا کہ خدا تو وہی ایک ہی ہے' جب بنانے والا ایک ہے تو نوکری بھی اسی کی ہونی چاہئے' آقائی بھی اسی کو سجتی ہے اور حاکم جو حکم کر رہے ہیں انسان کو پیدا کرنے والے نہیں' نفع و ضرر کے مالک نہیں' آپ محتاج یا بے جان ہیں' پھر ان کا حکم واجب اور غالب کیا ان کو حکم دینے کا سرے سے حق ہی نہیں۔ مردی اور مردانگی یہ ہے کہ اشرف الخلق انسان خالق کے سوا کسی کا محکوم نہ بنے۔ ان سب اشیاء سے جو اس کے ساتھ لگی ہیں فائدہ اٹھائے ان کو مسخر کرے' ان پر حکم چلائے' لیکن ان کا مطیع بننا' ان کے حکموں سے مغلوب ہو جانا اور ان کا بندہ بننا انسان کے لئے جائے ہزار شرم ہے۔ یہ سیدھی سادی دلیل سیدھے سادے لیکن غیرت مند اور جواں مرد عربوں کے دلوں میں کھب گئی۔ وہ ماسوا سے باغی ہو گئے اور خدا کی نوکری قبول کر لی۔ اس ملازمت میں رات دن بڑی تکلیف تھی۔ اول تو آنکھوں سے نظر آنے والے اور ہر دم سامنے رہنے والے خوبصورت بتوں کے مزیدار اور دل پسند حکموں کو چھوڑ کر نہ نظر آنے والے خدا سے دل لگانا تھا۔ آقا غائب' مزدوریوں میں شک' تنخواہیں ادھار' حکم مشکوک۔ الغرض تمام ملازمت **یومنون بالغیب** کا مصداق تھی' پھر یہ تھا کہ اللہ کے سب حکم وہ تھے جن کی کوئی نقد اجرت نہ تھی' ان سے کوئی فوری نفع نہ تھا' شیطان اور باقی مزدوری نقدا نقد تھی۔ اللہ کا حکم تھا کہ ایک دوسرے کی برائی نہ کرو' آپس میں یکدل ہو کر رہو' جماعت میں تفریق نہ کرو' ایک امیر کا حکم مانو' اپنی جماعت کو غالب کرنے کے لئے جان کی قربانی کرو' مال کا ایثار کرو' اسلام کو بلند کرنے کے لئے وطن کو ترک کرو' اولاد کی پرواہ نہ کرو' مال و متاع کو حقیر سمجھو' دشمن سے پیٹھ نہ پھیرو' دنیا کی لذتوں کو چھوڑ دو' شہوتوں کو مطیع کرو' اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کا علم حاصل کرو' سمع (کان) و بصر (آنکھ) اور افئدہ (ذہن) کا صحیح استعمال کرو' الصلوۃ پر قائم رہو' ایک مرکز پر جمع ہو جاؤ' نفس کو بھوکا رکھو' غیبت نہ کرو' وعدوں کو پورا کرو' دنیا میں غالب بن کر رہو' وغیرہ وغیرہ۔ ان احکام کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عرب جو غیر خدا کی غلامی میں رہنے کے باعث ایک مدت سے اپنی اخلاقی اور مادی قوتوں کو کھو چکے تھے اپنے اپنے بتوں میں مست رہنے اور **کل حزب بما لدیھم فرحون** کے باعث بکھرے ہوئے تھے' خدا کی غلامی اور "**اعبدواللہ**" کے تحت میں آ کر تکلیف پسند' صاحب عمل اور پابرکاب ہو گئے۔ سب کے سب ایک رشتے میں پرو دیئے گئے' "ایک خدا' ایک رسول" ایک جماعت' ایک امیر' ایک حکم کا سماں ہر طرف نظر آنے لگا' کسی کی کسی سے کچھ لاگ نہ رہی' سب حکم دینے والے اور حکم منوا کر بیکار کر دینے والے بت توڑ دیئے گئے' سب طرف خدا کی حکومت دلوں پر قائم ہو گئی۔ قوت اور اتحاد کا یہ شاندار منظر دیکھ کر عرب نے تلوار ہاتھ میں پکڑ لی' خدا کی حکومت نہ ماننے والوں کو خدا کے ماننے کی کھلی دعوت دے کر چھتیس ہزار قلعے اور شہر بارہ برس کے اندر اندر سر کر لئے!

الغرض اس "اعبدواللہ" کی عظیم الشان حکمت کا لازمی نتیجہ بادشاہت زمین ہوا' قوت اور نعمت کا موسلا دھار مینہ برسا' دنیا کی

Marfat.com

بہترین نعمتیں ملیں، قیصر و کسریٰ کے تاج روندے گئے، دنیا کے بہترین باغ ملے، بہترین دریاؤں پر حکومت ملی۔ مختصر الفاظ میں اصلی اور نبویؐ اسلام یہ تھا۔ جب تک اللہ کی "عبادت" کے یہ معنی رہے اسلام ہر جگہ کامیاب رہا، امت پابرکاب رہی، ہر طرف سعی و عمل رہا، ہر طرف خدا کے ایک ہونے کا اقرار رہا، خدا خوش رہا۔ چاہئے تو تھا کہ بادشاہت حاصل کرنے کے بعد بھی مسلمان "اعبدواللہ" کی نفع مند حکمت اور خدا کو خوش رکھنے کے اس بے مثال طریقے پر عمل پیرا رہتے، بادشاہت کو خدا کی غلامی کا لازمی نتیجہ سمجھ کر ماسوا کے غلام نہ بنتے، لیکن جب بادشاہت اور اس کے لازمات حاصل ہو گئے، جہانگیری اور جہانبانی کا ڈنکہ بج چکا اور بتوں نے سمجھ لیا کہ خدا اب ہمیشہ کے لئے خوش ہے بلکہ ہم ہی اس دنیا کے اندر اس کے چاہیتے ہیں تو مسلمانوں نے آہستہ آہستہ غیر خدا اور ماسوا سے پھر لگاؤ شروع کیا، حکم دینے والے بتوں اور نفس امارہ کے پھر بندے بننے لگے، لذات اور خواہشات کو جائز قرار دینے کے لئے نہایت مکاری سے اسلام کی توڑ مروڑ شروع کی، "اعبداللہ" کے الفاظ کو لے کر نہایت ہوشیاری سے اس کا باوا آدم بدل دیا۔ اعلان کر دیا کہ "اعبدواللہ" اور عبادت خدا کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی نمازیں پڑھو، اس کا نام تسبیحوں پر لو، اس کو ایک کہتے رہو، کلمہ شہادت کو رٹو، پتھر کی دیویوں اور بتوں کے آگے جو ہندوستان میں ہوا کرتی ہیں ماتھا نہ ٹیکو، ہندوؤں کی طرح بت پرست نہ بنو، عیسائیوں کے سے مسیحؑ پرست نہ بنو، وغیرہ وغیرہ۔ الغرض یہ پنجوقتہ سجدے اور کلمے جو زیادہ سے زیادہ چند لمحوں میں ہو سکتے ہیں خدا کے لئے وقف کر کے باقی تمام وقت اپنے ان پرانے معبودوں کی غلامی اختیار کر لی جو نبی کریمؐ کے ظہور کے وقت مسلط تھے اور جو ہر مردہ قوم پر ہروقت مسلط رہتے ہیں۔ اس مکر و ریا کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے اندر سے وہ تمام خوبیاں نکلتی گئیں جو خدا کی عبادت کے صحیح مفہوم اور اللہ کی دن رات کی نوکری میں مضمر تھیں۔ ادھر مولویوں اور "علمائے دین" نے اسلام کی بگڑتی ہوئی حالت کے باوجود قانون خدا کی ان حیرت انگیز تحریفوں کی تائید کی۔ اللہ کے ناقابلِ بدل قانون کو مکاری سے چند قرنوں کے اندر تحریراً بدل دیا۔ آیات خدا کو چھپا کر اپنے نفس اور باقی مسلمانوں کے لئے آسانیاں پیدا کیں اور اپنے پیٹ آگ سے بھر لئے۔ "عبادت" کو وہی نماز اور تسبیح وغیرہ قرار دیا، حالانکہ قرآن حکیم میں کئی موقعے ایسے ہیں جہاں ایک ہی آیت میں "عبادت" کے لفظ کو الصلوۃ کے لفظ سے علیحدہ کر دیا ہے۔ ایمان کو منہ سے خدا کا اقرار قرار دے کر سب امت کو اور سب سے پہلے اپنے آپ کو مسلمان بنائے رکھا۔ پتھر کے بتوں، ہندوؤں کی دیویوں اور مورتوں کو "خدا کے شریک" ظاہر کر کے مسلمانوں کی پیٹھ ٹھونکی کہ وہ مشرک نہیں، مومن ہیں، جنت کے حق دار ہیں، اللہ کے لاڈلے ہیں، خدا ان کے انتظار میں جنت کی کنجیاں لے کر بیٹھا ہے! سلطنتوں کو ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر دنیا سے بیزار کر دیا کہ یہ رہنے کے لائق نہیں، یہ دنیا مردار ہے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی "مومن" کا کام نہیں۔ پھر کیا تھا خدا کی قرآنی دھمکیاں یک بیک پوری ہونے لگیں، بادشاہت چھین لی گئی، ذلت اور غریبی لیس دی گئی، نظم و نسق ٹوٹ گیا، تفرقے انتہا تک پہنچ گئے، شکستیں نمایاں ہو گئیں، اتحاد باقی نہ رہا، زور آور امیر نہ رہا، زمین تنگ ہوتی گئی، مسکنت اور محتاجی ماتھوں پر جم گئی۔ یہ سب ہوا لیکن عام مسلمانوں نے قرآن سامنے اور آنکھیں ہو ہوا کر اس تین سو برس کی خدا کی مار اور منہ کے بنائے ہوئے کافروں اور مشرکوں کی لگاتار سنوار کے باوجود ہرگز نہ سمجھا کہ آخر ان دردناک سزاؤں کی وجہ کیا ہے۔ وہ اسی تحریف شدہ اسلام کو جو ان کے اپنے باپ دادا سے ورثہ" ملا تھا صحیح اسلام سمجھتے رہے اور آج تک اسی پر ضد سے قائم ہیں۔ الغرض مسلمانوں کے زوال کی منطق قطعاً" عیاں ہے۔ ان کے دلوں میں شیطان کی حکومت اور خدا صرف زبان پر ہے۔ امت کا کمال تجاہل مگر نہایت نا دوراندیشی سے اللہ کی عبادت کے مفہوم کو یکسر بگاڑ کر سجدوں، کلموں اور شرعی مقولوں کو خدا کے وقف کر دینا، زمین پر قوی اور بادشاہ بن کر رہنے کے خدائی انعام کو پاؤں سے ٹھکرا کر دنیا کو مردار اور ناقابل توجہ سمجھنا مذہب کا وہ مڑا ہوا سرا اور

Marfat.com

سیاست کی وہ مڑی ہوئی دھار ہے جس کو پھر درست کرنا ہر ہوشمند شخص کا فرض ہے۔

اور مذہبوں میں جب جب یہ تبدیلیاں واقعی ہوئیں وہ رسم و رواج کی لکیر میں پڑ کر بے اثر ہو گئے' ان کے پیروؤں میں مذہبی حمیت اور مذہب کی بنا پر سیاست دونوں جلد معدوم ہو گئیں۔ قوت چھن گئی تو لوگوں نے خدا کا تخیل بھی سرے سے چھوڑ دیا' پتھر کے بتوں یا مذہبی مشاہیر کو خدا کا اوتار فرض کر کے ان سے لو لگا لی' یا خدا کا تعلق صرف انفرادی زندگی سے رکھ کر مذہب کو دنیا کے لئے بے کار ثابت کر دیا۔ لیکن مسلمانوں میں خدا کی حکومت عملاً اگرچہ نمایاں نہیں رہی' ان کے ان طبقوں میں بھی جن کا تعلق رات دن ہاتھ پاؤں کی محنت' حلال روزی اور سعی و عمل سے ہے کوئی قابل ذکر منظم حرکت خدا کی ملازمت کی بنا پر باقی نہیں رہی۔ لیکن خدا کا تخیل اب تک قطعاً" زندہ ہے' بادشاہت اور قوت کا نصب العین قطعاً" زندہ ہے' ان کا آج بھی سب سے بڑا فخر تو خدا کی توحید پر ہے' وہ آج بھی اس بات کے بڑے دعویدار ہیں کہ خدا کو ایک ماننے والے صرف وہی ہیں' اللہ کے نام لیوا اور اس کی وحدت کے علمبردار صرف وہی ہیں' وہ مشرک کے نام سے کوسوں دور بھاگتے ہیں' کفر کے کلموں سے لرز جاتے ہیں' بت پرستی سے دلی نفرت ہے' خدا کی راہ میں ان کی مالی اور جانی قربانیاں بھی ہیں۔ پس جس قوم میں رسمی شرک سے یہ نفرت اور رسمی توحید سے یہ عشق ہے' جس کا ہر فرد عام طور پر اس قرآنی حکم سے واقف ہے کہ خدا سب گناہوں کو بخش دیتا ہے مگر شرک کو قطعاً" نہیں بخشتا' اس قوم میں حوصلہ اور وثوق سے' اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کے خوف کے بغیر' اللہ کی عبادت' اس کی توحید' اس کے شرک اور اس کے کفر کے سچے اور اصلی مفہوم کو پھر رائج کرنا بڑا مشکل نہیں۔

(۱۰) قوت کا راز توحید کو صحیح سمجھنا ہے اور مسلمان پھر کیونکر قوی بن سکتے ہیں

مسلمانوں کو یہ کہنا ہے کہ اس تمام مذہبی حمیت' اسلامی جوش اور مالی اور جانی قربانیوں کے باوجود اگر اللہ کے ہاں تمہاری کوششیں مقبول نہیں ہوتیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تم میں اللہ کی بندگی صحیح معنوں میں قطعاً" نہیں رہی' تم شرک میں صحیح معنوں میں گرفتار ہو' توحید کے علمبردار ہرگز نہیں ہو سکتے۔ ان کو قرآنی شہادت دے کر بتلانا ہے کہ اللہ کی عبادت کا لازمی اور منطقی نتیجہ بادشاہت زمین ہے بلکہ جو قوم بھی خدا کی زمین کی وارث ہے یا وارث بننے کی کوشش کر رہی ہے وہ **ان الارض یرثھا عبادی الصلحون** کے خدائی قول کے مطابق صحیح معنوں میں عابد اور ملازم خدا ہے' وہی صالح ہے اور خدا بھی اسی سے خوش ہے۔ ان پر واضح کرنا کہ تم بے مثال مالی اور جانی قربانیاں کرتے ہو' دردناک تکلیفیں جھیلتے ہو' لاکھوں روپیہ اپنی مفلسی کے باوجود اپنے رہنماؤں کے قدموں میں ڈال دیتے ہو' لیکن باوجود ان تمام باتوں کے تمہاری کوششیں بار آور اس لئے نہیں ہوتیں کہ تم میں نظم و نسق نہیں' تم میں اتحاد اور وحدتِ امت نہیں' تم میں ایک مرکز سے بستگی نہیں' تم میں ایک امیر نہیں' تم میں اطاعت امیر نہیں' تم میں کوشش کرنے کے بعد اس کوشش پر استقامت نہیں۔ لیمنڈ کے ابال کی طرح جوش میں آ کر کچھ کر جاتے ہو لیکن پھر پانی کی طرح ناتواں ہو کر بہہ جاتے ہو۔ یہ سب عظیم الشان نقص اس لئے ہیں کہ تم میں چوبیس گھنٹے کی خدا کی نوکری نہیں' صرف چند لمحے خدا سے ڈر کر کچھ کر لیتے ہو لیکن فوراً خدا سے بچی بغاوت کر کے ایک دوسرے سے بگڑ جاتے ہو۔ اگر خدا کی پوری غلامی اور ماسوا سے پوری بغاوت صحیح معنوں میں ہوتی تو ہمیشہ متحد رہتے ہمیشہ ایک امیر کے ماتحت اور ایک مرکز پر جمع رہتے' تم میں چھٹائی' بڑائی ہرگز نہ ہوتی۔ یہ صرف نفسی اور ذاتی اغراض بلکہ شیطان کی صحیح معنوں میں بندگی ہے جو تم کو تسبیح کے دانوں کی طرح بکھیر رہی ہے' تم کو ایک مرکز پر جمع نہیں ہونے دیتی' ایک امیر کے ماتحت کام کرنے کی اجازت نہیں

Marfat.com

دیتی۔ ان پر اچھی طرح اور نہایت وثوق سے ذہن نشین کرتا ہے کہ خدا کی دوستی اور بادشاہت کا انعام اس وجہ سے نہیں ملتا کہ تمہارے نزدیک توحید یہ ہے کہ صرف پتھر کے بتوں یا دیوتاؤں کے آگے ماتھا نہ ٹیکا جائے' یا اپنا نام کمال الدین اور عبداللہ رکھ کر مسلمانی کا اقرار کر لیا جائے' تمہیں نہایت ٹھنڈے دل سے اور ہوشمند بن کر غور کرنا چاہئے کہ اس پروردگار عالم اور رب العالمین کی اصلی دوستی آج ہنری سمتھ اور رام داس کی جماعتوں سے ہے' راز و نیاز کی باتیں اگر ہیں انہیں سے ہیں' رحمت کی موسلا دھار بارشیں ہیں تو انہیں پر ہیں' مہربانی کا بادل انہی پر چھا رہا ہے۔ یہ سب اس لئے کہ خدا کے نزدیک اصلی "عبداللہ" اور سچا بندۂ خدا ہونا یہ ہے کہ پتھر کے بتوں کے ساتھ ساتھ نفس کے خوفناک بتوں کو توڑا جائے' دل کے ان حکمرانوں کا کہنا نہ مانا جائے جو ہر آن اور ہر لحظہ خدا کے حکموں میں دخل دیتے رہتے ہیں' جو ہر وقت خدائے ذوالجلال کی پوری نافرمانی کرا کر رہتے ہیں۔ کمالِ دین اور اصل اسلام یہ ہے کہ انسان کو مال سے محبت نہ ہو' جان پیاری نہ رہے' اولاد کی پروا نہ ہو' باغ' مکان' کاریں' طویلے' تنخواہ' گھر کا اسباب' زن' زر' زمین' گھوڑے' مویشی' سب ہیچ نظر آئیں اور ہردم نظر آتے رہیں۔ سب کے حکموں کو رب ذوالجلال کے حکموں کے بالمقابل بے حقیقت سمجھا جائے۔ یہی وہ بت ہیں جو ہر وقت انسان کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ رات دن انہیں کی پرستش فی الحقیقت ہو رہی ہے۔ انہیں کے حکموں کو خدا کے حکموں پر ترجیح دی جاتی ہے' انہی کی شہہ پر خدا سے ہردم بغاوت ہے' انہی کو خدا کا شریک بلکہ سچ پوچھو تو خدا سے بہتر سمجھا جاتا ہے اور اسی لئے اس مالک زمین و آسمان کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ انسان اپنے خالق کو چھوڑ کر اس کی پیدا کی ہوئی بے حقیقت چیزوں کا حکم مانتا رہے۔ پتھر کے بتوں یا مسیحؑ کی مورت کی "عبادت" ہندوؤں اور عیسائیوں میں اول تو رہی نہیں یا اگر ہے تو صرف چند لفظوں کے بڑبڑا لینے تک محدود ہے بلکہ پتھر کے بت اگر کچھ حکم دے سکتے ہیں تو صرف چند لحوں تک' مگر نفس کے بت چوبیس گھنٹے حکم دے کر انسان کو خدا سے باغی کر دیتے ہیں۔ آدمی صرف اپنے نفس میں مست رہتا ہے' صرف اپنی ذات سے متعلق کاموں میں لگا رہتا ہے' قوم اور جماعت کی بہتری کی باتوں سے اس کا کچھ سروکار نہیں رہتا۔ مسلمان آج صرف منہ سے خدا کو ایک کہتا ہے اور دن میں چند لحوں کے لئے اس کا کلمہ پڑھ کر' باقی وقت ان بتوں کی بندگی میں نہایت شوق سے بلکہ اطمینان سے گزارتا ہے اور عملاً ایک نہیں ہزار خداؤں کا بندہ بنا رہتا ہے لیکن اور قومیں اگرچہ منہ سے خدا کو ایک نہیں کہتیں مگر اپنا اکثر وقت خدا کے حکموں کی تعمیل اور نفسانی بتوں سے بغاوت میں صرف کر کے اصل میں یہ ثابت کر رہی ہیں کہ ان کا حاکم وہی خدائے واحد ہے۔ پس جب توحید یہ ہے کہ دل میں کوئی بت نہ رہے اور جب خدا کو ماننے کے دوسرے معنی لینا ناممکن ہے تو مسلمان یقیناً اس وقت ایک خدا کے ماننے والے نہیں' اس حالت میں مسلمان کا ہروقت لا الہ الا اللہ کہتے رہنا بے نتیجہ ہے' اللہ سے انعام کی امید فضول ہے' خدا کو دھوکا دینا کیا اپنے نفس کو دھوکا دینا ہے۔

اور قومیں جو خدا سے انعام لے رہی ہیں نسبتاً زیادہ فرمانبردار ہیں۔ ان میں اتحاد ہے تو اس لئے کہ ان کے اکثر افراد میں ذاتی غرضوں' ایک دوسرے سے حسد اور دشمنی خودرائی اور کبر' یا ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنے کے پیارے بت مقابلتاً" زیادہ حد تک فنا ہو چکے ہیں' ان میں ایک رہنما اور باقی سب سپاہی ہیں تو اس لئے کہ سب نے نفس پسندی اور جاہ پرستی کے بت کو فنا کر کے اپنا تن من دھن قوم کی بہتری کے لئے وقف کر دیا ہے' ان میں ایک امیر اور ایک آئین کی اطاعت ہے تو اس لئے کہ لیڈر بننے کے پیارے بت کو توڑ کر ہر شخص ایک امیر کی آواز پر ہر ممکن قربانی کرنے کے لئے تیار ہے' ان میں جیل خانوں سے عشق ہے تو اس لئے کہ نفس کے بت کو مارنا ان کی نظروں میں آزادی اور بادشاہت کی پہلی منزل ہے' ان میں اپنے امیر کی عزت کی پوری حفاظت اور کم بخت اعرابی کی طرح اپنے سردار پر بلاوجہ کیچڑ پھینکنا اس لئے نہیں کہ قوم کے دلوں سے منافقت اور شرارت کا بت نکل چکا ہے' اب ہر شخص امیر کی عزت کو اپنی

Marfat.com

عزت سمجھ کر جان لڑانے کے لئے آمادہ ہے' ان میں چھوٹوں کو بڑا بنا دینے کا ڈھنگ اس لئے ہے کہ ہر شخص اپنی بڑائی اور کبریائی کے بت کو فنا کر کے قوم کو بڑا بنانے کی فکر میں ہے' ان میں ہڑتالوں کے موقع پر کروڑوں روپیہ کی مالی قربانیاں اس لئے ہیں کہ کاروباری قوم ہونے کے باوجود مال کے بت کی پرستش نہیں رہی' ان میں فضول خرچی اس لئے نہیں کہ نفس کی خواہشوں پر پورا جبر ہے' ان میں دولت اس لئے ہے کہ فضول خرچی کے آرام دہ بت سے تعلق کٹ چکا ہے' ان میں غیبت اور بدگوئی اس لئے مفقود ہے کہ پیٹھ پیچھے کسی کو برا کہنے کے دلچسپ اور خوبصورت بت سے کچھ لگاؤ نہیں رہا بلکہ بھائی کے گوشت کھانے میں کراہت آتی ہے۔ ان میں وعدہ خلافی اس لئے نہیں کہ وعدہ کی مشکل خود پیدا کر کے آسان پسندی کے بت کی عبادت کرنا مردانگی کے خلاف نظر آتا ہے' وہ اپنوں پر بڑا رحم کرنے والے اور غیروں کے بڑے دشمن اس لئے ہیں کہ **اشداء علی الکفار رحماء بینھم** کے اسلامی اصول کو سمجھ چکے ہیں' ان میں بیسیوں دیوتاؤں کی "پرستش" کے باوجود سب کا طریقِ عمل ایک ہے تو اس لئے کہ ان کے بیسیوں بت دراصل بت نہیں رہے' اگر ہر دیوتا اپنا حکم منواتا تو اتحاد ممکن نہ تھا' بلکہ ایک کے سوا دوسرا خدا ہوتا تو قوم کیا زمین و آسمان بگڑ جاتے' ان پیروں اور اماموں یا مہنتوں اور پنڈتوں کے نام پر فرقہ بندیاں اس لئے نہیں کہ پیر اور امام ان کے بت نہیں رہے' ان میں ہاتھ اٹھانے اور آمین کہنے پر سر پھٹول اس لئے نہیں کہ لفظوں اور عقیدوں کو بت بنا کر اپنی خودکشی کرنا نہیں چاہتے' ان کے اخباروں میں گالی گلوچ اور ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنا اس لئے نہیں کہ چٹ پٹے مضامین لکھنے اور بھائی سے خدا واسطے کے بغض رکھنے کے بت کی پرستش کر کے اپنی قوم کو کمزور کرنے کی شیطنت باقی نہیں رہی' ان میں مختلف راؤں کے باوجود دشمن کے سامنے متحدہ محاذ پیش کرنے کی قابلیت اس لئے ہے کہ نفسانی اغراض اور ذاتی خواہشات کے سب بت فنا ہو چکے ہیں اور صرف قوم کی بہتری پیش نظر ہے' فتح و ظفر پیش نظر ہے' دشمن کو نیچا دکھانا پیش نظر ہے' الغرض ان کی راہ ایک' کام ایک' منتہا ایک ہے۔ اس لئے ان کا آقا اور حاکم ایک ہے' خدا ایک ہے' دین ایک ہے' اگر خدا مختلف یا کئی ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اس طرح متحد ہوتے۔ جس قوم میں بت نہیں رہے اس میں خدا ضرور ہے۔ جب شیطنت نہیں رہی تو نیکی کا موجود ہونا یقینی ہے اور نیکی کا مالک یا نیکی کا حکم دینے والا خدائے واحد کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ایسی قوم توحید پر صحیح معنوں میں عامل ہے' غیر شعوری طور پر ہی سہی' وہ دین اسلام پر چل رہی ہے' اس کو مشرک یا بت پرست کہنا اندھا پن ہے' اپنے نفس کو دھوکا دینا ہے۔ قرآن حکیم نے مشرکوں کی تعریف صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں یہ کی ہے کہ مشرک وہ ہیں جنہوں نے اپنی جماعت میں تفرقہ ڈالا' یہ اس لئے کہ تفرقہ اسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب ہر شخص خدائے واحد کو چھوڑ کر اپنے بتوں میں مست ہو جاتا ہے۔ یہ خدا کا دلوں میں آ جانا ہی وہ خوش قسمتی ہے جو دلوں کو جوڑ دیتی ہے' شیطان کا حکم دل میں رہے تو اتحاد محال ہے۔ اسی لئے بت پرستی کے شرک کی بخشش نہیں' اسی لئے کہا سب گناہوں کو بخش دوں گا مگر شرک کو ہرگز نہ بخشوں گا۔ آخرت کا بخشا تو درکنار' اسی دنیا میں کم سے کم مدت کے اندر وہ دردناک سزا مل جاتی ہے کہ قوم کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ علم' دولت' عزت' صحت' حکومت' آزادی' سب یک بیک رخصت ہو جاتے ہیں' پھر دلوں سے وہ آگ کے شعلے بلند ہوتے ہیں کہ **ماھم بخارجین من النار** کا سماں صاف نظر آ جاتا ہے۔ پس قرآن کا آسمانی اعلان **ء ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار** یعنی "کیا تفرقہ ڈالنے والے بہت سے رب اچھے ہیں یا وہ خدائے واحد جو سب پر غالب ہے" وہ لازوال حقیقت ہے جس سے ابدالاباد تک کسی زندہ قوم کو انکار نہیں۔ وہی قوم **کبر علی المشرکین ماتدعوھم الیہ** کی مصداق بن کر اس حقیقت سے بھاگے گی جو مشرک ہو گی' جس کے دلوں کے اندر تین سو ساٹھ بتوں کی انجمن ہر وقت لگی رہے گی۔ زندہ قوم کا توحید کے اصلِ اصول سے کسی وقت اور کسی لحظہ بھاگنا محال ہے۔ مسلمانوں کی توحید کا کسی زمانے میں یہ رنگ تھا کہ

Marfat.com

حضرت جنیدؒ ایک دفعہ صرف تکیہ اور مٹی کا پیالہ لے کر اسلام کے دشمنوں سے لڑائی کے لئے گھر سے نکلے' خدا کی راہ میں جان دینے کا جوش اس قدر اور اسلام کو مدد اس قدر درکار تھی کہ بری خبر سننے کے بعد گھربار' خان و مان' فرزند و زن سب کو چند لمحوں کے اندر رخصت کر دیا۔ کچھ دیر سفر کرنے کے بعد پیالے کو دیکھ کر خدا کے اس سچے پرستار کو نظر آیا کہ ایسے آڑے وقت میں آرام پسندی کے اس بت کو ساتھ لگائے رکھنا توحید کے منافی ہے۔ وہیں توڑ دیا۔ آگے چل کر تکیہ کی طرف نظر کی۔ اس میں بھی شرک کا وہی خوفناک بت دکھائی دیا' پھینک دیا اور بوجھ ہلکا ہونے پر دو منزلوں کی ایک منزل کر کے پہلی صف میں شریک ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے اسی توحید کو بے لوث رکھنے کے لئے اپنی بڑھتی ہوئی فوج کو عام حکم دیا کہ سپاہی جس ملک کو فتح کریں اس میں زمین نہ خریدیں' گھر نہ بنائیں' ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا پہنیں' اس ملک کی عورتوں سے بیاہ شادی نہ کریں وغیرہ وغیرہ۔ مقصود یہ تھا کہ فتح کی رفتار تھمنے نہ پائے اور جب تک فوج کا یہ عمل رہا اسلام کو کوئی شے نہ روک سکی۔ حضرت طارقؒ کے اندلس پر حملہ کرنے کے وقت جبل الطارق میں کشتیاں جلا دینے کا مشہور واقعہ اس قدر خون کو حرکت دینے والا ہے کہ تیرہ سو برس کے بعد آج بھی ہر مسلمان کو گرما دیتا ہے لیکن اس کے اندر بھی توحید اور توکل کی وہ حوصلوں کو لاکھ گنا بڑھانے والی اسلامی غیرت تھی جس کا منشا یہ تھا کہ اللہ کی رسی کو پکڑ کر ماسوا کو ہیچ اور لا شے عملاً" ثابت کر دیا جائے۔ آج دوسری قومیں اس توحید کو مسلمانوں سے لے کر ترقی کے بلند میناروں پر چڑھ رہی ہیں اور مسلمانوں کی بے دماغی اور بدحواسی بلکہ بدنیتی کا یہ عالم ہے کہ دنیا میں ہمیشہ کے لئے طاقتور رہنے کے اس اصلِ اصول کے موجد اور خدائے عزوجل کی وحدت کے واحد علمبردار ہو کر توحید کو صرف پتھر کے بتوں کی توحید سمجھتے ہیں اور جنت کے سبز باغوں کے خواب میں مست ہیں' خدا کی دوستی کے گمان کے باوجود دنیا کو چھوڑ دینا اور اس میں دکھ پانا دینداری کا جز خیال کرتے ہیں۔ نہیں سمجھتے کہ اگر کعبہ کے تین سو ساٹھ پتھر کے بتوں کو توڑنا ہی رسولؐ خدا کا سب سے بڑا کارنامہ اور قرآن کی سب سے بڑی توحید تھی تو حیرت ہے کہ اس عظیم الشان کارنامے کا ذکر تک قرآن میں موجود نہیں۔ مسلمانوں کو خدا نے ایک صف میں کھڑا ہونا سکھلایا' ایک امیر کی تابعداری اور اس کے حکم میں "فوجی قواعد" کرنے کا دن میں پانچ وقت سبق دیا' ایک شخص کی آواز پر دن میں پانچ بار ایک جگہ پر اکٹھے ہونے کا طریقہ بتایا' مال کے چالیسویں حصے کو قوم کی بہتری کے لئے فرض کر دیا' چودہ سو برس تک سال میں تیس دن بھوکا رکھ کر نفس امارہ کو رام کرنے کا طریقہ بتلایا' ہر برس ہزار در ہزار خلقِ خدا کو دنیا کے ہر گوشے سے ایک مرکز پر جمع ہونے کی حکمت دی اور سب سے بڑھ کر کسی ماسوا کے آگے نہ جھکنے کا بے مثال کلمہ مسلمان کے ماتھے پر لکھ دیا۔ اس سے زیادہ پروردگار عالم کیا دے سکتا اور وہ رحمتہ اللعلمینؐ کیا لا سکتا تھا مگر حیف کہ اس وقت تمام حکمت کے نچوڑ کو غیر قوموں نے جذب کر لیا ہے۔ کروڑ در کروڑ مسلمانوں نے چودہ سو برس تک روزوں کی مشق کی' روزے کو تقدس کا وہ درجہ دیا کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو کو خوشبو' اور آسمان کے فرشتوں کو اس کے لعاب دہن چاٹنے کے لئے کہا' ماہ صیام کی وہ فضیلتیں دکھلائیں کہ آسمان سے کروڑ در کروڑ فرشتوں کو اس مہینے کی تعظیم کے لئے زمین پر اتارا۔ حقیقت یہ ہے کہ روزہ صرف اپنے نفس کو مطیع کرنے اور جہاد کے دن اسلام کے کام آنے کے لئے ہے' سپاہی کو طاقتور اور ناقابل شکست بنانے کے لئے ہے' تاہم چاہئے تھا کہ ان کہانیوں کا عام لوگوں کی زبان پر ہونا روزے کی اہمیت کو دس گنا بڑھا دیتا لیکن ان تمام فضیلتوں کے مسلسل بیان اور مسلمانوں کی عام فاقہ مستی کے باوجود ہندوؤں کی دولت مند اور فاقہ سے نا آشنا قوم کے فارغ البال شخص (جتندراناتھ) داس (غلام) کا ستر دن کا کڑاکے کی گرمیوں میں مسلسل روزہ اس کی اپنی قوم کے لئے وہ کام کر گیا کہ اس نے انگریزی حکومت کے عظیم الشان محل کی بنیادیں ہلا دیں۔ اس وقت کے بدبخت آٹھ کروڑ مسلمانوں میں سے ایک نہ نکلا جو اس روزے کا مقابلہ کرتا اور اس "غیر آسمانی" اور "غیر شرعی"

Marfat.com

روزے کو بے وقعت کر دیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پچھلے کئی سو برس کی نمازیں اور روزے سب اکارت گئے' ان سے جنت کیا دوزخ کا بہترین گوشہ بھی نہیں مل سکتا۔ یہ روزے اور نمازیں نہیں پچھلوں کی ناخلفی اور محض نفس کی پیروی ہے جس کا نتیجہ ہلاکت ہے' ان سے امت کے دل نہیں جڑے' ان سے اتحاد پیدا نہیں ہوا' ان سے ایک مرکز نہیں بنا' ان سے اطاعت پیدا نہیں ہوئی' ان سے ایک امیر نہیں بنا' ان سے نفس رام نہیں ہوا' ذاتی اغراض اور نفسانی شہوات الٹی دس گنا بڑھ کر قوم اور بگڑ گئی' ان کا اولین نتیجہ شکست اور ہلاکت ہے اور انجام دوزخ ہے' آگ کا گڑھا ہے۔ **فخلف من بعدهم خلف اضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوات فسوف يلقون غيا۔** پس مسلمان کی اول اور آخری پناہ توحید ہے۔ وہ جب تک اس توحید پر عامل نہ ہوں گے اس دنیا میں ہرگز ہرگز پنپ نہیں سکتے۔ اگر اس منطق کے بعد ہر مسلمان اپنے گھر کی درستی اور اصلاحِ نفس کی تحریک کی طرف "لڑھا" مجبور نہ ہو جائے تو پھر اس کو مجبور کرنے کی اور کوئی تجویز ہرگز موجود نہیں۔

(۱۱) خاکساروں کی تحریک اصلاح نفس کا دستور العمل اور بیلچہ

اصلاح نفس کی تحریک فی الحقیقت توحید اور اللہ کی ملازمت کی عظیم الشان حکمت پر عمل پیدا کرنے کا ایک ادنیٰ جز ہے۔ اس بنا پر اس تحریک کی پہلی کئی منزلوں میں صرف وہی لوگ شامل ہونے چاہئیں جنہوں نے توحید اور بت شکنی کو صحیح سمجھا ہے۔ نفس کے بتوں کو توڑنا اکثر اوقات قومیت یا سیاست بلکہ ذاتی اور فوری نفع کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے۔ ایک گروہ یا شخص اپنے ہم قوم گروہ یا شخص سے اختلاف اور تصادم اس لئے پیدا نہیں کرتا کہ اس میں قومیت کمزور ہوتی ہے' اس کی اپنی بدنامی ہوتی ہے یا ملکی سیاست کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہاں دکاندار سودا تولتے وقت سیدھی ڈنڈی اس لئے رکھتا ہے کہ اس میں اس کی تجارت کو فائدہ ہے' یا شرابی شراب اس لئے چھوڑ دیتا ہے کہ اس مرض سے نجات پائے جس میں مبتلا ہے۔ یہ تینوں مثالیں نفس کشی کی ضرور ہیں' خدا کے نزدیک ان کی قدر و قیمت ضرور ہے' نتائج میں ظاہراً فرق نہیں مگر ان میں خدا کی ملازمت کا زندہ اور گرما دینے والا تخیل موجود نہیں۔ اسی طرح پر عدم تشدد کا سیاسی حربہ جس کو کانگریس نے انگریز حکومت کے خلاف استعمال کیا تھا' اصلاح نفس کا ایک ادنیٰ جز ہے۔ گولی یا لاٹھی مارنے والے کو کچھ نہ کہنا اور اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دینا بلاشبہ ایک بت شکنی ہے' نفس کے دیو کو مطیع کرنا ہے اور اس میں **والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس** کے قرآنی حکم کی رو سے خدا کی ملازمت اور اس کے احکام کی تعمیل بھی ہے' حکم کی تعمیل کے صلے میں خدا کے ہاں سے دنیاوی یا سیاسی بہتری کا سامان بھی ہے' اخروی اجر بھی عاملوں کو ان کے اعمال کے مطابق مل سکتا ہے۔ لیکن کانگریس نے چونکہ عدم تشدد کا اعلان انگریزوں سے انتقام لینے یا مسلح حکومت کا خاموش مقابلہ کر کے اس کا نظم و نسق بگاڑنے کی نیت سے کیا اور خدا کی نوکری کا تخیل ان لوگوں میں نہیں تھا جو اس پر عامل تھے اس لئے اس میں صحیح اصلاح نفس پیش نظر نہیں تھی' نہ نفس کی اصلاح اس سے لازماً پیدا ہو سکتی ہے۔ خدائے ذوالجلال کی ملازمت کے تخیل سے دنیا اور آخرت دونوں پیش نظر ہو جاتی ہیں' دنیا میں جماعت کی بہتری اور آخرت میں انفرادی بہتری کا خیال انسان کو دس گنا حرکت اور عمل کے قابل بنا دیتا ہے۔ نیکی کو نیکی اور صحیح سمجھ کر کرنا' اس کو دشمن سے انتقام لینے کی خاطر نہ کرنا' اس میں زمین و آسمان کے حاکم اعلیٰ کی ملازمت اور مالکِ دوجہان کی خوشنودی کا سامان دیکھنا انسان کے اندر وہ حرکت اور وہ دوران خون پیدا کر دیتا ہے جو صرف سیاست یا قومیت کے تخیل سے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتے۔ جس نیک کام کرنے والے کے پیش نظر خدا اور آخرت کا اجر نہیں' اس کی نیکی میں قیام اور ولولہ ہرگز نہیں' اس کا ہوا پر تکیہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ

Marfat.com

کانگریس کا عدم تشدد دیرپا ہرگز نہیں رہ سکا۔ کھدر پہننے میں بت شکنی ضرور تھی' نرم نرم کپڑوں کے آرام دہ بتوں کو توڑنا ضرور تھا' اس بت شکنی کا جو سیاسی فائدہ قوم کو ملا ظاہر ہے لیکن کھدر کو انگریزوں کی تجارت کو نقصان پہنچانے کی نیت سے پہننا پہننے والے کے دل میں نہ اصلاح نفس کا تخیل پیدا کر سکتا تھا نہ نفس کو بے آرام کرنے سے خدا کی ملازمت اختیار کرنے کا حوصلہ افزا ہیجان اس کے دل کو گرما سکتا تھا۔

الغرض اصلاح نفس کی تحریک کو صحیح طور پر چلانے کے لئے اس کی پہلی کئی منزلوں میں وہی لوگ شامل ہونے چاہئیں جن میں سیاسی مصلحت یا انتقام کے جذبہ کی بجائے اللہ کی ملازمت کا زندہ جذبہ موجود ہو اور جن کا آخرت پر پورا یقین ہو۔ عام اعلان ہو کہ اصلاح نفس کے عاملوں کا ملکی سیاست سے کوئی تعلق نہیں' حکم عدولی نافرمانی نہیں' کسی سے انتقام لینے کا جذبہ نہیں' ان کے سامنے خدا اور صرف خدا کی ملازمت ہے' ماسوا سے قطع تعلق ہے' پیہم بت شکنی ہے' نفس کی اصلاح ہے۔ وہ عدم تشدد پر ہر حالت میں اور ہر موقع پر حتی الوسع عامل رہیں گے۔ اس میں ان کی مدمقابل خاص طور پر حکومت ہی نہ ہو گی بلکہ جو مقابل فریق بھی ان پر تشدد کرے گا اللہ کی ملازمت پیش نظر رکھ کر اس کا جواب ان کی طرف سے عفو و درگذر ہو گا۔ الا یہ کہ تشدد اس قدر بڑھ جائے کہ حفظ نفس کے لئے مقابلے کی ضرورت ہو۔ کھدر پہنیں گے تو صرف اپنے نفس کو مطیع کرنے کے لئے' ترک موالات کریں گے تو صرف اس نقطہ نظر سے کہ خدا کی ملازمت میں خلل نہ آنے پائے۔ حکومت کے کسی قانون کی نافرمانی نہ کریں گے مگر اس وقت کہ اس کی اطاعت ملازمت خدا میں صریح طور پر ہارج ہو۔ اسلام کے اس اصول پر کہ عجز اور مجبوری میں کچھ گناہ نہیں عامل رہیں گے۔ اس بنا پر اصلاح نفس کے عاملوں کے حکومت سے نہ نفرت ہو سکتی ہے نہ دشمنی' انکا لائحہ عمل قطعاً" علیحدہ ہے اور کسی حکومت یا انجمن یا قوم کے اصولوں سے ٹکرانا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ٹکرانے کے اسباب خود پیدا نہ کئے جائیں۔ روحانیت کو صحیح معنوں میں پیدا کرنے کا واحد اوزار خدا کی ملازمت ہے اور اگر اس بندگی میں خدا کی مخلوق کے کسی حصے حتیٰ کہ حکومت سے انتقام یا دشمنی کا جذبہ موجود ہو تو اس روحانیت کا مفقود ہو جانا اٹل ہے۔ پس اصلاح نفس کے ہر عمل میں سیاست کی بجائے روحانیت کا بدرجہ اتم ہونا ضروری ہے۔ اصلاح نفس میں صرف خدا سامنے ہے اور پروردگار عالم کی پیشی میں کسی سے لاگ رکھنا ہرگز درست نہیں۔ اصلاح نفس کے عامل کا سلوک ہر شخص سے بلا تفریق رنگ و مذہب یہ ہو کہ ہم خدا کے ہیں' خدا سے اجرت مانگتے ہیں' اس سے اجرت مانگ کر خدا کے موجود ہونے کی صاف گواہی دے رہے ہیں' ہم اپنے خلق' خاکساری اور عاجزی کے زور پر ہر شخص کو اپنا نوکر نہیں خدا کا نوکر بنا کر رہیں گے' توپ' تلوار اور تفنگ کا زور ہمارے پاس قطعاً" نہیں۔ تحریک کا چلن اس طرح پر ہونا چاہئے۔ اعلان کرنے کے بعد ملک کے مختلف شہروں' قصبوں اور گاؤں میں کم سے کم مدت کے اندر ایسے دردمند اشخاص پیدا ہو جائیں جو مختلف مرکزوں میں سالار بن کر اس تحریک کو چلانے کا ارادہ کر لیں۔ ارادہ کرنے والے لوگ صحتمند اور فارغ البال ہوں' پچیس برس سے کم اور ساٹھ برس سے زیادہ عمر کے نہ ہوں' ان کی حاجتیں اس قدر کم ہوں کہ وہ ان کو خود اپنی جیب یا اپنے دست و بازو سے پورا کر سکیں۔ سوال کرنے میں انہیں شرم آئے' افکار کم ہوں اور کسی سے نفع کی امید نہ ہو۔ یہ لوگ بلا توقف تحریک کے مرکز میں جو کسی مرکزی مقام کے قریب ہو اپنے ارادہ سے اطلاع دیں۔ اطلاع دینے کے بعد دس روز انتظار کر کے اس مرکز میں ٹھہرنے کے لئے چل پڑیں۔ مرکز میں ایک جگہ ٹھہرنے کا انتظام ہو لیکن ہر ایک کا اپنا اپنا خرچ ہو اور کسی پر بوجھ نہ ہو۔ اول اول تحریک اسی جگہ پر شروع ہو۔ تحریک کو چلانے والے اصحاب سب سے پہلے خود سپاہی بن جائیں' سپاہیوں کی اطاعت' سپاہیوں کی وقت کی پابندی' سپاہیوں کی خاموشی اور سپاہیوں کا بے چون و چرا عمل سیکھیں۔ تین ہفتے سے لے کر تین

Marfat.com

ماہ تک اس مرکز میں اصلاح نفس کا علم و عمل حاصل کریں۔ دارالاقامتہ میں زندگی نہایت سادہ اور منظم ہو۔ لباس اسلامی ہو۔ کھانے مکلف نہ ہوں' پیدل چلنا ہو' دل صاف ہو' کپڑے نہایت اجلے ہوں' مکان ستھرا اور روشن ہو' مذہب پر خاموش اور اجتماعی عمل ہو' کسی کے "مذہبی عقیدے" کے متعلق ذکر نہ ہو' مذہب یا سیاست کے کسی اختلافی معاملے یا مسئلے پر بحث نہ ہو' عام خاموشی بلکہ عام خاموشی کے سوا خاموش ذکر کرو۔ فکر کا مقررہ آدھ گھنٹہ بھی صبح کے وقت ضرور ہو۔ ان سالار عاملوں کو صبح کی ضروری مصروفیت کے بعد تین گھنٹے تک ہفتہ میں چھ دن مزدوری کرنی ہو گی۔ مزدوری کے وقت سب کا لباس عام مزدوروں کا ہو گا۔ ان مزدوروں کے اوزار اور سامان عامل خود اپنے خرچ سے مہیا کریں گے۔ مزدوریاں دارالاقامتہ سے باہر عام لوگوں کے گھروں میں ہو گی۔ عامل اپنی اپنی مزدوریوں کے موقعے خود تلاش کریں گے اور اجرت اپنے پاس رکھیں گے۔ انہیں اجرتوں میں سے اپنے کھانے پینے اور کرایہ مکان کا خرچ ادا کریں گے۔ اگر سالار اس قدر اجرت پیدا نہ کر سکیں تو باقی خرچ بھی اپنی جیب سے ادا کریں گے۔ کھانے پینے کا انتظام دارالاقامتہ میں یکجا ہو گا۔ خوراک سادہ مگر نہایت عمدہ اور صحت بخش ہونی چاہئے۔ انتظام عمدہ مگر اشیاء کفایت سے لی جائیں۔ دس گیارہ بجے کے بعد چار پانچ گھنٹے تک فراغت ہے۔ سالار آپس میں مل کر تبادلہ خیالات کر سکتے ہیں لیکن عام خاموشی مدنظر ہو۔ عصر کے وقت سب سالار شہر کی جامع مسجد میں یکجا ہوں اور آپس میں دو گھنٹہ تک کھلے طور پر مشاورت ہو' وعظ اور لکچر بھی ہوں' عام گفتگو زیادہ ہو' لوگوں سے تالیف قلوب ہو' اس وقت لباس نہایت اجلا ہو۔ مرکز میں تعلیم حاصل کرنے والے سالاروں کا سب سے زیادہ اہم وقت شام کا وقت ہے۔ مغرب کی نماز سے ٹھیک دو گھنٹہ پہلے سالار مٹی کے رنگ کا خاکی کرتہ اور خاکی پاجامہ پہن کر دارالاقامتہ سے باہر نکلیں اور فوج کے سپاہیوں کی طرح قطاروں میں کھڑے ہو جائیں' پگڑی یا ٹوپی بھی اگر خاکی ہو تو اور اچھا ہے۔ صفیں بالکل سیدھی ہوں' جسم مستعد نظر آئیں' ان میں سر سے پاؤں تک زندگی ہو' دائیں ہاتھ کو ناف تک اونچا کر کے اس میں کندھے پر ٹکا ہوا زمین کھودنے والا "بیلچہ" ہو جس کا دستہ ہاتھ میں پھل آسمان کی طرف ہو۔ بیلچہ کا دستہ اور پھل دونوں نہایت صاف اور صیقل شدہ ہوں' صبح کی روزانہ خاموشی کے بعد نصف گھنٹہ تک سرخ اینٹ اور ریت سے صاف کئے جائیں' تمام سالاروں کے چہروں میں اس خاکی ہتھیار اور خاکی لباس کو زیب تن کر کے خاکساری ہی خاکساری نظر آئے' خدا سامنے ہو' اللہ کا نام بلند کرنا اور قوم کو متحد کرنا سامنے ہو' خلق سے دلوں کو مطیع کرنے کا دھیان سامنے ہو' مٹی کی طرح عاجز بن کر اپنے مغرور نفسوں کو کمزور کرنا سامنے ہو' دلوں کے اندر اس دو گھنٹے کی عبادت میں خدمت خلق کے سوا کوئی دھیان نہ ہو۔ سب سے پہلے آدھ گھنٹے تک اردو زبان میں سپاہیانہ قواعد ہو' اس کے بعد سالاروں کا سردار فوج کو کوچ کا حکم دے۔ سالار بعینہ فوج کی طرح قدم ملا کر چلیں' قد سیدھا ہو' نظریں عین سامنے ہوں' لیکن خاکی وردی کے نصب العین بلکہ **ولا تمش فی الارض مرحا○ انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا○** کی قرآنی اور ربانی حکمت کو پیش نظر رکھ کر فوج کے سپاہیوں کی طرح چھاتی میں بے اندازہ ابھار اور قدم میں متکبرانہ آواز نہ ہو۔ سالار عاملوں کا سردار عاملوں کے ساتھ قدم ملا کر چلے' شہر کے ایک محلے میں جا کر انکو کھڑا ہونے کا حکم دے۔ کھڑا ہونے کے بعد سب سالار اپنے بیلچے کندھے پر اٹھا کر مختلف گھروں میں جائیں' دروازے پر جا کر دھیمی آواز سے گھر والوں کو خدمت کے لئے کہیں' بیمار کی بیمار پرسی کریں' دوا دارو لائیں' ڈاکٹر یا حکیم بلانا ہو تو بلائیں' دوسری مناسب خدمت کریں' بوڑھی اور بے بس عورتوں کے گھروں کا سودا لائیں' لیکن ان کے مکانوں کے اندر بلا اجازت قدم نہ رکھیں' ان کی دستکاریوں کو بازار میں فروخت کریں' ان کی خانگی تکلیفوں کو رفع کریں' کسی کا مکان بن رہا ہو تو اجازت لے کر مکان کی تعمیر میں مدد دیں۔ آسودہ حال شخصوں کے پاس جا کر ان سے خدمت پوچھیں' ان کی خدمت پر نرمی سے اصرار کریں' بلکہ ان کے نوکروں کی خدمت کریں' مسافر جا رہا

Marfat.com

ہو اس کا اسباب اٹھائیں' بچہ گود میں لے لیں' مزدور بوجھ لے جا رہا ہو تو اس کا ہاتھ بٹائیں' ہر بوجھ والے کا بوجھ ہلکا کر دیں' مگر اگر تکلیف میں ہو تو اس کی تکلیف رفع کریں' اس سے ہمدردی ظاہر کریں' شہر یا گاؤں کی سڑکیں خراب ہوں تو ان کی مرمت کریں' جس جگہ پانی کھڑا رہتا ہو اس کو اونچا کریں' نالی خراب ہو تو اس کی صفائی کریں' گاؤں میں چوری کا خطرہ ہو تو حفاظتی انتظام میں حصہ لیں' کنوئیں خراب ہو جائیں تو ان کو صاف کریں' کوئی مر گیا ہو تو نماز جنازہ میں شامل ہوں' شادی ہو تو انتظام میں مدد دیں' مہمانوں کو کھانا اور پانی دیں' شادی اور مرگ کے موقع پر خود کھانے میں شامل نہ ہوں بلکہ عام طور پر کسی کے ہاں سے کچھ لینا نہ ہو' جو خدمت ہو بے غرض اور بلا اجرت ہو لیکن ان تمام امور خاص کر عورتوں سے سلوک کرنے میں اسلامی شرم و حیا اور بے غرضی کا پورا لحاظ ہو۔ سالارِ عامل عورت سے کافی فاصلے پر کھڑا ہو۔ کسی صورت میں اس کا ہاتھ عورت کے کپڑوں یا ہاتھ سے نہ چھوئے بلکہ عورت سے ضرورت سے زیادہ کوئی کلام ہی نہ ہو' الغرض دس بیس یا پچاس نہیں سینکڑوں کام موقع کو دیکھ کر ہو سکتے ہیں جو دلوں کو موہ سکتے ہیں۔ اس تمام خدمت خلق میں مسلم غیر مسلم کی خصوصیت قطعاً" نہ ہو۔ غیر مسلموں کے محلوں میں جا کر نہایت جوش اور خلوص سے خدمت کے لئے درخواست کی جائے' ان کو نہایت عزت سے مخاطب کیا جائے' جن خدمتوں سے ان کو مذہبی پرہیز نہ ہو بے دھڑک کی جائیں' سعدی علیہ الرحمتہ کا مشہور شعر "عبادت بجز خدمت خلق نیست   بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست" پڑھ کر یہ سمجھائیں کہ اسلام کے بڑے سے بڑے داناؤں نے خلقت کی خدمت کرنا ہی اللہ کی صحیح معنوں میں عبادت کہا ہے۔ نمازیں جو ہم پنجو تہ پڑھتے ہیں صرف نوکر کا پنجو تہ سلام ہیں۔ نوکری اور ملازمت الگ شے ہے' وہ صرف ہاتھ پاؤں کا عمل ہے۔ جو شخص خلقت کی خدمت کر رہا ہے اور خلقت سے اجرت کی امید نہیں رکھتا وہ خدا کا نوکر ہے' اللہ کا غلام ہے' اللہ کا غلام اور اللہ کا عابد بننا ایک شے ہیں اس لئے خلقت کی خدمت اور عبادت بھی ایک شے ہیں۔ ان کو بے خطر کہیں کہ جب سے مسلمانوں نے خدمت خلق کو چھوڑ دیا دنیا میں ذلیل ہو گئے' ان میں اخلاقی اور معاشرتی کمزوریاں آ گئیں' ان میں مساوات نہ رہی' ان میں بڑے اور چھوٹے الگ ہو گئے' ان کی فرقہ بندیاں بڑھ گئیں' انہوں نے غلط طور پر صرف نماز اور تسبیح اور گدڑی پہن کر فقیر بننے کو اللہ کی عبادت سمجھ لیا جیسا کہ اس شعر سے واضح ہے۔ وہ گوشوں میں الگ بیٹھ کر اور اللہ کے دیئے ہوئے ہاتھ پاؤں کو بیکار سمجھ کر کاہل ہو گئے' کاہل ہو کر دنیا کو لات مارنا شروع کیا' پھر ان میں تجارت اور علم نہ رہا' دولت اور حکومت نہ رہی' خدا کی نعمتوں کی صحیح قدردانی نہ رہی' وہ دنیا سے نفرت کرتے رہے لیکن دنیا ان سے بیزار ہو کر خود بھاگ گئی۔ الغرض! اس طرح کی باتوں اور بے خطر تبلیغ سے دلوں کے اندر حوصلے پیدا ہوتے ہیں' دلیریاں بڑھتی ہیں' سچ بات کہنے کا خوف نہیں رہتا' اپنے کاموں پر یقین بڑھتا ہے۔ یہی سلوک فوج' پولیس یا دفتر کے ہر ملازم سے بلالحاظ مذہب کیا جائے۔ خلوص دل سے ان کی خدمت کر کے ان پر واضح کر دیا جائے کہ اصلاح نفس کی حرکت میں سیاست سے کچھ لگاؤ نہیں' اس میں حکومت کے کسی قانون کی نافرمانی نہیں' جیل خانوں میں جانا نہیں' بلکہ صرف نفس کو مارنا اور اللہ کی نوکری اختیار کرنا مقصود ہے' صرف مسلمانوں کی ہولناک فرقہ بندیوں اور ان کی آپس میں دردناک دشمنیوں کا اللہ کی عبادت کے نرم مگر موثر ہتھیار سے قلع قمع کرنا ہے' صرف اللہ کو دل میں لا کر بکھرے ہوئے دلوں کو پھر جوڑنا ہے' مغرور اور متکبر دلوں کو پھر رام کرنا ہے' بحثوں اور لکچروں' جلسوں اور انجمنوں' رسالوں اور اخباروں' اشتہاروں اور مذہبی مناظروں سے جو کام ہرگز نہ ہو سکا بلکہ تفرقہ الٹا اور بڑھتا گیا' اس کام کو ہم مٹی کی طرح عاجز اور خاکسار بن کر مٹی کے رنگ کا لباس پہن کر اور مٹی کو کھودنے والا ہتھیار زیب تن کر کے کم سے کم مدت کے اندر درست کرنے کے دعویدار ہیں۔ اللہ صاحب نے انسان کا خمیر مٹی سے پیدا کر کے بلکہ اس کا انجام بھی مٹی میں مل کر مٹی ہو جانا کر کے فی الحقیقت یہ جتلا دیا ہے کہ کبریائی صرف اسی

Marfat.com

بے عیب اور یکتا ذات کو سجتی ہے۔ انسان اگر اس دنیا میں سرفراز اور بلند ہونا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ صرف خاکساری اختیار کرے۔

مایوسیوں کو امیدوار اور مردوں کو زندہ کرنے کا یہ مسیحائی علاج ہر حیثیت اور ہر مقام نظر سے ایک بے مثال معجزہ ہے۔ اس میں ہر قدم پر سربلندی' طاقت اور صحت کی لازوال حکمت ہے' اس میں قم باذنی کا عالم انگیز افسون اور ہمیشہ کی زندگی کا اکسیر اعظم موجود ہے۔ البتہ اصلاح نفس کے عامل جن کو خاکسار کا نہایت موزوں اور معنی خیز نام دیا گیا ہے' خدمت خلق کے موقع پر بیلچہ جیسے نہایت اوپرے اور شرم دلانے والے ہتھیار کو اٹھائیں اور اٹھا کر سپاہیوں کی طرح قواعد کریں عملی نقطہ نظر سے ایک مشکل مسئلہ معلوم ہوتا ہے اور ڈر ہے کہ اس عزیز اور مفید حرکت کو صرف اس وجہ سے زک نہ پہنچے کہ اس میں بیلچہ کو اٹھانا شامل ہے۔ اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ مسلمانوں جیسی تیس مار خاں اور مغرور قوم کے لئے بیلچے کو کندھے پر اٹھا کر سربازار چلنا باعث شرم محسوس ہو گا۔ گو مسلمان کا خمیر اکڑ اور خودداری سے بنا ہے تاہم امید ہے کہ وہ خاکی رنگ کے لباس کو قبول کر لے گا' خدا اور اسلام کو پیش نظر رکھ کر خدمت خلق میں بھی شوق سے حصہ لے گا اور بیلچے کو اٹھانا اس کی غلط عزت نفس اور غلط خودداری پر شاید ایک ضرب ثابت ہو۔

(۱۲) بیلچہ اصلاحِ نفس کی تحریک کا نہایت ضروری جز اور مسلمانوں کا مذہبی نشان ہے

بانی خاکسار تحریک حضرت علامہ المشرقیؒ بیلچے کو مذہبی نشان کے طور پر لینے کے بارے اشارات مطبوعہ ۱۹۳۱ء میں لکھتے ہیں۔

"بیلچے کے نام پر مسلمانوں کی بغاوت مجھے کچھ متعجب نہیں کرتی۔ مجھے اعتراف ہے کہ دس سال کی لگاتار سوچ بچار اور گرم خیال کے بعد بالآخر جب مسلمانوں کی اصلاح کا یہ واحد نسخہ ہاتھ آیا اور یقین ہو گیا کہ یہی نسخہ فی الحقیقت بے مثال ہے اور اسی کے اندر تمام مشکلات کا حل ہے تو میں نے اصلاح اور ترقی کے اس عجیب و غریب ہتھیار کو بازار سے خریدا' پہلے دکاندار سے بہانے سے لیا کہ مالی کو ضرورت ہے' ایک دن تک اپنی بیوی سے چھپایا' دو روز تک اپنے بچوں کے دلچسپ اور تکلیف دہ سوالات کو ٹالتا رہا' دو دن تک مکان کے زنانہ صحن میں پھولوں کو بہتر بنانے کے بہانے سے شرم کے مارے استعمال کرتا رہا' لیکن چونکہ بیلچے کی حیرت انگیز کرامتوں اور اعجاز نما قوتوں کا قائل ہو چکا تھا اس کو اٹھانے کی شرم کو پانچ دن کے اندر اندر اتار دیا' اب حیران ہوں کہ اس شرم کی بھی کیا ضرورت تھی' ہر جگہ اپنے ساتھ رکھتا ہوں' لوگوں کو فخر سے دکھاتا ہوں' بلا توقف جب مسلمانوں کی بہتری کا دھیان اور دل میں جوش آتا ہے سر راہ زمین کھودتا ہوں' لوگ جمع ہو جاتے ہیں مگر ذرا بھر نہیں شرماتا۔ تو اس نقطہ نظر سے کہ میں بیلچہ سے نسبتاً مانوس ہو گیا ہوں' ممکن ہے کہ اس کے متعلق مسلمانوں کے ابتدائی حس کا پورا اندازہ اب نہ لگا سکوں مگر میں نے یہ غیر مردانہ شرم اتار پھینک دی ہے حوصلے بلند ہیں' خون میں صاف حرکت ہے' صحت نہایت بہتر ہے' ملازمت کی جانکاہ زندگی میں روٹی کی کم فکر ہے' بے نیازی کا وہ کیف ہے کہ کبھی اس قدر تنومند نہ ہوا تھا' مسلمانوں کی اصلاح پر کامل یقین ہے۔ اب قوتِ اتحاد اور اخوت کی پری کو ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے بیلچے کے اندر زمین کو تہ و بالا کر دینے کی حکمت صاف نظر آ رہی ہے' مجھے یقین ہے کہ مشکلات کے پہاڑ اس کے آگے پانی کی طرح بہ جائیں گے' دلوں میں وہ اٹھان اور حوصلوں میں وہ ابھار پیدا ہو گا کہ سب زندہ ہو کر رہیں گے۔ مجھے اس کی نوک سے جو اندر گھس کر زمین کی کایا پلٹ دیتی ہے پیار ہے' اس کے کتابی پھل سے عشق ہے۔ ایک دن جوش محبت میں آفریدیوں کی اپنی بندوق سے محبت کے اظہار کی تقلید کر کے اس کے دستے پر ریشمی رومال باندھ دیا تھا' پھر خیال آیا کہ جہالت بلکہ بت پرستی ہے' بیلچہ اپنے جگر کو مضبوط کرنے کے لئے ہے' ارادوں کو قوی اور استقلال کو دس گنا کرنے کے لئے ہے' کبریائی کے بت کو توڑنے اور خاکساری سیکھنے کے لئے ہے' ایسے بڑے

Marfat.com

بت شکن کو بت بنا دینا ٹھیک نہیں۔ یہ خیال کہ مسلمان کا خمیر اکڑ سے ہے ایک نقطہ نظر سے یہ درست ہے۔ یہی اکڑ تمام فساد کی جڑ ہے' اسی نے مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ یہ خودداری نہیں' خودی اور خودپسندی ہے۔ اس اکڑ کو توڑنا بیلچے اور صرف بیلچے کا کام ہے' مٹی کا کام کر کے مٹی بن جانے سے ہی یہ شیطانی آگ بجھ سکتی ہے۔ میرے ذہن میں اگر اس سے بھی زیادہ انکساری پیدا کرنے والا مگر شریف اور مردانہ ہتھیار ہوتا تو میں اس کو بلا تامل اختیار کرنے کے لئے کہتا لیکن اس وقت صرف یہی ہے۔ اس کو اس تحریک سے حذف کر دیا جائے تو گویا حرکت کی روح کو ہم نے کچل دیا' اس کی پوری جان شروع میں لے لی۔ اس کو قطعاً" غیر دلچسپ اور بے تواں کر دیا' اس کی باطنی تربیت اور طاقت' اصلاح بلکہ استعداد و نظم و نسق کو نظرانداز کر دیا' اس عصا اور لکڑی کو کھو دیا جس کے سہارے یہ تمام حرکت چل کر رہے گی۔ جس قدر آسودہ حال لوگ اور قوم کے بڑے چوہدری حوصلے سے اس ہتھیار کو اٹھالیں گے جس قدر اطمینان اور ولولے سے مسلمان بیلچہ اٹھانے کی شرم کو توڑ کر خاکساری کو لوگوں کے سامنے مجسم کھڑا کر دیں گے اسی قدر یہ حرکت آگ کی طرح پھیلے گی۔ تھیٹر کے تماشے کی طرح لوگ اس میں شامل ہوں گے' عید کے میلوں کا مزا اس میں ہو گا' خاکساری کے تماشے کو دیکھنے کے لئے وہ رونق لگے گی کہ تل دھرنے کو جگہ باقی نہ رہے گی۔ صرف حوصلہ' استقلال' خاموشی اور خدا کا دھیان شرط ہے۔ میں نے بیلچہ کو سنسنی پیدا کرنے یا تماشہ پسند کرنے والے مسلمانوں کو تماشہ دکھلانے' یا کانگریس کے چرخہ کے بالمقابل ایک نیا سیاسی ہتھیار کھڑا کرنے کے لئے ہرگز پیش نہیں کیا۔ بیلچہ اور چرخہ سے زیادہ سنسنی پیدا کرنے والی ایک نہیں کئی تجویزیں ہو سکتی ہیں۔ بیلچہ میرے پیش نظر اس وقت تھا جب کہ آج سے تیئس برس پہلے بیس برس کی عمر میں انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اور چرخہ کی تحریک کا نام و نشان بھی اس وقت نہ تھا۔ میں اس وقت بھی دیکھ رہا تھا کہ انگلستان کی عظمت کی جان بیلچہ ہے۔ لوگ کوئلے اور لوہے کو انگلستان کی بڑائی کا باعث کہتے تھے' تاریخوں میں لکھا دیکھا تھا کہ انگلستان کے وزیراعظم یا چانسلر کو پارلیمنٹ میں اب اون کے بورے (وول سیک) کی بجائے کوئلے کے بورے (کول سیک) یا لوہے کے بورے (آئرن سیک) پر بیٹھنا چاہئے مگر میں کہتا تھا کہ چانسلر کے ہاتھ میں صرف بیلچہ ہونا چاہئے' اس کو کھڑا رہنا چاہئے' بیٹھنا ہرگز نہیں چاہئے۔ بیلچہ اور بیلچے کو اٹھانے والے نہ ہوتے تو کوئلہ اور لوہا بلکہ بڑائی کے تمام باقی نشان کیونکر پیدا ہوتے۔ یورپ میں مائیں اپنے بچوں کو ہمت اور محنت کا پہلا سبق اسی بیلچے کو پکڑا کر دیتی ہیں اور بیلچہ ہی درحقیقت وہ شے ہے جس کو ہاتھ میں لے کر زمین پر قبضہ کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ میں بیلچے کی شکل کو ریاضی کی کتابوں پر بناتا اس کے پھل کا رقبہ اور نوک کے زاویوں کو مختلف کر کے دیکھتا کہ کس شکل کا بیلچہ مفید ہے' زمین میں گڑے ہوئے بیلچے کی شکل کھینچ کر اور زمین کی صلاوت اور سختی کو پیش نظر رکھ کر حساب لگاتا کہ اس عجیب و غریب بیرم (لیور) میں زمین کو توڑنے کے لئے ہاتھ کی کس قدر قوت بکار ہے' ہاتھ کی قوت سے دن بھر کی انسانی قوت کا اندازہ لگاتا' زمین کے سطحی رقبہ پر مزدوروں کو دو دو گز کے فاصلے پر کھڑا کر کے حساب لگاتا کہ تمام زمین کو تین تین فٹ تک کھودنے کے لئے کتنے آدمی درکار ہوں گے۔ یونانی حکیم فیثاغورس نے کھڑا ہونے کی جگہ مانگی تھی اور دعویٰ کیا تھا کہ اگر جگہ مل جائے تو بیرم یعنی لیور وہ زبردست اوزار ہے کہ میں اس سے تمام دنیا کو دھکیل دوں گا۔ میں کہتا تھا کہ یونانی حکیم نے وہ شرط پیش کی جو ممکن نہ تھی' نہ زمین سے باہر جگہ مل سکتی ہے نہ اس کا بیرم چل سکتا ہے۔ مجھے کھڑا ہونے کی جگہ درکار نہیں' صرف ریاضی کے حساب سے اگر زمین کی تمام آبادی کے ہاتھ میں بیلچہ دے دیا جائے تو چار سو برس کے اندر اندر ایک ایک میل کی گہرائی تک سب خزانے باہر آ سکتے ہیں' روئے زمین کی کایا اس طرح پلٹی جا سکتی ہے کہ اس کو پہچاننے والا ہی کوئی نہ رہے اور ہر مزدور کے پاس سالانہ بارہ لاکھ روپیہ کی مستقل آمدنی ہو بلکہ اللہ میاں کو چار سو برس کے بعد تمام انسانی مخلوق کو کسی اور ستارے میں بسانا پڑے۔ میں

Marfat.com

اس وقت رینگلر کا امتحان پاس کر چکا تھا۔ اس لئے کسی ہم جماعت یا کسی دوسرے شخص کو میرے حسابی تحقیق کے بالمقابل دم مارنے کی مجال نہ تھی' وہ اس تخیل کو سن کر کہتے کہ تمہارا بیلچہ بہشت کی تصویر ہے۔ آزادی کی ہوا میں جو انگلستان میں تھی یہ جنون تھا لیکن ملازمت کی غلامی میں یہ سب خیالات کافور ہو گئے اور بیلچہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ بڑی مدت اور کاوش کے بعد کوئی دس برس ہوئے اس حقیقت کا طلوع ہوا کہ ہندوستان میں بیلچہ اٹھانے والے زیادہ تر مسلمان ہیں اور اسی کے اندر ان کی زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔ شاعر لوگ مسلمانوں کو لاکھ مردہ کہیں' اخبارات کی پیشانیوں پر روزانہ مرثیے لکھتے رہیں' ایک ایک مرثیے سے ایک ایک ہزار مسلمانوں کی ہمتیں روزانہ توڑیں لیکن قوم کے اندر پوری جان موجود ہے بلکہ اور قومیں زندگی اور طاقتِ عمل کے لحاظ سے ان کا پاسنگ بھی نہیں۔ اگر کچھ بگڑا ہے تو صرف مذہب اور عمل کا تخیل ان لوگوں میں بگڑا ہے جو مسلمانوں کے سردار ہیں۔ صرف اوپر کی سطح خراب ہوئی ہے اندر سے سب کچھ درست ہے۔ "تذکرہ" کے لکھنے کی بنا یہ تھی۔ مشکل سے مشکل اردو اور عربی میں اس لئے لکھا کہ صرف ہوشمند اور صاحبِ نظر پڑھ کر حقیقت کو دیکھ سکیں' جاہل کی اس کو نظر نہ لگے' دلیل اس قدر روشن اور ناقابل رد ہو کہ ہر معقول شخص اس کو قبول کرلے۔ الغرض مجھے یقین ہے کہ ایسی قوم بیلچہ اٹھانے میں کبھی عار نہ کرے گی۔ ان میں سے ایک بہت تعداد روزانہ بیلچہ اٹھا رہی ہے یا اور قطع کی محنت اور مزدوری سے پیٹ پال رہی ہے۔ سیدھی قطاروں میں کھڑا ہو کر ایک مقررہ وقت پر بیلچہ اٹھانا ایسی قوم کے لئے خون میں ایک نئی حرکت ہے' زندگی اور قوت کا نیا سامان ہے' منظم ہونے کا آسان اور پر اثر طریقہ ہے۔ میرا یقین ہے کہ شرم کرنے والے شہری مسلمان بھی جن کی ہمتوں' حوصلوں اور اخلاق کی بیخ و بنیاد انگریزی تعلیم نے قطعاً" اکھیڑ دی ہے اور جن کو اس تعلیم کے نقصان دہ نتیجوں کا کافی تجربہ ہو چکا ہے' اس حرکت میں نہایت شوق سے شامل ہو جائیں گے۔ آگے چل کر میں بتاؤں گا کہ اس تحریک میں مرکز کے سالاروں کے مزدوری کے ماسوا عام عاملوں کے لئے جو مختلف شہروں' قصبوں اور دیہات میں ہوں گے معقول کمائی روزانہ حاصل کرنے کا کس قدر سامان موجود ہو گا' وہ لوگ جو اس حرکت میں شامل ہوں گے اور پیشہ ور لوگوں کے بالمقابل کس قدر آسانی سے اپنی مزدوریاں پیدا کر سکیں گے اور پیٹ کے فکر سے خلاصی پانا بھی اس تحریک کا اہم جز ہو گا۔ لیکن ان سب باتوں سے قطع نظر شہری مسلمان بھی فطرتاً" اور عادتاً" شرم کرنے والے پیدا نہیں ہوئے وہ موقع پر سب کچھ کر گزرتے ہیں اور اسی کر گزرنے کے باعث ہنسی مخول تو درکنار کسی مقابل قوت کی پرواہ نہیں کرتے۔ ابھی چند برس کا واقعہ ہے کہ ایک مسجد کی زمین پر جو شہر میں تھی زور سے قبضہ کرنا تھا۔ سب نے بلالحاظ مرتبہ ٹوکریاں اور بیلچے اٹھا لئے' راتوں رات دو منزلہ مسجد تیار کر دی اور اگلے دن کی نمازیں اس میں پڑھیں۔ لیکن مسلمان کے لئے بیلچے کو نہ صرف عزیز بلکہ جان سے زیادہ عزیز رکھنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انسانی بہتری کے اس بہترین ہتھیار کو دنیا کے سب سے بڑے اور آخری پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے خود استعمال کیا' اپنے ہاتھ میں پکڑ کر محنت مزدوری کو ہمیشہ کے لئے اسلام میں داخل کر دیا۔ غزوۂ خندق کے موقع پر دس ہزار مسلح دشمن کے حملے کی خبر تھی۔ مسلمان لڑنے والے صرف ڈھائی ہزار تھے۔ مسلمانوں کی قلت تعداد بلکہ بعد میں مدینہ کے حلیفوں کی بدعہدیوں کے باعث خوف و ہراس ہر طرف طاری ہونا چاہئے تھا مگر مسلمان مستعد تھے' ان کا سردار' بھی مستعد تھا اور چہرے پر مایوسی اور ملال کا نشان تک نہ تھی۔ تجویز یہ تھی کہ شہر کے غیر محفوظ حصوں کے سامنے ایک گہری خندق کھودی جائے۔ کئی دنوں میں یہ خندق تین ہزار صحابہ کرامؓ کی دن رات محنت سے تیار ہوئی۔ اس خندق کو کھودنے اور اندر سے ٹوکری بھر بھر کر مٹی لے جانے میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام برابر شریک رہے' کبھی بیلچے سے زمین کھودتے' کبھی ٹوکری بھر کر اٹھا لے جاتے۔ تیاری اور حوصلوں کا یہ عالم تھا کہ دشمن کی کثرت کی پروا تک نہ تھی۔ مسلمان خدا کی دوستی کی خواہش اور موت کی تمنا میں

Marfat.com

خندق کھودتے اور کافی ہتھیار نہ ہونے کے باعث دشمن پر پھینکنے کے لئے پتھروں کے ڈھیر اس کی بغل میں جمع کرتے۔ کھودتے کھودتے ایک بڑا پتھر جو ایک چھوٹی سی پہاڑی کی مانند تھا ظاہر ہوا۔ صحابہ کرامؓ نے جس میں غالباً حیدر کرارؓ اور حضرت عمرؓ جیسے بہادر بھی شامل تھے اس پتھر کو توڑنے کی بے حد کوشش کی۔ کوشش کے بعد صحابہ کرامؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ سرورِ عالم خود موقع پر پہنچے۔ ایک بڑے بھاری بیلچہ کو ہاتھ میں لیا اور اس زور سے پتھر پر مارا کہ دو انگلی کے برابر ٹکڑا الگ ہو گیا۔ اس ضرب سے شرارہ پیدا ہوا اور ان شراروں کی روشنی میں حضرتؐ نے فرمایا کہ میری امت کو روم کی سلطنت کی کنجیاں مل گئیں۔ دوسری ضرب پر پتھر اور ٹوٹا اور شرارہ کی چمک میں فرمایا کہ ایران کی سلطنت اور کسریٰ کے محلات میری امت کے قبضے میں آ گئے۔ تیسری ضرب پر پتھر دو ٹکڑے ہو گیا اور فرمایا کہ مجھے یمن دکھلایا گیا اور وہ فتح ہو جائے گا۔ روم' ایران اور یمن پر قبضہ اس وقت فی الحقیقت دنیا کے بڑے سے بڑے حصے پر قبضہ تھا' یہ سب ملک بالاخر مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور یقیناً اسی بیلچہ کی ضرب اور محنت سے ہاتھ آئے۔ محمد فاتح کا قسطنطنیہ کی فتح کے موقع پر جہازوں کو خشکی پر چلا کر کئی میل پرے سمندر میں ڈالنے کا واقعہ مشہور تاریخی واقعہ ہے اور یقیناً بیلچے نے اس حیرت انگیز مہم میں سب سے بڑا کام کیا ہو گا۔

الغرض بیلچے کو اٹھانے کی سند مسلمان کے پاس پیغمبرؐ خدا کی طرف سے ہے' اس میں فتح و ظفر کے موجود ہونے کی شہادت ہادیٔ اسلام کی طرف سے ہے۔ اس کا تقدس بس اس قدر ہے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے اولوالعزم پیغمبرؐ نے بیلچے کو مسلمانوں کی نہایت کمزوری اور دشمن کی انتہائی قوت کے وقت خود استعمال کیا اور نہ صرف اس خاص موقع پر دشمن پر غالب آ کر دکھایا بلکہ اس کو زمین پر مار کر مسلمانوں کی آئندہ عالمگیر بادشاہت کا راز کھول دیا۔ بیلچے کی حمایت اور اس کی قدر و قیمت کے متعلق اس سے بڑی اور یقین دلانے والی دلیل میرے پاس نہیں اور یہی وجہ ہے کہ میں بیلچے کو اس حرکت کی جان بلکہ مسلمانوں کا متروک مذہبی اور قومی نشان یقین کرتا ہوں۔ بیلچہ حرکت اور عمل کا نشان ہے' اس میں انتقام کا جذبہ موجود نہیں' اس کے اندر ہر قوم کی بہتری کا راز ہے۔ یہ مسلمانوں کو کھلی تنبیہہ ہے کہ ان میں عمل باقی نہیں رہا۔ یہ امت کو یاد دہانی ہے کہ ان کی تمام طاقت کا راز محنت اور مزدوری پر ہے' یہی نبیؐ کی سنت ہے کہ تین دفعہ مار کر عالمگیر بادشاہت کی تاکید کر دی' اس میں حکومت سے چھیڑ کا عنصر نہیں' ترک موالات کا عنصر نہیں' کسی قانون کی نافرمانی نہیں' کوئی جیل خانے نہیں۔ یہ ایک خالص مردانہ ہتھیار ہے' صرف مرد اور مردانہ اخلاق والی قوم اس کو اٹھانے کی خواہش کرے گی' اس میں ہر قوم کی طرف محبت سے پیش قدمی ہے' برسوں کے روٹھے اور بگڑے ہوؤں کو خدمت اور خلق سے منانا ہے' آپ مطیع ہو کر دوسروں کو مطیع کرنا ہے' اس میں نفس کا ڈسپلن ہے' ظاہر کا نظم و نسق ہے' باطن کی تنظیم ہے' خدا اور مذہب ہے' خذوا حذرکم کی ربانی حکمت ہے' روزی پیدا کرنے کا عمدہ طریقہ بھی ہے۔ الغرض اس میں خدمت خلق ہے' عبادت خدا ہے' سنت رسولؐ ہے' قوت اور بادشاہت کا راز ہے' اس حرکت میں روپیہ کا لین دین نہیں' چندوں سے واسطہ نہیں' پلاؤ کھانے اور چائے پلانے سے کام نہیں۔ ہر شخص اپنے بوجھ اور خرچ کا خود حامل ہے۔ جو لوگ اس حرکت میں کام کریں گے اُن کی اجرت خدا کے پاس ہے' ان کی شان **لا اسئلکم علیہ من اجر** کی شان ہے۔ **ان اجری الا علی اللہ** کی شان ہے' وہ بادشاہ زمین و آسمان کے نوکر ہیں' اتنے بڑے بادشاہ کا نوکر ضرور ہے کہ روپیہ پیسہ کی حرص سے بے نیاز ہو۔ قومیں جب جب زندہ ہوئی ہیں انہیں بے اجر خدا کے مزدوروں سے زندہ ہوئی ہیں' کرائے کے نوکروں سے ہرگز نہیں ہوئیں۔ روپیہ کی ضرورت اس وقت ہو گی جب قوم متحد ہو جائے گی' جب اس کا نظم و نسق درست ہو گا' منتہا اور طرز عمل ایک ہو گا۔ نظم و نسق کی درستی کے لئے صرف خدا کے دلوں میں آنے کی ضرورت ہے' لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کی ضرورت

ہرگز نہیں۔ ممکن ہے کہ بعض جزوی ضروریات کے لئے جو اس وقت سامنے نہیں اور جو قوم کے افراد پر تقسیم نہ کی جا سکیں روپیہ کی ضرورت بعد میں ہو مگر وہ ضرورتیں مقامی اور رسمی ہیں' ان کے متحمل بھی اسی جگہ کے لوگ ہو سکتے ہیں جہاں ضرورتیں واقع ہوں لیکن روپیہ کو پیش نظر رکھ کر اس حرکت کو شروع کرنا قطعاً" درست نہیں' نہ خدا کے کام کبھی کرایہ پر چل سکتے ہیں۔ اسلامی فقہ کا مشہور مسئلہ ہے کہ درہم کے برابر چھینٹ پڑی تو کپڑا ناپاک ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ جس مقدس حرکت کا حصر روپیہ کے لین دین پر ہو وہ حرکت بھی پلید ہے اور اس کا کسی قوم میں پنپنا قطعاً" دشوار ہے۔"

(۱۳) خاکساروں اور سالاروں کے معمول کے طریق کار

سالار اپنے دفتروں کا حساب کتاب خود رکھیں۔ دفتر کا خرچ نہایت معمولی ہو' آٹھ گھنٹے مزدوری یا اور پیشہ کے لئے نکال کر باقی تمام وقت اس تحریک میں صرف ہو۔ سالار دفتر کے کاغذ' قلم' دوات' سیاہی کا خرچ اپنی جیب سے دیں' ڈاک کے محصول وغیرہ کا خرچ بھی حتی الوسع اپنے پاس سے دیں یا دست و بازو سے پیدا کریں' لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو ڈاک کے لئے ایک روپیہ ماہانہ خاکساروں سے اکٹھا کر سکتے ہیں بشرطیکہ ڈاک کا تمام خرچ نکال کر عامل کے پاس دو سو روپے سے زیادہ بچت کبھی نہ ہونے پائے ورنہ اسی نسبت سے چندہ کم کر دیں۔ سالار آسودہ حال بلکہ غنی ہونے چاہئیں' وہ اس حرکت کا اکثر بوجھ اپنے سر پر لیں اور اول سے آخر تک کفایت شعاری' خاکساری اور غریبی مدنظر رہے۔ ایک سالار کے حلقے میں پچاس ہزار مسلمان آبادی ہونی چاہئے اور سالار کا فرض ہے کہ اس پچاس ہزار آبادی میں سے ایک برس کے اندر اندر دو ہزار خاکسار پیدا کرے' جو سالار اس فرض کو پورا نہ کر سکے اس کا عمل افضل نہ سمجھا جائے گا۔ الا یہ کہ سالار کا حلقہ اثر پچاس ہزار نفوس پر مشتمل نہ ہو۔ اس صورت میں مردانہ آبادی کے پانچویں حصے کو اس حرکت میں عملاً شامل کرنا اس کا فرض ہے۔ ہر سالار کو پچاس میل کے اندر اندر باقی سب سالاروں کے ساتھ ذاتی تعلقات قائم کرنے چاہئیں' کثرت سے ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات قائم رہے' ایک دوسرے کے پاس جا کر کوئی کسی پر بوجھ نہ ہو اور تمام حرکت کا حتی الوسع یکساں رنگ اور چلن ہو۔ مرکز کے احکام کی پوری اطاعت ہر سالار پر واجب ہے بلکہ اپنے عمل کی مفصل اطلاع اکثر دینا بھی اس کے فرائض میں داخل ہے۔ خاکساروں کے فرائض یہ ہیں :۔ نماز مغرب سے پونے دو گھنٹے پہلے مقررہ وقت پر سب خاکسار خاکی لباس پہنے اور بیلچوں کو گھروں میں آدھ گھنٹہ تک خوب صیقل کر کے جمع ہوں۔ آدھ گھنٹہ تک میدان میں عام قواعد ہو۔ بیس خاکساروں پر ایک ناظم مقرر ہو اور سب ناظم اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ قواعد کے بعد سالار کے حکم پر مارچ کریں۔ مختلف محلوں میں خدمت خلق کے لئے جائیں۔ بعینہٖ اسی طرح پر خدمت کریں جس طرح کہ مرکزی دارالاقامتہ میں سالاروں کے لئے تجویز کی تھی۔ سالار اس تمام اثنا میں مختلف محلوں میں جائے اور ناظموں کو خدمت خلق کے متعلق ہدایات دے۔ تمام عمل پورے نظم و نسق سے ہو۔ خاکساروں کی روزانہ ہدایت اور تلقین کے لئے عامل کو چند منٹ روزانہ وقف کرنا چاہئیں۔ جمعہ کے دن نصف گھنٹہ کی بجائے ایک گھنٹہ عام قواعد ہو۔ بازاروں یا شہر کے مختلف حصوں میں مارچ ہو۔ خاکساروں کو سردست صرف یہ پونے دو گھنٹے خدمت روزانہ کرنا ہے لیکن اس کے بعد نماز مغرب ایک میدان میں کھڑے ہو کر ادا کرنا اس تحریک کا سب سے ضروری جز ہے۔ مختلف اسلامی فرقوں کے لوگ اگر اپنے اپنے طریق پر نماز ادا کریں تو کم از کم ان کا ایک صف میں کھڑے ہو کر نمازیں پڑھنا ضروری ہے۔ ان تمام امور کے علاوہ جو احکام خاکساروں اور سالاروں کے لئے مرکز سے نافذ ہوں ان کی پابندی بہرنوع لازمی ہے لیکن اگر شہر میں یا شہر کے نزدیک ان دو گھنٹوں کے علاوہ خدمت خلق کا کوئی موقع یا حادثہ مثلاً آگ

لگنا' مکان کا گر جانا وغیرہ وغیرہ ہو تو سالار جس وقت چاہے خاکساروں کو مدد کے لئے بلا سکتا ہے' اس وقت خاکساروں کا بلا چون و چرا حاضر ہونا فرض ہے۔ الغرض خاکساروں کی تنظیم میں ایک مستقل فن ہو گا جس کی تعلیم مرکزی دارالاقامتہ میں ہونی چاہئے۔ اس کی مزید تفصیل یہاں پر کرنا ضروری نہیں۔ سالار اس تعلیم کو پورے طور پر حاصل کر کے اپنے حلقوں میں جائیں گے۔ تاہم جو نہایت اہم بات سالار کے پیش نظر ہر وقت رہنی چاہئے یہ ہے کہ منتہائے نظر تمام قوم کو منظم کرنا ہے' سب کو ایک نقطے پر متحد کرنا ہے' سب سے جدوجہد کا مناسب حصہ اور سب کو ایک آواز پر مجبور کر دینا ہے' ایک شخص کو جو مسلمانی کا دعویدار ہے چھوڑنا نہیں۔ اس اہم مقصد کو سامنے رکھ کر سالار کی تمام کوشش اس بات میں صرف ہونی چاہئے کہ حتی الوسع ایک مسلمان بھی اس تحریک کا مخالف نہ رہنے پائے' جو شخص اپنی عمر یا کسی اور تقاضے سے اس میں عملی مدد نہیں دے سکتا ہو وہ صرف خاکی رنگ کے کپڑے پہنے' بیلچے کو ہر وقت اپنے پاس رکھے اور دل سے اس کی خوبیوں کا مقر ہو کر اخلاقی مدد دے۔ جو عملی مدد دینے کے قابل ہے اس کو عمل کے لئے تیار کیا جائے۔ اس حرکت کو درجہ کمال پر پہنچانے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ خاکساروں کے لئے روزانہ روٹی کمانے کے لئے آسانیاں پیدا کی جائیں۔ ہر گاؤں یا قصبہ میں جہاں تحریک قائم ہو جائے' سالار چھوٹے پیمانے پر ایسی دستکاریاں شروع کرے جن سے روزانہ ہر بیکار خاکسار کو کوئی نہ کوئی مزدوری ملتی رہے' سن اور مونجھ سے بان اور رسے بٹنا' سرکنڈے کے مونڈے (موڑھے) بنانا' سرکنڈے کی چکوں کا تیار کرنا' نواڑ اور رسیوں کی چٹائیوں کا بننا' کھدر بننا' تیل نکالنا' تولیہ بافی' قالین سازی وغیرہ وغیرہ۔ ایسی دستکاریاں ہیں جن کے تیار کرنے کا مصالحہ خود گاؤں میں موجود ہوتا ہے اور اکثر نہایت سستے داموں مل جاتا ہے۔ سالار عامل اگر ہوشمند اور کفایت شعار ہو تو اس تجویز پر عمل کرنے سے تھوڑے سے سرمایہ سے ایک خاکسار بھی بیکار نہیں رہ سکتا۔ مسلمانوں کی تجارت کو عظیم الشان فروغ حاصل ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ ایک معقول رقم سالانہ اس حرکت کی مدد کے لئے مستقل طور پر جمع کی جا سکتی ہے' سالار اگر اس منافع کا تیسرا یا زیادہ سے زیادہ نصف حصہ اپنی اجرت کے طور پر رکھ لے تو جائز ہے لیکن ایک ایک پیسے کا حساب موجود ہونا چاہئے اور باقی منافع کو صرف اس حرکت کی مدد کے لئے محفوظ رکھنا چاہئے۔ خاکساروں کو بیکاری سے قطعی طور پر محفوظ رکھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ علاقہ کے سرمایہ داروں میں اس حرکت کے متعلق ہمدردی کی ہوا پیدا کی جائے۔ سالار کی طرف سے عام اعلان ہو کہ مسلم اور غیر مسلم ملازمت کے وقت سب سے پہلے اس شخص کو ترجیح دیں جو خاکی لباس میں ہو' روزانہ مزدوری میں ایسے شخص کا خاص خیال کیا جائے' عام دکاندار بھی ایسے شخص سے باقی لوگوں کی نسبت عمدہ سلوک کریں' چیز دیتے وقت ان سے نفع کم لیں' چیز بہتر دیں' الغرض اگر کچھ رعایت ہو سکتی ہے کریں۔ سالار کے لئے اپنے حلقہ اثر میں ایسی ہوا پیدا کرنے کے لئے تمام ممکن سعی کرنی چاہئے اور یہی باہمی سلوک اور رواداری مسلم اور غیر مسلم کو آپس میں متحد کرنے کا باعث ہو گی۔ اسی میں حرکت کی ترقی کا راز ہے۔ تحریک کے سب علمبرداروں کو قوم کے ساتھ متحد رکھ کر قوم کی قوت کو بڑھانا مقصود ہے' الگ پارٹی یا الگ جماعت پیدا کرنا پیش نظر نہیں۔ اس بنا پر یہ امر ازبس ضروری ہے کہ قوم کے ہر طبقے اور فرقے کے لوگ اس حرکت میں شامل ہوں۔ حکومت کے ملازم' پولیس والے' فوجی سپاہی' ملازمین کے رشتہ دار' پولیس اور فوج والوں کے رشتہ دار' فوجی سپاہیوں کے عزیز و اقارب' دکاندار' تاجر' معلم' طالب علم' مزدور پیشہ' زمیندار' عالم' جاہل' مولوی' غیر مولوی' دین دار' دنیا دار الغرض کوئی طرف خالی نہ رہ جائے۔ ہر طرف سے عملی اور اخلاقی مدد پہنچتی رہے۔ الحاصل اس حرکت کو صحیح معنوں میں قوم کی حرکت بنا کر ثابت کر دیا جائے کہ قوم زندہ ہے مری نہیں۔ مسلمانوں کو اکثر اوقات یہ امر نہایت شکستہ دل کر دیتا ہے کہ وہ پڑوسی ملک کے مقابلے میں اقلیت میں ہیں اور اسی اقلیت کی وجہ سے کمزور ہیں۔ ریاضیات اور علم تعداد کی بنا پر یہ فلسفہ اور قاعدہ

Marfat.com

درست ہے۔ جمادات اور ان اشیاء میں جن کے اندر زندگی نہیں، ممکن ہے کہ یہ قاعدہ عام طور پر درست نظر آئے مگر فطرت کی ان اشیاء میں جو زندہ ہیں، یہ قاعدہ ہر جگہ درست نہیں۔ فطرت کا اولین اور اصولی تقاضا یہ ہے کہ ہر چھوٹی اور تھوڑی شے کے اندر بڑھاؤ اور نمو کی برقی قوت ہر بڑی اور پھیلی ہوئی شے کے اندر تکمیل کا ضعف اور زوال کی ناتوانی کے بسامان پیدا ہوں۔ اسلامی فلسفہ بھی اسی قانون فطرت کے مطابق ہے اور مسلمانوں کی اقلیت اور حسابی ضعف کے اندر قوت اور غلبہ کا صحیح راز دیکھتا ہے۔ مسلمان کی تعریف قرآن حکیم نے یہ کی ہے کہ اگر بیس ہوں گے تو دو سو پر غالب آ کر رہیں گے۔ اور اگر سو ہوں گے تو ایک ہزار کو پچھاڑیں گے۔ انتہائی ضعف کی حالت میں بھی اسلام ایک مسلمان کو دو دشمن کے برابر سمجھتا ہے۔ پس اگر قوم کو پھر قوی کرنا ہے تو سالار کے لئے مسلمانوں کی قلت کے اندر قوت کا صحیح راز دیکھنا اور قوم کے ہر گوشے کے اندر بالش اور نمو کی برقی قوت بھر دینا فرض عین ہے۔ سالار کا منتہا یہ ہو کہ امت کا کوئی عضو بیکار نہ رہے، فقرا اور بھک منگوں تک منظم ہو جائیں، بیکاروں میں پھر قوت آ جائے، کارندوں کی طاقت المضاعف ہو، قوت والوں میں اور بجلی بھر دی جائے۔ مسلمانوں کو اگر ایسے صحیح کارکن پھر مل گئے تو یقینی بات ہے کہ پانچ برس کے اندر اندر مسلمانوں کا بیڑا پار ہے۔

باب ہشتم

علامہ مشرقیؒ کا دنیا کے سائنس دانوں کے نام خط

Marfat.com

صلائے عام بہ ساکنان زمین !

دنیا کے ہوشمند انسانوں کو خطاب!

(ا) ہوشمند انسانوں کو جو روئے زمین کے انسانی مسائل کو بلند نظر سے دیکھنے کے لئے تیار ہیں پہلا مسئلہ جو حیران کر دیتا ہے حسب ذیل ہے۔

اربوں اور کھربوں میل کی دوریوں تک آسمانی فضا میں لاتعداد کرے موجود ہیں جن کے متعلق انتہائی کاوش کے بعد بھی اب تک انسان کو معلوم نہیں ہو سکا کہ ان میں کوئی جاندار آبادی موجود ہے یا نہیں۔ یا اگر ہے تو وہ اعصابی لحاظ سے انسان سے بہتر ہے یا کمتر۔ عقل باور نہیں کرتی کہ یہ سب ارب در ارب کرے جو زمین سے کروڑہا گنے بڑے ہیں ویران پڑے ہوں' کیا فطرت اس لاتناہی حد تک فضول خرچ ہے کہ صرف اس زمین پر فطرت کو سمجھنے والی مخلوق یعنی انسان پیدا کیا اور ذی ہوش مخلوق کسی اور جگہ نہ ہو' فطرت نے اگر ان میں انسان سے بہتر کوئی مخلوق پیدا نہ کی تو تعجب ہے اور اگر پیدا کی ہے تو وہ مخلوق کیا کر رہی ہے' کن اعضا سے مرتب ہے' کن احوال میں زندہ ہے' اس مخلوق کا ہم انسانوں سے کوئی ربط ضبط اب تک کیوں پیدا نہیں ہوا اور چونکہ پیدا نہیں ہوا اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ وہ مخلوق انسان سے ذہن میں برابر یا کمتر ہے اور اس بنا پر صرف انسان ہی اشرف المخلوقات ہے اور اس کے ذمہ اہم ترین فرض ہے کہ اس تمام لاتناہی مخلوق کو دریافت کرے بلکہ مسخر کرے لیکن حال یہ ہے کہ وہ ابھی صرف زمین ہی کی مخلوق کا کروڑواں حصہ مسخر نہیں کر سکا' نزدیک سے نزدیک ستارے کو مسخر کرنا تو درکنار رہا۔

چند ارب انسانوں کا اس زمین پر وجود صحیفہ فطرت کی بیکراں پہنائی کے مقابلے میں بہ منزلہ صفر کے ہے۔ کیا یہ ایک چھوٹی سے ایک نقطہ سے بھی کم آبادی کبھی نہ کبھی تمام صحیفہ فطرت کو مسخر کر لے گی' وہم میں نہیں آتا لیکن اگر اور کوئی مخلوق انسان سے بہتر کسی جگہ نہیں تو صحیفہ فطرت کو مسخر کرنا صرف انسان کا کام ہے اور اگر ہوشمند مخلوق کے ذریعہ سے فطرت کو دریافت اور مسخر کرنا فاطر زمین و آسمان کا منشا نہیں ہے تو پھر اس نے عظیم الشان کارخانہ کیوں پیدا کیا؟ یہ بھی باور نہیں آتا کہ یہ تمام حیرت انگیز اور مفید کائنات بے مطلب پیدا کی گئی ہے۔

ادھر انسان کی یہ حالت ہے کہ کروڑ در کروڑ انسان اپنی کشمکش حیات میں لگے ہیں۔ ان کو صحیفہ فطرت دیکھ کر کچھ تعجب نہیں ہوتا' ان کو فرض کا احساس تو الگ یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کے ذمے کوئی فرض ہے۔ ہزاروں اور لاکھوں انسانوں میں سے صرف چند ہیں جو صحیفہ فطرت کی طرف انسانی مفاد کی خاطر لگے ہیں' ان چند میں سے ہزار ہا اب تک اسی جستجو میں اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے باوجود کسی

Marfat.com

بڑی منزل تک نہیں پہنچے' چند گھومنے والی مشینیں بنا سکے ہیں جو کچھ تیز حرکت کر سکتی ہیں' لیکن صحیفہ فطرت کے کروں کی حرکت کے مقابلے میں یہ حرکت کچھ شے نہیں' یہ لوگ چند میل سے زیادہ اوپر نہیں جا سکتے' چند ہزار میل سے زیادہ دور کی آواز سن نہیں سکتے' دوربین کے ذریعے کروڑوں میل تک کچھ نہ کچھ دیکھ سکتے ہیں لیکن یہ فاصلے بھی صحیفہ فطرت کے فاصلوں کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتے' الغرض صرف چند لوگ بصیرت رکھتے ہیں باقی تمام مخلوق انسانوں کی اندھی' بہری اور گونگی ہے۔

ادھر انسان کی ایک اور حالت یہ ہے کہ مذہب' نسل' رنگ' قومیت' خواجگی' غلامی' سرمایہ داری' مزدوری' تعصب' عصبیت' جمہوریت' اشتراکیت وغیرہ وغیرہ کے لامتناہی جھگڑوں میں پھنسا ہے' جب سے اس کا ظہور اس زمین پر ہوا' لاتعداد جنگیں' بے انتہا فساد اس زمین پر برپا ہیں۔ قوم سے قوم الگ ہے اور کوئی صورت انسان کے ایک امت بن جانے کی نظر نہیں آتی تاکہ صحیفہ فطرت کو اپنی مجموعی قوت سے ہی فتح کر سکے جو وحشت اور درندگی انسان میں ہے خدا کی کسی اور مخلوق میں ہرگز نہیں اور تمام صحیفہ فطرت میں صرف انسان ہی ایک وجود ہے جو ایک جنس کا ہو کر آپس میں برسرپیکار ہے' فساد کا سب سے بڑا محرک اب بھی مذہب ہی ہے جو انسان کو ایک وحدت میں پرونے نہیں دیتا' دوسرے محرک بھی ہزاروں ہیں جو انسانی امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کی اجتماعی قوت کو ضائع کر رہے ہیں۔

(۲) دوسرا مسئلہ جو ہوشمند انسان کے لئے تعجب خیز ہے حسب ذیل ہے۔

کشمکشِ حیات جس میں انسان مبتلا ہے زیادہ تر انسان کی آپس کی جنگوں کی وجہ سے ہے' صحیفہ فطرت سے براہ راست جنگ کی وجہ سے نہیں' روئے زمین پر اب بھی انسانی خوراک اور ضروریات کے وسائل اس قدر کثرت سے ہیں کہ اگر سب انسان مل جل کر زمین کے خزانوں کو مسخر کریں اور ایک دوسری قوم کو کمزور اور مغلوب کر کے اس کو ہلاک کرنے کی کوشش نہ کریں تو موجودہ آبادی سے دس پچاس گنا آبادی بھی ایک معتدل معیار زندگی قائم رکھ سکتی ہے اگر ایک قوم (مثلاً امریکہ یا روس کی قوم جن کی آبادی بمشکل ۲۵ کروڑ ہے) دنیا میں باقی سب قوموں پر غالب آگئی تو بالاخر زور آور قوم کے دست تظلم کی وجہ سے زمین کی آبادی اور کم ہو جائے گی اور غالب قوم کی کشمکش حیات بھی اسی تناسب سے کم۔ ایسی حالت میں غالب قوم کو اپنی چھوٹی سی آبادی کو زندہ رکھنے کے لئے زیادہ آسانیاں ہو جائیں گی اور وہ غالب قوم بالاخر کاہل ہو کر ہلاکت کے نزدیک خود بخود آ پہنچے گی۔

تقاضائے فطرت یہ ہے کہ کسی جنس کی کشمکشِ حیات کثرت آبادی کی وجہ سے مجموعی طور پر اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ جنس وسائل حیات کو زیادہ عمدہ طور پر حاصل کرنے کے لئے نئی زمینوں کی تلاش کرے اور ساتھ ہی ساتھ اس میں اعضائی ارتقاء بھی پیدا ہوتا جائے جو حیات کے وسائل زیادہ عمدہ طریقہ پر فراہم کرے' ایک چھوٹی سی انسانی قوم کے باقی سب انسانی قوموں پر غالب آنے سے یہ تقاضا پیدا نہیں ہو سکتا۔ نہ اس زمین سے باہر کسی دوسری زمین کی تلاش کرنے کا ولولہ پیدا ہو سکتا ہے۔

دوسری دقت یہ ہے کہ ایک قوم کے دوسری قوموں پر غالب آ جانے سے صحیفہ فطرت کے وسائل کی تلاش بھی کم ہو جائے گی اور جس سرعت سے زمین کے تمام وسائل کو مسخر کرنے کے بعد نئی زمینوں کو مسخر کرنے کی خواہش پیدا ہو سکتی ہے وہ سرعت بھی نہ رہے گی۔

القصہ یہ کہ انسان کی آپس میں ایک دوسرے کو مغلوب کرنے کی کوشش غیر فطری ہے اور اس کا نتیجہ انسان کی نسلی ہلاکت ہے دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ انسان صحیفہ فطرت کو مسخر کرنے سے رہ جائے گا۔

Marfat.com

(۳) ان حالات میں انسان کے سامنے فطرتی طور پر حسب ذیل مسائل پیش ہو جاتے ہیں۔

انسان اس روئے زمین پر اپنی آبادی کو زیادہ سے زیادہ کثرت سے کرے تاکہ کشمکش حیات زیادہ سے زیادہ پیدا ہو' انسان آپس کے تمام تعصبات جو مذہب' رنگ و نسل وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہوئے ہوں چھوڑتا جائے' مقصد آپس میں جنگ نہ ہو بلکہ صحیفہ فطرت کے وسائل سے جنگ ہو۔ موانست بلکہ اخوت قائم کرے' جیسا کہ ادنیٰ اجناس حیوانی میں ایک جنس کے اندر ہے' صرف چند لوگ ہی نہیں بلکہ نسل انسانی کا اکثر حصہ (سو فیصدی تک) فطرت کے استعمال' دریافت اور تسخیر میں لگ جائے تاکہ نہ صرف یہ کہ زمین کے تمام وسائل ختم ہونے کو آ جائیں بلکہ پیہم عمل سے ایجادات میں انتہائی ترقی ہو تاکہ زمین سے باہر کی دوسری زمینوں پر قبضہ کرنے کے سامان پیدا ہوں' انسانی دماغ میں بحیثیت مجموعی ارتقاء پیدا ہوتا جائے اور انسان کے اعضاء بھی اسی طرح ارتقاء کریں جس طرح کہ ادنیٰ حیوانوں نے اب تک ارتقاء کیا۔

(۴) (الف) انسان کے آپس کے جھگڑوں کے مٹانے کا مسئلہ اس قدر حیرت ناک طور پر مشکل ہے کہ اس کا حل ناممکن نظر آتا ہے۔ "مذہب" کے مخمصے کے متعلق اگرچہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ ایک خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے کئی ہزار نبی بھی بدیہی طور پر الگ الگ پیغام نہیں لا سکتے یا سب جھوٹے ہیں یا اگر وہ سچے ہیں تو ان کے پیغام کو انسان نے ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث غلط لیا ہے لیکن انسان کو ابھی تک یہ بات سمجھ نہ آئی کہ یہ دلیل قطعی طور پر درست ہے' خدا کا منشا ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے بنائے ہوئے بندے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوں اور یہ زمین فساد کا گھر بن جائے' اگر انسان کسی کشمکش میں مبتلا ہو سکتا ہے تو مجموعی طور پر صرف فطرت کے خلاف ہو سکتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس نسلی' جغرافیائی' قومیت' سرمایہ داری اور مزدوری' آقائی اور غلامی کے جھگڑوں کے متعلق بنی نوع انسان کو سمجھانا کہ یہ سب غیر فطری ہیں اور انسان کی اعلیٰ ترقی یافتہ جنس کے لئے انتہائی طور پر ناموزوں' کسی ایک کانفرنس یا بڑے فلسفی کے وعظ کا کام نہیں' انتہائی ذہنی ترقی کے باوجود انسان میں بہ حیثیت مجموعی وہ تدبر ہی نہیں کہ ان مسئلوں کو سمجھ کر کوئی حل دریافت کر سکے یا کسی ایک بات پر متفق ہو سکے۔ ادھر اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ بین الاقوامی جھگڑے تو الگ رہے انسانی قومیں اپنی داخلی تنظیم میں بھی شہنشاہیت' جمہوریت' اشتراکیت یا اس قسم کے اور ڈھونگ رچا کر دراصل انسان کو انسان کی غلامی میں رکھنے کی تجویزیں کرتی رہی ہیں' ایک قوم کے اندر ہی بشر کو بشر کا پابند کرنے اور قوم کے خلاف مجموعی سازش کرنے کے کئی سامان روز بروز بنتے جاتے ہیں۔ اور وہ افراد کی آزادی میں بھی جو ادنیٰ حیوانوں میں نمایاں ہے انسانی مجتمعات میں ہرگز نہیں' مغربی طرز کی جمہوریت میں بھی جو انسانی آزادی کا ایک مکمل مظہر سمجھا جاتا ہے بالاخر چڑھ سرمایہ دار کی ہے اور غریب طبقہ کی جو ہر ملک میں اکثریت میں ہے انصافاً" کہیں حکومت قائم نہیں ہوئی' نہ سرمایہ دار اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ ملک کے سپاہی طبقہ کو جو ملک کی حفاظت کے لئے جانیں دیتا ہے' حکومت قائم ہو' ان حالات میں تمام صحیفہ کائنات اور اس کے بلند مقصد کو سامنے رکھ کر انسان سٹپٹا جاتا ہے کہ کیونکر مذہب' نسل' رنگ' جغرافیہ' قومیت' سرمایہ داری' آقائی وغیرہ کے تعصبات سے نوع انسانی کو آزاد کر کے ذہنی اور اعضائی ارتقاء کے اس بام تک پہنچا دے جس تک سب ادنیٰ حیوانات روز آفرینش سے اب تک اپنی نوعی اتحاد کے باعث پہنچتے رہے' انسان میں مگر یہ نوعی اتحاد نہ ہوا تو غالب یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانی نسل ایک دوسرے سے لڑ لڑ کر ہی نیست و نابود ہو جائے اور آفرینش کا

Marfat.com

سلسلہ جو انسان تک کروڑوں برس کے اعضائی ارتقاء سے پہنچا تھا یہیں پر ختم ہو جائے گا۔ اس تخیل کی پستی یہاں تک پہنچی ہے کہ دنیا کے بعض مشہور سائنس دان بھی اس امر کا اظہار کر رہے ہیں کہ انسانی اعضاء اور انسانی ذہن اب اس سے زیادہ مکمل تر نہیں ہو سکتے گویا وہ ارتقاء جو کروڑوں برس سے ہو رہا تھا اب آخری طور پر رک چکا ہے اور انسان کی قسمت یہ ہے کہ اپنی داخلی کشمکش حیات میں ہی ایک دوسرے کو فنا کر دے اور اس کی نسل منقطع ہو جائے۔

(ب) ہوشمند انسان کے لئے سائنس دانوں کی یہ کم نگاہی نہ صرف حد درجے تک افسوس ناک ہے بلکہ صریحاً غلط ہے کیونکہ کائنات کا یہ ناپیدا کنار سلسلہ اس امر کو گوارا کر نہیں سکتا کہ انسان جیسی ہوشمند خلقت کو کروڑوں اور اربوں برسوں کے ارتقاء کے بعد پیدا کر کے پھر اس پر ارتقاء کو ختم کر دے اور کائنات کے پیدا کرنے کی غرض و غایت ہی فنا ہو جائے۔

انسانی اعضائی ارتقا کے سلسلے میں جو بات روز روشن کی طرح واضح ہے وہ یہ ہے کہ اگر فی الحقیقت انسان نے کروڑوں اور اربوں میل دور تک کے صحیفہ فطرت کو ایک نہ ایک دن مکمل طور پر تسخیر کرنا ہے تو یہ تسخیر ان گوشت اور خون کے بنے ہوئے اعضاء سے ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ان اعضاء سے تو انسان زمین سے صرف چند میل اوپر جا کر ہی ختم ہو جاتا ہے اور نہ ستاروں میں وہ لوازماتِ حیاتِ انسانی موجود ہیں جو زمین پر ہیں اس لئے لامحالہ انسان کا اعضائی ارتقا اس قدر انقلاب انگیز ہو کر رہے گا کہ موجودہ گوشت پوست کو چھوڑ کر صرف "روح" ہی رہ جائے اور شاید یہ آنکھیں اس کو دیکھنے کے لئے بھی نہ رہیں۔

(ج) احوال فطرت کے مطالعہ سے جو طبقات زمین کی پیدائش پر غور کرنے سے جو نتیجہ نکلتا ہے صاف طور پر یہ ہے کہ اگر ادنیٰ حیوانوں کی ارتقاء سے انسان پیدا ہوا ہے تو انسان سے اور ہزارہا قسم کی برتر مخلوق کا پیدا ہونا اٹل ہے' انسان کی سمجھ اگر اس وقت اس قدر ناقص ہے کہ وہ آپس میں ہی لڑ رہا ہے تو اس سمجھ میں کافی تلخ اور ہولناک تجربوں کے بعد ترقی ضرور ہو گی حتیٰ کہ کسی باخبر انسان کی آواز یا اسی طرح کا کوئی اور بڑا واقعہ تمام دنیا کے انسانوں کو اس امر پر متفق کر کے رہے گا کہ انسان کا مقصد آپس میں لڑنا نہیں بلکہ سفلی تعصبات کو خیرباد کہہ کر صحیفہ فطرت سے جنگ کر کے بہتر نوع کی طرف ارتقاء ہے۔

۱۹۱۴ء کی عالمگیر جنگ کے بعد پچھلے تیس چالیس برس سے انسان میں یہ احساس کہ دنیا کی سب حکومتیں مل جل کر اپنے جھگڑے کے فیصلے کریں یا پچھلے دس پندرہ برس سے یہ احساس کہ تمام دنیا پر ایک حکومت ہو اس انسانی سمجھ میں ترقی کی صاف علامتیں ہیں اگرچہ اس سمجھ کی ترقی میں بھی زور آور قوموں کی بدنیتی کی جھلک روز بروز ظاہر ہو رہی ہے۔

(۵) دنیا کی حکومتوں میں جو زیادہ تر ایک دوسرے کو نیست و نابود کرنے میں لگی ہیں اور جن کی توجہ اکثر ان ہتھیاروں کے تیار کرنے کی طرف ہے جو انسان کو ہلاک کریں' اس شعور کا آ جانا کہ وہ صلح اور رواداری سے مل کر زمین پر حکومت کریں یا اپنے تعصبات اور طاقت کا کبر و غرور چھوڑ کر آپس میں ایک ہو جائیں' ابھی دائرہ عمل سے بہت دور نظر آتا ہے اور جب تک امریکہ اور روس کی باہمی عالم گیر جنگ دونوں سلطنتوں اور ان کی رفقاء حکومتوں کو کئی سالوں کے کشت و خون و کروڑوں انسانوں کی ہلاکت اور دنیا کے اکثر معاشی وسائل کی دردناک، بربادی کے بعد اس قدر کمزور نہ کر دے کہ روس اور امریکہ دونوں آنے والی عالمگیر جنگ کے بعد سچ مچ پشیمان نہ ہو

جائیں اور بالاخر اس نتیجے پر نہ پہنچیں کہ آج کل کی انسانی لڑائیوں میں فریقین کا ناقابل تلافی نقصان لازمی ہے اور اب درحقیقت نہ کوئی فریق فاتح ہو سکتا ہے نہ مفتوح' اس وقت تک نئے شعور کا پیدا ہو جانا محال ہے' لیکن یہ واقعہ تبھی ہو سکتا ہے کہ دنیا کی اکثر آبادی لڑ مر کر ہلاکت کے کنارے تک پہنچ چکی ہو گی اور اس وقت تک اس شعور کا انسان کے دماغ میں آ جانا کچھ نفع مند نہ ہو گا۔

(۶) (الف) پچھلی کئی صدیوں میں ایک دوسرا فعل جو انسان نے انسان سے لڑنے کے متعلق نمایاں طور پر کیا ہے۔ وہ سرمایہ اندوزی اور بالاخر سیاست کے میدان میں اس کی چڑھ ہے۔ یورپ اور امریکہ کی خانہ ساز جمہوریت اور نیا اشتراکی فریب دونوں اس جرم کے مجرم ہیں۔ اشتراکیت تو جمہوریت سے بڑھ کر انتہائی قسم کی سرمایہ داری ہے جو تمام رعیت کی ملکیت کو ایک جگہ جمع کر دیتی ہے اور امریکہ کی سرمایہ داری سے بھی زیادہ عالمگیر جنگوں کی جارحانہ کاروائی میں مصروف ہے' اشتراکیت کا جمہور کو نیا فریب کہ اس میں مزدور کی چڑھ ہے ایک حیرت انگیز فریب ہے کیونکہ یہ دراصل انتہائی سرمایہ داری کی طرف سے مزدور کی چڑھ نہیں بلکہ مزدور کی انتہائی طور پر غلامانہ تنظیم اور بالاخر انسان کی انفرادیت کو کچل دینا ہے۔ القصہ اس وقت انسان جس ہولناک نئی غلطی میں مبتلا ہے وہ سرمایہ داری کا غلبہ ہے اور یہ سرمایہ داری کا غلبہ انسانوں کو آئے دن کی عالمگیر جنگوں میں مبتلا کر کے بڑے پیمانے پر ہلاک کرنے کا زبردست آلہ ہے۔

(ب) پورے غور سے اگر دیکھا جائے تو زر اگرچہ دنیا کے باشندوں کو آسائش کے سامان پہنچانے کا زبردست ہتھیار ہے اور مزدور طبقہ اگرچہ آسائش اور ترقی کے سامان تیار کرنے کا واحد وسیلہ ہے لیکن سرمایہ دار اور مزدور دونوں طبقے انسانی تمدن اور تہذیب کی جڑ نہیں۔ سرمایہ دار صرف اپنا جمع کیا ہوا روپیہ بڑے پیمانے پر صرف کرتا ہے اور انسانی تمدن کی آسائشوں کا خام سامان اس روپیہ سے خریدتا ہے' مزدور صرف اپنے ہاتھ پاؤں کے زور سے اس سامان کو کسی دوسرے شخص کی ہدایت کے مطابق تیار کر دیتا ہے' دنیا کے باشندوں کو آرام و آسائش یا ترقی کے سامان پہنچانے میں اس سے زیادہ دخل سرمایہ دار اور مزدور کو ہرگز نہیں' دوسرے لفظوں میں یہ کہ سرمایہ دار اور مزدور دونوں کسی تیسرے شخص کے آلہ کار ہیں' ان دونوں میں کسی آرام دہ شے کے سامان فراہم کرنے یا اس کو تیار کرنے کی طاقت ضرور ہے لیکن دونوں میں اس شے کو ایجاد کرنے کا دماغ موجود نہیں اور جب تک وہ ایجاد نہ ہو سرمایہ دار اور مزدور دونوں بیکار شے ہیں اور دنیا ایک قدم اس ایجاد کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔

(۷) پس اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا کی ترقی اور تمدن کا سب سے بڑا باعث' بلکہ واحد باعث وہ عالم فطرت ہے جو فطرت کا مطالعہ کر کے روز آفرینش سے نئی ایجادیں کر رہا ہے اور جس کے دم سے دنیا کو مسلسل آرام پہنچ رہا ہے۔ اس شخص کا ذہن عوام الناس کے مقابلے میں اس قدر روشن اور رسا ہے کہ وہ فطرت کی بے جان اشیاء کو لے کر اور ان کو آپس میں اپنی ترکیب سے ملا ملا کر وہ چیزیں پیدا کر رہا ہے جو انسان کی راحت اور آرام کا باعث ہیں۔ جب تک اس کی وضع کی ہوئی کوئی شے منظر عام پر نہ آ جائے' زر اور مزدور قطعاً" بیکار ہیں۔ اسی کی پیدا کی ہوئی کسی شے کے فائدے زر کی حرکت کے باعث ہیں اور یہی فائدے مزدور کے بازوؤں کو حرکت میں لاتے ہیں' اس نقطہ نظر سے روئے زمین پر عالم فطرت ہی سب سے زیادہ اہم وجود ہے اور زر اور مزدور اس کے صرف دو کارندے ہیں جو ہر لحاظ سے اپنی حیثیت میں اس سے بدرجہا ادنیٰ تر ہیں۔

لیکن حیرت ہے کہ انسان نے اپنے مکر و فریب سے عالم فطرت کو ہمیشہ سے وہ حیثیت دی ہے کہ وہ دنیا کی ہلاکت انگیز اور جہال

Marfat.com

آشوب سیاست میں کسی شمار میں نہیں آتا۔ وہ سرمایہ دار کا ایک ادنیٰ ملازم ہے' اپنی انقلاب انگیز اور جہاں آراء ایجادوں کو روز بروز پیدا کرنے کے باوجود اس کے سامنے دم بخود ہے۔ اپنے معمل کے گوشوں میں عاجزوں اور یتیموں کی طرح بیٹھا ہے اور اپنے سیاسی سرمایہ دار کو اپنا رازق سمجھ کر اپنے افعال کو اس کی سیاست کے تابع سمجھتا ہے۔ ایٹم بم جیسی طاقتور شے کو اپنے زور دماغ سے ایجاد کر کے یتیموں کی طرح اس کو سیاسی درندوں کے سپرد کر دیتا ہے' غلامی کے اس عجز پرور ماحول میں اس کو شعور نہیں رہا کہ دنیا اس کے بل پر قائم ہے اور اگر وہ نہ ہو تو دنیا کا ایک ایک گوشہ ظلمت اور جہالت میں پھنس جائے' احساس کمتری نے اس کا مرتبہ مزدور کے برابر کر دیا ہے اور سرمایہ دار اس کو مزدور سے بہتر سمجھنے سے جھجکتا ہے اور گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کو مرتبہ دیا جائے جس کا وہ صاف اور منطقی طور پر حقدار ہے۔

(۸) انسانی مسئلوں کے ان پیچیدہ حالات میں ہوشمند انسان کے شعور کا حسب ذیل امور کی طرف منتقل ہونا فطری ہے۔

(اول) صحیفہ فطرت اس کائنات میں واحد حقیقت ہے۔ اس کے سوا جو کچھ انسان نے ازخود پیدا کیا ظن ہے' علم کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا' اس صحیفہ فطرت کا عالم اپنی ایجادوں کے باعث انسانوں میں بہترین ذہن کا مالک ہے اور اسی بہترین ذہن کے مالک ہونے کی وجہ سے صحیفہ کائنات کے پیدا ہونے کے مقصد کو اور انسانوں سے بہتر سمجھ سکتا ہے۔ عالم فطرت ہی اس نتیجہ پر بہتر ساز و سامان اور دلائل کے ساتھ پہنچ سکتا ہے کہ بنی نوع انسان کو اس زمین پر کس طریقے سے چلنا چاہئے تاکہ فطرت کا مقصد پورا ہو' الغرض (باوجود اس کے کہ عالم فطرت کی حیثیت موجودہ دنیا میں غلام سے زیادہ کی نہیں) عالم فطرت ہی انسان کی سیاست کو بہ حیثیت مجموعی سمجھنے کا اہل ہے۔ سیاسی لوگ جو اس وقت دنیا کو چلا رہے ہیں فطرت سے نابلد ہونے کی وجہ سے اس کو غیر فطرتی بنیادوں پر چلا کر اپنے انتہائی محدود ذاتی اغراض کو پورا کر رہے ہیں' فطرت کے مقصد کو پورا نہیں کرتے۔ ادنیٰ حیوانی جنسیں انشاء آفرینش سے اب تک فطرت کے مقصد کو اس لئے پورا کرتی آئی ہیں کہ ان میں فہم و ادراک کا امتیازی وصف نہ تھا' وہ جو کچھ ان کو فطرت نے سکھلا دیا' اس میں بے سوچے سمجھے چلتی گئیں اور فطری تقاضا کے باعث ہی ارتقاء کرتی گئیں یا مٹتی گئیں لیکن انسان فہم و ادراک کا حامل ہونے کے باعث اپنی مرضی سے بنی نوع انسان کو جدھر چاہتا ہے لے چلتا ہے' فطرت کے بنیادی قاعدوں کا پابند رہنا اور انسان کو تقاضائے فطرت کے مطابق اس کو چلانا گوارا ہی نہیں بلکہ اس کے زعم میں اس کی توہین ہے' ان حالات میں عالم فطرت ہی وہ وجود ہے جو بنی نوع انسان کو ایسی راہ پر چلا سکتا ہے جو اس نوع کی مجموعی بہبودی کا باعث ہو۔ ادھر عالم فطرت ہی وہ وجود ہے جس کی قوت فکر اور وسعت نظر بہ باعث اس کی حیران کن ایجادوں کے عام انسانوں میں نہ صرف لائق احترام ہو سکتی ہے بلکہ اس کا موجودہ خود غرض سیاست دانوں کے مقابلے میں بدرجہا صحیح تر نظریوں کا حامل ہونا لازمی ہے۔ عالم فطرت ہی وہ وجود ہے جس کو فی الحقیقت کسی خاص مذہب کا تعصب نہیں' وہ عقیدۃ" نہ عیسائی ہے' نہ موسوی' نہ محمدی"۔ وہی ہے جس کو تمام انسانی مخلوق بلا لحاظ رنگ و نسل ایک نظر آتی ہے' وہی ہے جو مزدوری اور سرمایہ داری کے جھگڑوں کو وسیع نقطہ نظر سے نبٹ کر دنیا میں ان کا صحیح مقام مقرر کر سکتا ہے یا ان میں صحیح توازن پیدا کر سکتا ہے۔ وہی ہے جس کے نزدیک اس دنیا میں نہ کوئی خواجہ ہے نہ آقا۔ وہی ہے جو انسانی ترقی کے کسی مرحلے پر انسان کو یک زبان ہو کر بحیثیت مجموعی تنبیہہ دے سکتا ہے کہ انسان صحیح چل رہا ہے یا غلط چل رہا ہے' اسی کی ایجادوں اور صنعتوں کا استعمال تمام دنیا یک زبان ہو کر

Marfat.com

روز اول سے کر رہی ہے' اسی کے فطرت کے متعلق افکار اور نظریات کو دنیا ہمیشہ سے صحیح سمجھتی چلی آئی ہے اور فی الحقیقت اسی کا پیدا کیا ہوا علم وہ علم ہے جس پر تمام دنیا بے چون و چرا متفق ہے اور اس کو دم مارنے کی مجال نہیں۔

(دوئم) عالم کی اس بے اندازہ برتری اور فوقیت کی وجہ سے ہی عالم کا مقام ہے کہ وہ انسان پر علمی اور ذہنی حکومت کے علاوہ سیاسی حکومت بھی کرے اور ہر سچائی کے معاملے میں دنیا کے تمام عالموں کے داخلی اتحاد اور یکجہتی کی وجہ سے بنی نوع انسان کو بہ حیثیت مجموعی ان راہوں پر چلاتا جائے جو فطرت کا تقاضا ہے۔

(سوئم) عالم کی حکومت ہی سرمایہ داری کے ناروا زور کو جو "جمہوری" طرز کے ملکوں میں غریب کے ووٹوں کو خرید کر زر کی حکومت پیدا کر رہی ہے' فنا کر کے کسی معتدل سطح پر لا سکتی ہے' کیونکہ عالم کے علم کے مقابل زر کی اہمیت اس قدر نہیں جس قدر کہ اب ہے۔

(چہارم) عالم کی حکومت ہی (چونکہ وہ خود مزدور ہے اور غریب طبقے سے اس کا فطری تعلق ہے) مزدور اور غریب طبقے کی اکثریت کو مد نظر رکھ کر' جمہوریت کی سچی روح یعنی نہ صرف غریب کی حکومت قائم کر سکتی ہے بلکہ مزدور اور غریب طبقے کو زر کی حکومت سے آزاد کر کے نسل انسانی کے بڑے سے بڑے حصے کو فطری طور پر آزاد کر سکتی ہے۔

(۹) ان بناؤں پر زمین کے الجھے ہوئے انسانی مسئلوں کا فطری حل جو کسی ہوشمند انسان کے دماغ میں آ سکتا ہے حسب ذیل ہے:

(اول) ہر ملک میں انسانی آبادی کو دو طبقوں یعنی امیر اور غریب میں اس طرح پر تقسیم کر دیا جائے کہ غریب کے طبقے کا نمائندہ امیر اور امیر کے طبقے کا نمائندہ غریب نہ ہو سکے اور چونکہ غریب ہر ملک میں بے انتہا زیادہ کثرت سے ہیں غریب کی حکومت بلحاظ تناسب آبادی قائم کی جائے۔

(دوئم) غریب طبقے میں سے عالم فطرت کو ہر ملک میں نمائندگی دیئے جانے کا انتظام اس طریقے سے کیا جائے کہ سوائے عالم کے کوئی دوسرا شخص منتخب نہ ہو سکے۔

(سوئم) صرف چند عالم ملکوں کے سیاسی نمائندے ہوں جو اور امور کے علاوہ تلاش صحیفہ فطرت کی عام ہوا پیدا کریں' باقی بدستور اپنی ایجاد اور تلاش میں مصروف رہیں' ہر ملک کا سرکردہ محض انتہائی طور پر وسیع نظر اور مشہور عالم ہو جو اپنے مدۃ العمر تجربہ کے بعد ملک کو فطرت کی راہ پر چلائے۔

(چہارم) تمام ملکوں کے سرکردہ عالم حکمران متحدہ طور پر انسانی جنگوں کو بند کریں' مذہبوں کو جو انسان نے آپس میں جنگ کر

Marfat.com

کے ڈھونگ بنائے ہیں ختم کر کے "فطرت کے مشترک مذہب" کا اعلان کریں جو سب بنی نوع انسان کو قبول ہو' نسل اور رنگ کے بے ہودہ تفرقوں کو مٹائیں۔ سرمایہ کو اس کا مناسب مقام دیں۔ مزدور اور غریب کی سچی خوشحالی کے قواعد وضع کریں' انسان کے غریب اور مزدور طبقے کو مجموعی طور پر زمین کی بہتری کے لئے استعمال کریں۔ زمین کے وسائل کے متحدہ استعمال اور فطرت کی تسخیر کے متحدہ منصوبے بنائیں تاکہ انسان متحدہ طور پر آگے بڑھنے کے قابل ہو۔

(پنجم) اگر ضرورت لاحق ہو تو تمام روئے زمین پر ایک حکومت قائم کی جائے جو نسل انسانی کو ایک راہ پر چلائے۔

(ششم) وسائل زمین کو زیادہ موثر طریقوں پر استعمال کرنے کے منصوبے اور طریقے متحدہ طور پر وضع کئے جائیں۔

(ہفتم) موجودہ علم چونکہ زیادہ تر صرف بے جان اشیاء کی تحقیق و تلاش ہے اور زندگی کے راز کو انسان نے اب تک دریافت نہیں کیا' اس لئے علمائے فطرت کا یہ زمینی گروہ اس علم کو ناقص گردان کر اس سے بہتر علم کی راہ دریافت کرے اور صحیفہ فطرت کو زیادہ مکمل طور پر جاننے کے لئے علم کی بنیادیں وسیع کی جائیں بلکہ فطرت کی زندہ اشیاء کی ماہیت کو سمجھنے کے لئے پیائش کی نئی فطری اکائیاں وضع کی جائیں جو موجودہ اکائیوں اور بنیادوں سے قطعی طور پر مختلف ہوں۔

(ہشتم) عالمان فطرت پیدائش کائنات کا کوئی متفقہ مقصد قرار دے کر بنی نوع انسان کو اس مقصد کی طرف لگا دیں تاکہ تمام نسل انسانی کسی نصب العین تک پہنچ سکے اور پھر بالآخر اس مقصد تک پہنچنے کے لئے انسان میں کوئی اعضائی ارتقاء خود بخود پیدا ہو یا علما اپنے اعضاء پر مجاہدے کر کے اس ارتقاء کو قریب تر لائیں۔

(نہم) تمام کائنات کی تسخیر کو انسان کا واحد منتہا سمجھ کر انسان کو اس کے لئے تیار کیا جائے اور موجودہ علم کی توسیع ان خطوط پر کر کے نسل انسانی کی سعی کو اس کے مطابق کیا جائے۔

(دہم) بالآخر یہ کہ علم کی اس عظیم الشان اور انقلاب انگیز حکومت کے سائے میں نسل انسانی کو منشائے فطرت کے اس قدر تابع اور انسانی سعی و عمل کو اس حد تک وسیع اور نتیجہ خیز کیا جائے کہ صحیفہ فطرت کی ان بیکراں پہنائیوں میں تلاش فاطر السموات کا مسئلہ اس قدر ہیجان انگیز اور قریب الحل ہوتا جائے کہ ہزاروں اور لاکھوں برس کی زہرہ گداز اور جانکاہ کشمکش کے بعد منشائے فطرت پورا اور انسان کی خدا سے ملاقات پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔

کیا ہوشمند انسانوں کا کوئی گروہ کائنات کے اس لازوال ہنگامے کو جو لاکھوں اور کروڑوں برس سے رونما ہے' فکر و دانش کے ان فطری اور نتیجہ خیز خطوط پر چلا کر انسان کو راہ راست پر لا سکتا ہے؟

کیا لکھوکھا سال کی نادانی اور بے ہوشی کے بعد آج ہر ملک اور خطے میں ایسے دانشور انسان پیدا ہو سکتے ہیں جو کائنات کی پیدائش

Marfat.com

کے اس مقصد کو پا کر دیوانہ وار اس سعی میں لگ جائیں کہ انسانوں کی مخلوق کو اس بھید سے آشنا کر کے ان میں اس مقصد کو حاصل کرنے کی عالم آراء اور لازوال تڑپ پیدا کر دیں۔

Marfat.com